معدن المعانی

ملفوظات

سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسی قدس سرہٗ العزیز

ترجمہ

حضرت سید شاہ قسیم الدین احمد شرفی البلخی الفردوسی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتقدیم نو

حضرت سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی

سجادہ نشین حضرت مخدوم جہاں قدس سرہ

مکتبۂ شرف، خانقاہ مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، بہار شریف، نالندا، بہار

معدن المعانی

ملفوظات

سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ العزیز

ترجمہ

حضرت سید شاہ قسیم الدین احمد شرفی البلخی الفردوسی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وتقدیم نو

حضرت سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی

سجادہ نشیں حضرت مخدوم جہاں قدس سرہ

ناشر

مکتبۂ شرف، خانقاہ معظم حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری

بہار شریف، نالندا، بہار (انڈیا)

یہ کتاب بہار اردو اکادمی، پٹنہ کے مالی تعاون سے شائع ہورہی ہے

نام کتاب	:	معدن المعانی
ملفوظات	:	حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری
مترجم	:	سید شاہ قسیم الدین احمد شرفی البلخی الفردوسی مدظلہ
ترتیب وتقدیم نو	:	جناب سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی، زیب سجادہ خانقاہ معظم
ناشر	:	مکتبۂ شرف، خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندہ
اشاعت اوّل	:	۱۹۸۵ء
اشاعت دوم	:	۲۰۱۱ء
صفحات	:	۶۵۶
کمپوزنگ	:	منعمی کمپیوٹر، احمد مارکیٹ، دریاپور، لنگرٹولی چوراہا، پٹنہ-۴
طباعت	:	پارس پبلی کیشن، حاجی پور، ویشالی
تعداد	:	۲۰۰۰
قیمت	:	۳۰۰ روپے

MA'DANUL MA'ANI

By

Sultanul Muhaqqeqin Hazrat Makhdoome Jahan

Shaikh Sharafuddin Ahmad Yahya Maneri

ملنے کے پتے :

★ مکتبۂ شرف، خانقاہ معظم حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری

بہار شریف، نالندا، بہار (انڈیا)

Mob. 9334813363, 9608720661 email: makhdoomejahan@gmail.com

فہرست



مقدمہ

معدن المعانی حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ المتوفی ۷۸۲ھ کے گراں قدر ملفوظات کا مجموعہ ہے، اس کے جامع و مرتب زین بدر عربی ہیں، اس مجموعہ ملفوظات کی حیثیت ایک مستقل کتاب کی ہے کیونکہ اس کو بذات خود مخدوم جہاں نے مکمل حرف بہ حرف پڑھ کر اور شروع سے آخر تک اصلاح کی غرض سے سن کر کے جو کمی تھی اسے پایۂ اتمام تک پہنچایا جیسا کہ خود مرتب زین بدر عربی نے ان حقائق کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے:

"بندہ بیچارہ را باجابت مقرون گردانید تا من اولہ الی آخرہ باحتیاط درنگہ گذشت سبقاً بعد سبق، کلمۃً بعد کلمۃ وحرفا بعد حرفٍ قرأت کرد، و چند جا کہ بیچارہ (مرتب) را سہوے رفتہ بود بلطف اصلاح فرمود، و حکایتے و مقالے مناسب تقریر و بیتے و رباعی مناسب تحریر فرمود"۔

مذکورہ بیان سے معلوم ہوا کہ اس ملفوظ کی حیثیت دوسرے عام ملفوظات جیسی نہیں ہے بلکہ ایک مستقل تالیف کی سی ہے اور ایک مرتب اور مربوط کتاب ہے جو ترسٹھ ابواب پر مشتمل ہے یہ کتاب پہلی مرتبہ شیخ نعمت علی کے اہتمام سے مولوی عبدالقادر فردوسی کی کوشش سے ۲۱ر جمادی الآخری ۱۳۰۳ھ میں بہار شریف کے مطبع شرف سے طبع ہو کر منظر عام پر آئی تھی یہ فارسی زبان میں دو حصوں میں تھی اور پانچ سو صفحات پر محیط تھی اس فارسی متن والی کتاب معدن المعانی کے دونوں حصوں میں سے پہلے حصہ کے نو ابواب کا ترجمہ سید شاہ محمد شفیعؒ نے اور بقیہ چون ابواب کا ترجمہ ہمارے بزرگ سید شاہ حکیم قسیم الدین احمد شرفی بلخی فردوسیؒ نے کیا جس کی طباعت ۱۹۸۵ء میں خانقاہ معظم سے ہوئی پھر یہ کتاب مقبول عام و خاص ہو کر ختم ہوگئی اور چند نسخے خاص خاص لوگوں کے پاس اس کے رہ گئے تھے چنانچہ اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر راقم الحروف نے اس کتاب کو نئی ترتیب و تصحیح کے ساتھ کمپیوٹر کے ذریعہ اچھے خوش خط میں چھپانے کی کوشش کی اور اسے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لیے تقریباً چھ سو تیرانوے ذیلی عناوین موضوعات کے اعتبار سے قائم کیے تا کہ مطالعہ کرنے والے یا کسی خاص موضوع کی تلاش و جستجو

کر کے پڑھنے والے کے لیے آسانی ہو۔ ذیلی عناوین کے اضافہ نے اس ملفوظ کی قدر و قیمت میں مزید حسن اور گل کاری پیدا کر دی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس ملفوظ کی اردو کتابت میں جو کمی، جملوں میں جو سکتے، اجمال اور اغلاق اور عربی سے اردو ترجمہ میں نقص یا ترجمہ میں کتابت کی غلطی رہ گئی تھی سب کو صاحب کتابت کے متن کی روشنی میں چست اور درست کرنے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں کافی محنت اور دیدہ ریزی کے ساتھ معدن المعانی کو حرف بہ حرف، کلمہ بہ کلمہ بلکہ ساری کتاب کے جملہ مضامین کو بار بار پڑھ کر اصلاح کرنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی اس کے باوجود بھی ممکن ہے کہ کوئی سہو، خطا، بھول، چوک، کتابت یا پروف ریڈنگ میں ہوگئی ہو تو اس کی طرف متوجہ اور مطلع فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائیں اور ہم دعاء گو ہیں اپنے رفیق کار ڈاکٹر محمد کفیل احمد ندوی کے لیے جنہوں نے عربی عبارتوں کے ترجمے و تحقیق اور کتابت کی پروف ریڈنگ اور عناوین کے موضوع بہ موضوع مرتب کرنے میں شب و روز بھرپور جدوجہد کی اور میرا بھرپور ساتھ دیا۔ اسی طرح ہم مشکور ہیں جناب احمد بدر، شعبۂ اردو کریم سٹی کالج، جمشید پور اور سید شہاب احمد منعمی (منعمی کمپیوٹر)، کے جنہوں نے نہایت ہی قلیل وقت میں بڑے خلوص و محبت کے ساتھ کمپوزنگ کی عظیم خدمت بڑی خوبی کے ساتھ انجام دی اور سب سے بڑھ کر ہم ممنون ہیں بھائی سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی، سجادہ نشیں خانقاہ منعمیہ، میتن گھاٹ، پٹنہ سیٹی کے جنہوں نے ہر ہر قدم پر نہایت قیمتی مشوروں سے نوازا اور کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ فرمایا۔ جزاهم الله خيرا واعطاهم عافية۔

یہ کتاب معدن المعانی طباعت سے آراستہ ہو کر اب آپ کے ہاتھوں میں ہے پہلے ایڈیشن کے مقابلہ یہ تازہ دوسرا ایڈیشن نہایت دیدہ زیب ہے، اس وجہ کر اس کی اہمیت و افادیت اور بڑھ گئی ہے اور مطالعہ کرنے والے کے لیے کئی اعتبار سے فرحت و مسرت کا باعث بن گئی یہ اور کتاب کے اندر سے دلچسپی کے مطابق یا اپنی تحقیق یا استدلال کے لیے کسی عنوان یا موضوع یا اہم مسئلہ کو نکالنا ہو تو اب کوئی مشکل نہیں ہے۔

حضرت مخدوم جہاں نے اس کتاب میں نہایت اہم سے اہم، پیچیدہ سے پیچیدہ اور مشکل سے مشکل سوالات کے جوابات نہایت مدلل انداز، واضح اسلوب اور تشفی بخش طریقے پر دیئے ہیں اور سارے جوابات حوالے کے ساتھ دیئے ہیں اگر معدن المعانی کے طرز استدلال کا جائزہ لیا جائے اور حضرت مخدومؒ کے مطالعہ اور تحقیق سے متعلق کثیر حوالہ جات کو اگر جمع کیا جائے تو اس کی تعداد تقریباً چالیس کتابوں تک پہنچ جائے گی اور مخدوم جہاںؒ کی تحقیق اور حوالہ میں مذکور کتابیں بہت سارے علوم و

فنون مثلاً تفسیر، اصول تفسیر، فقہ، اصول فقہ حدیث، اصول حدیث، علوم اسرار، علم احسان وتصوف، فلسفہ، عقائد وغیرہ سے متعلق ہیں۔

حضرت مخدوم جہاںؒ نے معدن المعانی میں بعض اہم مسائل مثلاً وحدانیت، ایمان و یقین ارکان اربعہ، معرفتِ ذات و صفات، علوم شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت، متشابہات، جبر وقدر، حقیقت انسانیت روح، دل، نفس کے معانی ومطالب، راہ سلوک، مراقبہ، تفکر محاسبہ، خوف ورجا، سعادت و شقاوت، مشاہدۂ حق، تجلیات ربانی، عشق الٰہی مجاہدات وریاضات نفس، اوراد، وظائف، اذکار، ارادت کے طریقے، مرشد کے اداب، امر معرف، نہی منکر، معصیت، شیطانی مکر وفریب، حرام، مکروہات، نخوت وتکبر سے گریز وپرہیز، نفس کے احتساب، شطحیات کی شرعی حیثیت، مشکل آیات کی تفسیر، اداب تلاوت، احادیث رسول اکرم ﷺ اور علوم حدیث کے اہم اہم مصطلحات پر محدثانہ گفتگو، صحیح، ضعیف اور موضوع حدیثوں کے درمیان وجہ امتیاز، سیرت النبی ﷺ کے مختلف حسین اور قابل تقلید پہلو، سیرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، سیرت ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن، سیرت اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم، خواب کے اچھے اچھے تعبیرات، حیات وممات، خاتمہ بالشر اور خاتمہ بالخیر کے بارے میں مفید افادات وغیرہ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے، یہ کتاب اس لیے بھی بہت پُر لطف اور دلچسپ ہوگئی ہے کہ حضرت مخدوم جہاں نے جابجا مزیدار واقعات، حکایات، مثنوی، رباعی اور موضوع سے متعلق اشعار سے مزین فرما کر اس ملفوظ میں چار چاند لگا دیا ہے۔

حضرت مخدوم نے اس کتاب میں بہت سارے قیمتی حوالے، مراجع اور مآخذ پیش کئے ہیں مثلاً (۱) روح الارواح (۲) ترغیب الصلاۃ (۳) سراج العارفین (۴) بزودی (۵) تاویلات مولانا فخر الدین رازی (۶) الہیات (۷) مکتوبات قاضی حمید الدین ناگوری (۸) شرح تعرف (۹) زبدہ عین القضاۃ (۱۰) تفسیر واثم (۱۱) فتاویٰ کبیری (۱۲) فتاویٰ ظہیری (۱۳) کلمات قدسیہ (۱۴) مرصاد العباد (۱۵) بوستان فقیہ ابو اللیث (۱۶) ریاحین (۱۷) اخیار (۱۸) لوامع (۱۹) کنز المسائل (۲۰) کافی (۲۱) قصص الانبیاء، (۲۲) ملفوظ الفقہ (۲۳) عالم ومتعلم (۲۴) وصیت شیخ الشیوخ (۲۵) قوت القلوب (۲۶) ہدایہ (۲۷) بدایہ (۲۸) تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی (۲۹) کیمیائے سعادت (۳۰) احیاء العلوم (۳۱) مکتوبات عین القضاہ ہمدانی (۳۲) عوارف المعارف (۳۳) تذکرۃ الاولیا (۳۴) غرایۃ التفسیر (۳۵) کشف المحجوب (۳۶) ملخص احیاء العلوم (۳۷) مثنوی مولانا روم (۳۸) اصول الشاسی وغیرہ۔ ان حوالے، مآخذ اور مراجع کو تفصیل سے ذکر کرنے کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ معدن المعانی مذکورہ بالا کتابوں کے استفادے کے بعد مرتب ہو کر مستند ملفوظ کی شکل میں منظر عام پر آئی ہے یہ تو اس کتاب

کے مدلل ہونے کی پہلی دلیل تھی، دوسری دلیل، جس کا میں نے مقدمہ کے شروع میں زین بدر عربی کے حوالہ سے ذکر کیا کہ اس ملفوظ کو حضرت مخدوم جہاں نے شروع سے آخر تک حرف بہ حرف مطالعہ کر کے بعض جگہوں کی اصلاح فرما کر اس ملفوظ کو ایک مستقل اور نہایت اہم معلوماتی کتاب بنا دیا ہے اور تیسری دلیل یہ ہے کہ اس کتاب نے حضرت مخدوم جہاںؒ کے دور مبارک میں اور اس کے معاً بعد ہی اس قدر شہرت و مقبولیت حاصل کر لی تھی کہ علماء و مشائخ اس کتاب سے اکتساب فیض کر کے دوسروں کو مستفیض کرتے، اہل دل و نظر اس کے انوار علمی و روحانی سے اپنے قلب و نظر کو منور و مجلیٰ کر کے سلوک و معرفت کی نئی نئی منزلیں طے کرتے۔ عام لوگ اس کے مطالعہ سے اتنی قابلیت و لیاقت حاصل کر لیتے کہ وہ بھی دوسروں کی رہبری و رہنمائی کا ذریعہ بن جاتے۔

خلاصہ یہ کہ نئی تصحیح و ترتیب، زبان و بیان کے نئے انداز و تبدیلی نے کتاب کے مطالعہ میں ایک تسلسل پیدا کر دیا ہے، میں یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس ملفوظ کا قاری جب اس کا مطالعہ کرے گا تو اس کو حضرت مخدوم جہاںؒ کی مجلسوں میں بہ نفس نفیس حاضر ہو کر حضرت مخدوم جہاں کی باتیں انہیں کی زبانی سننے کا مبارک احساس ہوگا۔ جگہ جگہ سوال و جواب کی منزلیں آئیں گی تو اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ ارے یہ سوال تو خود اسی کا تھا۔ جسے مخدوم جہاںؒ اپنی نگاہ پر تاثیر سے اسی کی طرف مخاطب ہو کر جواب ارشاد فرما رہے ہیں۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کے اس لاجواب و نادر کتاب کا ذاتی طور سے مجھ پر بڑا عظیم احسان ہے کہ اس نے بیشمار علوم، فنون اور معلومات کی رہنمائی و ہدایت فرمائی۔ بہت دنوں سے میری دلی خواہش تھی کہ یہ کتاب شایان شان چھپے اور ساری دنیا اس سے فائدہ اٹھائے، اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ احسان و شکر ہے کہ اس نے اس کا موقع عطا فرمایا۔ آخر میں میں ادارہ "مکتبۂ شرف" کی طرف سے بہار اردو اکادمی، پٹنہ کا ممنون ہوں کہ اس کے گراں قدر مالی تعاون نے میرے خواب کو شرمندہ تعبیر کیا۔

فقیر سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی عفی عنہ

سجادہ نشیں حضرت مخدوم جہاں
شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ
خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندا، بہار (انڈیا)



پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ وَصَلِ عَلیٰ مُحَمَّدٍ سِرَاجًا مُّنِیْرًا

اللہ ہی تمام حمد و ثنا کا مستحق ہے جس نے اپنے محبوب اور خاص بندوں کی برکتیں اپنے عام بندوں کے لیے مہیا کیں اور صلوٰۃ وسلام ہو اس کے حبیب احمد مجتبیٰ محمد ﷺ اور آپ کے آل واصحاب پر جو عالم کے لیے رحمت اور آسمانِ ہدایت کے آفتاب ہیں۔

اللہ جلّ شانہٗ نے ہر زمانہ میں اپنے علمائے محققین اور اولیائے کاملین کو دعوتِ حق کے لیے متعین فرمایا اور عالمِ انسانیت کے لیے مینارۂ رحمت بنا کر بھیجا جو متقیوں کی پیشوائی کرتے رہے اور ہمیشہ عامۃ المسلمین کی تربیت و ہدایت میں لگے رہے ان اولیاء اللہ کے روحانی انوار مشرق سے مغرب تک روشن ہیں اس میں بے شک نہیں کہ جس نے ان کی پیروی کی اس کو ہدایت مل گئی اور جس نے انکار کیا وہ گمراہ ہو کر صراط مستقیم سے بھٹک گیا انہیں علمائے محققین اور اولیائے کاملین میں سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری بہاری فردوسی قدس اللہ سرہٗ کی ذات گرامی بھی ہے جن کی ہدایت کی ضیاباری آج بھی آپ کے مکتوبات ملفوظات اور کلمات قدسیہ کے ذریعہ ویسے ہی کارفرما ہے جیسے اس وقت تھی جب خود وہ عالی مقام اس عالم ظاہر کے معاشرہ انسانی میں جلوہ افروز تھے۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کے علمی سرمایہ اور قلمی ذخیرے کا بہت بڑا حصہ آج بھی موجود ہے اور وہ سب فارسی زبان میں ہے جو اس وقت مروّج نہیں، اعزہ اور احباب کے ذوق کا تقاضا ہوا کہ حضرت مخدوم جہاں کے گرانمایہ علمی سرمایہ اور قلمی ذخیرہ کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے تا کہ آپ کے فیوض و برکات سے لوگ فیضیاب اور بہرور ہوسکیں، الحمد للہ نامساعد حالات کے باوجود اس سمت میں کام ہو رہا ہے، حضرت مخدوم جہاںؒ کے علمی ذخیرے میں مکتوبات صدی کو اولیت حاصل ہے جس کا ترجمہ خانقاہ

معظم سے شائع ہو چکا ہے اس کے بعد ملفوظات کا درجہ آتا ہے جس کی افادیت عامۃ المسلمین کے لیے اور ایک حیثیت سے خواص ک لیے بھی مکتوبات سے زیادہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ارباب فکر ونظر کی نگاہ ملفوظات پر لگی ہوئی ہے خصوصاً اس مجموعہ ''معدن المعانی'' کی طلب شدّت سے تھی جو مکتوباتِ صدی کے بعد ایک خاص درجہ رکھتا ہے، اس کی افادیت واہمیت کے پیشِ نظر ہی اموں محترم حضرت استاذی جناب حافظ سیّد شاہ محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ترجمہ کا کام شروع کیا تھا، جو صرف نو ابواب تک ہو سکا، اور پھر نہ معلوم کن حالات کی بنا پر رک گیا، اس کا مسوّدہ جو خود حضرت ممدوح کے دست مبارک کا تحریر کردہ ہے۔ میرے ہم مرشد برادرم ثبات الحق فردوسی ایڈوکیٹ نوادہ کے پاس تھا، انہوں نے مجھے دیا، میں نے اپنی سعادت اس میں سمجھی کہ حضرت کے چھوڑے ہوئے کام کو پورا کردوں، شاید ازل میں اس کام کی ذمہ داری میرے ہی حصّہ میں لکھی گئی ہے اور ''قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند'' کے مصداق اس دیوانگی کا بار قسام ازل نے میرے ہی گلے کے لیے بنایا ہے۔ جو کچھ مجھ سے ہو سکا وہ آپ کے سامنے ہے، حضرت استاذی علیہ الرحمۃ کے نو ابواب کے ترجمہ کو میں نے ویسے ہی رہنے دیا ہے اور دسویں باب سے میں نے ترجمہ کیا ہے۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کے میکدہ کے بادہ خوار کچھ ایسے تشنہ کام تھے جن کی پیاس بجھتی نہ تھی، اس لیے ساقی کی عطا کا پیالہ ''معدن المعانی'' کے ترجمہ کی شکل میں سامنے آیا، اس میں کیا کچھ نہیں ہے مخدوم جہاںؒ کے کلمات ہیں، عالم فکر وخیال ہو یا بیانِ معانی احوال، شریعت، طریقت، حقیقت ومعرفت تو حقائق کی زمین ہی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے گردوپیش کا ماحول اسی فضا سے عطر بیز ہے، جو مشام دل وجان کو معطّر کر رہا ہے، اس کی ہر عبادت غیبی معانی کا آئینہ دار، اس کے ہر اشارہ میں ہزار دل مطالب قرآنی کا حل، اس کے ہر معانی انتہا درجہ کے مفہومات کے حامل اور ہر لطیفہ میں ادراک کی فراوانی ہر مفہوم بے شمار، احوال وکیفیات سے ضیا بار ہر ادراک کشفِ مقامات کا بلند و بالا زینہ اور احوال میں ایسا ذوق کہ اس کا بیان مشکل، ہر مقام سے ایسی اطلاع کہ عالمِ امکان ششدر و رنگ، خلاصہ یہ کہ کتاب آپ کے سامنے ہے، آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

اللہ رب العزّت حضرت زین بدر عربیؒ کے مرقد پاک کی فضا کو انوار الٰہی سے بھر دے انسانیت پر ان کا بڑا احسان ہے کہ بڑی ہی کاوش اور تدقیق سے اس مجموعۂ ملفوظ معدن المعانی کو یکجا کر کے دو جلدوں میں محفوظ کر دیا جس کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ اس کے عنوانات ہی سے ظاہر ہوتا

ہے کہ ہماری ظاہری و باطنی زندگی کا کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جو اس میں موجود نہیں ہے، پھر اس سلسلہ میں فکر وخیال کا جو گوشہ سامنے آتا ہے حضرت مخدوم جہاںؒ کی عبارت میں اس کو دیکھنے سے فکر وتلاش کی تمام زحمتیں ختم ہو جاتی ہیں، طبیعت آسودہ ہو جاتی ہے، اور ایک غیر معمولی طمانیت حاصل ہوتی ہے، عنوانات کی ترتیب ہی امّت کی ضرورت کو سامنے رکھ کر دی گئی ہے، مثلاً ہماری زندگی میں سب سے پہلے عقیدہ اور عقائد میں توحید کی بات آتی ہے، عنوانات کی فہرست میں سب سے پہلا عنوان ہے ''وجود وحدانیت باری تعالیٰ کے ثبات میں۔ عنوان کو پڑھتے ہی علم و معانی کا امنڈتا ہوا ایک بحر بیکراں سامنے آ گیا، ذوق سلیم اگر ہے مخدوم جہاںؒ کی عبارت کو پڑھتے جائیے، ایسا معلوم ہوگا کہ کیا یہ باتیں بھی سوچنے کی تھیں؟ اور پھر آپ اس کی روشنی میں کہیں گے کیا ان معانی کو سمجھے بغیر ہم صحیح مسلمان تھے؟

''معدن المعانی'' کے مضامین کے سلسلہ میں یہ ایک ہلکا اشارہ ہے، بقیہ کے لیے بس یہی کہا جائے ؎

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

''معدا لمعانی'' حضرت مخدوم جہاںؒ کے ملفوظات کا بیش بہا مجموعہ ہے، خود مخدوم جہاںؒ اور دیگر اکابرین کے جتنے بھی ملفوظات ہیں اس کی حیثیت ان سے بالکل جداگانہ اور مختلف ہے، اس میں تبویب ہے، مضامین عنوان کے تحت ہیں جس سے اس کی افادیت اور بڑھ گئی ہے اُسے اگر حضرت مخدوم جہاںؒ کی تصنیف کا درجہ دیا جائے تو غلط نہ ہوگا، اس لیے کہ یہ ملفوظ حضرت مخدوم جہاںؒ کی اصلاح سے آراستہ ہے جامع کہتے ہیں:

> ''میں نے سبقاً سبقاً، حرفاً حرفاً اس ملفوظ کو اس طرح پڑھا کہ مجھ بے چارہ (کاتب ملفوظ) سے جہاں کچھ سہو ہو گیا تھا اس کی اصلاح بھی فرماتے گئے اور واقعات، اقوال، تشریحات اور توضیحات کے علاوہ رباعی وغیرہ جو مناسب سمجھا تحریر فرماتے گئے''۔

یہ عام ملفوظات کی طرح نہیں بلکہ ایک مرتب انداز کی کتاب ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہرودی کی ''عوارف المعارف'' کی طرح یہ بھی ترسٹھ ابواب پر مشتمل ہے لیکن اس میں خوبی یہ ہے کہ بے شمار مثنوی، رباعی، فرد، اشعار سے بھی مزیّن ہے اس لیے یہ بہت دلچسپ ہو گئی ہے، حیرت ہوتی ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کو کس درجہ اشعار یاد تھے، برمحل اور برجستہ کتنے مناسب اشعار ارشاد فرماتے۔

ایک شبہ کا ازالہ: ''معدن المعانی'' کے مخطوطہ نسخہ باب بست و پنجم جلد دوم پر عرفی شیرازی کا یہ شعر آ گیا ہے،

عاشق ہم از اسلام خرابست وہم از کفر　　پروانہ چراغ حرم و دیر نہ داند

عرفی شیرازی کا زمانہ حضرت مخدوم جہاںؒ سے دو سو سال بعد کا ہے، ''معدن المعانی'' کے کسی قدیم نسخہ میں یہ شعر موجود نہیں ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس نسخہ سے یہ کتاب طبع ہوئی ہے مطالعہ کرنے والے نے اپنے ذوق کے مطابق یہ شعر اس کے بین السطور میں بڑھا دیا ہے، اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ اس شعر پر الحاقی نشان (-) بھی موجود ہے۔اس علامت کے بعد اب کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

مجھے افسوس ہے کہ ایسے وقت میں اس کے ترجمہ کی طباعت ہو رہی ہے جب کہ اس فقیر کی بصارت نزول الماء سے قریب الختم ہے اکثر اشعار اور عربی ٹکروں کا ترجمہ رہ گیا، مسودہ پر نظر ثانی بھی نہ ہو سکی۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰهَ شکر کی نعمت سے محروم رہ جاؤں گا اگر خانقاہِ معظم مخدوم جہاںؒ کی برکات کا میں شکریہ ادا نہ کروں، خصوصاً زیب سجادۂ مخدوم جہاںؒ حضرت جناب حضور سید شاہ محمد امجاد صاحب فردوسی متع اللہ المسلمین بطول بقائہٗ جن کا فیضان دین دونی رات چوگنی ہر آن اور ہر لحہ اپنے اضافہ کے ساتھ جاری وساری ہے سچ تو یہ ہے کہ سب کچھ ان ہی کا کیا ہوا ہے، یہ جوان ہمت سربراہ اپنے مکمل فیضان، مستعدی اور اعانت سے اگر تیار نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا یہ سب ان ہی کی توجہ خاص کا نتیجہ ہے جو یہ کتاب زیور طبع سے مرقع ہو کر آپ کے سامنے ہے۔

مسودہ کی کتابت اور اس کی اشاعت وطباعت میں جن عزیزان واحباب نے حصّہ لیا اور اپنی خدمات پیش کیں ان کا بھی ممنون ہوں، صلاح وفلاح دارین اور بارگاہِ مخدوم میں شرف قبولیت کے لیے دعا گو ہوں۔

والسلام

جاروب کش

آستانۂ حضرت مخدوم حسین نوشۂ توحیدؒ سید شاہ قسیم الدین احمد عفی عنہ

۱۱ر رجب ۱۴۰۴ھ



معدن المعانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وشکر کا مرجع مخصوص بارگاہ صمدیت ہے کہ تعجب خیز معنی کے بھیدوں کو اور حیرت انگیز لامکانی نشانیوں کو عارفوں کے دل میں اور خاصان درگاہ کے صمیم قلب میں اس نے جگہ دی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جو بخشش کہ ربوبیت حق کی عام مومنوں پر ہے اس کی اقتضا سے ان اولیاء اللہ کو عروج سے نزول کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، تا کہ عام لوگوں کی سمجھ کے موافق یہ باتیں ہو جائیں، چونکہ ان حضرات کا قال بھی حال ہے، اس لیے باوجود نزول کے بھی ان کی عبارتوں میں ایک ندرت ہوتی ہے اور ان کے اشاروں میں بہت بلندی پائی جاتی ہے یہی سبب ہے کہ یہ حضرت معرفت کی بہتی ہوئی ندی کے آب شیریں کا جس کو پیاسا پاتے ہیں اور محبت کے بادل کی ایک بوند کا بھی جن کو امیدوار دیکھتے ہیں، اس کے جان ودل میں تازگی پہنچاتے ہیں بعض طالب صادق اُن حضرت کی خدمت میں ایسے بھی حاضر ہوتے ہیں جنھوں نے طلب ومجاہدہ کی کمر اتنی مضبوط باندھی ہے کہ جسم وجان کی انہیں پرواہ باقی نہیں رہی ہے، ایسوں کو اپنی آغوش ترتیب میں لے لیتے ہیں اور جو بے چارے مبتلائے نفس امارہ ہیں اور ہوا و ہوس کے شکار ہو گئے ہیں، نہ ان کے دلوں میں خوف خدا باقی ہے اور نہ توبہ واستغفار کی طرف مائل ہیں، ایسے ناکاروں کے دلوں میں بھی اپنی نظر عنایت سے رغبت وحرکت پیدا کر دیتے ہیں تا کہ وہ تاریک گڈھے سے نکل کر ایک روشن راہ ہدایت پر آجائیں آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہی ناکارے ایک دن قوم کے ہادی بن جاتے ہیں ؎

زانکه طغرائے شان زدرگه حق　　گشته منهم آئمة یهدون

یہ اس لیے کہ ازل ہی میں فرمان سرداری وہدایت ان کو مل چکا ہے اور لاکھوں صلوٰۃ وسلام روضہ مبارک پر ان کے ہو جو صدر نشیں ہیں مسند شریعت کے ماہ کامل ہیں، آسمانِ طریقت کے آفتاب ہیں برج حقیقت کے گوہر نایاب ہیں اور صدف معرفت کے عرفا کے سرتاج اور پیغمبروں کے سردار فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَا اَوْحیٰ میں جو بھید ہے اس کے محرم چمن قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ کے ہمدم، وہ کون؟ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہی صلوٰۃ وسلام آپ کی اہلبیت پر، آپ

کے یاروں پر، آ کے آل واصحاب پر، اس وقت تک ہو جب تک کہ فکر معنی تازگی پیدا کرتی رہے اور اچھی باتیں زبان سے نکلتی رہیں اور اس صلوٰۃ وسلام کا ورد متواتر، پے در پے ہو اور ہمیشہ ہوتا رہے، حمد ونعت، کے بعد یہ ملفوظ جس کو دُرّ شاہوار معانی کہئے، یا نورالانوار لا مکانی کہئے، اس کا جامع درویشوں کا غلام ان کے در کی خاک، زین بدر عربی ہے اللہ تعالیٰ اس پر توبہ کا دروازہ کھول دے اس کی اور اس کے والدین کی مغفرت فرمائے! جب یہ غلام غلامان اور بندہ آستانہ شیخ بزرگوار پیر نامدار کے داخل ہوا یعنی عارفوں کی سنتیں جن سے ظاہر ہوئیں، واصلوں کی خصلتوں کے جو سراپا نمونہ ہیں وہ کون؟ شرف الحق والحقیقۃ والہدیٰ والدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرہٗ ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کی درازیٔ عمر سے فائدہ پہنچائے اور ان کی لقا کی نعمت کا دروازہ ہمیشہ ہم لوگوں پر کھلا رکھے۔ (آمین)

حصول ملازمت، خدمت شیخ کا موقع ملا اور حاضری مجلس شریف کی سعادت حاصل ہوئی میں نے دیکھا کہ ہر مجلس میں موقعہ موقعہ سے طالبان صادق، مریدان واثق، بندگان موافق از روئے احوال و معاملات اپنے لطائف، نکات، رموز واسرار شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت سے ایرادوسوال پیش کیا کرتے ہیں حضرت مخدومؒ اس کا شافی جواب دل پذیر عبارات اور بے نظیر اشارات میں فرمایا کرتے تھے، ہر عبادت سے سو طرح کے غیبی معانی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور ہر اشارہ سے ہزاروں مطالب قرآنی حل ہوا کرتے ہیں، ہر معانی بے حساب مفاہیم لئے ہوئے ہوتے ہیں، ہر لطیفے میں ادراکات کی فراوانی ہوتی ہے ہر مفہوم بے شمار حالات کا مخبر، ہر ادراک کشف مقامات کا زینہ، ہر حالت میں ایسا ذوق جس کو بیان کا ترازو تول نہ سکے، ہر مقام سے ایسی خبر ملے جو عالم امکان سے بالکل باہر ہو، قطعہ

نشان ایں نہ تو اں دید جز بدیدہ پاک   کہ آفتاب شناسی بہ بے بصر نرسد
ببیں وگرنہ ملامت بدیدگان نہ ازانکہ   زبان تپ زدہ را طعنہ برشکر نرسد

(ان باتوں کو دیکھنے اور سمجھنے کے لیے نظر پاک ہونی چاہیئے آفتاب کو آفتاب سمجھنا اندھے کا کام نہیں ہے، تم غور کرو اور دیکھو اور نہ دیکھ سکو تو قصور اپنی نظر کا سمجھو کیونکہ بخار والے کا یہ کہنا کہ میٹھی چیز خراب معلوم ہوتی ہے) یہ زبان کی خرابی ہوگی، یہ کہنے سے شکر بُری نہیں ہو سکتی اور میٹھی چیز تلخ نہیں ہو سکتی، حضرت مخدومؒ کی پُر فیض مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر توفیق ازلی اور عنایت لم یزل میری دستگیر ہوئی، اور میں نے اپنے تحمل وسعت کے بقدر جو جو باتیں نہیں سنیں ان کو یاد رکھ لیا اور لکھنا شروع کیا حتی الامکان اس کا بے حد لحاظ رکھا کہ زبان مبارک سے جو لفظ نکلا ہے بعینہٖ جمع ہو، اگر شاذ و نادر بمقتضائے بشریت وقصور حافظہ وہی لفظ وعبارت یاد نہ رہی تو مجبوراً دوسری عبارت میں اس معنی کو ادا کیا کیونکہ مقصود تو معنی ہے، اس

نا قابل عفو جرم کا کبھی میں مرتکب نہ ہوا کہ حیلۃً صریحۃً بھی نفس معنی میں کسی قسم کا تصرف یا تغیر میں نے پیدا نہیں کیا، یہاں تک نگاہداشت رکھی کہ اگر معنی یاد نہ رہے تو اس ورق کو سادہ چھوڑ دیا، اور جب شرف حضور حاصل ہوا تو عرض کیا اور جواب سے مشرف ہو کر اس کو خوب یاد کر لیا، اس کے بعد قلمبند کر لیا، جب یہ ملفوظات مرتب ہو گئے تو مجرد اس خیال سے کہ آخر بشریت ہے، مبادا کہیں بھول چوک نہ ہو گئی ہو، بارگاہ عالی میں عرض کیا کہ بندہ درگاہ (زید بدر عربیؒ نے آپ سے روایت شدہ) ملفوظات جمع کئے ہیں اگر وہ سن لئے جاتے تو خاکسار کو دولت دارین حاصل ہوتی، کمال شفقت حضرت مخدوم جہاںؒ سے یہ التماس (مجھ ناچیز کی) قبول ہوئی آپ نے سبقاً سبقاً لفظاً لفظاً حرفاً حرفاً نہایت ترتیب سے سنا۔ کئی جگہ سہواً اس عاجز سے الفاظ چھوٹ گئے تھے یا بے محل درج ہو گئے تھے از راہِ لطف و کرم اصلاح فرمائی گئی جس وقت حضرت مخدوم اس ملفوظ کی سماعت فرما رہے تھے تو موقع موقع سے کوئی حکایت یا مثال یا بیت یا رباعی یا ایراد یا جواب (مزید) بھی فرماتے جاتے تھے، ان کو بھی میں نے اس ملفوظ میں درج کر لیا تا کہ حضرت کے فیوض و برکات سے جہان والے محروم نہ رہیں، جو دیکھے وہ فیضیاب ہو اور اس ناچیز کے ثبات ایمان و آمرزش گناہان و حصول مراد و وجہانی کا ذریعہ ہو، پڑھنے والوں، سننے والوں، دیکھنے والوں سے امید ہے کہ اگر اس ناچیز کی کوئی غلطی یا خطا پائیں تو سمجھیں کہ انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کی صحت فرما دیں تا کہ انہیں بھی ثواب حاصل ہو ایسا نہ کریں کہ لعن و طعن کی زبان کھولیں اس میں خوف عتاب ہے، فرد ؎

سخن ز صاحب دیں جز ثواب نیست اما   خطاست ایں کہ خطائے گماں برد بخطا

(بزرگان دین کی تمام باتیں درست ہوئی ہیں اس میں غلطی کا احتمال نہیں خطا یہ ہے کہ اپنی نادانی سے غلط سمجھا جائے۔)

اس کا یقین ہے کہ طالب صادق اس مجموعہ کے ملاحظہ و مطالعہ کے بعد بے انتہا اسرار و معانی سے خبردار ہوں گے اس لیے اس کا نام معدن المعانی رکھا اور ترسٹھ باب پر اس کی تقسیم کی، ہر باب کے تحت میں اس کے مناسب بیانات کو جمع کر دیا، انشاء اللہ امید ہے کہ اس کا پڑھنے والا جلد دلی مقصد میں کامیاب ہوگا۔

(حضرت زین بدر عربی جامع ملفوظات ہذا)



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پہلا باب

وجود وحدانیت باری تعالیٰ کے اثبات میں

مجلس شریف میں وجود باری تعالیٰ اور ہستی حق (اللہ تعالیٰ کی ذات پاک) کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ذرّاتِ عالَم کا ہر ذرّہ ذیل کے چار چیزوں پر گواہی دیتا ہے:

۱۔ گویا زبان حال سے ہر ذرّہ یہ کہتا ہے کہ ہم معدوم (بے وجود اور ناپید) تھے۔ اس ہست و موجود ہونے میں ہمارا کچھ دخل نہیں ہے کیونکہ نیست شئے (ناپید اور غیر موجود چیز) سے کوئی فعل وجود میں نہیں آ سکتا تو یقینی میرا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ اور اسی سے میں موجود ہوا ہوں لہٰذا تم غور کرو کہ ان باتوں سے وجود ہستیِ حق (اللہ تعالیٰ کے وجود) پر یہ ایک گواہی گذرتی ہے۔

۲۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہست وموجود وحدہٗ لا شریک ہے یعنی وہ اکیلا ہے۔ اور اس کے سوا کوئی دوسرا حکمراں نہیں ہے۔ کیونکہ اگر دو خدا ہوتے تو بڑا فساد اور فتنہ برپا ہوتا ایک کی خواہش ہوتی کہ دنیا پیدا کریں اور دوسرا خدا کہتا کہ یہ میری رائے نہیں ہے۔ چلئے بات جھگڑے میں پڑ جاتی اور عجب گڑبڑ مچتی اب میں دیکھتا ہوں کہ عالم قائم ہے اور نظم میں کوئی خلل واقع نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ حکمراں ایک ہی ہے یعنی وہ ہے جلَّ جلالہٗ۔ (جس کی شان بزرگ برتر ہے۔)

۳۔ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ وحدہٗ لا شریک عالم (جاننے والا) بھی ہے کیونکہ جس چیز کا علم نہ ہوگا وہ چیز اس شان سے پیدا نہیں ہو سکتی ایجاد کے پہلے اس چیز کا علم ضروری ہے۔

۴۔ اس کا بھی یقین کرنا ہوگا کہ وہ عالم الغیب قادر بھی ہے کیونکہ جس کو قدرت نہ ہوگی وہ پیدا نہیں کر سکتا۔ عاجز سے کسی شئے کی ایجاد محال ہے اب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ہر ذرّہ اور ہر موجود اس کی گواہی دے رہا ہے کہ حق تعالیٰ موجود ہے، واحد ہے، عالم ہے، قادر ہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا اور اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ؎

از بوے وصال تو بہ بت خانہ شدیم   تسبیح بتاں زمزمۂ عشق تو بود

(تیرے وصال کی بو پا کر ہم بت خانہ میں گئے بتوں کی زبان حال پر جو تسبیح تھی اس سے تیرے عشق کا زمزمہ سنائی دیا۔)

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ عرفاء جس چیز کو دیکھتے ہیں جس ذرّہ پر ان کی نظر پڑتی ہے ان چار چیزوں کے علاوہ بھی وہ (لوگ) ایسی چیز دیکھتے ہیں جو بہت سی کتابوں میں بھی قلمبند نہیں ہو سکے ہیں پھر یہ بھی مصرعہ ارشاد فرمایا ؏

در ہر چہ نگہ کنم ترا می بینم

(جس چیز کی طرف دیکھتے ہیں تجھی کو دیکھتے ہیں) اور فرمایا کہ تاویل اس کی یہی ہے جس کو ایک بزرگ نے فرمایا ہے "مارأیت شیئا الا رأیت اللّٰہ فیہ" (جس جگہ اور جس چیز

میں میں نے نظر ڈالی وہاں اللہ رب العزّت ہی کو دیکھا)

مجلس شریف میں وحدانیت حق تعالیٰ کا ذکر آ گیا

قاضی اشرف الدّین صابوئیؒ نے ''بدایہ'' نکالی اور اسی بحث کو پڑھنا شروع کیا پڑھتے پڑھتے اس مقام پر پہنچے کہ اہل سنّت والجماعت و عام مومنوں کے نزدیک از روئے کتاب وسنّت واجماع امّت اور عقلی ونقلی دلیل سے یہ ثابت ہے کہ پروردگار عالم ایک ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں! ایک ہی ہے یہ ایک ہونا ازروئے حقیقت ہے عدد کے قاعدے سے نہیں۔ اسی لئے خطبہ میں پڑھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد بلا عدد ہے۔ کیونکہ جو چیز گنتی میں آتی ہے اس کی ایک نہایت ہوتی ہے "والقدیم لا نہایة له کما لا بدایة له" اور قدیم کی تعریف یہ ہے کہ اس کی انتہا نہ ہو جس طرح اس کی ابتدا نہیں ہوتی۔

مولانا قمر الدّین ہمشیرہ زادہ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے عرض کیا اس اعتبار سے کہ جو ہر فرد ہے چونکہ وہ قابل تجزیہ نہیں ہے چنانچہ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ بھی ازروئے حقیقت ایک ہو۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ شبہ بے شک ہوتا ہے کہ ''جو ہر فرد ہے چونکہ وہ قابل تجزیہ نہیں ہے اس لئے یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ ازروئے حقیقت تو ایک ہو مگر جب یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اس میں متضاد صفتیں جمع ہو گئی ہیں جیسے حرکت، سکون، احاطہ اور سمت تو صفات سے مرکب ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ نشانی حادث ہونے کی ہے اور ہماری بات تو کلام قدیم کے متعلق ہے اب یہ بات واضح ہو گی کہ جو ہر فرد صورۃً گو قابل تجزیہ نہیں ہے مگر صفات مرکبہ کی وجہ سے درحقیقت اس میں تجزیہ ہے اور وہ تجزیہ کی قابلیت معنوی طور پر رکھتا ہے بخلاف ذات باری تعالیٰ کے کہ کسی طرح وہاں تجزیہ کا وہم بھی نہیں ہو سکتا اس لئے سوائے ذات واجب الوجود کے کوئی شئے درحقیقت ایک نہیں ہے اگر حقیقی واحد ہے تو وہی جلّ جلالہٗ۔

جب بدایہ کا سبق یہاں پر پہنچا کہ ''فرقہ ثنویہ'' دو صانع کے قائل ہیں ایک خالق خیر اور دوسرا خالق شر، خالق خیر کو یزداں کہتے ہیں اور خالق شر کو اہرمن۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یزداں سے مراد ان کی اللہ تعالیٰ ہے کہ وہ رحم وکرم والا ہے وہ جو کام کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے اور شر فعل شریر کا ہے اس لئے اہرمن سے وہ شیطان کو مراد لیتے ہیں ثنو یہ جو اس مغالطے میں آئے اس کا سبب یہ ہے کہ اپنی بد دماغی کے باعث وہ یہ کہتے ہیں کہ اچھے سے اچھا فعل ہوگا اور برے سے برا فعل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے ایسے حکمت والے سے شر کس طرح جائز ہوگا؟ شر کا ایجاد کرنا ایک فعل ہے اس لئے ضروری ہے کہ کسی دوسرے کو ہم خالق شر مان لیں کیونکہ خالق خیر خالق شر نہیں ہوسکتا اور خالق شر خالق خیر نہیں ہوسکتا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے عقیدہ والے کے منھ میں خاک اس کے بعد ان کے شبہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اس وقت خالق شر اور ضرر رساں اشیاء کے خالق کو برا مان سکتے ہیں جب ہم یہ دیکھیں گے کہ اس کی ایجاد میں کوئی بہترین حکمت نہیں ہے حالانکہ ہم خوب دیکھ رہے ہیں کہ نافع وضار اشیاء (نفع ونقصان پہنچانے والی چیزوں) کی پیدائش میں بھی ہزاروں حکمتیں ہیں جیسے بہشت ودوزخ پیدا کرنے سے وعدہ وعید کا مقصد حاصل ہوتا ہے جو شخص نعمت کی لذتوں سے واقف نہیں وہ عذاب کی سختی کو کیا جانے گا ایسے شخص کو اوامر کی طرف رغبت اور نواہی سے اجتناب نہیں ہوسکتا۔ اسی پر اشیاء نافع کو بھی قیاس کرو۔ (اس کے بعد)

ایک عارفہ کا سبق آموز واقعہ

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے ایک حکایت فرمائی کہ ایک شخص اہلسنت والجماعت میں سے تھا اس نے مذہب ثنو یہ (پر اعتقاد رکھنے والوں) کے آس پاس سکونت اختیار کی ایک گوشہ میں رہ کر اللہ کی عبادت میں مشغول تھا کوئی علامہ اس مذہب والوں کا اس زاہد کے پاس گیا غرض یہ تھی کہ علم ومعرفت کا سوال کر کے اس کو قائل کرے اس غریب زاہد کی معلومات محدود تھی اس علامہ نے پئے در پئے سوالات شروع کئے جہاں تک بس چلا بیچارہ زاہد جواب دیتا رہا آخر میں لاچار ہوکر چپ ہوگیا گویا ایک طرح سے قائل ہوگیا خدا کی شان پڑوس میں سُنّی مذہب کی ایک عورت عارفہ بھی رہتی تھی اس کو خبر ملی کہ ثنو یہ کے فلاں عالم نے زاہد کو

شکست فاش دی ہے وہ غریب زاہد خاموش ہو کر رہ گیا ہے اور وہ اس کو قائل کر کے چلا گیا ہے یہ بات سن کر عارفہ کا دل دکھ گیا اور اس نے کہا یہ تو بہت برا ہوا وہ ضلالت کا بیج بو کر چلا گیا زاہد کی خیریت نہیں ہے وہ گمراہ ہو جائے گا اس کا درد عارفہ کے دل میں پیدا ہوا اس نے موم کا ایک بچھو بنایا اور اس کو کاغذ میں لپیٹا آستین میں رکھا اور محض مصنوعی طور پر گلے میں زنّار ڈال لیا اور اس علامہ کے دروازے پر جا کر کہلا بھیجا کہ ایک عورت تمہارے مذہب کی آئی ہے اس عورت کو ایک مسئلے میں سخت الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے جلد آ کر جواب دو ورنہ ہم مذہبی رشتے کو توڑ ڈالیں گے جب اس علامہ کو خبر ملی فوراً باہر آیا اور کہا کیا مشکل آ پڑی ہے کہو اس عارفہ نے وہ بچھو نکالا اور سوال کیا کہ اس بچھو کو کس نے پیدا کیا ہے اس نے جواب دیا کہ اہرمن نے عارفہ نے کہا کہ اچھا اس کے نیش میں زہر کس نے رکھا؟ کہا اہرمن نے عارفہ نے کہا بہت خوب! یہ تو فرمائیے کہ اس بچھو کے پیدا کرنے اور اس کے نیش میں زہر کی گانٹھ رکھنے کا علم یزداں کو تھا یا نہیں؟ بس فوراً اس کا جواب دیجئے ورنہ ہم اس مذہب کو خیر باد کہتے ہیں علامہ صاحب خبط ہو گئے اگر کہتے ہیں کہ یزداں کو اس کا علم تھا تو یزداں نے اس شر کو خیر کیوں نہیں بنا دیا اور اگر کہتے ہیں کہ یزداں کو علم نہ تھا تو جہل و نقصان لازم آتا ہے اور جاہل خدائی کیوں کر کر سکتا ہے یہ سوچ کر وہ پریشان ہو گیا اور جواب سے عاجز آ گیا عارفہ کے تنگ کرنے پر اس نے کہا اے نیک بخت ذرا صبر تو کر تو زنّار توڑنے آئی ہے یا زنّار تڑوانے؟ لے تجھ سے پہلے میں خود اپنی زنّار توڑتا ہوں پھر تو اس کے بعد توڑنا چنانچہ اس عارفہ کے اس عارفانہ جواب سے (مذہب) ثنویہ کے علامہ نے فوراً اپنی زنار توڑی اور مسلمان ہو گیا۔ اس حکایت کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ بیت پڑھی۔ بیت ؎

آرے از پیش رخ چو ہدا پردہ افگند کافر بطوع رشتہ زنار بشکستند

(سچ ہے جب ہدایت اپنا جمال دکھاتی ہے تو بہت خوشی سے کافر بھی زنار توڑ ڈالتا ہے)

پھر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہاں پر یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ مرد عابد و زاہد اگر بے علم و معرفت ہے تو اس سے ایک عارفہ عورت لاکھ درجہ بہتر ہے۔

مجلس شریف میں اس کا ذکر آ گیا کہ بعض دفعہ اللہ کی وحدانیت میں شکوک اور وساوس پیدا ہوتے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟

وسوسہ کی حکیمانہ تشریح

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کا سبب یہ ہے کہ ہم لوگوں کا ایمان غیب پر ہے۔ اللہ کو دیکھا نہیں اور ایمان لائے ہیں یہی سبب وسوسہ کا ہے اس وسوسہ سے اس وقت تک کچھ نقصان نہیں جب تک وہ شبہ دل میں جگہ نہ پکڑ لے دلیل اس کی یہ ہے کہ جن کی ذات پاک مومنوں کے لئے ماں سے بھی زیادہ واجب تعظیم و تکریم ہے یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس قسم کے وسوسے پیدا ہوئے تھے چنانچہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں عرض کیا تو بارگاہ رسالت (ﷺ) سے ارشاد ہوا کہ یہ تو تم اپنے کمال ایمان کی خبر دے رہی ہو اور اس سے ایمان تمہارا کامل ہو گیا۔

بندۂ درگاہ نے عرض کیا کہ اگر اس قسم کا وسوسہ پیدا ہو اور اس کو انسان ٹال دے اور دل میں اس کو جگہ نہ دے یہ اچھا ہے یا وحدانیت کی دلیل لا کر نفس کو مغلوب کرے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اگر ٹالنے سے ٹل جائے تو دلیل لانے کی ضرورت کیا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ دیکھو عالم میں انتظام الٰہی ایک عنوان (طریقہ) سے جاری ہے دن جاتا ہے رات آتی ہے، رات جاتی ہے دن آتا ہے۔ سنّت الٰہی میں تغیر و تبدل نہیں ہے از یں قبیل ہزاروں چیزیں ہیں اس سے ثابت ہے کہ مدبر و مکون وہی ایک ذات باری تعالیٰ ہے۔

ایک غیر مسلم کے ایمان لانے کے بعد کیا عمل ہونا چاہئے

یہ باتیں نماز ظہر کے وقت ہو رہی تھیں اتنے میں تقریباً اکاسی (۸۱) برس کا ایک ہندو آیا اور عرض کیا کہ ہم مسلمان ہوں گے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس کو کلمہ شہادت تلقین کی اس نے اس کو دہرایا اور مسلمان ہو گیا الحمد للہ علیٰ ذالک پھر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کچھ

کھانے کی چیز ہوتو اس کے لئے لاؤ لوگ تھوڑی شیرینی اور کاک (روٹی) لے آئے اور اس کے سامنے رکھا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے کہا کہ بسم اللہ اسے کھاؤ۔ چنانچہ پہلا لقمہ بسم اللہ سے شروع ہوا۔ اس کے بعد حضرت مولانا ابوالقاسم اور ابوالحسن کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ اپنے گھر لے جا کر غسل وحجامت کا سامان کر دو اور اس کا تمام لباس بدل دو ایک پیراہن صوفیانہ چوڑی آستین کا اور ایک تہبند اس کو دیدو اس کے بعد بار بار یہ فرماتے رہے کہ سبحان اللّٰہ سالہا سال کے بیگانے کو طرفۃ العین (ایک نگاہ) میں آشنا بنالیا اور دشمن کو ایسا دوست کرلیا کہ برسوں کا کفر ایک دفعہ کلمہ پڑھنے سے نسیاً منسیاً (بالکل ختم) ہوگیا۔ جلّ جلا لہٗ و جلّ شانہٗ۔

نومسلم کا مقام ومرتبہ

اسی موقع میں قاضی اشرف الدّین نے عرض کیا کہ "من اکل مع مغفور غفر لہٗ" (جس نے بخشے بخشائے ہوئے آدمی کے ساتھ کھایا اس کی بھی مغفرت ہوگئی) یہ حدیث ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں! حدیث تو ہے مگر یوں ہے "من اکل مع مغفور فھو مغفور" (جس نے مغفرت شدہ آدمی کے ساتھ کھانا کھایا وہ بھی مغفرت کیا ہوا ہوگیا) اس کے بعد عرض کیا کہ اگر یہ شخص جو مسلمان ہوا ہے مرجائے تو بالکل پاک وصاف جائے گا یا نہیں؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یقیناً بے داغ، پاک وصاف جائے گا اور اس آیت کے تحت میں آئے گا "الذین اٰمنو اولم یلبس ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون" (سورہ انعام: آیت ۸۱) اس کے علاوہ ایسے شخص کے لئے بہت سے وعدے بھی ہیں۔

سوئے خاتمت سے انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی بری نہیں ہے

پھر عرض کیا کہ اگر ایسی حالت میں مرجائے تو سوئے خاتمت کا اس کے اندیشہ ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خوف خاتمت سے تو سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی بری نہیں ہے کیونکہ وہ بات پردے میں ہے کسی کو اس کی خبر نہیں جان نکلنے کے وقت انسان سمجھتا ہے کہ ہم کیسے جارہے ہیں۔

پھر عرض کیا کہ صرف لا الہ الا اللّٰہ کہنے سے آدمی مسلمان کہلائے گا اس کے معنیٰ جاننا بھی ضروری ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ صرف "لا الــہ الا الـلّٰــہ" کہنے سے اسے مسلمان کہیں گے وہ شخص اس کا معنی جانے یا نہ جانے دیکھو اگر ایک کافر بھی نماز با جماعت ادا کرے تو اس کو اہل شرع مسلمان ہی کہا کریں گے اس کی چھان بین کی ضرورت نہ ہوگی کہ درحقیقت وہ مسلمان ہے یا نہیں اسی بناء پر آپ عظمہ اللہ نے ایک حکایت بیان فرمائی۔

کلمہ پڑھنے والے کے قتل پر حضور ﷺ کا اظہار افسوس

اصحاب رسول اللہ ﷺ کی ایک جماعت اس خیال سے نکلی کہ فلاں پہاڑ جہاں کفار جمع ہیں اس پر قبضہ کریں اس وقت کی رسم یہ تھی کہ جب لشکری حملہ کرتے تھے تو رات کو سفر کرتے تھے اور صبح ہوتے ہوتے منزل مقصود پر پہنچ جاتے تھے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

عجب اتفاق کافروں کو اس کی خبر مل گئی کہ لشکر اسلام قریب آ گیا ہے سب کے سب پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کفار کی جماعت میں ایک شخص چھپا ہوا مسلمان بھی تھا اس کی خبر کافروں کو نہ تھی وہ مسلمان بھی کفار کے ساتھ اوپر چلا گیا جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت دامن کوہ میں پہنچی "الـلّٰــہ اکبر" کا نعرہ شروع ہوا اس مسلمان کے کان میں بھی تکبیر کی آواز گئی اس نے دل میں کہا یہ آواز تکبیر کی معلوم ہوتی ہے ہو نہ ہو یہ لوگ اصحاب رسول علیہ السلام ہیں ہمارا ایمانی فرض ہے کہ جائیں اور ان لوگوں کا ساتھ دیں اس نیت سے وہ غریب مسلمان نیچے اترا صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت سے ایک سوار نے جو دیکھا کہ شکار سامنے ہے تلوار کھینچی اور دوڑ پڑا اس غریب نے جو دیکھا کہ یہ وار خالی جانے والا نہیں یقینی ہم پر پڑے گا۔ بہ آواز بلند اس نے کہنا شروع کیا "لا الــہ الا الـلّٰــہ محمد رسول اللہ (ﷺ)" اس سوار کو غلط فہمی یہ ہوئی کہ تلوار کے ڈر سے یہ کلمہ پڑھ رہا ہے ادھر دیکھا نہ ادھر ایک تلوار رسید کر دی وہ غریب پھڑ پھڑا کر رہ گیا جب دوسرے لوگوں کے پاس وہ سوار آیا تو اس واقعہ کو دہرایا اور اس کا اندیشہ ظاہر کیا کہ اس حرکت سے کہیں میرے دین میں خلل تو نہ پڑ جائے اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یوں

ٹھیک نہ ہوگا بعینہٖ اس واقعہ کو بارگاہ رسالت ﷺ میں کہنا چاہئے اور حکم کا منتظر رہنا چاہئے چنانچہ سب کے سب دربار نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے اس وقت حضور سرکار دو عالم ﷺ کسی چیز پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورا واقعہ بیان کیا۔ اس واقعہ کو سن کر دل حق مُنزّ ل (ایسا دل جس میں وحی الٰہی کا نزول ہوتا رہتا تھا) میں کچھ ایسی بے کلی پیدا ہوئی کہ بیساختہ اٹھ کر بیٹھ رہے اور فرمایا ''اقتلت الذی یقول لا الہ الا اللّٰہ'' (کیا تو نے ایسے آدمی کو جان سے مار ڈالا جو کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) اللہ اللہ ایسے شخص کا ناحق خون کر دیا جو کلمہ پڑھتا تھا (لا الہ الا اللّٰہ کا اقرار کرتا تھا) اور غایت حسرت وتاسف میں اس قول کی تکرار فرماتے تھے۔ اس حدیث میں حضور ﷺ نے ''یقول'' فرمایا ''یعلم'' نہ فرمایا یعنی شریعت میں قول کا اعتبار ہے علم کا اعتبار نہیں اس سوار نے عرض کیا ہم سمجھے کہ تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھتا ہے اس لئے وار کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس سے کیا ہوا مانا کہ اس نے تلوار کے ڈر سے ہی کلمہ پڑھا تھا تم مارنے والے کون؟ ''امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقول لا الہ الا اللّٰہ'' (مجھے حکم ہوا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک کہ وہ اپنی زبان سے اس بات کا اقرار نہ کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے)۔

ہر کلمہ گو مسلمان ہے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس جگہ فرمایا کہ اسلام کا حکم محض قول پر ہے دیکھو رسول اللہ علیہ السلام نے ''یقول'' فرمایا ''یعلم'' نہ فرمایا۔ اسی لئے علماء کا ایک گروہ فرقہ مجسمیہ یعنی جو خدا کو جسم والا مانتے ہیں ان کو کافر نہیں کہتے کیونکہ اگر ایمان کے لئے تنزیہ ومعرفت شرط ہوتی تو خود حضور سرور دو عالم ﷺ پر ضروری ہو جاتا کہ (وجود) باری تعالیٰ کی حقیقت ومعرفت اور صفت تنزیہ (کے علم) کی دریافت کے بغیر مومن نہ فرماتے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ صرف کلمہ پڑھنے پر حضور ﷺ نے مومن فرمایا تو پھر اور شرائط کی ضرورت باقی نہ رہی۔ واللّٰہ اعلم بالصواب والمرجع والحساب۔



دوسرا باب

ایمان واسلام شرک وکفر اور جو مناسب ہے اس کے ذکر میں

ایمان اور کمال ایمان کی محدثانہ تعریف

مجلس شریف میں قاضی منہاج الدین درون حصاری نے عرض کیا کہ کیا یہ حدیث ہے "لا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ" (اس کا ایمان مکمل نہیں جس میں امانت داری نہیں) امانت دار نہ ہونے سے ایمان کیوں چلا جائے گا کوئی مومن اگر امانت میں خیانت کرے تو اس کو کافر نہیں کہیں گے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے نفس ایمان کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ نفی اوصاف اور کمال ایمان کی نفی ہے۔ اس طرح بہت سی حدیثیں آئی ہیں جیسے "لا ایمان لمن لا حیاء لہ (جس کو حیا نہیں اس کو ایمان نہیں)۔ رات دن کے معاملات میں اس کی نظیر موجود ہے۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں آدمی میں مردانگی نہیں ہے نامرد ہے۔ کیا اس سے بالکل مرد ہونے کی نفی مقصود ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ کمال مردانگی کی نفی ہے لیکن اہل سلوک کی دنیا دوسری ہے ان کی نظر شریعت پر ہوتی ہے ان کے خیالات بلند ہوتے ہیں ان کا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے ایمان کے اوصاف میں سے اگر ایک صفت کی بھی اپنے اندر کمی

پائیں گے تو فوراً اپنی ذات پر کفر کا فتویٰ دیدیں گے۔ یہ کہتے ہیں کے جب آدمی میں آدمیت نہیں تو وہ آدمی کس کام کا ہے اسی طرح مومن میں جب ایمان کے اوصاف ہی نہیں تو وہ کیسا مومن ہے۔ مقصود صفت ہے نام نہیں یہاں اعتبار صفت کا ہے نام کا نہیں۔ فقہا کہتے ہیں جو شئے مقصود سے خالی ہے وہ گئی گذری ہے۔

ایمان تقلیدی اور دلیل والے ایمان میں فرق

مجلس شریف میں اس کا ذکر آ گیا کہ تقلیدی ایمان کیسا ہے اور دلیل والا ایمان کیسا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تقلیدی ایمان بھی صحیح ہے۔ اہل سنت والجماعت نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ مگر ہاں! بعضوں کا ایسا خیال ہے کہ تقلیدی ایمان کوئی ایمان نہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ایمان دو طرح کا ہوتا ہے ایک ایمان دیکھا دیکھی تقلیدی ہوتا ہے دوسرا ایمان دلیل و حجت کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح دلیل رکھنے والے کا ایمان درست ہے اسی طرح تقلیدی ایمان بھی درست ہے مگر ہاں! اس میں فرق مراتب ضرور ہے۔ دلیل والے ایمان کو فضل اس قدر ہے کہ وہ دلیل کے ساتھ اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے بعد لطیفے کے طور پر فرمایا کہ ایک جگہ ہم نے لکھا دیکھا ہے کہ ایمان تقلیدی کا وجود ہی نہیں ہے ہر شخص کچھ نہ کچھ دلیل رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ آسمان کو اللہ نے پیدا کیا زمین کو اللہ نے پیدا کیا۔

اہل مکاشفہ کے ایمان کی حقیقی حیثیت

اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ اہل مکاشفہ کے نزدیک دلیل والے اور تقلید والے دونوں برابر ہیں اس لئے کہ جس طرح مقلد اپنے عقیدہ سے بہکانے یا وسوسہ سے پھر سکتا ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اسی طرح دلیل والا بھی بہک سکتا ہے جہاں مخالف نے کوئی مضبوط دلیل خلاف وحدانیت پیش کر دی تو دماغ خراب ہو گیا کیونکہ اس کا دار و مدار دلیل پر ہی ہے۔ دوسرے یہ کہ عدم مشاہدہ میں دونوں برابر ہیں نہ مشاہدہ مقلد (تقلید کرنے والے) کو ہے نہ مستدل (دلیل پیش کرنے والے) کو ہے بخلاف اہل مکاشفہ کے کہ یہ ایمان سے پھر نہیں سکتے تقلید اور دلیل دونوں میدان سے یہ آگے بڑھ چکے ہیں مشاہدہ کی وجہ سے عین

الیقین کا درجہ انھیں حاصل ہو چکا ہے۔ ابتدا میں ان کا ایمان وعقیدہ فقط خبر کے درجہ میں تھا مکاشفہ نے مشاہدہ اور عیان کے درجہ میں پہنچا دیا دیکھ کر کسی چیز کا انکار ناممکن ہے مخالف ہزار سر مارے اور دلیل پر دلیل لائے یہ اپنے عقیدہ سے پھرنے والے نہیں اگر مخالف کسی قوت کے ذریعہ سے مٹی کی دیوار سونے کی بنا دے مردے کو زندہ کر دکھائے اور اہل کشف کو دین سے پھیرنا چاہے تو بھی یہ پھر نہیں سکتے۔

کافر کا ایک دوسرا معنی

مجلس شریف میں یہ آیت پڑھی گئی "یکفر بالطاغوت و یومن باللّٰہ"۔ (اللہ کے علاوہ کا انکار کرتا ہو اور اللہ پر ایمان لاتا ہو)

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کافر بالطاغوت' (غیر اللہ کا انکار) مومن کی شان ہے اس لئے یہ بات ہے کہ اگر مومن کو کوئی شخص کافر کہے تو فوراً اس شخص کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے ایسا ہوسکتا ہے کہ 'کفر بالطاغوت ' اس نے مراد رکھی ہو۔ اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ "من لم یکن کافر الم یکن مؤمنا" (جو کافر نہیں ہے وہ مومن بھی نہیں ہے) بہ ظاہر تو یہ اچنبھا (تعجب خیز) معلوم ہوتا ہے کیونکر یہ ممکن ہے کہ جو شخص کافر نہ ہوگا وہ مومن نہیں ہوسکتا اسی طرح بعض شعر میں جو کفر کا لفظ آتا ہے بعض محل میں اس کے یہی معنی ہیں۔ خاکسار نے اس موقع پر یہ مصرع پڑھا۔ ع

اے مومن بے ایمان مومن مشو کافر شو

(اے ایمان والے بغیر ایمان کے مومن مت بنو بلکہ کافر یعنی اللہ کے علاوہ کا انکار کرنے والے ہو جاؤ۔)

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے معنی یہی لیں گے کہ مومن باللہ ہو اور کافر لغیر اللہ ہو جا (اللہ تعالیٰ پر ایمان والے ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کا انکار کرنے والے بنو)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تربیت اور ایمان لانے کا واقعہ

مجلس شریف میں اس کا ذکر آ گیا کہ صحابہ کبار ﷺ کے ایمان لانے کی کیا صورت ہوئی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کمسنی میں ایمان لائے اس کی صورت یہ ہوئی کہ ابو طالب نے آپ کو کہا تھا کہ محمد (ﷺ) کے پاس رہا کرو اور وہ جو کہیں اس کی تعمیل کیا کرو۔ اس وصیت کی بناء پر آپ (حضور ﷺ کے پاس) رہا کرتے تھے ایک دن حضور ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جس وقت رسول علیہ السلام نماز میں تھے اور اس وقت تک نماز میں سوال و جواب جائز تھا۔

حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا نام نماز ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے تم بھی آ کر شریک عبادت ہو جاؤ آپ کے دل میں آیا کہ ذرا والد بزرگوار سے بھی پوچھ لیں اس نیت سے پلٹے تین قدم چل چکے تھے چوتھے قدم میں یہ بات یاد آئی کہ اجازت کی حاجت ہی کیا ہے انھوں نے تو حکم محمد (ﷺ) کے تعمیل کی اجازت دے ہی دی ہے لوٹ جائیں اور حکم بجا لائیں چوتھے درجہء خلافت کے جو آپ مالک ہوئے اس میں اس کا اشارہ ہو سکتا ہے۔ بہر کیف آپ لوٹے رسول علیہ السلام نے تلقین فرمائی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قبول کیا اور کم سنی میں مسلمان ہو گئے۔

حضرت ابو بکرؓ کے ایمان لانے کا واقعہ

حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) پہلے ہی دن بے لا و نعم (بغیر ہاں نہیں) اور ایک گھڑی توقف کئے بغیر جس وقت اسلام پیش کیا گیا فوراً آپ ایمان لے آئے اور اس کا قصہ یوں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ سفر شام میں تھے آپ نے خواب دیکھا کہ چاند آسمان سے اتر کر میری گود میں آ رہا ہے۔ صبح اٹھ کر معبر کے پاس گئے اور خواب بیان کیا معبر نے تعبیر بتائی کہ جس وقت پیغمبر آخر الزماں (ﷺ) مبعوث ہوں گے پہلا شخص جو ان کی نبوت کی تصدیق کرے گا وہ تم ہو گے۔ اس کے بعد وہ مکہ شریف چلے آئے ادھر حضور (ﷺ) کو حکم اظہار نبوت کا ہوا آپ ﷺ

نے دل میں سونچا کہ اس راز کو کس سے کہیں دل نے کہا کہ جا کر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو کہنا چاہئے۔ اس ارادے سے حضور (ﷺ) چلے۔ اتفاقاً اپنے مکان سے صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) بھی نکلے کہ حضور ﷺ سے ملیں اثناء راہ میں ملاقات ہوگئی۔ پوچھا حضور (ﷺ) کہاں جارہے ہیں؟ آپ نے فرمایا (ﷺ) تمہارے ہی پاس۔ غرض یہ تھی کہ ایک نازک معاملہ پیش آگیا ہے اور وہ بات یہ ہے جو ہم کسی سے نہیں کہہ سکتے ہیں۔ صدیق اکبرؓ نے کہا کہ آخر آپ (ﷺ) فرمائیں تو سہی وہ بات ہے کیا؟ حضور (ﷺ) نے کہا ہمیں نبوت ملی ہے اور دعوت اسلام کا حکم ہوا ہے۔ صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ آپ (ﷺ) کے اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے؟ فوراً جبرئیل علیہ السلام نے گوش مبارک (ﷺ) میں کہا کہ ملک شام والا خواب یاد دلا دیجئے۔ حضور ﷺ کا فرمانا تھا کہ بے کھٹکے صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے کہا ''لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ (ﷺ)'' سبحان اللہ۔ اس کے بعد صدیق اکبرؓ کی منقبت میں باتیں ہونے لگیں۔

حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے کمال ایمان سے متعلق سوال

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے سلوک کے غلبۂ حال میں فرمایا کہ ''ماالایمان یا رسول اللّٰہ'' (ایمان کیا ہے یارسول اللہ ﷺ)

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس کی یوں تشریح کی کہ یہ ایک بلند بات ہے جس گروہ کا یہ دعویٰ ہو کہ ہم کمال معرفت حاصل کر سکتے ہیں وہ اس سے سبق لے سکتے ہیں کیونکہ اس راہ کے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ ایمان لانے کی چیزوں پر ایمان بھی لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات سے جس قدر خبر دی ہے اس قدر پہچانتے بھی ہیں مگر کمال معرفت کا دعویٰ نہیں کرتے ان کا قول ہے کہ جتنا بھر ہم سے کہا گیا ہے ہم نے جان لیا مگر اس کی ذات پاک اس سے بہت بالاتر ہے کہ اس کی معرفت کے کمال تک ہم پہنچ سکیں عجب راز ہے کہ جس قدر ان کا عرفان بڑھتا جاتا ہے یہ لوگ (اپنے بارے میں) ایسا سمجھتے ہیں کہ ہم نے کچھ پہچانا ہی نہیں۔ معرفت کی شراب جتنی زیادہ پیتے ہیں ان کی پیاس اور بھڑکتی (ہی جاتی ہے) ہے اس جملہ سے حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کی یہی پیاس ثابت ہوتی ہے۔

صحابہ کا مقام سلوک اور صاحب قاب قوسین کے عجز کا کمال

دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ جب سلوک میں ان پر غلبہ ہوتا تو یاروں کے حجرے کے دروازے پر جاتے اور بے ساختہ کہہ گزرتے "تعالوا نومن باللہ ساعة" (آؤ ہم لوگ ایمان لائیں تھوڑی دیر کے لئے)۔ اس میں بھی وہی پیاس ہے اور اسی اصول پر اس کا مطلب سمجھنا چاہئے صحابہ تو صحابہ ہیں تم اس کو نہیں دیکھتے کہ خود وہ بلبل بوستاں معرفت معراج کی شب مقام قاب وقوسین میں کس عجز عبدیت کا اظہار کرتے ہیں "لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک" (جیسا کہ تو نے اپنی تعریف فرمائی ہے ویسی تیری تعریف مجھ سے نہیں ہوسکتی) تیری ذات ہی اپنی حمد وثناء کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ اسی معنی کے طرف کسی نے اشارہ کیا ہے ؎

در نظر عشق کمال سلوک ہم تو علیمے کہ ضلالی شدہ است
لا جرم از گفتن مدح و ثنا افصح کونین چولالی شدہ است

کمال سلوک اور عشق

کمال سلوک جب حاصل ہو جاتا ہے تو عشق کی نظر میں بڑے بڑے جاننے والے انجان ہو جاتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جو بے مثل ہستی یہ کہے کہ میں کونین میں فصیح ترین ہوں وہ مقام حمد وثنا میں خاموشی اختیار کر لیتی ہے۔

ابو طالب کے ایمان نہ لانے کی حقیقت

مجلس شریف میں ذکر ایسے کفار عرب کا آ گیا جو رسول خدا (ﷺ) کو پیغمبر برحق جان کر بھی ایمان نہ لائے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل عرب سردار قوم اور مال و دولت عزت و آبرو میں یکتائے روزگار تھے اور حضور (ﷺ) کی پرورش یتیمی کے سبب سے ابو طالب نے کی تھی۔ اس لئے وہ لوگ آپ کو پوس پالک سمجھتے تھے ایک بے مادر و پدر اور پروردہ ابو طالب جانتے تھے ایسی شخصیت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ان کے لئے عار تھا دل میں پیغمبر سمجھنے پر بھی زبان پر یہ بات نہ لاتے تھے کیونکہ اگر زبان پر لاتے ہیں تو پھر ایمان لانے میں عذر کہاں

باقی رہ جاتا ہے اور ایمان لاتے تو آبا و اجداد کے دین سے پھرنا پڑتا۔ یہ بات ان کے خیال میں بڑے ننگ و عار کی تھی کہ اپنے گھر کا عزیز (اپنے باپ دادا کے دین سے) پھر ادے اور ہم پھر جائیں۔ خود حضرت ابو طالب کے بارے میں مشہور ہے کہ حضور (ﷺ) نماز میں تھے اور بآواز بلند قرآن پڑھ رہے تھے اور حضرت ابو طالب آپ کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے کچھ لوگ یہ حال دیکھ رہے تھے ان لوگوں نے پوچھا کہ جب ایسا جانتے ہو اور دیکھتے ہو تو پھر ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ننگ و عار کی وجہ سے نار یعنی دوزخ ہم نے قبول کیا ہے۔ پھر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ بیت پڑھی ؎

دانی کہ عرب چہ عیب جویند　　　ایں کار کنم مرا چہ گویند

(تم جانتے ہو کہ اہل عرب کس کرید میں رہتے ہیں ہر وقت یہی دھن ہے کہ خلاف شان کوئی بات نہ ہو۔)

اسلام کے علاوہ کوئی دین باقی نہ رہے گا

مجلس شریف میں دین اسلام کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا ایک فرمان ابھی پورا نہیں ہوا ہے مگر پورا ہو کر رہے گا۔ وہ یہ کہ مغرب سے مشرق تک سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے کوئی دین باقی نہ رہے گا مگر اسلام اور یہ ضرور ہو کر رہے گا۔ مفسروں کا کہنا ہے کہ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور قتل دجال کے بعد ایسا ہوگا۔ اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جب اسلام چھا جائے گا تو ایسے لوگ بھی ضرور نکلیں گے کہ آبائی دین کو دل میں چھپائے رہیں گے۔ صرف زبان سے کہیں گے کہ ہم مومن ہیں ایسے موقع میں فرمان پورا ہونے کی کیا صورت ہے کیونکہ وعدہ سچا ہے۔ مفسروں نے اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ جو لوگ دل سے مسلمان نہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ڈھیلے اور پتھر کو گویائی دے گا کہ اے جماعت محمد یہ فلاں شخص یہودی ہے، فلاں نصرانی ہے، فلاں مجوسی ہے وغیرہ وغیرہ اس کو تہ تیغ کرو اس طرح ہر بے دین مارا جائے گا بس خالص اسلام رہ جائے گا۔

شرک جلی اور شرک خفی کی مفسرانہ اور عالمانہ تشریح

مجلس شریف میں شرک خفی کا ذکر آ گیا۔

مولانا آدم حافظ مجلس شریف میں حاضر تھے۔انھوں نے سورہ کہف کا آخری حصہ پڑھا سننے کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ پر زبردست رقت وگریہ تھا۔مولانا آدم نے عرض کیا''فمن کان یرجو لقاء ربه فلیعمل عملا صالحاً ولایشرک بعبادة ربه احدا''اس آیت کی تفسیر کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل قریش کی بت پرستی معلوم ہے کہ کعبہ شریف میں بت لاکر رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم لوگوں کو اس بات کا اقرار ہے کہ عبادت اللہ کے لئے ہے اور اسی کی عبادت ہم کرتے ہیں مگر ہمارے یہ قبلۂ حاجات بھی معبودیت میں شریک ہیں اس وقت اس آیت کا نزول ہوا یہی واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب ہے۔مگر اہل اشارہ اور اہل فقہ جس طرح شرک جلی کی تردید اس سے کرتے ہیں اسی طرح شرک خفی کی بھی تردید فرماتے ہیں جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے معنی کے اعتبار سے بھی حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ شرک کی دو قسمیں ہیں شرک ظاہر و شرک خفی،شرک ظاہر اس شرک کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کسی کو معبود ماننا جیسا کہ کافروں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے''افرأیت من اتخذ الٰهه هواه''(کیا تم نے دیکھا کہ ان لوگوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا معبود بنالیا ہے)اور شرک خفی یہ ہے کہ خدا کو بھول کر دوسرے سے ڈرنا خدا کے سوا دوسرے سے امید رکھنا یہ تفسیر اہل طریقت کے معنی کے اعتبار سے ہے ورنہ(آج)کون آدمی ایسا ہے کہ اس کے قول و فعل سے شرک خفی ثابت نہیں ہوتا اسی لئے صوفیائے کرام جب اس قسم کی آیت پڑھتے ہیں تو سر پیٹنے لگتے ہیں اور کیوں نہ ہو اس آیت شریف کو دیکھو کہ مطلوب ومقصود جو شئے ہے یعنی لقائے باری تعالیٰ وہ دو شرطوں پر مشروط کردی گئی ہے ایک عمل صالح دوسرے عدم شرک،شرک خفی سے معناً ہم لوگ بری نہیں ہوسکتے'البتہ انبیاء علیہم السلام کی ذات پاک معصوم ہے۔اور عمل صالح کا حال یہ ہے کہ ریا وعجب سے وہ بھی خالی نہیں ہے۔اب ہم اگر اپنے آپ

کواس لائق سمجھتے ہیں تو غرور و پندار کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔فقط دعویٰ ہی دعویٰ ہے ہم نیکو کار ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر اس کی خبر ہی نہیں کہ بجائے نیکی برائی ہو رہی ہے۔قرآن شریف گواہی دے رہا ہے کہ "وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا"(سورۃ الکھف آیت ۱۰۳-۱۰۴) ایک جماعت مسلمان ہونے کا دعویٰ کر رہی ہے ایک گروہ مؤمن ہونے کا مدعی ہے مگر اسکی خبر نہیں کہ حقیقت حال کیا ہے ایسا سمجھنا کہ ہم بھی کسی لائق ہیں اور اچھا کام کر رہے ہیں یہ غرور و پندار کے سوا کچھ نہیں۔اس مسلمانی اور مؤمن ہونے کی حقیقت اس وقت کھل جائے گی "فکشفنا عنک غطاء ک فبصرک الیوم الحدید" (سورۃ ق آیت ۲۱-۲۲) اسی موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ بیت پڑھی ؎

خواجہ پندارد کہ دارم حاصلے
حاصلے خواجہ بجز پندار نیست

(جناب والا سمجھتے ہیں کہ عمل صالح کی پونجی رکھتے ہیں اور ہم بھی کچھ ہیں حالانکہ آپ کی جھولی میں سوائے عجب و ریا کے کچھ بھی نہیں۔)

اور آپ نے فرمایا کہ اس شرک خفی سے کوئی خالی نہیں یہ سن کر آدم حافظ نے عرض کیا کہ دنیا اس شرک خفی میں مبتلا ہو تو ہو مگر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ یقیناً اس سے پاک ہیں۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ شرک خفی تو بڑی چیز ہے اے کاش شرک ظاہر سے خدا بچائے رکھے۔اتنے مجاہدے اور ریاضتیں جو بزرگوں نے کی ہیں اور اپنی جان پر کھیلے ہیں وہ صرف اسی لئے تا کہ شرک خفی کی گندگی و نجاست دور ہو جائے اس پر بھی اگر اپنے اندر نقصان پایا ہے تو بعضوں نے زنار باندھ لی ہے۔تا کہ لوگوں کا حسن ظن جاتا رہے۔جب اپنے خیال میں شرک باقی ہے تو اس کو ظاہر کر دینا ہی مناسب ہے کہ نفاق کی آلائش سے تو بچے رہیں ظاہر کچھ باطن کچھ ایں چہ معنی دارد (یہ کیا بات ہوئی) نفاق کفر سے بدتر ہے۔"ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار" (سورۃ النساء آیت ۱۴۴-۱۴۵) منافقوں کے لئے دوزخ کا سب سے نچلا درجہ ہے۔اس کے بعد ارشاد ہوا کہ

بزرگوں کے اشعار میں بت وزنار وغیرہ آتا ہے۔اس سے شرک خفی مراد ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کرم ہندو اور مسلمان دونوں پر عام ہے

مجلس شریف میں اللہ تعالیٰ کے کرم کا ذکر آ گیا کہ ہندو و مسلمان دونوں پر اس کا کرم ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں! اس کی بخشش عام ہے۔ دیکھو ایک شخص تمام عمر کفر کرتا رہا اور مرتے وقت اس نے کلمۂ شہادت پڑھا پاک وصاف مسلمان ہو کر وہ اللہ کے یہاں گیا اور ہمیشہ کا شرک وکفر اس کا بخش دیا گیا۔ اسی طرح گنہگار مسلمان کا حال ہے کہ جہاں نادم ہو کر اس نے توبہ کی کل گناہ بخش دیئے گئے۔ اور پکا مسلمان ہو کر دنیا سے رخصت ہوا۔

پھر فرمایا کہ اشعری عقیدہ والوں کا خود مسلک یہی ہے کہ اعتبار خاتمت پر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صرف زندگی کے زمانہ کا اسلام بخشائش کے لئے معتبر نہیں ہے اصل میں خاتمہ کا اعتبار ہے۔ اگر خدانہ خواستہ کسی مؤمن مسلم کا خاتمہ کفر پر ہوا تو سمجھنا چاہیے تمامی عمر دراصل وہ کافر تھا۔ اس کے برعکس کافر کو سمجھنا چاہیے کہ اگر وہ مؤمن مرا تو وہ بھی عمر بھر صاحب ایمان تھا۔

مذہب اشعری کا اعتبار خاتمت پر ہے

پھر فرمایا کہ "تذکرۃ الاولیاء" میں ہے وصال کے وقت خواجہ بایزید بسطامی (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا "الأن اقطع زناری و اقول لا اله الا الله "۔ اس وقت ہم زنار توڑتے ہیں اور "لا اله الا الله" کہتے ہیں۔

گویا یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جس کلمے کو ایک بار پڑھ کر کافر مسلمان ہو جاتا ہے ہم بھی کیوں نہ پڑھیں کہ شرک معنوی دور ہو جائے اس لئے کہ اس شرک سے ہم اپنے کو پاک نہیں سمجھتے ہیں اور بعض اہل مشاہدہ جوش میں آ کر یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ جب اس کلمے کی یہ شان ہے کہ تمام عمر کا کافر ایک بار پڑھ لینے سے مرحوم ومغفور ہو جاتا ہے تو وہ مؤمن جس کی ساری عمر کلمہ پڑھنے میں کٹی ہو اس کے گناہ کب باقی رہ سکتے ہیں اس کو یقینی مغفور سمجھو۔

فرشتہ افضل ہے یا انسان؟

اس کے بعد مؤمن کی فضیلت کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جب کوئی مؤمن مرتا ہے تو جو فرشتے اس کے ساتھ مقرر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ پاک اس کی پوری زندگی تک ہم اسکے ساتھ رہے اب جب کہ اس کی میعاد ختم ہوگئی ہے ہم لوگوں کو اب اس بات کی اجازت دی جائے کہ آسمان پر جا کر دوسرے فرشتوں کے ساتھ مل کر آپ کی تسبیح وتہلیل کرتے رہیں۔ جواب ملتا ہے کہ آسمان پر میری تسبیح وتہلیل کے لئے فرشتوں کی کچھ کمی نہیں ہے۔

پھر یہ لوگ عرض کرتے ہیں کہ آخر غلاموں کو کیا حکم ہوتا ہے۔ فرمان ہوتا ہے سنو تمہارا فقط یہی کام ہے کہ اس بندۂ مؤمن کی قبر کے مجاور بن کر قیامت تک ہماری تسبیح وتہلیل کرتے رہو۔ تمہاری تسبیح وتہلیل ساری کی ساری اس بندے کے اعمال میں لکھی جائے گی اسی سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ افضل کون ہے۔ انسان یا فرشتہ؟ بعض اکابرین اس کے قائل ہیں کہ مطلق بشر فرشتہ سے افضل ہے، دنیا وآخرت دونوں میں، کیونکہ ان کے ذمہ انسان کی خدمت سپرد ہے۔ دونوں میں خادم ومخدوم کی نسبت ہے۔ مخدوم کو خادم پر فضیلت ہے۔ دوسری دلیل ان بزرگوں کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا فرشتوں کو حکم دیا کہ سب کے سب حضرت آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کریں۔ تمام فرشتوں نے ابلیس کے سوا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ مسجود ساجد سے یقینی افضل ہوتا ہے۔

خاکسار نے عرض کیا کہ اس دلیل سے کل بشر کا افضل ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ مسجود ملک تو فقط حضرت آدم (علیہ السلام) ہوئے کل بشر نہ ہوئے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تمام ذُریات تو پشت آدم میں موجود تھے چنانچہ ایک معتبر نقل ایک بزرگ کی موجود ہے کہ ان کے وصال کے بعد جب منکر نکیر سوال کے لئے آئے تو ان بزرگ نے فرمایا کہ تمہارا منہ ہم سے سوال کا نہیں ہے۔ منکر نکیر نے کہا وہ کیسے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب تم اور تمہاری جماعت نے ہمارے پدر آدم علیہ السلام کے سامنے ماتھا ٹیکا تھا (اس وقت) ہم ان کی پیٹھ میں موجود تھے۔ پھر تم ہم سے سوال کرنے کیا آئے ہو۔



تیسرا باب

معرفت ذات وصفات باری تعالیٰ پر دلائل کے ساتھ متکلمانہ بحث

مجلس شریف میں خاکسار نے عرض کیا کہ ذات وصفات کی معرفت سے مراد کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ معرفت ذات سے مراد ہستی (ذات الٰہی) اور وحدانیت حق ہے۔ اور اس طرح جاننا کہ "ذاتہ لیس کذواتنا" (اللہ تعالیٰ کی ذات ہم لوگوں کی ذات کی طرح مجسم نہیں ہے) یعنی ذات باری تعالیٰ جوہر نہیں ہے جسم نہیں ہے محدود ومتناھی نہیں ہے نہ مکان میں نہ زمان میں نہ جہت میں ہے اور جو چیز وہم وخیال میں آئے وہ اس کی ذات نہیں ہے۔ اللہ وہی ہے جو عقل وفہم ووہم سے باہر ہے۔ شعر ؎

انچہ در وہم تست اللہ نیست ۔۔۔ انچہ پیش تو بیش ازاں رہ نیست

بلکہ جو صورت تمہارے خیال میں آئے اس کا بھی وہ خود خالق ہے اور یہ جاننا چاہئے کہ ذات اس کی موصوف ہے یہ صفات کمالیہ نقصان وزوال سے پاک ہے جو اس کے لئے مناسب ہے اسی طور پر ہے۔ اور معرفت صفات سے مراد یہ ہے کہ "صفاتہ لیس کصفاتنا" (اللہ تعالیٰ

کے صفات ہم لوگوں کے صفات کی طرح نہیں ہیں۔) یعنی صفت الٰہی نہ عین ہے نہ غیر اور اس کی صفات کا تعلق آپس میں بھی اسی طرح پر ہے کہ نہ عین ہے نہ غیر۔ مثلاً علم وقدرت۔ علم نہ عین قدرت ہے نہ غیر قدرت۔ قدرت نہ عین علم ہے نہ غیر علم اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ جس طرح اس کی ذات قدیم ہے صفات بھی قدیم ہے۔ اور کل صفات قائم بذات خداوند ہے عرض کے طور پر بھی نہیں اور نہ ذات سے منسلک اور بھی جو اس کے مناسب ہے اسی طور پر ہے اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ یہ تقریر جو کی گئی اس کا نام علم معرفت ہے اور یہ عام مومنوں کے مرتبہ کی بات ہے مگر صوفیائے کرام علم معرفت کے درجہ سے آگے بڑھ کر معرفت یقینی کے درجہ پہنچے ہیں ہوئے ہیں اور پیران طریقت کے فیض صحبت سے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معرفت یقینی کے درجہ سے بھی آگے بڑھ کر معرفت ذاتی تک ان کی رسائی ہوگئی ہے۔ "ان الی ربک المنتھی" (سورۃ: آیت:) نے ان پر جلوہ کیا ہے۔ "رزقنا اللّٰہ وجمیع المؤمنین بالنبی و آلہ اجمعین"۔ یہ دولت اللہ تعالیٰ ہم کو نصیب کرے اور سب مومنوں کو عطا فرمائے بہ طفیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وآل اطہار (رضوان اللہ علیهم اجمعین)

معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حضرات جس وقت معرفت کی بات کرنے لگتے ہیں تو اشارہ کے طور پر اس مقام ومرتبہ خاص کی توجیہ فرماتے ہیں معرفت علمی کے اصول پر بات نہیں کرتے یہ تو عوام الناس کے مرتبہ کی چیز ہے اور ان باتوں کو اکثر اہل علم وعقل جانتے ہیں۔ معرفت ذاتی کے بیان کے متعلق جو اصطلاحیں مقرر ہیں اگر معرفت علمی کی اصطلاح سے ملا دوگے تو بات بگڑ جائے گی کل متکلم یتکلم بالاصطلاح (ہر طبقہ کی ایک اصطلاح خاص ہوتی ہے اسی اصول پر وہ بولتا ہے۔

مجلس شریف میں ذکر آ گیا کہ جوہر کس کو کہتے ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ذات پاک حضرت عزت جوہر نہیں ہے اس لئے کہ جوہر کی دو تعریف کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ مرکبات کے اصول کو جوہر کہتے ہیں یعنی مرکبات کا قیام جس چیز کی آمیزش کے بغیر نہیں ہوسکتا اسی کا نام جوہر ہے اور بذات خود وہ کسی مرکب کا محتاج نہیں۔ ایک جز ومفرد غیر مرکب ہے جب دوسرے اجزاء اس سے ملتے ہیں تو وہ

مرکب ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو شئے قائم بنفسہ ہے اس کو جوہر کہتے ہیں ۔تو پہلی صورت یہ ہوئی کہ جوہر اس کو کہتے ہیں جو اصل ترکیبات ہو اس اعتبار سے حق جلّ شانہٗ کو جوہر نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ باری تعالیٰ کسی مرکب کا جز و خاص نہیں ہے اس کی شان اس سے منزہ ہے اور اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ اصل ترکیبات سے مرکب نہیں ہو سکتا ہے۔ اور دوسری صورت میں کہ جوہر اس کو کہتے ہیں جو قائم بنفسہ ہو اور حق تعالیٰ قائم بنفسہ ہے اس اعتبار سے اس کو جوہر کہہ سکتے ہیں مگر کہنا نہیں چاہئے کیونکہ اگر چہ معنی کے اعتبار سے جوہر کہنا حق تعالیٰ کو گناہ نہیں ہے لیکن لفظاً گناہ ہے اس لئے کہ اسماء وصفات باری تعالیٰ مندرج کتاب اللہ وحدیث رسول ہیں دوسرے کسی کی مجال نہیں ہے کہ اجتہاد کر کے کوئی نیا نام رکھے یا نئی صفات سے یاد کرے اگر چہ معناً وہ ٹھیک ہو مثلاً لفظ طبیب از روئے معنی اس میں کوئی قباحت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کو کہہ سکتے ہیں۔ طبیب امراض و دوا کا عالم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی دونوں کا عالم ہے لیکن یہ لفظ قرآن و حدیث میں نہیں آیا ہے اس لئے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر نہیں کرتے ہیں جو شخص معنی کے اعتبار سے خدا کو طبیب کہے وہ جائز ہو سکتا ہے مگر از روئے لفظ وہ خطا کار کہا جائے گا۔

اس موقع پر قاضی صدر الدین نے عرض کیا کہ حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے طبیب کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ''الطبیب امرضنی'' (طبیب یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بیمار کیا) آپ سے تو ایسی خطا ناممکن ہے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا معصوم تو صرف نبی ہیں اس لئے ایسی خطا تو اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ممکن ہے۔ اہل معنی کا مسلک یہی کہ جب تک غلبہء علم ہے اس قسم کا لفظ استعمال نہیں کر سکتے ہیں۔ ہاں! غلبہء حال کی بات ہی دوسری ہے۔ صاحب حال معذور ہے۔ لفظاً خطا مانیں گے۔ کیوں نہ کہا جائے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی غلبۂ حال میں ایسا فرمایا ہے۔

مجلس شریف میں نفس و ذات کے بارے میں ذکر آ گیا۔

چنانچہ حضرت مخدوم جہاں عظہ اللہ نے فرمایا کہ ذات سے ہستی مطلق مراد لیتے ہیں اور ایسے چند لفظ ہیں جس سے مراد ہستیء الٰہی ہوا کرتی ہے۔ جیسے عین۔ شئے۔ وجود۔ ذات۔ نفس۔ اس کے بعد ایک گل سرخ جو دست مبارک میں تھا اس کو آپ نے بطور مثال سمجھایا کہ

دیکھو اس پھول کو عین گل۔ ذات گل۔ وجود گل۔ سب کہہ سکتے ہیں اور سب سے مراد وہی گل کی ہستی ہے ان لفظوں کے ساتھ قرآن وحدیث میں بھی بیان آیا ہے وہاں پر مراد ہستی حق ہے سوائے صفات کے کہ وہ ذات سے جدا ہے۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ صفات کو ذات سے الگ کہہ سکتے ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں! ہاں! اہل سنت و جماعت کے نزدیک سب صفتیں ذات سے جدا ہیں۔ اس قول سے ان کا مقصد یہ ہے کہ معتزلہ سے ہمارا مسلک الگ ہو جائے۔

صفات باری تعالیٰ کے بارے میں معتزلہ کے دلائل اور اس کا رد

معتزلہ کہتے ہیں کہ صفات ذات کے سوا کوئی چیز نہیں ہے اس کی ذات ہی عالم ہے۔ اس کی ذات ہی قادر ہے اسی طور پر اور صفتیں بھی اسی طرح ہیں۔ چنانچہ وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ اگر صفات کو ذات سے الگ مانا جائے تو قباحت لازم آئے گی۔ ذات اور صفات دونوں قدیم ہیں۔ الگ الگ دو قدیم کو ماننا پڑے گا اور قدیم میں کثرت کی گنجائش نہیں۔ وہی ذات پاک قدیم ہے اللہ تعالیٰ عالم با حیثیت ذات ہے ذات سے الگ کوئی شئے نہیں ہے جب یوں کہیں گے تو قدیم میں تعدد لازم نہیں آئے گا۔ اس شبہہ کی وجہ سے معتزلی اس مسلک سے بھاگ کھڑے ہوئے اور ایک خاص مسلک انہوں نے اختیار کر لیا لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ قدیم میں تعدد اس وقت لازم آئے گا کہ جب صفات کو غیر ذات کہیں گے۔ دراں حالیکہ صفات غیر ذات نہیں ہے کیونکہ غیریت کی صفت اس میں پائی نہیں جاتی ہے۔ غیریت کی صفت یہ ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر قائم و موجود ہو اور صفات باری اس پر نہیں ہے کہ بغیر ذات پاک حق کے پائی جائے۔ صفات حق تو حق کے ساتھ قائم ہے تو یہ غیر ذات نہیں ہوئی۔ چنانچہ ذات قدیم ہے تو صفت بھی قدیم ہوئی یہاں پر تعدد قدم لازم نہیں آتا۔

مجلس شریف میں حقیقت اوصاف حق کا ذکر آ گیا تو اس موقع پر بھی حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ صفات باری تعالیٰ تمام کے تمام حقیقت ہیں۔ یہاں بھی معتزلہ کا رد مقصود ہے۔ معتزلہ صفات حق کو حقیقت نہیں کہتے ان کا خیال ہے کہ صفات حق ضد کی نفی

ہے۔ حقیقتاً وہ صفت اس میں موجود نہیں ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت عالم ہے اس سے وہ جہل کی نفی مراد لیتے ہیں۔ اس سے مراد قوی سے ضعف کی نفی اور قدرت سے عجز کی نفی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ نہیں سب صفتیں حقیقتاً ہیں۔ علم وقدرت وغیرہ وغیرہ سب صفتیں اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، اوران کی ضد کا وجود اس ذات پاک میں نہیں ہے بلکہ صفات حقیقی سوائے حق کے کسی کے اندر نہیں ہیں۔ غیر اللہ کے اندر جو صفتیں ہیں وہ مجازی ہیں۔ غیر حق کو ہم عالم ضرور کہتے ہیں مگر یہ مسلم ہے کہ غیر اللہ میں علم عطائی ہے ہمیشہ سے نہیں ہے بلکہ جب اللہ رب العزت نے اس کو علم دیا تو اس کے اندر علم کی صفت آئی مگر اللہ تعالیٰ کی جو صفتیں ہیں وہ کسی کی دی ہوئی نہیں ہیں یعنی وہ حادث نہیں ہیں قدیم ہیں۔

عرفان الٰہی کے فیوض وبرکات

مجلس شریف میں اس حدیث کا ذکر آگیا"**من عرف اللّٰه کل لسانه**" (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان مشاہدات اور مکاشفات کے بیان میں عاجز ومعذور ہے) حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جو چیز ارباب مشاہدہ ومکاشفہ پر ظاہر ہے وہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں یہ ظاہری زبان اس کے بیان کرنے سے گونگی ہو جاتی ہے "کل لسانہ" سے ظاہری زبان مراد ہے مطلب یہ ہے کہ مشاہدات ومکاشفات کے بیان سے ظاہری زبان قاصر وعاجز ہے۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا وہ واقعی گونگا ہو گیا اور بولنے کی طاقت اس میں نہ رہی۔

پھر ارشاد ہوا دوسری حدیث ہے کہ "**من عرف اللّٰه طال لسانه**" (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان کی قدرت وطاقت روحانی طور پر بڑھ جاتی ہے) اس لسان سے مراد زبان باطن ہے یعنی باطن کی زبان پر اس کی معرفت کی باتیں جاری ہو جاتی ہیں اور ممکن ہے کہ زبان ظاہر بھی اس سے مراد ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی حدیث کا اشارہ ابتدائے معرفت کی طرف ہو اور دوسری حدیث کا اشارہ انتہائے معرفت کی طرف ہو۔ خاکسار نے عرض کیا کہ "**من عرف اللّٰه لم یقل اللّٰه**" (جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ اس کا نام اس کی عظمت وجلال کی بنا پر لینے کی جرت نہیں کرتا) اس حدیث کا محمول کیا ہے۔ حضرت مخدوم

جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ایک مقام کی بات ہے۔ اس مرتبہ میں عرفاء کی دو نظر ہوتی ہے۔ ایک نظر باری تعالیٰ کی عظمت و جلال و قدس پر پڑتی ہے اور دوسری نظر اپنی بشریت اور اس کی آفت پر پڑتی ہے بہ مقابلہ کمال و جلال و عظمت و قدس حق اپنی بشریت کو غایت نقصان میں اور نہایت ناچیز و ناپاک پاتے ہیں اس مقام میں پہنچ کر ان پر یہ حالت طاری ہوتی ہے کہ اس ناپاکی اور ناشائستگی کے ساتھ وہ نہیں چاہتے ہیں کہ اس پاک ہستی کا نام زبان پر آئے اور اسی وجہ سے نام پاک حضرت حق جل وعلا نہیں لیتے اس کے بعد یہ شعر زبان مبارک پر آیا ۔

ہزار بار بشتم دہن بہ مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن مرا نمی شاید

حضرت شبلی کا ابتدائے حال اور مرتبۂ کمال

اور یہ حکایت فرمائی جو معروف و مشہور ہے کہ ابتدائے حال میں امام شبلی رحمتہ اللہ علیہ پر یہ حالت طاری تھی کہ جس سے اللہ تعالیٰ کا نام سنتے اس کا منہ شکر سے بھر دیتے اور جب انتہائی مرتبہ پر پہنچے تو ان کے سامنے جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام لیتا تو اس کو ڈھیلا مارتے تھے یہ کیا ہے اسی مقام کی بات ہے۔

"لا شبه لله فی الوجو د" کی تشریح

مجلس شریف میں اس کا ذکر آ گیا کہ وجود میں اللہ تعالیٰ کا شبیہ و نظیر نہیں ہے "لا شبه الله فی الوجود" (دنیا و مافیھا میں اللہ کا کوئی ہمشکل نہیں ہے) چونکہ وجود کی قید کر دی ہے اس لئے اس کا شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ذہن میں شبیہ و نظیر ہونا ممکن ہے؟ یہ سوال قاضی اشرف الدین نے کیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جب خارج میں اسکا مشابہ نہیں تو بدرجہ اولیٰ ذہن میں نہ ہوگا کیونکہ ذہن تو خود خارج میں مثال کا محتاج ہے غیر موجود چیز سے وہ کسی چیز کی تشبیہ کیونکر دے سکتا ہے یہ بالکل محال ہے تشبیہ دو چیز کے درمیان ہوتی ہے اور ضروری ہے کہ وہ دونوں چیزیں موجود ہوں یعنی وجود رکھتی ہوں موجود کی تشبیہ معدوم سے آج تک کسی نے نہیں دی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب !



چوتھا باب

متشابہات کے بارے میں متکلمین فقہا، محدثین اور صوفیاء کے آرا اور دلائل

مجلس شریف میں ذکر آ گیا کہ قرآن وحدیث میں ید۔ وجہ۔ سمع۔ بصر۔ (ہاتھ۔ چہرہ۔کان۔آنکھ) وغیرہ کا لفظ آتا ہے حضرت حق نے اپنے لئے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں اسکا مقصد کیا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل ظاہر اس کی تاویل کرتے ہیں مگر اہل تحقیق اس کی تاویل نہیں کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ اگر ہم ان الفاظ کی تاویل کرتے ہیں تو ان الفاظ کے استعمال کا حاصل کیا ہوا جیسا کہ وجہ سے اہل ظاہر ذات مراد لیتے ہیں اہل تحقیق کہتے ہیں کہ اگر وجہ (چہرہ) سے ذات مراد لیں تو ذات کے لئے جو دوسرے الفاظ آئے ہیں ان کا حشر کیا ہوگا۔دوسرے لفظ سے ذات ثابت ہو تو وجہ کا لفظ بیکار پڑ جاتا ہے اور لفظ ید سے قدرت تاویل کرتے ہیں تو لفظ ید بیکار ہو جاتا ہے۔یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی لفظ بیکار استعمال نہیں فرمایا ہے اب خواہ ید ہو یا وجہ یا دوسرے متشابہات ہوں سب اپنی جگہ پر ٹھیک ہیں ہاں اس میں ہم معنی اس طرح پروئیں گے کہ جو (ہاتھ) جو اس ذات پاک کے لائق

ہو ہم وہ ہاتھ مانیں گے مگر یہ کہیں گے کہ ہمارے ہاتھ سے اس کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ رخسار کہیں گے مگر ہمارے چہرے سے کچھ مناسبت نہیں ہے از یں قبیل کل متشابہات اس کے بعد فرمایا کہ اسی میں دین کی سلامتی ہے۔ الفاظ بیکار نہیں جاتا اور نفی تشبیہ بھی ہو جاتی ہے اس کی ذات وصفات کے ساتھ جس طرح ایمان ہونا چاہئے وہ بھی قائم رہتا ہے پھر فرمایا سبحان اللہ بیان میں کیا ندرت ہے اور کیوں نہ ہو آخر اہل تحقیق کیوں کہلائے۔ تاویل کرنے میں دو پہلو نکلتے ہیں ایک صواب ہے اور دوسرا خطا ہے۔ ایسے دو رخے معاملے سے اہل تحقیق احتراز کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں ''خلقت بیدی'' (میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا) استعمال ہوا ہے اگر اس ید سے مراد قدرت لی جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کی خوبی کیا نکلے گی۔ ابلیس کو بھی تو اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے آدم وابلیس میں فرق کیا رہا پھر سارا عالم اسی کی قدرت سے پیدا ہوا ہے خصوصیت ''ید'' کی کیا ہوئی تو معلوم ہوا کہ ید سے وہ معنی مراد ہے جو حضرت عزت کے لائق ہے اسی ہاتھ سے آدم کو پیدا کیا اور اس (بات) سے آدم علیہ السلام کی بڑائی نکلی اس کے بعد خود ہی فرمایا کہ متشابہات کے موقع میں اگر کوئی یہ کہے کہ معرفت ذات وصفات واجب ہے متشابہات کی معرفت اہل تحقیق نے کیوں نہیں کی اہل تحقیق کا فرض ہے کہ معرفت ذات وصفات بطریق اولیٰ حاصل کریں۔

اہل تحقیق کا جواب یہ ہے کہ معرفت ذات وصفات ہم پر واجب نہیں کہ بہ تفصیل حاصل کریں اور صحت ایمان بھی اس پر موقوف نہیں اگر متشابہات کی معرفت ہم کو نہ ہو اور اس کی حقیقت تک ہم کو رسائی نہ ہو تو ہمارے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہو سکتا اور جس طرح ہم اللہ تعالیٰ کی لاکھوں صفت سے ناواقف ہیں اور اس کی بہت سی کتابوں سے آگاہ نہیں جس طرح اس کے ہزاروں پیغمبروں کا ہم کو علم نہیں ہے لیکن ایمان سب پر ہے اور کسی کو دیکھا پہچانا نہیں ہے اس عدم واقفیت سے ہمارے ایمان میں کوئی خلل نہیں پڑتا بس اسی قدر کافی ہے کہ اجمالاً ہم سب پر ایمان لائیں اور کہیں کہ ہم خدا پر ایمان لائے جمیع صفات کمالیہ کے ساتھ اور

اس کی سب کتابوں پر اور اس کے سب رسولوں پر اجمالاً ایمان رکھنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ کتاب اللہ میں بہت ممکن ہے کہ ایسی چیزیں بھی ہوں جن کا علم ہم کو نہیں ہے اور ہماری رسائی وہاں تک نہ ہوئی ہو یہ مسلک اکثر فقہا اور محدثین وصوفیاء کا ہے لیکن متکلمین کہتے ہیں کہ لاعلمی ہماری جائز نہیں ہم اگر غور وفکر کریں تو کتاب اللہ کی سب بات معلوم کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے'' افلا یتدبرون القرآن .ام علی قلوب اقفالها'' (سورت: محمد آیت:۲۳-۲۴) حکم ہوا لوگوں کو قرآن شریف میں تدبر کا۔ اگر قرآن شریف میں کوئی چیز ایسی ہوتی جو سمجھ سے باہر ہوتی تو حکم تدبر کا درست نہ ہوتا پھر یہ فرمایا کہ ''ھدی للمتقین'' (سورۃ: سورۂ بقرہ آیت:۱-۲) جو چیز سمجھ سے بالا بھی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ متشابہات کے بارے میں خود حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ''وما یعلم تاویله الا الله'' (سورۃ: عمران آیت:۶-۷) دیکھو یہاں پر چپ رہنا پڑتا ہے تقریر و تفہیم کی گنجائش نہیں متکلمین کی دلیلیں بھی کتابوں میں موجود نہیں۔

امر الٰہی کی حکمت کے دو اقسام

مگر صوفیائے کرام وغیرہم کی یہ بات منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جن کاموں کے لئے ہم مکلف ہیں اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے جس کی حکمت ہم جان سکتے ہیں جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ اور نماز، تواضع، تضرع اور عبدیت کی دلیل ہے۔ زکوٰۃ سے اہل حاجت کی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔ روزہ سے نفس کا قلع قمع ہوتا ہے۔ دوسری چیز وہ ہے کہ اس کی حکمت سے ہم خبردار نہیں افعال حج کو دیکھو کہ محض تعمیل حکم ہے اس کے انداز ہی نرالے ہیں اب جبکہ فعلی احکام کی دو قسمیں ہیں تو اس کے قولی معارف کی بھی دو قسمیں ہو سکتی ہیں اور واقعی ہیں۔

بندے کے مقبول بارگاہ ہونے کی علامت

مجلس شریف میں اس کا ذکر آ گیا کہ اللہ تعالیٰ بھی بندے کو قبول کرتا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اقبال کے لغوی معنی کسی چیز کی طرف رخ کرنے کے ہیں۔ رخ کرنے کے لئے سمت اور جگہ چاہئے اللہ تعالیٰ کے لئے سمت اور جگہ کا اطلاق صحیح نہیں اللہ کا بندے کو قبول کرنا اس کی تاویل یوں کی گئی ہے کہ بندے کو طاعت کی

توفیق دے معصیت سے محفوظ رکھے اور بندے کا قبول کرنا حق تعالیٰ کو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح متوجہ ہو کہ اس کا ظاہر طاعت وعبادت میں مشغول رہے اور اس کے باطن میں محبت الٰہی موجزن ہوتی رہے۔

"ظل اللّٰہ" کا حقیقی مطلب

اس کے بعد ایک عزیز نے عرض کیا کہ "السلطان ظل اللّٰہ" (بادشاہ اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے) اس کی کیا تاویل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سایہ سے پاک ہے؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ سایہ سے مراد رحمت ہے اور ظل اللہ میں یہاں پر مراد عین رحمت نہیں ہے بلکہ اثر رحمت ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک متکلم ہے

پھر اس کا ذکر آ گیا کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک متکلم ہے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں! متکلم تو ضرور ہے مگر ازل کی گفتگو ابد میں نہیں ہو سکتی اور ابد کی بات ازل میں نہیں۔ ازل دوسری چیز ہے ابد دوسری چیز ہے۔ اس شبہہ کا جواب بھی آپ نے خود ہی دیا۔

مسئلہ دہر کے متعلق ایک نادر نکتہ

فرمایا کہ اہل علم کہتے ہیں کہ زمانہ تین ہیں ماضی، مستقبل، حال اور زمانہ کی پیدائش فلک کی حرکت سے ہوتی ہے اور جس زمانے کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے وہ ایک نقطہ واحد ہے ماضی مستقبل حال سب سے باہر ہے۔ اس لئے کہ وہاں نہ فلک ہے نہ حرکت فلک ہے وہ ازلی ابدی ہے ازل وابد نقطہ واحد ہے باعتبار اس نسبت کے۔



پانچواں باب

علم شریعت وطریقت اور اس کے متعلقات کے بیان میں

مجلس شریف میں قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ مشائخ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ جوشخص اس راہ میں آنا چاہے پہلے وہ علم حاصل کرلے کیونکہ بغیر علم کے اس کو فائدہ نہیں ہوگا۔ اس علم سے کون سا علم مراد ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس علم سے علم طریقت مراد ہے یعنی جو شخص اس راہ میں قدم رکھے اول تو اس کو اس راہ کا علم ہونا چاہئے پھر اس کے بعد قدم رکھنا چاہئے۔ اس راہ میں چلنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ اس نے بطور خود علم طریقت حاصل کیا ہو وہ بھی طریقت کی راہ میں قدم رکھ سکتا ہے یا کسی بزرگ کی سرپرستی میں رہ کر اس علم کو حاصل کرے اور اس بزرگ کے افعال واقوال سے سبق لیتا رہے اور چلتا رہے۔ اس کے بعد اس بزرگ کا علم اس اتباع کرنے والے شخص میں آجائے گا۔ پھر قاضی صاحب موصوف نے عرض کیا کہ اگر اس علم سے علم شریعت مراد لی جائے تو کیا مضائقہ ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ شریعت میں علم معاملات اور علم عبادات ہیں۔ اگر طالب کے لئے علم عبادات ضروری سمجھا جائے تو اس کے وہی معنی ہوں گے کیونکہ علم

عبادات تو لازمۂ طریقت ہے اور داخل طریقت ہے۔ اگر معاملات طالب کے لئے ضروری سمجھا جائے تو اس سے فائدہ نہ ہوگا۔ خدا کا طالب 'باب النکاح' پڑھ کر کیا کرے گا۔ نکاح کرنے کے وقت یقیناً علم نکاح کی ضرورت ہے۔ اسی طرح بیع وشرا اور دیگر معاملات کے علم کا روزمرہ کی راہ میں کیا ضرورت ہے؟ ہاں! ضرورت کے وقت اس کی حاجت ضرور پیش آئے گی۔ طالب کو ضرورت علم حال کی ہے فی الحال جس علم کا طالب علم محتاج نہیں ہے اس کے لئے مکلّف بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا اگر علم شریعت مراد لیں پھر بھی علم طریقت کی ضرورت پیش آئے گی۔ کیونکہ جو شخص علم شریعت جانتا ہے اور علم طریقت سے بے خبر ہے تو وہ دین کا راستہ نہیں چل سکتا ہے۔ فقط علم ظاہر شریعت اس کی رہبری نہیں کرسکتا۔ ہاں! اگر علم طریقت کسی کو ہے اور علم شریعت میں سے صرف عبادت کا علم اس کو ہے تو ایسا شخص اس راہ پر چل سکتا ہے اور مقصود تک پہنچ سکتا ہے اس کا قوی امکان ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس مشہور حدیث "طلب العلم فريضة على كل مسلم مسلمة " (علم کا حاصل کرنا مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے) کی بہت سی تاویلیں ہیں۔ بعضوں نے اس علم سے وہی پانچ چیزیں مراد لی ہیں (۱) کلمۂ شہادت (۲) صلوٰۃ (۳) زکوٰۃ (۴) روزہ (۵) حج۔ ان چیزوں کا ذکر الگ الگ حدیث میں بھی آیا ہے اور بعضوں نے یہ تاویل کی ہے کہ اس علم سے مراد وہ علم ہے جس کی ضرورت ایک مسلمان کو ہوتی ہے اور اسی قدر (علم کا حاصل کرنا) فرض بھی ہے۔ اور ایک تاویل یہ بھی ہے کہ "العلم فريضة في وقته" (جس وقت اس راہ میں جس علم کی ضرورت پیش آئے وہ علم فرض ہے طالب علم پر یعنی جس علم کے طلب کرنے کا وقت آئے اس علم کو وہ حاصل کرے)

ہدہد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے سے معنی خیز نتیجہ کا اخذ

شمس الدین خوارزمی مسافر "آداب المریدین" پڑھ رہے تھے۔ جب اس مقام پر پہنچے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جس گھڑی ہدہد کو سخت عذاب سے ڈرایا تھا تو کیا اس کی جان بخشی علم کی بناء پر ہوئی تھی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں! اور یہ بھی فرمایا کہ اس کا واقعہ یوں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ معمول تھا کہ جب کہیں باہر تشریف لے جاتے تو سب پرندوں کو حکم ہوتا کہ سب مل کر سر پر سایہ کریں۔

ایک دن ایسا ہوا کہ آپ باہر نکلے۔ سب پرندوں نے اپنی اپنی جگہ لے لی اور سایہ کیا۔ ہد ہد نہ آیا اس کی جگہ خالی رہی اس سوراخ سے شعاعِ آفتاب آپ تک پہنچی۔ آپ نے سر اٹھایا دیکھا تو ایک جانور کی کمی تھی۔ پوچھا یہ کس کی جگہ ہے سبھوں نے کہا ہد ہد کی جگہ ہے وہ غائب ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو غصہ آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی آج سخت سے سخت سزا ہوگی اگر کوئی معقول حجت اس نے نہیں پیش کی۔ اس کے بعد ہد ہد پہنچا۔ دوسرے پرندوں نے اس سے کہا کہ آج کیا شامت آئی تھی کے تو غائب تھا تیری خیریت نہیں ہے حضرت نے ایسا ایسا فرمایا ہے۔ پہلے تو سن کر وہ سوکھ گیا کاٹو تو خون نہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ اچھا بھائی یہ بتاؤ کہ حضرت نے صرف سزاؤں کا حکم نافذ فرمایا ہے یا کچھ اور بھی کہا۔ جس سے کچھ جان بچنے کی امید ہو۔ پرندوں نے کہا کہ ہاں! ایک بات تو فرمائی ہے سزاؤں کو وجہ معقول اور حجت صحیح پر آپ نے مشروط کیا ہے۔ ہد ہد نے کہا کہ اب رہائی رکھی ہوئی ہے۔

اس کے بعد حضرت سلیمان کے حضور میں ہد ہد کو لے گئے۔ ہد ہد نے عرض کی غلام کی غیر حاضری کا ایک خاص سبب ہے۔ غلام ایک ایسی خوشخبری لایا ہے جس سے مستحق انعام و معافی ہے وہ ایسا نیا انکشاف ہوا ہے کہ جس کی اطلاع حضور عالی کو بھی نہیں ہے۔ غلام ایک عجیب و غریب شہر میں پہنچا اس ملک کے بادشاہ کا نام بلقیس ہے۔ نہایت خوش سواد (خوبصورت) اور روح افزا شہر ہے اور اس کے باشندے اس صفت کے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام خبر سے خوش ہوئے اور قصور کو معاف فرمایا۔

اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ دیکھو ہد ہد کی ہستی کیا ہے ایک پرندہ ہے۔ مگر معلومات کے زور پر سلیمان علیہ السلام کے حضور بے کھٹکے چلا آیا اور وجہ غیر حاضری معقول اس نے پیش کر دی اسی دلیل صحیح سے نجات بھی اس کو حاصل ہوگئی۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن بھی بغیر دلیل و حجت کے نجات نہیں "فانفذو الا تنفذ ون الا بسلطان" (سورۃ: الرحمٰن آیت:۳۳-۳۴) کی تفسیر حجت و برہان ہے۔ اور حجت و برہان کیا ہے یہی علم ہے۔

علم غیب اور فراست میں فرق

مجلس شریف میں علم غیب اور فراست کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ فراست سے جو مؤمن کو معلوم ہو جاتا ہے اس کو علم غیب نہیں کہتے ہیں۔ دونوں میں فرق ہے۔ علم غیب کے معنی یہ ہے کہ بغیر دلیل اور بغیر علامت کے غیب کی چیز کو جاننا ہے۔ اور علم فراست یہ ہے کہ قرائن و علامت سے اس کے دل کی آنکھ غیب کی بات جان لیتی ہے جس طرح ظاہر کی آنکھ دھواں دیکھ کر سمجھ جاتی ہے کہ کہیں آگ ہے۔

بندہ کے علم کے مقابلہ میں علم الٰہی کی حقیقی حیثیت

مجلس شریف میں علم باری تعالیٰ اور بندوں کے علم کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا جانتے ہو ان دونوں علموں میں کیا فرق ہے۔ آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ نقل ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اس وقت حضرت خضر علیہ السلام دریا کے کنارے کھڑے تھے یکا یک ایک جانور اڑتا ہوا آیا اور دریا میں اترا پانی میں چونچ مارا ایک قطرہ پانی چونچ میں لے کر اڑ گیا۔ خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف دیکھ کر کہا کہ آپ کچھ سمجھے اس کا مطلب کیا ہوا گویا یہ بات دیکھائی گئی کہ علم ہمارا تمہارا اور تمامی خلق کا علم پاک حق کے مقابلہ میں یہی نسبت رکھتا ہے۔ جو نسبت اس قطرۂ آب کو آب دریا کی فراوانی سے ہے۔

علمائے سو

پھر ذکر آ گیا کہ علمائے سو کس کو کہتے ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ علمائے سو ان کو کہتے ہیں کہ رخ ان کا دنیا

کی طرف اور پشت عقبیٰ کی جانب یعنی علم حاصل کرنے سے ان کی مراد طلب دنیا ہوتی ہے۔ آخرت سے درحقیقت ان کو کچھ بحث نہیں ہے۔اب اگر طالب آخرت ان سے پڑھے گا تو وہ یہی سکھائیں گے جس خیال میں وہ خود مبتلا ہیں۔ایسا علم سراسر دنیاوی ہوگا۔اگر طالب حق اس خیال میں رہے گا تو منزل اس کی کھوٹی اور برباد ہوگی۔اور وہ مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا۔

کام علمی اصول کے ساتھ کرنا چاہیئے

مجلس شریف میں علم کے ساتھ کام کرنے کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص علم کے ساتھ کام کرتا ہے وہ اگر اور مگر (یعنی ایسا اگر نہ کرتے تو ویسا نہ ہوتا وغیرہ) کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیتا ہے کیونکہ یہ منافقین کے کلمات میں سے ہیں اور ایسی باتوں سے شیطان کو راہ ملتی ہے۔تو چاہئے کہ جو کام بھی کرے علمی اصول کے ساتھ کرے اور عقیدہ اس پر رکھے کہ جو تقدیر الٰہی ہے ویسا ہی ہو کر رہے گا۔اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ جس وقت گیارہویں لڑکے حضرت یعقوب علیہ السلام سے رخصت ہو کر مصر روانہ ہوئے۔یعقوب علیہ السلام نے وصیت کی "**یا بنی لا تدخلوا من باب واحد وادخلوا من ابواب متفرقة**" (سورۃ: یوسف آیت: ٦٦-٦٧) (اور کہا اے بیٹو ایک دروازہ سے (شہر میں) داخل نہ ہونا (بلکہ) کئی دروازوں سے جدا جدا داخل ہونا) تم سمجھے اس میں کیا حکمت تھی۔حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیوں الگ الگ دروازوں سے لڑکوں کو داخل ہونے کو فرمایا۔اس حال میں جب کہ پیغامبر علیہ السلام عارف ترین خلق ہوتے ہیں۔اور اس بات کا انکو یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر کیا ہے وہ ہو کر رہے گا پھر یہ وصیت کرنے کے کیا معنی ہوں گے؟ اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لڑکے سب صاحب جمال تھے۔حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں بات آئی کہ نظر بد کا اثر حق ہے اور ہو کر رہتا ہے۔اگر ایک دروازہ سے یہ لوگ داخل ہوں گے تو مبادا یہ حسن و جمال دیکھ کر لوگوں کی نظر نہ لگ جائے اس لئے آپ نے علمی اصول سے کام لیا۔آئندہ جو خدا کی مرضی۔ چنانچہ جب وہ تمام صاحب زادے مصر پہنچے تو حسب وصیت پدر سب کے سب الگ الگ

دروازے سے شہر مصر میں داخل ہوئے۔ وہاں سے ہو کر جب لوٹے تو نو صاحب زادے والد بزرگوار کے پاس پہنچے اور دو صاحبزادے وہیں رہ گئے۔ یہ سن کر بعضوں نے کہا کہ جب نظر بد سے محفوظ رہنے کے لئے وصیت فرمائی تھی اور صاحبزادوں نے وصیت پر عمل بھی کیا پھر ایسا کیوں ہوا کہ نو صاحبزادے واپس آئے اور دو صاحبزادے مشکل میں پھنس کر وہیں مصر میں رہ گئے اور واپس نہ ہو سکے۔ جواب اس کا علماء نے یوں دیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کام علمی اصول کے ساتھ کیا اور اعتقاد اس پر رکھا کہ اگرچہ ہم کام اس علم کے ساتھ کر رہے ہیں جو طریقہ بتایا گیا ہے۔ اس کے باوجود تقدیر میں اللہ کی جانب سے جو لکھا جا چکا ہے ویسا ہی ظاہر ہوگا۔ لیکن اگر علمی اصول کے تحت کام کرنے کے بعد بھی تقدیر الٰہی سے علم کے برخلاف کوئی دوسری صورت ظاہر ہوئی تو یہ نہ کہا جائے گا کہ ہم اگر ایسا کرتے تو ویسا نہ ہوتا تو اسی قول کی وجہ کر اگر مگر شک وشبہ کا دروازہ اپنے اوپر بند کیا ہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ آج کل لوگوں میں یہ عام ہو گیا ہے کہا کرتے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو ویسا نہ ہوتا۔ اس طور پر نہیں بولنا چاہئے۔ یہ ممنوع ہے۔ کیونکہ ایسا قول منافقوں کا ہوا کرتا ہے۔

اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا کہ ایک شخص علمی اصول کے تحت کام کرتا ہے اور دوسرا بے علمی اور جہالت کے ساتھ۔ برابری دونوں میں ہے جو اللہ کی مرضی ہوگی وہی ظاہر ہوگا۔ اس میں دونوں برابر ہیں۔ لیکن فرق بس اسی قدر ہے کہ جو علمی اصول کے تحت کام کرتا ہے وہ اپنے اوپر اگر مگر کا دروازہ بند کر لیتا ہے۔ کیونکہ اگر مگر یعنی ایسا کرتے تو ویسا نہ ہوتا۔ یہ منافقوں کی گفتگو ہے اور اس طرح کی باتوں سے شیطان کو راہ مل جاتی ہے کام علمی اصول سے کرنا بس اسی قدر ہے اس سے زیادہ نہیں اور حکم جو ہو چکا ہے وہ ہو کر رہے گا بخلاف اس کے وہ شخص جو بے علمی اور جہالت کے ساتھ کام کرتا ہے یقیناً جو تقدیر ہے ہوگا ویسا ہی لیکن (جہالت کے ساتھ کام کرنے والے نے) اپنے اوپر اگر مگر کا دروازہ کھول رکھا ہے اور شیطان کو اس پر دسترس ہے۔ وہ بار بار یہ وسوسہ اس کے دل میں پیدا کرتا رہتا ہے کہ ایسا کرتے تو ویسا نہ ہوتا۔

مجتہد کو اجتہاد کب کرنا پڑتا ہے

مجلس شریف میں علم اجتہاد کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اجتہاد پر عمل اس وقت تک ہے جب تک انسان کی معلومات اس حد تک نہیں ہے۔ جب علم کامل ہو گیا اجتہاد کا وہ شخص پابند نہ رہا۔ کیونکہ مجتہد جب کسی مسئلہ میں اجتہاد کرتا ہے یا توجہ کرتا ہے تو جس مسئلہ کی حقیقت مشتبہ اور پردے میں ہوتی ہے اس میں اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے مجتہد اپنے وسیع معلومات کے ذریعہ سے اس مسئلہ کے مغز و تہہ میں پہونچ کر فتویٰ دیتا ہے اب اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کے کمال علم و عمل کے باعث جو مسئلہ سامنے آتا ہے وہ حل ہو جاتا ہے اور اس کی اصل اس کو مل جاتی ہے اور کماھقہٗ اس سے وہ واقف ہو جاتا ہے تو ایسا شخص محتاج اجتہاد نہیں۔ دیکھو ایک شخص نماز کے لئے کھڑا ہوا اور اس کو قبلہ کا علم نہیں ہو رہا ہے ایسے موقع پر اس کو اجتہاد سے کام لینا ہو گا یعنی قیاس اور قرائن سے وہ کسی سمت کو قبلہ مانے گا اور نماز پڑھے گا مگر جو شخص ایسا ہے کہ اس کو قبلہ کا علم ہے اس کو اجتہاد کی کیا ضرورت ہے اس کے بعد فرمایا کہ اجتہاد ایک ظنی چیز ہے۔

علم و معرفت کے درمیان صوفیاء کے نزدیک فرق

اور ارباب معرفت و شیوخ طریقت کی منزل ظن و اجتہاد سے آگے ہے اجتہاد میں خطا ممکن ہے کیونکہ قیاس پر اس کا دارو مدار ہے اور بزرگان دین کے معلومات میں خطا نہیں ان کے علم کی شان دوسری ہے اس علم کی تعریف یہ ہے کہ "معرفة الشئ کما ھی"۔ اشیاء کی معرفت علم جیسی کہ وہ ہے کا عرفان جب ہو گیا تو اس میں خطا کیا باقی رہی۔

اس کے بعد فرمایا کہ عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے معرفت کو علم پر ترجیح دی ہے اور معرفت کو چوتھے مرتبہ پر رکھا ہے اس طرح کہ پہلا مرتبہ تقلید کا ہے۔ مقلد ترقی کے بعد دوسرے مرتبہ میں پہنچتا ہے یعنی مجتہد ہوتا ہے۔ مجتہد کو اپنے معلومات پر عمل کرنے سے تیسرا مرتبہ حاصل ہوتا ہے یعنی اس میں ایک وہبی علم پیدا ہوتا ہے اس علم کے بعد درجہ معرفت ہے جس طرح اس گروہ کے لوگ تقلید و اجتہاد کے مرتبہ سے گزر کر علم کے مرتبہ میں پہنچتے ہیں۔

بقول حضرت عین القضاۃ رحمتہ اللہ علیہ علم کے مرتبہ سے بھی آگے بڑھ کر معرفت کے درجہ میں پہنچ گئے ہیں۔

اس موقع پر شیخ معزالدین نے عرض کیا کہ لغت کی رو سے علم و معرفت کے معنی ایک ہیں اس بیان سے فرق کیا نکلا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں! دونوں میں بڑا فرق ہے۔ کسی چیز کو جان لینا علم ہے اگر وہی علم اس کا معاملہ اور حال ہو گیا تو اس کو معرفت کہیں گے اور جس کا حال ہوا اس کو عارف کہیں گے اور اس کے بعد فرمایا کہ صرف جان لینا کچھ نہیں ہے ہاں کام کی بات یہ ہے کہ وہ علم حال ہو جائے اس کے بعد یہ مصرعہ فرمایا۔ ع

نے ہرچہ تو بینی بتو بخشند اے دل

(یہ کچھ ضروری نہیں کہ جو تم دیکھو وہ تم کو مل بھی جائے)

خاکسار نے عرض کیا کہ جب اس گروہ کے عرفان کا یہ حال ہے تو ان کے نزدیک کوئی کلمہ معطل اور مہمل نہیں رہ سکتا کوئی بات انکی معنی سے خالی نہیں ہو سکتی ہے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا بے شک اس لئے کے یہ لوگ معنی سے لفظ کی طرف آتے ہیں پہلے ان کے دل پر معنی کا ورود ہوتا ہے اس کے بعد اس کی مناسبت سے لفظ ترتیب دیتے ہیں بخلاف دوسرے لوگوں کے کہ وہ لفظ سے معنی کی طرف جاتے ہیں لامحالہ بعض الفاظ ان کے اس معنی کے متحمل نہیں ہوتے اور بیکار پڑے رہتے ہیں۔

علمائے ظاہر اور صوفیاء کے فہم و ادراک میں امتیاز

پھر اس کا ذکر آ گیا کہ بعض اہل طریقت سے حکم ظاہر کے خلاف عمل کرنے کی روایت آئی ہے۔ مولانا نظام الدین درون حصاری نے عرض کیا کہ اگر کوئی اہل دل ظاہر روایت کے خلاف عمل کرے تو علمائے ظاہر اس کو کیوں کر تسلیم کر سکتے ہیں اور ان کے اعتراض کا جواب کیا ہوگا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا دو جواب ہے۔ ایک جواب یہ ہے

کہ اس گروہ کے لوگوں کا گناہ سے معصوم و محفوظ رہنا ممکن ہے واجب نہیں ہے۔ اگر کوئی امر (واقعہ) شاذ و نادر بطور ابتلا و امتحان ان سے وجود میں آ جائے تو کچھ بعید نہیں وہ ایک ذُلت سمجھی جائے گی۔ اور اگر وہ خطا ہو گی تو اس پر ان کو ہر گز اسرار نہ ہوگا۔ فوراً وہ اس سے تائب ہوں گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جس کو ان بزرگوں پر حسن ظن ہے وہ خود ان کی باتوں پر معترض نہ ہوگا۔ اس کو یہ سمجھ کر تسلیم کر لے گا کہ اس کی کچھ نہ کچھ اصل ہوگی۔ یہ بات کہ جو لوگ صوفیوں پر اعتماد نہیں کرتے ہیں وہ اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ علم ظاہر کے سوا کوئی دوسرا علم ہی نہیں ہے اور اس علم میں ہم صوفیوں سے کم نہیں برابر ہیں علم اسی قدر ہے جو حضور ﷺ سے منقول ہوا یا صحابہؓ سے سنا گیا اس کے سوا علم آیا کہاں سے؟ اور جو علم منقول و مسموع ہے اس میں اہل دل ہوں یا دوسرے علماء سب برابر ہیں۔ اس لئے کہ یہ گروہ (علماء) ظاہر ہیں۔ اگر صوفیاء کرام کا کوئی کام روایت ظاہر کے خلاف دیکھتا ہے تو اس کو نہیں مانتا ہے۔

اس کا جواب ''احیاء العلوم'' میں امام غزالی (رحمتہ اللہ علیہ) نے اس طرح دیا ہے۔

تم جو یہ کہتے ہو کہ جو کچھ حضور ﷺ سے منقول ہے یا صحابہؓ سے مسموع ہے علم اسی قدر ہے اس کے سوا کچھ نہیں یہ تو صرف تمہارا دعویٰ ہوا اس پر دلیل چاہئے دراصل تمہارے پاس دلیل ہی نہیں۔ ہم سے سنو! ہمارے پاس اس کی دلیل یہ ہے کہ علم کا انحصار صرف منقول و مسموع علم پر نہیں ہے بلکہ ایک قسم علم کی اور ہے وہ علم بھی حضور ﷺ کے طفیل میں ہے اور صحابہ کا بھی اس کو فیض سمجھو۔ کیا تم نے اس کو دیکھا نہیں یا اس پر غور نہیں کیا کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے کیا منقول ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو سورہ فاتحہ کی تفسیر اتنے دفتر میں لکھیں کے ستر اونٹ کی بوجھ ہو۔ اور ایک تفسیر سورہ فاتحہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور دوسرے صحابہ سے بھی۔ اس کے انداز و مقدار کو دیکھو اس کا بوجھ ایک کتاب سے زیادہ نہ پاؤ گے تو اگر علم کتاب اللہ انہی چند کتاب میں محدود ہوتا تو حضرت علی کرم اللہ وجہ کیوں کر یہ دعویٰ کرتے کہ صرف تفسیر سورہ فاتحہ سے ستر اونٹ کا بوجھ ہم لکھ سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ منقول رسول و مسموع صحابہ کے علاوہ بھی علوم ہیں۔ دوسری بات اور سنو! امیر المؤمنین حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے جب رحلت فرمائی تو اس وقت امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''مات تسعة اعشار العلم'' یعنی آپ کی رحلت سے علم کی نو دہائی یعنی نوے فیصد کا خاتمہ ہو گیا تو اگر علم منقول و مسموع پر ہی منحصر ہوتا تو امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ یہ کیسے فرماتے کہ علم کا دسواں حصہ ان کی وفات سے مر گیا کیونکہ جو علم منقول و مسموع ہے وہ ہنوز برقرار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے وہ غائب نہیں ہوا ہے۔

پھر دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے متعلق ''اللّٰہ الذی خلق سبع سمٰوٰات و من الارض مثلھن یتنزل الام بین ھن'' (سورۃ: الطلاق آیت: ۱۱-۱۲) اگر میں اس کی تفسیر کروں تو تم لوگ ''مجھے سنگسار کر دو'' اور اس طرح بھی آیا ہے کہ 'تم کافر سمجھ کر قتل کر دو' تو یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر سب علم ایک ہی ہوتا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کیونکر ایسا فرماتے۔

اس کے علاوہ اور سنو! خود حضور ﷺ نے فرمایا ''ومن العلم کالھیئةالمکنونة لا یعلمھا الاالعلماء باللّٰہ فاذا نطقوا بہ لم ینکر الا صاحب العزۃ'' 'علم میں سے بعض پوشیدہ ہے اس کو کوئی نہیں جانتا مگر اس کو علماء ربانی جانتے ہیں' اگر وہ لوگ اسے بیان کریں تو علمائے ظاہر اس کا قطعی طور پر انکار کر دیں۔ اب تم ہی کہو کہ اگر علم فقط منقول و مسموع ہوتا تو یہ تخصیص کہ ''لا یعلمھا الاالعلماء'' کیوں فرمایا جاتا تو معلوم ہوا کہ علم کا انحصار صرف منقول و مسموع پر نہیں ہے۔ علم کی اور بھی قسمیں ہیں۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بات جب ثابت ہو چکی کہ علم منقول و مسموع پر ہی منحصر نہیں ہے جن بزرگوں سے علم کے خلاف باتیں سرزد ہوں تو ان کے ساتھ اعتقاد اس طرح رکھنا چاہئے کہ یہ فعل ان سے اس علم کی وجہ سے صادر ہوا جس سے یہ واقف ہیں۔ لاعلمی کی وجہ سے مجھ کو ظاہر کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ میرا علم ہی محدود ہے اور اس علم باطن سے ہمیں بے خبری ہے علاوہ ازیں ایک صورت اور بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ انسان جب تک علم کے دائرے میں ہے اور علم اس پر غالب ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ

ازروئے علم کام کرے اگر علم کے خلاف کام کرے گا تو اس کا عذر مسموع نہیں ہوگا۔

ہاں! اگر علم پر حال غالب ہے اور واقعی وہ شخص صاحب حال ہوگیا ہے تو یہاں پر اس نے غلبہء حال کے جوش میں آ کر کام کیا اور علم پر نہ چلا تو وہ معذور سمجھا جائے گا۔ یہ بات بے دلیل نہیں ہے بلکہ خود شرع شریف میں اس کی مثال موجود ہے۔ حکم ظاہر شریعت کا یہ حال ہے کہ باختلاف احوال جو ایک شخص کے لئے حکم ہے وہ دوسرے کے لئے نہیں۔ دیکھو مردار کا کھانا حرام ہے مگر بھوک سے جن کی جان جارہی ہو اور کوئی دوسری سبیل نہ ہو ایسے شخص کے لئے مردار کا کھانا حلال ہے اسی طرح دوسرے محرمات بھی حالت اضطرار میں مباح ہو جاتے ہیں اور بہ حکم غلبۂ حال وہ شخص معذور سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بات ظاہر کے خلاف دکھائی دیتی ہے تو معلوم ہوا کہ حالت اضطرار اور مخمصہ میں مردار کھانا اور جس مرض میں چارہ نہ ہو بطور دوا شراب پینا یہ دونوں فعل بہ ظاہر عام طور پر حرام ہیں مگر ایسا کرنے والا شخص حالت اضطرار میں اللہ کے نزدیک گنہ گار نہیں ہے۔

مولانا نظام الدین مذکور نے عرض کیا جو حکم کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہو چکا ہے اگر اس کے خلاف کوئی فعل اس طبقہ سے وجود میں آئے تو یہ سمجھا جائے گا کہ حکم ظاہر سے قرآن وحدیث کو ترک کیا اس کا کیا جواب ہوگا؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا جواب بھی دو طرح پر ہے ایک یہ کہ بزرگان دین محفوظ ہیں۔ معصوم نہیں ہیں جیسا کہ اوپر ذکر آیا دوسرا یہ کہ ان بزرگوں کا ترک کرنا ازروئے ظاہر یقیناً خلاف شرع معلوم ہوتا ہے مگر ازروئے معنی شریعت کے مطابق ہے یعنی قرآن وحدیث (ﷺ) کے موافق ہے وہ اس طرح کہ قرآن وحدیث (ﷺ) میں ظاہر و باطن دونوں معنی ہیں معنی ظاہر ظاہر والوں کے لئے اور معنی باطن اہل باطن کیلئے ہے۔ اس لئے ان بزرگوں کا عمل خلاف ظاہر معنی قرآن وحدیث بھی ہوسکتا ہے۔ قرآن وحدیث کے باطن معنی کے خلاف نہیں ہوسکتا ہے دیکھنے والا ظاہر بیں ہے اسکو معنی باطن کی خبر نہیں قطع نظر اس کے جو حکم کہ ظاہر قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے اس پر بھی ان بزرگوں کا ایمان ہوتا ہے اس معنی کی

نفی نہیں کرتے ہیں کیونکہ اس معنی کی نفی غایت درجہ کی گمراہی ہے نعوذ باللہ منہا کہ بزرگان دین گمراہی میں مبتلا ہوں یا کوئی فعل وقول قرآن وحدیث کے خلاف ان سے وجود میں آئے اگر بفرض محال ظاہر قرآن وحدیث کے خلاف کوئی فعل ان بزرگوں سے ثابت بھی ہوتو اس کی اہمیت اسی قدر ہے کہ ان کے لئے وہ حجت ہے۔ دوسروں کے لئے ہرگز حجت نہیں دوسرے لوگ اسے قبول نہیں کرسکتے ہیں دوسرا تو جبھی قبول کرے گا کہ جواب شافی ہواور دلیل قوی ہو۔

ایک مجتہد کی رائے دوسرے مجتہد کیلئے حجت نہیں

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جو مسئلہ اجتہاد کی گنجائش نہیں رکھتا ہے اس میں تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے اور اعتراض کا موقع ہی نہیں۔ (ہاں) ایک مسئلہ ہے کہ (اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے) اب ایک مجتہد نے اپنی رائے سے کوئی بات لکھی دوسرے مجتہد نے کوئی دوسری بات نکالی اور اس پر عمل کیا تو ایک مجتہد کا قول دوسرے مجتہد کے لئے حجت نہیں ہوتا ہے۔

ولی کا معصوم ہونا واجب نہیں

مولانا نظام الدین مذکور نے عرض کیا کہ اگر کسی ولی سے کوئی ایسا فعل صادر ہو کہ نہ روایت میں ہے اور نہ اخبار میں تو وہ فعل بدعت ہوگا یا نہیں اس کا جواب کیا ہوگا؟ حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ نبی کو حکم ہے خلق اللہ کو دعوت دینے کا اور خلق کو حکم ہے اس دعوت کے قبول کرنے کا تو جو بات نبی سے پہنچتی ہے خلق اللہ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اب ہم آتے ہیں اس مضمون خاص کی طرف کہ ولی سے بہ خلاف روایت واخبار فعل صادر ہو اس کا بھی دو جواب ہے ایک یہ کہ ولی کا معصوم ہونا واجب نہیں ہے بلکہ جائز ہے اس لئے کہ ان کا از روئے ابتلاء وامتحان کسی بدعت میں مبتلا ہونا محال نہیں ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ ارتکاب خطا و معصیت پر انہیں اصرار نہیں ہوتا اور یہ فوراً توبہ کرلیتے ہیں اس لئے صفت توبہ ان میں ایسی ہوتی ہے کہ اس وجہ سے یہ درجہ ولایت سے گرائے نہیں جاتے۔

قرآنی تفاسیر کے معانی ومطالب میں اختلافات کے حقیقی اسباب

دوسری بات یہ ہے کہ جب علم اس گروہ کے نزدیک منحصر منقول ومسموع پر نہیں ہے تو

جو شخص اصحاب ولایت اور ارباب قلوب میں سے ہے بہت ممکن ہے کہ اس کا فعل کتاب وسنت کے موافق ہو یہ از روئے شرع شریف بھی درست ہے "ان لـلقرآن ظهر اوبطنا" قرآن کے لئے ظاہر ہے اور باطن دونوں معانی ہیں۔ اگر منقول میں ظاہر مطلب کے سوا دوسرا مفہوم نہ ہوتا تو "ظهراً وبطنا" کیوں آتا۔

پھر حضور اکرم ﷺ کا "بسم اللّٰه الرحمن الرحيم" کو بیس مرتبہ تکرار فرمانا اس میں کیا رمز ہے؟

اس میں بھید یہی تھا کہ حضور ﷺ باطن میں بسم اللہ کے معنی میں غور وتدبر فرماتے تھے ورنہ "بسم اللہ" کے ترجمہ اور ظاہری تفسیر میں بیس مرتبہ تکرار کی حاجت ہی کیا تھی؟ اور غور وتدبر کی ضرورت ہی کیا تھی؟ بعض علمائے ربانی فرماتے ہیں کہ ہر ایک آیت سے کلام پاک میں ساٹھ ہزار مفہوم پیدا ہوتے ہیں اور غور سے دیکھا جائے تو ساٹھ ہزار کا کیا معنی؟

اس سے بھی وہ چند مفہوم مراد ہو سکتے ہیں علمائے دین جتنے ہیں سبھوں پر بقدر صفائے باطن وتدبر طبع سلیم، وسیع معلومات اور اسرار قرآنی کھلتے ہیں مگر اس کا خواہش مند کون ہے؟ اور کس کے لئے وہ ظاہر کریں؟

اسرار تو ہزار دو ہزار ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے فہم معنی کے اندر بہت تفاوت وفرق ہے یہاں تک کہ ظاہر تفسیر میں بھی اختلافات سمجھ کی وجہ سے پائے جاتے ہیں۔ اب وہ شخص جو ارباب ولایت اور اصحاب قلوب میں سے ہے اس مفہوم کے اعتبار سے جو ان پر کھلا ہے انہوں نے اس پر عمل کیا تو وہ دیکھنے والا جس کی رسائی اس مفہوم تک نہیں ہے یقیناً نہیں مانے گا اور ضرور بدعت کہے گا حالانکہ اس اہل نظر نے خلاف کتاب وسنت کام نہیں کیا ہے مگر یہ عامی شخص اپنے قصور فہم کی وجہ سے اس پر معترض ہے۔

حضرت منصور حلاج کے قتل کے فتویٰ کا راز؟

مولانا نظام الدین نے عرض کیا کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ کو حضرت منصور حلاج کے حال سے اطلاع تھی پھر بھی آپ نے ان کے مار ڈالنے کا

فتویٰ دے دیا۔ حقیقت حال سے مطلع ہوکر یہ مناسب نہ تھا کہ فتویٰ دیتے؟ حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض عارفوں کا قول ہے کہ **"من صرح بالتوحید ثم افشی فقتله اولی من الا حیاء غیره "** کہ جس پر توحید کا راز کھل جائے اور وہ اس کو ظاہر کردے تو اس کا زندہ رہنے کے مقابلہ میں مارڈالنا بہتر ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ فتویٰ کا حکم ظاہر پر جاری ہوتا ہے باطن پر نہیں اور یہاں سوال ظاہر حال سے تھا باطن سے نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ **"الشیطان مع الواحد"** (اکیلے رہنے والے کے ساتھ شیطان رہتا ہے) اس حدیث کی ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ اگر مسلمانوں کا اجماع کسی حکم پر ہو جائے اور کوئی شخص اس اجماع سے کنارہ کر کے ازخود الگ ہوجائے تو کہا جاتا ہے کہ شیطان اس کے ساتھ ہے ایسے موقع میں سوائے جواب لکھنے کے چارہ نہیں ہے۔

پھر مولانا نظام الدین نے عرض کیا کہ جب ولی اللہ پر کوئی مفہوم ظاہر ہو تو وہ یہ کیوں کر سمجھے کہ ہم پر حق ظاہر ہوا ہے کیونکہ بظاہر اخبار نبی ﷺ واقوال مجتہدین کے وہ خلاف ہے اور استدراج ومکر سے بھی ایسا ہوسکتا ہے کہ مفہوم ایسا کھلے جو حق معلوم ہو؟

اللہ والوں کو بعض معنی ومفہوم کی صحت کا علم نور ولایت سے ہوتا ہے

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ولی اللہ کو اس مفہوم کی صحت نور ولایت سے معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ جس کو بھی اللہ تعالیٰ ولایت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے شیطان کو اس پر دسترس اور غلبہ حاصل نہیں ہوتا اور وساوس اس شخص میں پیدا نہیں ہوتے جو بات اس کے دل میں آتی ہے رحمانی ہوتی ہے۔

پھر قاضی صدرالدین نے عرض کیا کہ "وسوسہ" بھی خطرہ (جو دل میں بات آئے مگر ٹھرے نہیں) اور "الہام" بھی گویا خطرہ ہی ہے۔ اور دونوں کا گذر دلوں میں ہوتا ہے اس کا قطعی فیصلہ کس طرح پر کیا جائے کہ ولی اللہ کے دل میں جس بات کا گذر ہوتا ہے وہ بات یقینی طور پر رحمانی ہوتی ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ وسوسہ ان بزرگوں کے دل پر بھی گذرتا ہے مگر اس کا حکم نافذ نہیں ہو پاتا لیکن آزمائش کا پہلو اس میں ہوتا ہے گویا زیادہ تر یہی ہے کہ حکم نافذ نہیں ہو پاتا چونکہ وہ معصوم نہیں ہیں۔ اس لئے آزمائش کا امکان باقی ہے اس کے بعد یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی کہ "ان عبادی لیس لک علیھم سلطان" (سورۃ: بنی اسرائیل، آیت: ۶۴-۶۵) تفسیر اس کی اس طرح کی گئی ہے کہ جو وسوسہ ان بزرگوں کے دل میں گزرتا ہے اس سے آثار مقبولیت ظاہر ہوتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ وہ شیطانی نہیں ہے اس لئے کہ اگر شیطانی ہوتا تو آثار مقبولیت اس سے ظاہر نہیں ہوتے۔ "وساوس شیطانیہ" ان بزرگوں کے دل میں نفوذ نہیں کرتے اور نفوذ و دخول کی راہ ان کے دلوں میں بند ہے۔

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ اگر کسی حکم کے متعلق روایت آگئی ہے اور کوئی بزرگ اس کے خلاف کر گزرتے ہیں تو اس صورت میں جو شخص ان بزرگ کا مطیع ہے وہ بھی اس پر عمل کرے گا یا نہیں؟ کیا اس میں کوئی مضائقہ ہے؟

اہل دل کی روایت

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اول تو یہ بات دیکھنی چاہئے کہ وہ بزرگ اہل دل ہیں یا علمائے ظاہر میں سے ہیں۔ اگر وہ اہل دل نہیں ہیں اور علمائے ظاہر میں سے ہیں اور عمل روایت کے خلاف کر رہے ہیں تو دوسروں کو چاہئے کہ روایت کے موافق کام کریں۔ اگر وہ شخص اہل دل میں سے ہیں تو ان کا فعل خلاف روایت دیکھ کر اور بھی متابعت کرنی چاہئے۔ یہ بات دو حال سے خالی نہیں ہے ایک تو یہ کہ جو ان اہل دل نے کیا ہے دوسرے شخص کی چادر اتنا پاؤں پھیلانے کے لائق ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو خود اس کام کو وہ نہیں کر سکتا۔ اور اگر اتنی وسعت رکھتا ہے تو بھی اس کو صاحب دل کی نقل نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ان اہل دل نے جو خلاف روایت عمل کیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ان پر کوئی معنی کھلا ہے اور دوسرا جو ان کی نقل کرنا چاہتا ہے اس پر کوئی معنی نہیں کھلا ہے تو اس نقل کا کیا فائدہ؟ ہاں! اگر وہ صاحب حال حکم دے تو اس کے ارشاد کے سبب خصوصاً اگر مریدوں میں سے ہے تو اس

کا عمل کا کرنا واجب ہے اور اگر مریدوں میں سے نہیں ہے تو اس کو اختیار ہے کہ ان اہل دل کے کہنے پر عمل کرے یا روایت پر عمل پیرا ہو۔

تبحر علمی کا لغوی معنی

مجلس شریف میں تبحر علمی کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تبحر کے لغوی معنی دور جانے کے ہیں یعنی جو لوگ علم کی انتہائی بلندی تک پہنچ کر دور بین نظر پیدا کرتے ہیں اور بال کی کھال کھینچتے ہیں ایسے لوگ متبحر کہلاتے ہیں۔ پھر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ جو لوگ ایسے ہیں کہ ظاہری فرض وسنت سے بھی ناواقف ہیں سوال کرنے لگتے ہیں اور حال و مقام، طریقت و حقیقت بگھارتے ہیں ایسے لوگوں سے کیا بات کی جائے۔

فرض کی واقفیت ضروری ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص فرائض سے ناواقف ہے اس کے لئے بہت ضروری ہے کہ فرائض سے واقفیت حاصل کرے اور اسی کے بارے میں اس کو سوال کرنا چاہئے۔ فرض اور ضروریات کو چھوڑ کر غیر ضروری امور سے سوال کرنا مہمل بات ہے۔

وعظ میں اثر کیوں تھا

اس کے بعد ذکر آ گیا کہ پہلے زمانے کے وعظ میں بڑا اثر تھا دلوں میں اس کی تاثیر پیوست ہو جاتی تھی۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اسی مناسبت سے ایک حکایت نقل فرمائی اور فرمایا کہ ایک واعظ صاحب وعظ کہہ رہے تھے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ وہی بات کہتے ہیں جو پہلے زمانے میں کہی جاتی تھی۔ یا وہ کوئی دوسری ہوتی تھی؟

واعظ صاحب نے کہا کہ بات تو وہی ہے جو پہلے علماء بیان کرتے تھے۔ سائل نے کہا کہ اگر بات وہی ہے تو اس کا سبب کیا ہے کہ وہ باتیں دلوں میں اثر کرتی تھیں اور لوگ اس پر عمل کرتے تھے اور آج کل اس سے بڑھ چڑھ کر لوگ کہتے ہیں مگر کان سے ہو کر وہ بات دل میں نہیں اترتی ہے۔ واعظ صاحب نے کہا بھائی میری بات وہی ہے مگر فرق یہ ہے کہ اس

زمانے میں (لوگوں کی ایسی سوچ ہے کہ) یہ بات ماننے کے قابل ہے اور وہ بات ماننے کے قابل نہیں ہے اور اس قسم کا خلل دماغ میں اس زمانہ میں نہ آتا تھا آمنا و صدقنا کا رنگ تھا اور خود واعظ بھی نمائشی واعظ نہ تھا ان کی تبلیغ بے ریا و بے عجب ہوتی تھی۔ دیکھئے اس زمانے کے علماء کا صدق حال اس درجہ تھا کہ ہر فعل ان کا واعظ کا کام کرتا تھا۔ ایک کھلی مثال ان علماء میں سے حضرت خواجہ سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کی ہے کہ آپ بیمار ہوتے ہیں اور آپ کا قارورہ ایک کافر طبیب ترسا کے پاس لے جاتے ہیں۔ طبیب ترسا قارورہ دیکھتا ہے اور کہتا ہے واہ واہ اخاہ، یہ قارورہ تو اللہ کے دوست کا معلوم ہوتا ہے بوئے عشق اس سے آتی ہے۔ مذہب اسلام کی حقانیت اس پر تمام ہوتی ہے۔ فوراً وہ زنار توڑتا ہے اور سچا مسلمان ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ اتنا بکتے ہیں اور سر کھاتے ہیں اس کے باوجود کوئی پسیجتا بھی نہیں۔ کہئے ان علماء کا بول (پیشاب) اچھا ہوا یا ہم لوگوں کا قول۔



چھٹا باب

تفسیر قرآن وحفظ قرآن اور جواس کے مناسب ہے اس کے بیان میں

مجلس شریف میں تفسیر قرآن کا ذکر آ گیا۔

مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ اتنے مفسروں نے جو تفسیر لکھی ہے۔اس میں کون سی بات زیادہ اور نئی لکھی، کیا تفسیر امام زاھد کافی نہیں ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ دین کے لئے تو یہی تفسیر کافی ہے مگر دوسرے فوائد حاصل ہونے کے لئے دوسری تفسیر دیکھتے اور لکھتے ہیں۔

قرآن شریف کی تفسیر ظاہری میں تو علما و مشائخ کا اتفاق ہے لیکن فوائد، اشارات اور لطائف رموز میں علی قدر مراتب تفاوت ہے۔اس لئے کے قرآن شریف کے مفاہیم ایک

سے سو تک اور اس سے بھی زیادہ ہیں تو جس شخص نے تفسیر لکھی ہے اس نے اپنے فہم کے انداز سے لکھی ہے۔ کوئی شخص ایک مفہوم تک پہنچا، کوئی دوسرے تک، کوئی تیسرے تک، کوئی چوتھے مفہوم تک پہنچا، جو اول مفہوم تک پہنچا اس نے بھی قرآن شریف ہی سے لکھا اور جو آگے بڑھتا گیا اس نے بھی وہیں سے لکھا۔ مختلف تفاسیر دیکھنے سے مقصود حصول فوائد ہیں۔ مگر تفسیر میں اپنی رائے کو دخل دینا ناجائز ہے یعنی اصول دین واصول علم کے خلاف ہے معنی پرونا گناہ ہے۔

قرآن کی تفسیر کا اہل کون ہے؟

حضور ﷺ نے فرمایا ہے ''من قال فی القرأن برائه فلیتبو أمقعده من النار''
جس نے قرآن شریف میں اپنی رائے کو دخل دیا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے اور امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ حضرت ابی صالحؒ کے ساتھ جارہے تھے ان کو کنارے لے گئے اور کہا کہ تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے تفسیر کس طرح لکھتے ہو اور حضرت عمر خطابؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص کے ہاتھ میں آپ نے قرآن دیکھا اور یہ دیکھا کہ ہر آیت کے نزدیک اس کی تفسیر لکھی ہوئی ہے۔ آپ نے قینچی منگوا کر تراش ڈالا۔ علماء کا قول ہے کہ جو شخص عربی لغت سے واقف ہو اور شان نزول جانتا ہو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ قرآن کی تفسیر کرے مگر جو شخص اچھی طرح پڑھا لکھا نہیں ہے اور لغات عربی سے بھی پوری طرح خبردار نہیں ہے اس کیلئے تفسیر کرنا جائز نہیں۔ ہاں! اس قدر وہ بول سکتا ہے جس قدر اس نے اساتذہ اور بزرگوں سے سنا ہے چونکہ یہ بیان اس کا سنی ہوئی حکایت کے درجہ میں ہے یہ تفسیر نہیں ہے اس لئے جائز ہے اور اس میں مضائقہ نہیں ہے۔

سبعۃ احرف کی تفسیر

مجلس شریف میں قرأت قرآن شریف کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے کہا ''اقراء القرآن علی سبعة احرف کلها شاف و کاف'' (قرآن کریم کو سات لہجے اور سات طریقے سے پڑھو تمام کے تمام کافی، شافی ہیں۔) سات (لہجے)

میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ حکم بعض آیت کے لئے ہے جیسے "اف لکما" اس آیت کو سات طریقے سے پڑھتے ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ "علی سبعة احرف" سے مراد امر۔ نہی۔ قصص۔ امثال۔ وعظ۔ وعدہ وعید وغیرہ ہے۔ حضرت ابوعبیدہ ﷺ سے مروی ہے کہ "علی سبعة احرف" سے مراد عرب کے سات لغات ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر لغت میں ایک خاص بات ہے۔ اسلئے کہ سات قسم کے لغات قرآن شریف میں ہیں قریش۔ یمن۔ ہزیل و دیگر قبائل اور بعضوں نے کہا ہے کہ "علی سبعة احرف" سے مراد سات لہجے ہیں جس کو سات امام نے اختیار کئے ہیں۔

سبع مثانی کی دلنشیں تشریح

پھر ذکر سبع المثانی کا آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ" ولقد اتیناک سبع من المثانی و القرآن العظیم" ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ سبع المثانی سے مراد سورۂ بقرہ، آل عمرآن، نساء، مائدہ، انعام، اعراف وغیرہ ہے ساتویں سورہ کا نام راوی کو یاد نہیں رہا۔

اور ایک دوسری روایت بھی حضرت ابن عباس (ﷺ) سے ہے کہ سبع المثانی فاتحہ الکتاب (الحمد شریف) ہے۔ اب رہی یہ بات کہ فاتحہ الکتاب (الحمد شریف) کو سبع مثانی کیوں کہتے ہیں؟ اس لئے کہتے ہیں کہ سورہ ء فاتحہ میں سات آیتیں ہیں اور کم سے کم دو بار نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ بعضوں کا خیال یہ بھی ہے کہ دو بار نازل ہوئی ہے۔ ایک دفعہ مکہ اور دوسری دفعہ مدینے میں۔ اس سورہ کی عظمت کے باعث اس کو سبع المثانی کہتے ہیں۔

قرآن کریم کی تلاوت کیسے کی جائے؟

اسی جلسہ میں قاضی منہاج الدین درون حصاری نے "وصیت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی" پڑھنا شروع کیا۔ جب اس مقام پر پہنچے کہ "ولا تدعو قرأة القرآن ظاهرا و ناظرا سراً و علانية بالفهم و التدبر و الحزن و البكاء" (قرآن کریم کی تلاوت میں خواہ زبانی ہو یا دیکھ کر یا چپکے چپکے ہو یا بہ آواز بلند تمام صورتوں میں معنی فہمی اور

آیات میں غور وفکر کے ساتھ ساتھ عذاب، وعید اور خوف کے آیات میں آہ وبکا اور حزن وملال کی روش اور طریق کو مت چھوڑو۔) حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے ایک ایک کو بیان فرمانا شروع کیا۔ظاھرا سے مراد یہ ہے کہ زبانی پڑھے۔ناظرا سے مراد یہ ہے کہ دیکھ کر پڑھے۔ سراً و علانیة سے مراد یہ ہے کہ خلا ملا پڑھے۔باالفھم سے مراد یہ ہے کہ معنی خوب سمجھ کر پڑھے۔ تدبر سے مراد یہ ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت اگر کسی آیت میں کچھ ذوق پیدا ہو مثلاً وعدہ کی آیت آئی ہو یا۔غلبۂ رجاء سے انبساطی کیفیت طاری ہوئی ہو یا آیت وعید آ گئی اور خوف سے حزن کی کیفیت پیدا ہوئی تو ایسی حالت میں اس آیت کی تکرار کرے۔

صاحب قرآن کی تلاوت کی کیفیت

خود حضور ﷺ نے ایک دفعہ کچھ تلاوت فرمانا چاہا تو آپ ﷺ نے "بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" پڑھا۔دل حق منزل میں ذوق وکیفیت کا ورود ہوا بار بار "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھنے لگے یہاں تک کہ بیس مرتبہ آپ نے تکرار فرمائی۔

مہینہ میں ایک قرآن سمجھ اور فکر کے ساتھ ختم کرنا چاہئے

اس لئے اہل معنی بزرگوں کا خیال ہے کہ جس کے فکر کی نظر ملکوت کا ملاحظہ کرتی ہو اس کو چاہئے کہ مہینہ بھر میں ایک ہی ختم قرآن کرے تا کہ تدبر اور تامل سے کام لے سکے۔حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع ومحل کے مناسب یہ دو شعر زبان مبارک پر لائے ؎

عاقلاں را حلاوتے در جان　　　غافلاں را تلاوتے بہ زباں
کم ز مہماں سرائے عدن مدان　　　خواں قرأت بہ پیش قرآن خوان

(عاقلوں کی جان میں قرآن سے حلاوت آتی ہے۔غافلوں کی زبان مزہ لیتی ہے۔ مہمان سرائے عدن کے زینت وتکلفات سے وہ ہرگز کم نہیں ہے۔قرأت قرآن کا خوان پر نعمت جس وقت قرآن خوان کے سامنے ہوتا ہے۔)

تلاوت میں مشاہدۂ حق

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا نقل ہے کہ حضرت امام جعفر

صادق پر نماز میں ایک حالت طاری ہوئی یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا حالت تھی فرمایا کہ ایک آیت پر پہنچ کر کچھ ایسی بات پیدا ہوئی کہ اس کو بار بار میں نے پڑھنا شروع کیا رفتہ رفتہ ایسی بے خودی طاری ہوئی کہ اس کلام کو متکلم کی زبان سے میں نے سنا اب (اس حال میں) مجھے اس کی طاقت نہیں رہی کہ اس کی قدرت کے مشاہدہ میں اپنے کو میں سنبھال سکوں۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کا نام ترقی ہے۔ یعنی قرآن کی سماعت سے عروج ہوتا ہے۔ پھر ایسی محویت ہوتی ہے کہ اللہ کا کلام بلا واسطہ اللہ سے سنتا ہے۔ دوسری نقل بھی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس خدائے برتر کی جس نے تجلی کی اپنے مخلوق کے لئے اپنے کلام میں یعنی کلام پاک سن کر انسان متکلم کو دیکھ سکتا ہے مگر نہیں دیکھتا ہے نہ دیکھنے کا بھی ایک سبب ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا "لولا ان الشیاطین یحرمون علی قلوب بنی آدم لینظروا الی الملکوت" (اگر شیاطین بنی آدم کے دلوں پر چھائے ہوئے نہ ہوتے تو یقیناً یہ لوگ ملکوت کا مشاہدہ کرتے۔) قاعدے کی بات ہے کہ جو چیز حواس ظاہر سے غیبت میں ہوتی ہے نور بصیرت کے بغیر اس کو نہیں دیکھ سکتے (اسی طرح) عالم ملکوت کا مشاہدہ اور معانی قرآن کا مشاہدہ کہ یہ بھی ملکوتی ہیں بغیر نور بصیرت کے نہیں ہوسکتا۔ قاضی منہاج الدین نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ نہ فہم رکھتا ہے نہ اس میں تدبر کا مادّہ ہے اور حزن و بقا کی چوٹ بھی اس کے دل میں نہیں ہے ایسا آدمی قرآن پڑھے یا نہ پڑھے؟

قرآن کی تلاوت کا ہر صورت میں فائدہ ہی ہے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ضرور پڑھنا چاہئے۔ کم سے کم زبان تو ایک نیک کام میں لگی رہے گی اور یہ فائدے سے خالی نہیں ہے۔

حضرت خواجہ امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو میں نے کہا الٰہی! کون سا عمل بہتر ہے جو تیری بارگاہ میں ذریعۂ تقرب ہے۔ ارشاد ہوا احمد وہ میرا کلام ہے۔ میں نے کہا الٰہی! تیرے کلام پاک کو معنی سمجھ کر پڑھنا

چاہئے یا بغیر سمجھے۔ فرمایا دونوں طور پر اور نماز اور غیر نماز میں تلاوت کلام پاک کا ثواب (بہت) ہے۔

نماز اور غیر نماز میں تلاوت کلام پاک کا ثواب

دوسری نقل امیر المؤمنین علیؓ کی ہے کہ جو شخص نماز میں کھڑا ہو کر قرآن پڑھتا ہے اس کے نام سے ہر حرف کے بدلے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ جو شخص بیٹھ کر پڑھتا ہے اس کے نام پچاس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو شخص باوضو بطور تلاوت قرآن پڑھتا ہے بدلے میں ہر حرف کے پچیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اگر بے وضو پڑھتا ہے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ قرآن کے قاری کے لئے مستحب ہے سال میں دو بار ختم قرآن کرے اگر اس سے زیادہ پر قادر نہ ہو۔

اور امام حسن زیادؒ اور امام اعظمؒ سے روایت ہے کہ جو شخص سال میں دو بار ختم قرآن کرے اس نے اس کا حق ادا کیا اس لئے کہ حضور ﷺ نے جس سال وفات فرمایا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آپ نے دو بار قرآن شریف کی سماعت کا شرف بخشا۔

قرآن کے سنانے میں حضور ﷺ کے اندر تواضع تھا

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک نقل اور بھی ہے کہ حضور ﷺ جس طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام کو قرآن شریف پڑھ کر سناتے تھے اسی طرح ابی کعب (رضی اللہ عنہ) کو بھی پڑھ کر سناتے اس میں کیا رمز تھا؟ پھر خود ہی فرمایا کہ بعضوں نے کہا ہے کہ امت کو یہ تواضع کی تعلیم تھی تا کہ کوئی اعلیٰ کسی ادنیٰ کو حقیر و بے علم نہ سمجھے اور اپنی یاد و تلفظ پر بھروسہ نہ کرے۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ ابی کعبؓ کو اس لئے سناتے تھے کہ ان کا حافظہ قوی تھا۔ حضور ﷺ سے جو سنتے تھے ان کو فوراً یاد ہو جاتا تھا۔ اور لب و لہجہ نہایت خوش الحان و پاکیزہ تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ اس لئے ان کو سناتے تھے کہ وہ سن کر یاد کرلیں اور اپنے لہجہ میں دوسروں کو سنائیں۔

طریقۂ مکتب اور اس کے فوائد

اس مجلس میں قاضی اشرف الدین اپنے خواہرزادہ کو بھی لائے تھے۔ عرض کیا کہ آج ان کے مکتب کا دن ہے اور دلی خواہش یہ ہے کہ حضور کے سامنے یہ لکھے وہ اس طرح کہ حضور اپنے دست مبارک سے اس تختی پر لکھ دیں اور اس کو دیکھ کر یہ لکھے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ درخواست قبول فرمائی اور آپ نے اپنے دست مبارک سے یہ چار حروف لکھے۔ ا۔ب۔ت۔ث۔ اس کے بعد اس بچے کو ان چار حرفوں کی تعلیم اس طرح فرمائی کہ پہلے "بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" پڑھایا۔ اس نے پڑھا۔ پھر چاروں حروف پڑھائے۔ جس طرح آپ نے پڑھایا بچے نے اسی طرح پڑھا۔ اس کے بعد کہا "الحمد للّٰہ" پھر یہ دعاء دی کہ حق سبحانہ تعالیٰ تجھ کو عالم بنائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ الف۔ با۔ تا۔ سے آدمی کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا ہے۔

اس خوشی میں اس وقت (قاضی اشرف الدین) کچھ کھانا بھی لائے تھے۔ دستر خوان چنا گیا۔ ایک کاک (روٹی) تھوڑی شیرینی حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اٹھایا اور اس بچے کو کھلانا شروع کیا اور فرمایا کہ جو کام تم اپنے ہاتھ سے کرتے اس کو ہم کرتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ لڑکا جس وقت "بسم اللّٰہ" پڑھتا ہے اس وقت تین آدمی بخشے جاتے ہیں۔ ماں۔ باپ اور معلم۔

قرآن کریم پڑھانے کی اجرت لینا کیسا ہے؟

پھر آپ نے فرمایا کہ قرآن شریف کی تعلیم تین طور پر آئی ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ قرآن شریف محض اللہ کے لئے پڑھائے کسی قسم کی اجرت نہ لے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اجرت لے کر پڑھائے اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ بغیر کسی شرط کے پڑھائے۔ اگر بطور ہدیہ کچھ مل جائے تو اس کو قبول کرلے۔ ہاں! جو شخص صرف حسنات کے خیال سے بے اجرت پڑھاتا ہے اسے بہت اجر وثواب حاصل ہوگا۔ یہ فعل انبیاء کے مشابہ سمجھا جائے گا۔ اور جو اجرت لے کر پڑھاتا ہے اس میں اختلاف ہے۔ متقدمین علماء کی رائے یہ ہے کہ اجرت لینا جائز نہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے تبلیغ قرآن امت پر واجب کی ہے۔ جس طرح حضور ﷺ پر اللہ نے واجب کی تھی اور جس طرح نبی کو اجرت لینا جائز نہیں ہے امت کے لئے بھی درست نہیں ہے۔ اور ایک جماعت متاخرین میں ایسی ہے جو اجرت لینا جائز کہتی ہے۔ ہاں! جو شخص قرآن پڑھاتا ہے بغیر شرط کے اور اس کو کچھ ہدیہ دیا جاتا ہے تو وہ قبول کر لیتا ہے یہ صورت سب کے یہاں محمود ہے اور جائز ہے کیونکہ حضور ﷺ معلمِ امت تھے اور ہدیہ بے صلہ قبول فرمایا کرتے تھے۔

تلاوت کلام مجید کا کیا حق ہے

مجلس شریف میں اس کا ذکر آ گیا کہ حق تلاوت قرآن شریف کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا حق یہ ہے کہ تلاوت کے وقت زبان۔ عقل اور دل سب کے سب متوجہ ہوں۔

زبان کا کام یہ ہے کہ صحیح حروف ادا کرے۔

عقل کا کام یہ ہے کہ معنی و تفسیر پر غور کرے۔ دل کا کام یہ ہے کہ نصیحت اختیار کرے۔ نواہی (جن چیزوں سے دور رہنے کا شریعت میں حکم آیا ہے) سے اجتناب کرے اور اوامر (جن چیزوں کے کرنے کا شریعت میں حکم آیا ہے) کو بجالائے۔ اس طور پر جس نے بھی تلاوت کی اس نے تلاوت کا حق بجالایا۔ اس کے بعد اس آیت کا ذکر آ گیا کہ "رب انظرنی الی یوم یبعثون" (سورة: آیت:) (اے میرے پروردگار مجھے اٹھائے جانے کے دن یعنی قیامت تک کے لئے مہلت دیجئے)

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کا حفظ قرآن نہ کرنے پر اظہار افسوس وحسرت

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے حاضرین مجلس سے پوچھا کسی کو یاد ہے کہ یہ آیت کس سورہ میں ہے؟ اتفاقاً کسی کو یہ سورہ یاد نہ تھی۔ فرمایا مجھ کو کچھ یاد تھا وہ بھی اب یاد نہیں ہے۔ لڑکپن میں اس قدر کتابیں یاد کرائی گئیں مصادر، مفتاح اللغات، علاوہ ازیں اور کتابیں اور مفتاح اللغات میں سے بہت سے اشعار مجلد کا مجلد یاد کرائے گئے اور بار بار زبانی سنا جاتا تھا۔

افسوس! اس کے بجائے قرآن شریف یاد کرایا جاتا۔

مولانا زین الدین ایک خوش الحان اور جید حافظ تھے

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ سنار گاؤں میں مولانا کے بھائی کا نام مولانا زین الدین تھا۔ آپ کو قرآن شریف بہت اچھا یاد تھا۔ درس کے وقت اگر کسی کے سبق میں کسی مسئلہ کا ثبوت آیت قرآنی سے ہوتا تو اس موقع میں مولانا شرف الدین ابوتوامہ کو اس کی حاجت ہوتی کہ یہ آیت شریفہ کس سورہ میں ہے اور اتفاقاً مولانا زین الدین بھی وہاں پر بیٹھے ہوتے تو مولانا ممدوح اپنے برادر مولانا موصوف سے دریافت کرتے کہ بطور حسن خُلق آپ بتائیں کہ یہ آیت کس سورہ میں ہے؟ مولانا زین الدین خوش طبعی اور اٹھکھیلی (بطور مزاح) کچھ دیر تک چُپ رہتے اور جواب نہ دیتے اور یاروں کی طرف چشمک زنی کرتے کہ تم کہو تم کہو مطلب یہ ہوتا کہ دیکھیں کون کہتا ہے دیر ہونے پر مولانا ممدوح پھر بھائی کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے کہ بہت ہوا اب ناز نہ کیجئے بتائے کہ یہ کس سورہ میں ہے۔ بھائی صاحب فوراً کہہ دیتے کہ یہ آیت فلاں سورہ میں ہے۔ اس کے بعد مولانا زین الدین کی خوش الحانی کا تذکرہ آ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ بیحد خوش الحان تھے اور نہایت اچھا پڑھتے تھے راگنیوں سے بھی واقف تھے کوئی آیت یا کوئی غزل کہیں پر پڑھتے تھے تو در و دیوار کو ہلا دیتے تھے آدمی کا کون پوچھتا ہے۔ خدا جانے کتنی مرتبہ مولانا تقی الدین کے سامنے آپنے پڑھا ہے اور جب جب پڑھا ہے مولانا پر ایسی حالت طاری ہوتی کہ جبہ و دستار کفش و نالین سب چیز آپ اُن کے حوالہ کر دیتے تھے اور یہ ایک گٹھری باندھ کر لے آتے ایک خاصہ وزن ملبوس خاص کا مولانا کی مجلس سے اٹھا لے جاتے اور جب جب آپ کے سامنے پڑھتے تھے تو ضرور جبہ و دستار وغیرہ مولانا سے ضرور وصول کرتے اور گھر لاتے۔ حضرت مولانا تقی الدین کی بہترین دعاء ان کے حق میں تھی کہ تم ہمیشہ خوش رہو گے۔ چنانچہ بارہا ایسا ہوا کہ مولانا زین الدین کو اگر رنج و غم کا سامنا ہوا تو آپ دعویٰ کے ساتھ فرماتے تھے کہ ہم کو ناخوشی ہو نہیں سکتی۔ ہمارے حق میں حضرت مولاناؒ کی یہ دعاء ہے۔

سلطان شمس الدین مولانا زین الدین کے خوش الحانی پر عاشق تھا

پھر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ سلطان شمس الدین آپ کے پڑھنے پر عاشق تھا۔ اسی عشق کی وجہ سے اپنا امام بنایا تھا۔ سلطان شمس الدین نے اپنی فرودگاہوں میں امام و مؤذن مقرر کر رکھے تھے یہاں تک کے زنان خانہ میں بھی ایک امام و مؤذن تھا۔ اسی طرح جتنے محل تھے سب میں ایک امام اور مؤذن مقرر تھا۔ معمول یہ تھا کہ سلطان جہاں پہنچتا وہیں کا امام امامت کرتا مگر مولانا زین الدین اگر ساتھ ہوتے تو کیا مجال کہ مقررہ امام امامت کر لیتا وہ اگر خود سے آگے جاتا بھی تو سلطان حکم دیتا زین الدین تم آگے جاؤ۔

مولانا زین الدین کی خوش الحانی کا ایک اور انوکھا واقعہ

دوسرا قصہ یہ ہے کہ جس وقت مولانا زین الدین تین دوستوں کے ساتھ اودھ سے وہاں پہنچے اور خانقاہ میں اترے اور مولانا ضیاء الدین کو کچھ پڑھ کر سنایا سنتے ہی مولانا ضیاء الدین عاشق و فریفتہ ہو گئے دل کا قرار جاتا رہا بیتابی میں آ کر مولانا زین الدین کے یاروں سے کہا کہ اس جوان خوش الحان سے کہہ دیجئے کہ میں آپ کو چھوڑ نہیں سکتا ایک لڑکی ہے اس سے میں بیاہنا چاہتا ہوں۔ پھر کیا تھا یاروں کو خوش طبعی کا سامان مل گیا۔ آپس میں ہنستے کھیلتے مولانا زین الدین کے پاس پہنچے آ کر کہا لیجئے بیٹھے بیٹھائے خدا نے روزی کا دروازہ کھول دیا اور کیا چاہتے ہیں۔ آج کا قصہ یہ ہے۔ کوئی وجہ نامنظوری کی نہ تھی نسبت پسند ہوئی اور مولانا ضیاء الدین نے اپنی صاحب زادی سے ان کا نکاح کر دیا۔ پھر دولت کی کیا کمی تھی مال و متاع اسباب و املاک بہت جمع ہو گئے اور بہت سارے قصے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے ان کی ذہانت و حاضر جوابی اور گانے کے متعلق اور خوش الحانی کی بابت فرمائے بقدر گنجائش یہاں پر لکھے گئے۔

دقیانوس اور اصحاب کہف اور ان کا کتا

اسی مجلس میں مولانا نصیر الدین قاضی صفی ملخص ''احیاء العلوم'' پڑھ رہے تھے۔ باب عزلت میں یہ آیت شریف آگئی ''واذا اعتزلتموھم وما یعبدون الا اللّٰہ''۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جب وہ لوگ یکسو ہوئے تو نہیں پوجا مگر اللہ تعالیٰ کو۔ اس کا

قصہ یہ ہے کہ دقیانوس ایک بادشاہ کا نام تھا۔اس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔جہاں کہیں کسی کی بادشاہت ہوتی تو اس بادشاہ پر دھاوا بولتا اگر وہ بادشاہ گرفتار ہو جاتا تو اس سے کہتا کہ ایک لڑکا اپنا ہم کو دیدو اور تم اپنی حالت پر رہو صرف ہماری اطاعت کیا کرو۔اسی طرح اس نے چار پانچ شہزادوں پر قبضہ کر لیا تھا۔تعداد میں اختلاف روایت ہے۔وہ شہزادے دقیانوس کے نزدیک رہتے تھے اور اس کی پرستش کیا کرتے تھے۔ ہر ایک کو الگ الگ طریقہ پر پرستش بتا دیا تھا اسی پر وہ لوگ عامل تھے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ سب شہزادے دقیانوس کے سامنے مؤدب کھڑے تھے۔ سعید ازلی اللہ تعالیٰ نے ان کو بنا دیا تھا۔وہ سعادت اس طرح ظہور پزیر ہوئی کہ اس جماعت سے ایک کے دل میں آیا کہ یہ بھی آدمی، ہم بھی آدمی، جیسے ہم، ویسا یہ، پھر پوجنا چہ معنی دارد (ہم کیوں اس کو پوجیں اس کو کیوں نہ پوجیں جس نے ہم کو پیدا کیا) خدا کی شان اسی ساعت سبھوں کے دل میں یہی بات آئی۔کسی عنوان سے جان چھوڑا کر یہ لوگ اپنی اپنی اقامت گاہ پر آئے۔پہلے وہ شخص جس کے دل میں یہ بات آئی تھی یہ سوچ کر چپ چاپ گھر سے نکل گیا کہ ایسی جگہ سر کے بل جائیں جہاں اللہ تعالیٰ کی پرستش کا اطمینان سے موقع ملے۔شہر سے باہر نکل کر ایک جگہ کھڑا ہو گیا اسی وقت ہر شخص ایک دوسری راہ سے گھر سے نکلتا ہے اور شہر سے باہر ہوتا ہے اور سب کے سب پھر وہیں پہنچتے ہیں جہاں وہ پہلا شخص کسی فکر میں کھڑا تھا۔وہ بیچارہ دیکھ کر ڈرا کہ شاید یہ لوگ میری گرفتاری کے لئے آئے ہیں۔بلکہ ایک کو دیکھ کر دوسرا ڈرا کہ خدا خیر کرے گرفتاری کے لئے تو اس (دقیانوس) نے نہیں بھیجا ہے۔جب کچھ اطمینان ہوا تو ان لوگوں نے اس سے پوچھا کہ آنے کا سبب کیا ہوا اس نے کل واقعات دھرائے ہر ایک نے کہا کہ ہمارا بھی یہی قصہ ہے۔اس کے بعد مشورہ ہوا کہ واقعہ ایک، مطلوب ایک، راہ ایک، پھر کیوں نہیں ہم لوگ ایک دوسرے کے معین و مددگار ہو جائیں اور ساتھ مل کر چلیں بات یہ چھڑی کہ یہاں سے اب کہاں جانا چاہئے۔کیونکہ ہم لوگوں کی گرفتاری کے لئے ہلکارے دوڑائے جائیں گے۔ایک پہاڑ سامنے دکھائی دے رہا تھا۔رائے ہوئی کہ سردست اسی پہاڑ پر جانا

چاہیئے۔ جب وہاں پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک چرواہا بکریوں کو چرا رہا ہے اور ایک کتا بھی اس کے ساتھ ساتھ ہے۔ واہ رے تیری قدرت کچھ دم میں وہی کتا ''سگ اصحاب کہف'' ہوتا ہے۔ اس چرواہے نے جوان لوگوں کو دیکھا تو رنگ وروپ طور وطریقہ دیکھ کر محو ہو گیا۔ کیوں نہ ہوتا آخر تو وہ شہزادے ہی تھے اور راہ طلب میں قدم رکھ چکے تھے۔ پوچھا کہ آپ لوگ کیوں آئے اور کہاں جانا چاہتے ہیں اور کیا قصہ ہے؟ ان لوگوں نے صاف صاف سارا قصہ کہہ سنایا۔ چرواہے نے کہا کہ ہمارا بھی تو یہی حال ہے۔ وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ ہولیا سب کے سب ایک دل ہو گئے۔ چرواہے نے کہا اس پہاڑ میں ایک غار ہے آیئے ہم لوگ اس میں گھس جائیں۔ گرفتاری کے خوف سے سب لوگ غار میں چلے گئے۔ اب اللہ تعالیٰ کی عنایت اپنا کام کرتی ہے۔ ان لوگوں پر نیند مسلط کی جاتی ہے یہاں تک کہ سب کے سب سو رہے۔ ایسے چھپے اور ایسے سوئے کہ مخلوق ان سے بیخبر رہی اور وہ اپنے سے بے خبر ہو گئے۔ ہزاروں برس سے اب تک وہ سوئے ہیں۔ کئی سو برس کے بعد ایک دفعہ ان کی نیند ٹوٹی تھی۔ جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہے کہ ان کی کروٹ بدلا کریں تا کہ گوشت و پوست بوسیدہ نہ ہوں۔ وہ کتا جو چرواہے کے ساتھ تھا اس میں بھی ایک ایسا جذبہ غالب ہوا کہ اس نے ساتھ نہ چھوڑا اور غار کے دروازے پر حفاظت کے خیال سے بیٹھ گیا۔ اب وہی کتا ''سگ اصحاب کہف'' ہوتا ہے اور ناپاک سے پاک کر دیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس شرف وصفت کی بدولت قیامت کے دن اس کتے کا حشر آدمی کی صورت میں ہوگا۔

اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے حضرت سعدی کا یہ قطعہ پڑھا۔ قطعہ:

سگ اصحاب کہف روزے چند　　　پئے نیکاں گرفت مردم شد
پسر نوح با بداں بہ نشست　　　خاندان نبوتش گم شد

قرآن وسنت اجماع اور اجتہاد کی طرف رجوع کرنے کا حکم

مجلس شریف میں قاضی منہاج الدین درون حصاری شیخ الشیوخ کی وصیت پڑھ رہے تھے۔ جب یہاں پر پہنچے کہ ''وارجع الی القرآن فی جمیع الاحکام'' سب

حکموں میں قرآن کی طرف رجوع کرو۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ رجوع بہ قرآن کے معنی یہ ہیں کہ اول قرآن میں اس مسئلہ کو تلاش کرو۔ اگر بظاہر نہ پاؤ تو جس طرح قرآن نے بتایا ہے اس اصول سے ڈھونڈو یعنی سنت کی طرف رجوع کرو۔ اگر بظاہر سنت میں بھی مسئلہ کا حل نہ ملے تو حسب ہدایت اجماع کی طرف رجوع کرو۔ اگر اجماع بھی نہ بتائے تو اجتہاد کی طرف رجوع کرو بشرطیکہ مجتہد کی صفت تم میں ہو۔

مرید کو کس کس کی طرف رجوع کرنا چاہئے

یہی حال اس راہ میں مرید کا بھی ہے۔ بزرگوں کا خیال ہے کہ مرید اپنے واقعات میں اوّل پیر کی طرف رجوع کرے یعنی جو واقعات پیش آئیں اس کو اپنے پیر سے کہے۔ اگر پیر موجود نہ ہو تو ایسے شخص سے کہے جو قائم مقام پیر ہے اور مقام پیری پر فائز ہے اور واقعات پر وقوف (گرفت وٹھراؤ) رکھتا ہے بلکہ اور آگے بڑھ چکا ہے۔ اجنبی اور عامی شخص سے ہرگز نہ کہے۔ ایسے لوگوں سے واقعات کہنا مرید کے لئے جائز نہیں ہے۔ صرف بزرگان کامل سے کہنا جائز رکھا گیا ہے۔ اگر پیر موجود نہ ہو اور اگر پیر کے علاوہ دوسرا بزرگ بھی موجود نہ ہو تو مرید اپنے واقعات میں قرآن کی طرف رجوع کرے۔ مثلاً اگر کوئی واقعہ پیش آیا اور مرید نہیں جانتا ہے کہ معاملہ شیطانی ہے یا رحمانی ہے قرآن میں اگر پائے تو سمجھے کے رحمانی ہے اگر قرآن میں نہ پائے تو سنت کی طرف رجوع کرے اور اگر سنت میں بھی نہ پائے تو سمجھے کہ یہ شیطانی ہے۔

نجاشی کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ

مجلس شریف میں قرآن پاک کی اس آیت شریفہ کا ذکر آ گیا "**واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع**"۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس آیت کا شان نزول نجاشی کے حق میں ہے۔ ہجرت کے پہلے حضور ﷺ نے دو دو تین تین چار چار صحابی رضوان اللہ علیہم کو مختلف علاقوں میں تبلیغ کے لئے بھیجنا شروع کیا چند اصحاب کو نجاشی کے یہاں بھی بھیجا۔ یہ حبشہ کا بادشاہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ کے صفات سن سن کر پہلے سے اس کا دل اسلام کی طرف راغب ہو

چکا تھا۔ جب اس کو خبر ملی کہ حضور اکرم ﷺ کے اصحاب آرہے ہیں جس وقت یہ لوگ شہر سے باہر ہی تھے اسی وقت ان لوگوں کا استقبال کیا جب یہ لوگ شہر میں داخل ہوگئے اور مجلس قائم ہوئی تو ایک مجمع اکٹھا ہوگیا۔ اس نے سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ کے صفات پوچھے۔ چنانچہ ان حضرات نے آپ کے صفات بیان کئے۔ پھر قرآن شریف کے نزول کا حال پوچھا اور کہا کہ اگر کچھ یاد ہو تو پڑھئے جو کچھ ان کو یاد تھا پڑھا، سن کر نجاشی اور اس کے دوست احباب سب کے سب خوب روئے اور مسلمان ہوگئے۔ اس کے بعد یہ آیت ان لوگوں کی شان میں اتری۔

حضور ﷺ کے ساتھ جادو کا واقعہ

مجلس شریف میں سورہ فلق اور سورہ ناس کے نزول کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ دونوں سورتیں اس وقت اتری ہیں جب حضور ﷺ پر سحر کیا گیا تھا۔ قصہ یہ ہے کہ ساحروں نے ایک مورت بنائی اور سات مقام میں گرہ قائم کی اور ہر گرہ میں سوئی چبھودی۔ اس عمل سے جسم مبارک میں ایک قسم کی تکلیف شروع ہوگئی اسی تکلیف کی حالت میں ایک موقع ایسا آیا کہ حضور ﷺ نہ سوتے تھے اور نہ جاگ رہے تھے۔ اس صورت میں کیا دیکھتے ہیں کہ دو فرشتے آئے اور ایک قصہ شروع کیا حضور ﷺ اسے سن رہے تھے۔ ایک فرشتے نے دوسرے فرشتے سے کہا کہ آپ ﷺ بیمار معلوم ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ دوسرے نے کہا کہ تم نہیں جانتے ہو۔ لوگوں نے جادو کیا ہے یہ اسی کا اثر ہے تو سائل نے کہا کہ آخر اس کا علاج کیا ہے؟ اس فرشتہ نے جواب دیا کہ ساحروں نے ایک مورت بنائی ہے اس میں سات جگہ گرہ قائم کر کے سوئی چبھودی ہے اور فلاں کنویں میں رکھ کر پتھر سے دبادیا ہے اگر وہ مورتی نکالی جائے اور ہر گرہ پر فلق وناس پڑھ کر دَم کیا جائے تو صحت ہوجائے گی۔ آپس میں اس طرح باتیں کر کے دونوں فرشتے غائب ہوگئے فوراً حضور ﷺ بیدار ہوئے بیقراری کا عالم تھا اٹھتے تھے بیٹھتے تھے۔ حضرت امیر المؤمنین علی ؓ کو آپ نے طلب فرمایا اور کہا کہ دو فرشتے آئے اور اس طرح بول گئے اور علاج بتا گئے ہیں تم جا کر اس کنویں سے مورتی کو نکال لاؤ حضرت علیؓ گئے اور اس مورتی کو نکال لائے۔ واقعی ایک

مورتی تھی جس میں سات گرہ بنا کر سوئی چبھو دی گئی تھی اس کے آتے ہی یہ دونوں سورتیں فلق وناس نازل ہوئیں جس گرہ پر پڑھ کر دم فرماتے تھے وہ گرہ کھلتی جاتی تھی اور جسم مبارک کو آرام ہوتا جاتا تھا چنانچہ ساتوں گرہوں کے کھلنے کے بعد جسم مبارک کی تکلیف جاتی رہی اور صحت کلی ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ "السحر حق "یعنی جادو کا اثر ثابت ہے اس حق کے یہ معنی نہیں ہے جو باطل کی ضد میں حق استعمال ہوتا ہے۔

معجزہ اور جادو دو علاحدہ چیزیں ہیں

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے معجزہ اور سحر کے فرق کو بیان کیا کہ معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ جو چیز عادت کے خلاف کسی نبی سے ظاہر ہو اور دوسرا شخص غیر نبی اس چیز کے دکھانے سے عاجز ہو اسی کو معجزہ کہتے ہیں۔ یہاں پر ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جادوگر بھی تو عادت کے خلاف چیز دکھلاتا ہے پھر فرق کیا ہوا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ جادو خرق عادت نہیں ہے بلکہ عادت جاریہ میں داخل ہے جو شخص اس کا سامان فراہم کرے گا جادوگر ہو جائے گا اگر چہ وہ کام آسان نہیں ہے بہت سی دشواریاں لاحق ہوتی ہیں۔ ہر شخص کا کام نہیں ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ جو شخص اس جادو کے ساز و سامان کو مہیا کرے گا اور اس کے عمل کی شرطوں کو بجا لائے گا اور اس کا کوئی معلم بھی ہوگا جس طرح جادوگر سیکھتا ہے یہ شخص اس کو سیکھے گا تو جادو پر اس کو قدرت ہو جائے گی کسی عمل سے جو کوئی بات ظاہر ہوتی ہے وہ تو اس عمل کا نتیجہ ہے اور معتاد میں داخل ہے اس کو خرق عادت نہ کہیں گے۔ صورتاً جادو خرق عادت سے مشابہ ضرور ہے معناً نہیں۔ مولانا قمر الدین خواہر زادۂ مخدوم نے عرض کیا کہ اگر بہ یک وقت دو شخص ایک جھوٹا دوسرا سچا نبوت کا دعویٰ کرے بطور خرق عادت سچا معجزہ دکھائے جھوٹا جادو کے زور سے کام لے۔ یہاں پر سچے جھوٹے کی تمیز کیسے ہوگی۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ صادق اور کاذب اپنے قول و فعل حرکات و سکنات اور قرینہ سے پہچانا جاتا ہے۔ فرعون کو دیکھو کہ خدا کا مدعی تھا اور خرق عادت کے مشابہ اس سے افعال صادر ہوتے تھے دریائے نیل اس کے حکم سے بہتا اور تھمتا تھا اس قسم کی چیزوں کا ظہور خرق عادت کے مشابہ ضرور ہے مگر فرعون

سے خرق عادت ناممکن ہے کیونکہ ہزاروں قرینے ہزاروں فعل اور ہزاروں حالتیں ایسی تھیں کہ فرعون کی گمراہی اور بے دینی پر گواہی دیتی تھیں۔اس طرح ساحر اگر کوئی چیز اپنے سحر کے زور سے دیکھائے تو وہ دراصل خرق عادت نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے جھوٹے ہونے پر بہت قرینے اور حالات گواہ ہیں۔ یہ صورت سچے اور جھوٹے کے تمیز کی بھی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے مدعی نبوت کو اور سچے مدعی نبوت کو ایک طرح کی قوت عطا نہیں کرتا۔ سچے مدعی نبوت سے جھوٹا مدعی نبوت ہرگز مقابلہ نہیں کرسکتا ہے یہ بالکل ناممکن ہے اگر ایک طرح کی قوت دونوں میں رہے گی تو ساحر اور نبی میں فرق باقی نہ رہے گا ایسی صورت میں خلق اللہ سخت دھوکہ میں آئے گی۔حق اور باطل میں تمیز باقی نہیں رہے گی اس لئے ایسا ہونہیں سکتا ہے۔

جھاڑ پھونک اور دواوعلاج کی شرعی حیثیت

اس کے بعد مجلس شریف میں ذکر آگیا کہ افسوں کے بارے میں کیا حکم ہے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ سفلی جھاڑ پھونک منتر اور غیر طاہر دواؤں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک مکروہ ہے ان کی دلیل یہ ہے۔حدیث: "یدخل الجنة من امتی سبعون الفا بغیر حساب فسئلوا عن ذالک فقال لهم الذین لا یکیون ولا یتداون ولا یرفعون ولا یطیرون وعلی ربهم یتوکلون" یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ داخل ہوں گے جنت میں ستر ہزار آدمی ہماری امت کے بغیر حساب کے لوگوں نے سوال کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں ارشاد ہوا کہ جو لوگ زخم کو نہیں داغتے ہیں اور دوا استعمال نہیں کرتے ہیں اور منتر پڑھ کر نہیں پھونکتے اور کسی چیز سے بدفالی نہیں لیتے اور اپنے خدا پر پورا پورا اعتماد رکھتے ہیں۔مگر عام طور پر علماء کا خیال یہ ہے کہ افسوں اور دوائے مکروہہ جائز ہے ایک دلیل ان کی یہی ہے کہ حضور ﷺ نے معوذتین پڑھ کر دم کیا ہے دوسری دلیل ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہ بھیجی جس کی دوا نہ ہو مگر موت کی دوا اور بوڑھاپے کی دوا نہیں ہے۔جھاڑ پھونک اور دوا کی ممانعت جو آئی ہے غالباً اس شخص کے لئے ہے کہ جس کی صحت کا دارومدار افسوں اور دوا پر ہو لیکن جو شخص صحت وعافیت کو اللہ تعالیٰ

کی طرف سے دیکھے اور جھاڑ پھونک اور دوا کو صرف سبب اور واسطہ ٹھرائے تو اس کے لئے کچھ مضائقہ نہیں ہے جس حدیث سے تمسک پکڑ کر بعض علمانے جھاڑ پھونک اور دواء مکروہہ کو ناجائز کیا ہے تو ان علماء کا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث اہل عزیمت کے حق میں ہوگی عوام الناس کے لئے نہیں۔ان کو اجازت ہے ان کے لئے جائز ہے۔

تسیر الجبال کی تفسیر اور دوسری آیت سے تطبیق

مجلس شریف میں اس آیت شریف کا ذکر آ گیا "ویوم تسیر الجبال و ترالارض بارزة"۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس دن پہاڑوں کو سیر کرائیں گے اور تم دیکھو گے زمین کا میدان صاف یہ حالت قبل از قیامت ہوگی اور یہ خطاب حضور ﷺ سے ہے قرآن شریف میں بہت جگہ پہاڑ کا ذکر آیا ہے۔ جیسے "وتکون الجبال کالعهن المنفوش" اور دوسری جگہ دوسرے طور پر ذکر آیا ہے۔ یہاں پر اس طور پر ہے کہ "تسیر الجبال وتر الارض بارزة" بظاہر ایک دوسرے کے مفہوم میں تناقص معلوم ہوتا ہے یعنی اگر کوئی شخص کہے کہ جب پہاڑ روئی کے گالے کی طرح ہو جائے گا تو پھر دوسری شکل کیسے ہوگی؟ اس میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ جواب اس طرح پر دیا گیا ہے کہ درحقیقت تعارض نہیں ہے پہاڑوں کی مختلف حالتیں ہوں گی کبھی اس صورت میں ظاہر ہوں گے اور کبھی اس صورت میں اور یہ بھی ممکن ہے کچھ پہاڑ ایک صورت میں کچھ دوسری صورت میں۔ خلاصہ یہ کہ قرآن پاک میں جتنی صورتیں بیان کی گئی ہیں سب ہو کر رہیں گی اس کے بعد ایک خاص حالت کے ساتھ رخ حاضرین کی طرف فرما کر کہا کہ یاد رکھو اور اپنے ہوش کی دوا کرو کہ اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ جو جو حالتیں پہاڑوں کی ہوں گی وہ سب صحیح بیان کی گئی ہیں ایک حال سے دوسرے حال میں پہاڑ ضرور ہو کر رہیں گے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ قرآن شریف کی آخری چوتھائی زیادہ تر قیامت کے بیان میں ہے اور فرمایا کہ حضور ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "شَیَّبَتْنِی سورة هود" یعنی سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا بنا دیا اس سورہ میں جو یہ آیت شریف ہے "فاستقم کما امرت" اور حضور ﷺ ہی اس کے

مخاطب ہیں یعنی جس طور پر حکم دیا گیا ہے اس پر مستقیم ہو جائیے حسب فرمان باری تعالیٰ بار استقامت کا خوف اتنا پیدا ہوا کہ سترہ موئے مبارک رات بھر میں سفید ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس سورہ میں وعیدیں بھی بہت ہیں۔

خواجہ جلال الدین حافظ ملتانی نے یہ آیت تلاوت کی ''الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا'' اور عرض کیا کہ سب سے آخر میں یہی آیت نازل ہوئی یا کوئی دوسری؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تفسیر میں تو یہی لکھا ہے کہ سب سے آخر میں یہی آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ چند ہی روز عالم حیات میں رونق افروز رہے۔

قرآن شریف لوح محفوظ کی ترتیب پر ہے نزول کی ترتیب پر نہیں

پھر حافظ صاحب نے عرض کیا کہ نزول اس آیت کا جب آخر میں ہے تو آخر میں لکھی بھی جاتی۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ قرآن شریف لوح محفوظ کی ترتیب پر جمع کیا گیا ہے نزول کی ترتیب پر نہیں۔ نزول کی حالت یہ تھی کہ جب کوئی بات پیش آتی اس کے متعلق کوئی آیت یا چند آیت آجاتی۔

پھر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ قرآن شریف حضور ﷺ کی حیات مبارک میں مرتب ہوا یا بعد میں؟

جمع قرآن کریم کب ہوا

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی حیات مبارک میں حضرت امیر المومنین عثمان غنیؓ نے اس کو مرتب کیا ہے۔ حضور ﷺ سے پوچھتے تھے اور حضور ﷺ بذریعہ وحی معلوم کر کے فرما دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں جگہ لکھو اس آیت کو فلاں جگہ لکھو۔ چنانچہ جس جس طور پر حکم ہوتا تھا آپ لکھتے جاتے تھے۔

سورۂ برأت میں بسم اللہ نہ ہونے کی علت

سورۂ برأت میں بسم اللہ نہیں لکھی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ سورۂ برآت کا لکھنا شروع

کرنا چاہتے تھے کہ اس سورہ کے ماقبل ومابعد سورہ کی تعظیم جوزیادہ تر اس سورہ کے موافق ہے اس نے مشتبہ کردیا اور حضورﷺ کی نقل مکانی کے باعث استفسار کا موقع نہ ملا اور لوح محفوظ پر اطلاع بھی نہ ہوئی اس لئے بسم اللہ نہ لکھی اور کسی دوسرے سے پوچھ بھی نہیں سکتے تھے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ سورۂ برأت کے نزول کا سبب کفار کی عہد شکنی ہوئی ہے اور جلال وعظمت کی شان جلوہ گر ہے۔ بسم اللہ اس واسطے نہیں لکھی تا کہ معلوم ہوجائے کہ اس میں شان جلال جلوہ فرما ہے امن وامان کا پہلو نہیں ہے۔

ہر ولی کا لوح محفوظ پر مطلع ہونا ضروری نہیں

اس کے بعد مولانا جلال الدین مذکور نے عرض کیا کہ صحابہ ﷺ تو صاحب ولایت اور کامل الحال تھے کیا ان کو لوح محفوظ پر اطلاع نہ تھی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ لوح محفوظ پر اطلاع صحت ولایت کے لئے لازم نہیں یعنی ہر ولی کا لوح محفوظ پر مطلع ہونا ضروری نہیں۔ ہاں! ممکن البتہ ہے جس کو خدا چاہے یہ نعمت دے اور جتنی دے۔

ضلالت سے ہوشیار رہو

خاکسار عقائد نسفی کا مختصر دیکھ رہا تھا جب اس مقام پر پہنچا کہ "واللّٰہ یضل من یشاء ویھدی من یشاء" حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ اس کے دلائل بیان فرماتے رہے اس کے بعد فرمایا کہ ہوشیار رہنے کا مقام ہے۔

قرآن شریف میں لفظ اضلال بہت جگہ استعمال ہوا ہے بعض جگہ اضافت اس کی حق کی طرف ہے۔ اور بعض جگہ شیطان کی جانب ہے بعض جگہ اصنام کی طرف بھی ہے جس جس موقع میں لفظ ضلالت مستعمل ہوا ہے اس پر غور کرنا چاہئے اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جب لفظ اضلال کی اضافت ہوتی ہے تو اس سے مراد تخلیق ضلالت ہوتی ہے اور شیطان واصنام کی طرف جب اضافت ہوتی ہے تو اس سے مراد ضلالت کا شباب وبہار ہے۔

قرآن شریف جب بوسیدہ ہو جائے تو کیا کیا جائے؟

پھر اسی موقع سے خواجہ حمید الدین سوداگر نے عرض کیا کہ اگر قرآن شریف یا دعاؤں کی کتاب بالکل پرانی اور بوسیدہ ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کو پاک زمین میں دفن کر دینا چاہئے۔

ایک دوزخی زاہد کی مغفرت کا واقعہ

مجلس شریف میں اس کا ذکر آ گیا کہ اللہ تعالیٰ جو خبر دیتا ہے وہ بات ہو کر رہتی ہے یا اس کے خلاف بھی ہوتا ہے؟

حاضرین مجلس میں سے ایک عزیز نے عرض کیا کہ ''روح الارواح'' میں یہ حکایت ہے کہ ایک زاہد تھا دن کو روزہ رکھتا اور رات کو نماز ادا کرتا۔ رات دن طاعت و عبادت میں گذارتا تھا اور بڑی بڑی ریاضتیں اس نے کی تھیں اور خلق سے جدائی اختیار کی تھیں۔ پیغمبر وقت پر وحی آئی کہ فلاں زاہد سے کہہ دیجئے کہ اس قدر ریاضت و عبادت آپ کر رہے ہیں یہ کس لئے؟ ہم نے تو دوزخ کے لئے آپ کو پیدا کیا ہے۔ پیغمبر وقت نے زاہد کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ زاہد نے یہ بات سن کر اور بھی طاعت و عبادت کا رنگ تیز کر دیا۔ لوگوں نے کہا اب اس ریاضت شاقہ اور تکلیف مالا یطاق سے ہوتا کیا ہے۔ آپ کا گھر تو دوزخ میں بن چکا ہے۔ زاہد نے کہا کہ آپ لوگ ہیں کہاں ذرا ہوش میں آیئے اے جناب! یہ ناکارہ جو اس لائق نہیں کہ مکھی کے پر کے برابر بھی اس کو رتبہ دیا جائے اس کو وہاں جگہ ملتی ہے جو اس کی (اللہ تعالیٰ) صفت قہر کی جلوہ گاہ ہے۔ ایسی صورت میں خوشی کا پوچھنا کیا ہے اس مالک پر ہم صدقے نہ جائیں جس نے اس لائق بھی سمجھا سچے دل سے زاہد کا یہ کہنا تھا کہ دریائے رحمت کو جوش آ گیا بلا واسطہ حکم ہوا کہ میں نے تجھکو محبت کے ساتھ قبول کیا اس قصہ کو کہہ کر اس عزیز مذکور نے کہا کہ ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ باری تعالیٰ کا جو حکم ہو گیا وہ کیونکر بدل سکتا ہے پہلے حکم آیا کہ دوزخی ہے پھر حکم ہوتا ہے کہ تو بندہ مقبول اہل بہشت ہے یہ شبہ کس طرح دفع ہو سکتا ہے۔

دو تعارض میں تطبیق

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ قصہ ہو یا اس قسم کا جو قصہ بعض نسخہ میں پایا جاتا ہے۔ اصول و قانون ظاہری کے خلاف ہے کیونکر اخبار باری تعالیٰ میں خلاف جائز نہیں اور سند صحیح کے ساتھ اس قسم کا خلاف پایا جائے تو ایسی صورت میں کوئی ایسی تاویل چاہئے جو اصول شرع کے موافق ہو دیکھنا ہوگا کہ اہل تفسیر و علمائے دین نے ایسے موقع پر کیا تاویل کی ہے۔ اب رہا فی الوقت جواب تو اس فقیر کے خیال میں یہ بات آتی ہے واللہ اعلم بالصواب کہ اس قسم کے قصے اگر صحیح ہوں تو صورتاً اخبار میں خلاف نظر آتا ہے ساتھ ساتھ اس تاویل کا احتمال بھی ہے کہ آزمائش و امتحان کے موقع میں اس طور پر کہا جا سکتا ہے تا کہ سچے اور جھوٹے کا فرق ظاہر ہو جائے۔ سچا جو ہوگا وہ اس قسم کی خبر سے اور جھکے گا جھوٹا بھاگ کھڑا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کو تو ہر شخص کی تقدیر ازلی معلوم ہے اس قسم کی خبر دے کر وہ متاثر کرتا ہے تا کہ حکم ازلی کو اس بہانے ہم ظاہر کریں تو معلوم ہوا کہ اس کی غرض صرف امتحان ہے تحقیق اخبار نہیں ہے اب اس اخبار الٰہی کو دیکھو کہ دخول جنت کے بعد خروج نہیں ہے اور حضرت آدم علیہ السلام جنت میں داخل ہو کر خارج ہوئے اس میں بھی خلاف اخبار نہیں ہے کیونکہ دخول جنت امتحان تھا وہ (ہمیشہ رہنے والا) دخول نہ تھا جو سزا و جزا کے بعد رکھا گیا ہے پھر دیکھو حقیقتاً مرنے کے بعد اس عالم میں کوئی زندہ نہیں ہوتا ہے اور قرآن شریف سے ثابت ہے موت جب آ گئی تو اس میں ایک سکنڈ آگے پیچھے نہیں ہوتا بہ خلاف حضرت عزیر علیہ السلام کے کہ حقیقتاً مرنے کے بعد وہ زندہ کئے گئے۔ یہاں پر بھی ہم یہی کہیں گے کہ اختلاف اخبار نہیں ہوا۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی موت بھی ابتلاء و امتحان تھی وہ اجل نہ تھی تو ان قصوں میں بھی اس قسم کی تاویل ہو سکتی ہے اگر واقعہ صحیح ہے ورنہ اخبار میں اختلاف جائز نہیں۔



ساتواں باب

احادیث رسول ﷺ کے ذکر و بعض حدیثوں کے محققانہ بیان میں اور بزرگوں کے بعض بعض کلمات کی تاویلیں

مجلس شریف میں حضور ﷺ کی احادیث کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کی اپنی روایت کے لحاظ سے تین قسمیں ہیں:- متواتر مشہور احاد

متواتر کی تعریف یہ ہے کہ ایک حدیث رسول اللہ ﷺ سے ایک جماعت، جماعت سے روایت کرے اور مختلف مسکن اور شہروں سے نقل کی جاتی رہے اس قسم کی حدیثیں کتاب اللہ کے برابر ہیں اپنے تمام احکام میں اس پر ایمان لایا جائے گا اور اعتقاد رکھا جائے گا اس کا قبول کرنا عین ایمان ہے اس کا رد کفر ہے۔ حدیث مشہور متواتر ہی کی طرح ہے اس میں فرق

بس اسی قدر ہے کہ عصر اوّل میں احاد تھی عصر ثانی ثالث رابع اور خامس میں اپنی روایت کے لحاظ سے متواتر کے درجہ کو ہوگئی۔ متواتر اور مشہور کے حکم میں یہ فرق ہے کہ متواتر کا منکر کافر ہوتا ہے۔ مشہور کے انکار سے کفر نہیں لازم آتا ہے بلکہ بدعت کہا جائے گا۔ یہ فرق اس لئے ہے کہ مشہور اپنی اصل کے لحاظ سے احاد ہے اور اس بناء پر اتنا شبہ اس میں رہے گا کہ اصلاً وہ احاد ہے خبر واحد کی تعریف یہ ہے کہ اس کی نقل تواتر اور مشہور کے درجہ کو نہ پہنچی ہو اس بناء پر نقل کے لحاظ سے اس حدیث احاد میں شبہ رہے گا۔ نقل کی اس نوعیت کی بناء پر اس شبہہ کا تعلق اس کے نفس حدیث ہونے میں نہیں کیا جائے گا اسی وجہ سے خبر واحد کے متعلق حکم یہ ہے کہ نہ تو نقلاً احاد ہونے کی وجہ سے فوراً اسے رد کر دیا جائے اور عمل کے لئے اسے قبول بھی اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ خبر واحد پر عمل کرنے کے شرائط موجود نہ ہوں یعنی نقلاً تو وہ احاد ہے لیکن اس کی موافقت اللہ کی کتاب کر رہی ہے یا سنت مشہورہ کر رہی ہے ایسی شکل میں نقلاً احاد ہونا احاد کے شبہہ کی وجہ سے عمل سے نہ روکے گا کیونکہ عمل کے شرائط موجود ہیں۔

مفتریات حدیث

اس کے بعد فرمایا کہ عرب کی زمین میں اہل فصاحت اہل لغت بہت ہیں۔ مذاہب بھی اسی قدر ہیں یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی اپنے مذہب اور اپنے قول کی مدد اور قبول کے لئے کوئی چیز ترتیب دے اور یوں کہے کہ "قال رسول اللہ کذا" بعض بزرگوں نے حدیثوں میں مفتریات کو جمع کیا ہے۔ خود امام ابو یوسف قاضی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے کئی ہزار مفتریات حدیثیں یاد کر رکھی تھیں اجمالی طور پر یوں سمجھنا چاہئے کہ ذات وصفات الٰہی کی معرفت کے سلسلے میں خبر واحد کو دلیل نہیں بنایا جائے گا۔ علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ جائز نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "ان الظن لا یغنی من الحق شیئا" بیشک گمان حق اور حقیقت سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتی۔

خبر واحد کی شرعی حیثیت

دوسری بات یہ ہے کہ خبر واحد اس اصول کی بناء پر بھی ظن ہے کہ راوی معصوم نہیں

مانے جائیں گے ۔البتہ فروعات دین میں خبر واحد کو دلیل مانا جاتا ہے اس لئے کہ فروعات کے لئے ظنی حدیث بھی کافی ہے قطعی دلیل اس کے لئے شرط نہیں ہے کیونکہ فروعات کی بنیاد محض ظاہر پر ہوتی ہے اسی بیان سے ان لوگوں کا بھی جواب ہو جاتا ہے جو لوگ خبر واحد سے دلیل لے کر ذات خداوندی کے لئے جسم وصورت یا اسی قسم کے مجسمات ثابت کرتے ہیں اور جسم وصورت کے اثبات کے لئے "ان اللّٰہ خلق آدم علی صورتہ" کی خبر واحد کو دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

حدثنا واخبرنا کے متعلق محدثانہ فیصلہ

مجلس شریف میں حدیث کے روایت کرنے کے متعلق ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ صورت روایت حدیث میں علماء کا اختلاف ہے یعنی راوی حدثنا اخبرنا کہے یا اخبرنا حدثنا کہے یہ دونوں صورتیں جائز ہیں یا نہیں تو معلوم ہونا چاہئے کہ بعض اہل حدیث کا مقولہ ہے کہ اگر تم نے کسی محدث کے سامنے حدیث پڑھی ہے تو ایسی صورت میں تمہارا فرض یہ ہے کہ تم اس محدث کے واسطہ سے روایت کرو اور یوں کہو کہ اخبرنا فلاں اور اگر دوسری صورت ہے یعنی کسی محدث نے تم کو حدیث سنائی ہے تو اس محدث کے ذریعہ سے روایت کرو اور کہو حدثنا فلاں مگر زیادہ تر علماء کا اتفاق اس پر ہے کہ اخبرنا حدثنا دونوں میں کچھ فرق نہیں ہے۔ دونوں ایک ہے یہی قول معتبر معلوم ہوتا ہے۔

دیکھو قاضی امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے آپ فرماتے ہیں کہ تم نے کسی فقیہ کو حدیث سنائی ہو یا اس نے تم کو سنایا ہو تو تم کو اختیار ہے کہ خود روایت کرو یا یوں کہو حدثنا فلاں یا اخبرنا فلاں اور اگر تم چاہو تو یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ سمعت فلانا فلاں شخص سے میں نے سنا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ بالمعنی حدیث بیان کرنے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ بلفظہ ہونا چاہئے اور بعض کہتے ہیں کہ بالمعنی میں کچھ مضائقہ نہیں یہ قول زیادہ صحیح ہے۔

حدیث کی روایت لفظاً ومعناً دونوں طور پر درست ہے

جو لوگ بلفظہ کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے "نضر اللّٰہ اِمرأ سمع منا

حدیثا فبلغه کما سمع'' اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز وشاداب رکھے جس نے مجھ سے کوئی حدیث سنی اور اس کو اس طرح پہنچایا ہو جیسا کہ اس نے سنا ہو۔ ''کما سمع'' کہ جیسا کہ اس نے سنا ''کما سمع'' کی قید سے یہ نکلتا ہے کہ جیسا سنا اور سماعت بلفظ ہوتی ہے دوسری حدیث یوں ہے ''نضر اللّٰہ امراء سمع مقالتی فوعاھا فاواھا کما سمعھا'' اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے سنا میرے قول کو اور اس کو محفوظ رکھا پھر اس نے بیان کیا اس کو جیسا اس نے سنا اور دوسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے تبلیغ حدیث کا حکم بالعموم دیا ہے غیر ملکی یا کم فہم لوگوں کے لئے جب تک اسی مفہوم کو دوسرے عنوان سے بیان نہ کیا جائے گا وہ سمجھ نہیں سکتے اس لئے لفظاً اور معناً دونوں طور پر درست ہے۔

ایک روایت حضرت واثل بن اسقعؓ صحابہ سے ہے کہ ''اذحدثنا کم بالمعنی فحسبکم'' (جب تم سے بالمعنی حدیث بیان کریں تو تمہارے لئے کافی ہے) اور حضرت امام وکیع فرماتے ہیں کہ اگر حدیث کی تبلیغ بالمعانی نہ ہوتی اور اس کا میدان وسیع نہ ہوتا تو بہ کثرت خلق ہلاک ہوجاتی۔

اور حضرت امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہم تم سے یہ کہیں کہ ''انی احدثکم کما سمعت'' (میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں جیسا کہ میں نے سنا ہے) تو میری بات نہ مانو یعنی بلفظہ روایت نہایت دشوار ہے تو معلوم ہوا کہ معنی کا خاص اعتبار ہے مجرد لفظ ہی پر دارو مدار نہیں ہے۔

نور محمد (ﷺ) کے نور الٰہی ہونے کی کلامی توضیح

خاکسار قاضی حمید الدین نا گوریؒ کی ''لوامع'' پڑھ رہا تھا جب اس مقام پر پہنچا کہ ''خلق اللّٰہ نوری من نورہ'' (اللہ نے میرے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا) حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں دو دشواری پیدا ہوتی ہے اوّل یہ ہے کہ نور حق قدیم ہے نہ اس کا تجزیہ ہوسکتا ہے اور نہ تبعیض اور نہ ٹکڑا ٹکڑا کیا جاسکتا ہے اور اس حدیث میں ''من نورہ'' کا لفظ ہے اور ''من تبعیض'' کے لئے آتا ہے حالانکہ اللہ کے نور کا کوئی حصہ الگ نہیں ہو

سکتا یہ مضمون بہت ہی غور طلب ہے دوسری دشواری یہ ہے کہ نور حضرت محمد ﷺ جب نور اللہ سے ہے تو چاہئے کہ یہ بھی قدیم ہو کیونکہ نور الٰہی قدیم ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جواب ان دونوں اشکال کا واللہ اعلم بالصواب ہم اس طور پر کہہ سکتے ہیں کہ نور رسول علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نور سے بطور تجزیہ وغیرہ نہیں ہے بلکہ بطریق فیض ہے کسی چیز کا ظہور کسی چیز سے ہونے کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ بطور تجزیہ یا تبعیض ہو اس کی مثال یوں سمجھو کہ جو عکس آئینہ میں صورت سے پیدا ہوتا ہے یہ تجزیہ اور تبعیض سے الگ ہے وہی صورت خارجہ اس عکس کے ظہور کا باعث ہے۔ اب رہا اس شبہہ کا جواب کہ نور محمد ﷺ جب نور الٰہی سے ہے تو چاہئے کہ نور محمد ﷺ بھی قدیم ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ رسول علیہ السلام کی آفرینش جو نور حق سے کی گئی ہے یہ اشارہ ہے حقیقت انسانیت کی طرف' حقیقت انسانیت کی دو حالت بیان کی گئی ہے ایک طریقہ سے محدث ہے دوسرے طریقہ سے غیر مخلوق ہے محدث اس طور پر ہے کہ "لم یکن فکان" نہیں تھی اور ہوگئی۔ عدم سے وجود میں آنا یہ نشانی حدوث کی ہے۔ اس حیثیت سے اس کو محدث کہیں گے اور غیر مخلوق اس حیثیت سے کہیں گے کہ بے کیف ہے نہ متصل ہے نہ منفصل ہے نہ خارج ہے نہ داخل ہے نہ مکیف ہے نہ محدود ہے اور غیر مخلوق اس حیثیت سے بھی کہیں گے کہ لوازمات خلق سے بری ہے کسی قسم کی کیفیت کا تعلق نہیں ہے اور محدث اس حیثیت سے نہیں تھی اور ہوگئی اس کے بعد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے دو عالم پیدا کئے ہیں عالم خلق اور عالم امر۔ عالم خلق سے جتنی چیزیں ہیں محدود ہوتی ہیں اور کیفیت قبول کرتی ہیں اور عالم امر سے جو جو چیزیں ہیں وہ بے کیف اور غیر محدود ہیں جیسے روح۔ اگر تم کہیں بزرگوں کے کلمات میں دیکھو کہ روح کی صفت غیر مخلوق ہونے کے ساتھ کی ہے یا روح کی صفت اس طور پر کی ہے کہ غیر مخلوق ہونا اس کا اس سے نکلتا ہے اس کی تاویل یہی ہوگی کہ روح چونکہ محدود و مکیف نہیں ہے۔ اس لئے اس کو غیر مخلوق کہا ہے یہ مقصد نہیں ہے کہ محدث نہیں ہے اور اللہ نے اس کو پیدا نہیں کیا ہے اس کے بعد فرمایا کہ حضرت عین القضاۃؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی اتنی قسم کی مخلوقات و مصنوعات تھیں مگر کسی کو سجدۂ ملائکہ کے لئے مخصوص نہ کیا۔ حضرت آدم کی خصوصیت کیوں ہوئی

اور یہ کیوں مسجود ملائک ہوئے اسی سے سمجھنا چاہئے کہ ان کے مرتبہ کی بلندی کہاں تک ہے اور ان کی شخصیت کیسی ہے اور وہ درحقیقت کیا چیز ہیں اس کے بعد زبان مبارک سے یہ شعر پڑھا ؎

جملہ ملوک اہل دین جملہ ملائک امیں　　　سجدہ کنان کہ اے صنم بہر خدائے رحمتی

(تمام کے تمام شاہان دین اور کل کے کل ملائکہ امین سجدہ ریز ہیں کہ اے محبوب! خدا کے لئے ایک نگاہ ادھر بھی)

فنائے صفات سالک کی مثال حدیث کی روشنی میں

مبارک ساکن قصور (پنجاب) مجلس شریف میں حاضر تھے حضرت عین القضاۃؒ کا مکتوب نکال کر لائے اور ایک مکتوب حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کی خدمت میں پڑھنا شروع کیا جب اس جگہ پہنچے کہ "اللّٰھم آکلنی کایدالولید" عرض کیا کہ اس کے کیا معنی ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث حضور ﷺ کی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یا اللہ میری پرورش فرما اور مجھ پر نگاہ رکھ جس طرح ماں اپنے بچے کی پرورش کرتی ہے اور تمام آفتوں سے اس کو بچاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ چھوٹا لڑکا ماں کے پاس فانی الصفت ہوتا ہے نہ کوئی کام خود سے کرسکتا ہے اور نہ اپنے صلاح وفساد کو جانتا ہے اس کی آنکھ کا کام ماں کی آنکھ کرتی ہے اس کے کان کا کام ماں کا کان کرتا ہے اس کی زبان کا کام ماں کی زبان کرتی ہے اس کے پاؤں کا کام ماں کا پاؤں کرتا ہے اس کے ہاتھ کا کام ماں کا ہاتھ کرتا ہے اسی طرح اور صفات کو بھی سمجھو اگر باپ یا کوئی اور شخص کسی بچے سے کچھ پوچھتا ہے تو اس کی طرف سے ماں جواب دیتی ہے اور کہتی ہے کہ اس بچے نے یہ کہا بچہ فانی الصفت ہونے کی وجہ سے باپ ماں اس کے ہاتھ پاؤں زبان وغیرہ بن جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص لڑکے کو کچھ دیتا ہے تو ماں ہاتھ بڑھا کر لے لیتی ہے بچے کا ہاتھ ماں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اگر کوئی موذی بچے کے نزدیک آجاتا ہے تو ماں دیکھ کر دوڑتی ہے اور اس کو گود میں لے کر بھاگتی ہے اس صورت میں لڑکے کا پاؤں ماں کا پاؤں ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس گروہ کے لوگ جہاں فنائے صفات

سالک کا ذکر کرتے ہیں اس فنا سے اسی قسم کی فنا مراد ہوتی ہے اور سالک باقی بہ صفات حق سے بھی مرادان کی اسی قسم کی بقا ہوتی ہے اور فرمایا اسی معنی میں امیر حسن کا یہ شعر ہے ؎

چوں ہست بقائے من باقی بہ بقائے تو   پس ہم تو ہماں باقی خود را چہ بقا خواہم

پھر فرمایا کہ "بی یبطش وبی یبصروبی یمشی" (کسی کی گرفت کرتا ہے تو میری خاطر دیکھتا ہے تو میری وجہ سے اور چلتا ہے تو میرے لئے) اسی شعر کے معنی کے راز میں ہے۔ اس کے علاوہ "الفنا فی التوحید" (اللہ کی وحدانیت میں فنا ہونے) کا مفہوم بھی اسی سے حل ہو جاتا ہے اور جہاں کہیں اس قسم کے کلمات آجائیں یہی اس کے معنی ہوں گے۔

محتاجی دونوں جہاں کی ذلت اور روسیاہی ہے

مجلس شریف میں اس کا ذکر آگیا کہ "الفقر سواد الوجه فی الدارین" (محتاجی دونوں جہاں کی روسیاہی ہے)۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ بظاہر اس کے معنی اس فکر و فاقہ کے نکلتے ہیں جس میں ذلت اور بیقراری ہے مگر درحقیقت فقر کی دو قسمیں ہیں ایک فقر عزیز ہے دوسرا فقر ذلیل ہے۔ یا یوں کہو کہ ایک فقر اختیاری ہے اور دوسرا اضطراری ہے۔ فقر ذلیل اس کو کہتے ہیں جس فقیر کو اپنی خراب حالی پر شکایت ہو اور تنگدستی فقر و فاقہ پر وہ ناخوشنود ہو اور دانہ پانی میسر نہ ہونے کی وجہ سے خدا سے ناراض ہو کر ترک فرائض و واجبات پر وہ کمر باندھے اور خلق اللہ کے دروازہ پر جا کر سائلی شروع کر دے اور منہیات میں مبتلا ہو کر عمر بسر کرے جیسے اکثر سائلوں کو تم مساجد اور بارگاہوں میں پاتے ہو اور دیکھتے ہو کہ خراب حال میں ہیں اور اول فول بکتے رہتے ہیں نعوذ باللہ منہا یہ دنیوی اور ظاہری ذلت ہے اس ذلت کی روسیاہی کو استعارۃ سواد کے ساتھ نسبت کرتے ہیں اور قیامت کے دن ارتکاب معصیت اور حرام خوری کی وجہ سے سارے لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے تو "سواد الوجه فی الدارین" کے معنی معلوم ہو گئے اور "کاد الفقران یکون کفرا" قریب ہے کہ محتاجی کفر تک پہنچا دے کے معنی بھی بظاہر اسی پر محمول ہیں۔

فقر اضطراری اور فقر اختیاری کے امتیازات

فقر اضطراری میں ارتکاب معصیت لازمی ہے اور ترک طاعت بھی گناہ کبیرہ کے اصرار سے کفر ہو جاتا ہے اور جہاں کہیں دعاؤں میں یوں آتا ہے ''اللھم وقنا عذاب الفقر'' وہ پناہ مانگتا ہے اسی قسم کے فقر سے رہا فقر عزیز و اختیاری وہ توکل کی شاخ ہے ایسا فقیر اپنی تنگدستی اور فقر و فاقہ سے ناخوش نہیں ہوتا بلکہ وہ مسرور رہتا ہے اور طاعت و عبادت میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا اور اس کو خدا سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہوتی بلکہ اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کے لئے اس قسم کا فقر مطلوب و محبوب ہے اور وہ لوگ دونوں جہاں کی دولت اس فقر کو سمجھتے ہیں خواجہ خاقانی نے کیا خوب کہا ہے ؎

پس از سی سال روشن گشت ایں معنی بخاقانی
کہ سلطانی ست درویشی ست و درویشی ست سلطانی

اس کے علاوہ بھی ایک معنی اصحاب تحقیق اور ارباب معنی کے یہاں ہیں۔

فقیر کو روسیاہ کہنے پر ایک عارفانہ نکتہ

وہ کہتے ہیں کہ فقر روسیاہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ سیاہ رنگ کا یہ خاصہ ہے کہ وہ کسی رنگ سے متغیر نہیں ہوتا نہ لال ہوگا نہ زرد ہوگا نہ سپید ہوگا۔ بخلاف اور رنگوں کے کہ وہ بدلتے رہتے ہیں لال رنگ سیاہ بنا سکتے ہیں زرد بنا سکتے ہیں دوسرے رنگ میں بھی اس کو لا سکتے ہیں مگر سیاہ رنگ نہیں بدلتا اسی طرح فقر میں بھی یک رنگی ہے وحدت کے سوا دوئی نہیں چاہتا پس جو شخص فقر کے مرتبہ میں پہنچا مقام وحدت میں اس کی رسائی ہوئی اور وہاں دوئی کا گذر نہیں۔ اسی موقع میں آپ نے یہ مثنویات پڑھیں ؎

رہ نہ دور است بل درنگی تست — کفر و دین از پئے دو رنگی تست
ایں ہمہ رنگہائے پر نیرنگ — خم وحدت کند ہمہ یکرنگ
باسیہ باش چوں تو نگر یزد — کہ سیہ ہیچ رنگ بزیرد

(راہ دور نہیں ہے تیری طرف سے دیر ہو رہی ہے کفر و اسلام کا جھگڑا تیری دو رنگی کے

باعث ہے جتنے رنگ طرح طرح کے پھیلے ہوئے ہیں وحدت کا تم سب کو ایک رنگ کر دیتا ہے بس سیاہ رنگ اختیار کر لو کہ سیاہی کوئی دوسرا رنگ قبول نہیں کرتی اور اس حدیث کا بھی ایک مفہوم خاص ہے "کاد الفقر ان یکون کفرا"، قریب ہے کہ فقر کفر ہو جائے)۔

یعنی فقر کے معنی نہایت دقیق ہے خلق کی فہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ اگر بیان کیا جائے گا تو لوگ منکر ہوں گے اور اس شخص کو کافر کہیں گے اس وجہ سے فقر کفر کے قریب ہے تم نے نہیں سنا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اگر فلاں حدیث کی تفسیر کریں تو یقینی تم ہم کو کافر کہنے لگو اس کا سبب یہی ہے کہ آپ اس کے دقائق وحقائق کو بیان فرماتے اور لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے ورنہ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر پر اور کفر کا فتویٰ ہو نعوذ باللہ۔

"وقنا عذاب الفقر" پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کا صوفیانہ نکتہ

قاضی صدر الدین نے عرض کیا کہ معنی "الفقر سواد الوجه فی الدارین" اور "کاد الفقر یکون کفرا" صوفیوں کی اصطلاح کے رو سے تو معلوم ہوئے مگر اس کا راز نہ کھلا کہ "اللّٰھم وقنا عذاب الفقر" کے معنی صوفیوں کے نزدیک فقر عزیز واختیاری کے رو سے شان رسالت کے مناسب کیا ہوئے یعنی حضور ﷺ نے کس معنی کے اعتبار سے یہ دعا مانگی۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جب ہم کہہ چکے کہ فقر وحدت اور یکرنگی کا نام ہے اور دوئی کا اس میں دخل نہیں ہے فقر کی راہ میں دوئی کا دخل عذاب ہے اور یہاں پر عذاب الفقر میں فی پوشیدہ ہے یعنی عذابا فی الفقر درحقیقت دوئی سے حضور ﷺ نے پناہ مانگی۔

اصل توحید اور کمال توحید پر دوئی سے کیا اثر پڑتا ہے

دوئی دو چیز سے پیدا ہوتی ہے ایک شرک جلی سے دوسرے شرک خفی سے، شرک جلی کی دوئی اصل توحید میں خلل ڈالتی ہے اور شرک خفی کی دوئی کمال توحید میں نقصان پیدا کرتی ہے استعاذہ کی ضرورت جیسی شرک جلی میں ہوتی ہے شرک خفی میں ہوگی۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ فرما کر خود شبہ پیدا کیا اور فرمایا کہ یہ دعا حضور ﷺ نے مانگی ہے اور دامن نبوت (روحی فداہ ابی وامی) جیسا شرک جلی سے پاک تھا شرک خفی سے بھی پاک تھا پھر حضور ﷺ

کا استعاذہ (فقر سے اللہ کی پناہ) کس معنی کے اعتبار سے ہوگا؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے خود ہی اس کا جواب ارشاد فرمایا کہ ہر چند آپ ﷺ نے ایسا فرمایا ہے مگر یہ فرمانا "من حیث انا بشر مثلکم" یا "تعلیما لامته" ہوگا۔ اس کی مثال بہت ملے گی۔

کفر کی مدح و تعریف میں

اس کے بعد فرمایا کہ اپنے مکتوب میں عین القضاۃؒ نے کفر کی جو مدح کی ہے اس سے یہی کفر مراد ہے (کفر بالطاغوت جو شرک جلی اور خفی سے پاک ہو) اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر کفر اسی کا نام ہے تو اس کفر کا کیا کہنا ہے اشعار میں جن لوگوں نے لفظ کفر کی مدح کی ہے وہ بھی اسی معنی پر محمول ہے اس کے بعد یہ دو شعر آپ نے ارشاد فرمایا ۔

کفر اندر خور خود قاعدہ ایمانست — آسان آسان بکافری نتواں رفت

اے کفر چہ چیزی کہ مغاں از تو بلافند — اسم تو پرستند و زعین تو معاف اند

چغلی سے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں

خاکسار کلمات قدسیہ پڑھ رہا تھا جب اس مقام پر پہنچا کہ "یا احمد من نم اخیه المسلم علی السلطان احبط الله عمله کله" اے احمد جس نے مسلمان بھائی کی چغلی بادشاہ کے پاس کی تو اللہ نے اس کے کل عمل کو رائیگاں کر دیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہاں پر ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ سیئات یعنی برائی حسنات کو مٹانے والی نہیں ہے اور چغلی برائیوں میں سے ایک برائی ہے تو اس سے عمل کا زائل ہو جانا چہ معنی دارد۔ واللہ اعلم!

اس کا جواب دو طرح پر دیا جا سکتا ہے ایک یہ کہ وعید میں مبالغہ کے لئے احباط عمل کا ذکر کیا گیا ہے یا یہ سبب ہی تمامیت کفر کا سبب ہو جاتا ہے استحلال کے معنی میں یعنی جب حلال کو حرام کر لیا جائے اور کفر سبب احباط عمل ہے تو انہیں وجوہ سے عمل کے باطل اور رائیگاں ہو جانے کا مسبب بنا کیونکہ مسبب سبب کا پیدا کرنے والا ہے گرچہ متعدد ہو جیسا کہ یہ حدیث ہے "من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر" (جس نے قصداً نماز ترک کی اس نے کفر کیا)

حیرت انگیز پیشین گوئی

مجلس شریف میں اس کا ذکر آ گیا کہ حدیثوں میں بعض جگہ تعارض پایا جاتا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ دوسو برس بعد بعض ماں جو بچہ جنے گی اس سے بہتر کتیا بچہ دے گی۔ اس کو حدیث طبقات کہتے ہیں۔

پھر ایک حدیث ہے کہ "من امتی کمثل المطر لا یدری اوله خیر ام اخره" میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے کوئی نہیں جانتا ہے کہ اول اس کا بہتر ہے یا آخر اس حدیث سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ امت میں خاص لوگ یا اوّل میں ہوں گے یا آخر میں۔

پھر ایک حدیث ہے کہ "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یفشؤ الکذب" (سب سے بہترین زمانہ میرا (ﷺ) زمانہ ہے' پھر ان لوگوں کا زمانہ ہے جو ہمارے زمانہ سے قریب لوگ ہوں گے' پھر ان لوگوں کا زمانہ ہے جو ان کے دَور سے قریب کے لوگ ہوں گے۔ پھر وہ لوگ ہوں گے جو جھوٹ کو عام کریں گے اور پھیلائیں گے) اس سے مراد حضور ﷺ اور صحابہ کا زمانہ تابعین اور تبع تابعین کا دَور ہے ان ادوار کے بعد کذب وجھوٹ کا دور ہوگا۔ اس حدیث سے خیر کا ثبوت دَور ثالث تک یقین کے ساتھ ملتا ہے اور حدیث مذکورہ بالا "امتی" میں ایک دور میں خیر کا ثبوت ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ واللہ اعلم یہ احتمال ہوسکتا ہے مثل امتی کا مصداق بعد قرون ثلثہ کے ہو یا یہ جملہ خیرٌ لا یدری اوله خیر ام آخره اول وآخر دونوں کو شامل ہو بہر حال تفسیر قرآن وشرح حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ ائمہ حدیث نے اس کی کیا تاویل کی ہے لفظ امتی اور لفظ خیر کا مقصد کیا ہے۔

تصوف کے اصطلاحات کی تشریح

بعدہ قاضی صدرالدین واشرف الدین نے عرض کیا کہ شیخ لدھولہ مرید شیخ رکن الدینؒ آج کل یہاں آئے ہوئے ہیں عاشورہ کے دن ہم لوگ ان کی ملاقات کو گئے تھے فرمانے لگے کہ ہم نے مولانا حسام الدین مفتی کو چند اقوال کے متعلق لکھا تھا کہ ان کے معنی کیا ہیں ایک ان میں سے یہ ہے کہ جس کو صاحب عوارف نے بھی ذکر کیا ہے "حسنات الابرار

سیئات المقربین"۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ سیئات المقربین والعارفین دونوں ہیں۔ اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں کون سی مشکل اٹکی ہوئی ہے یہ پوچھنے کی بات کیا تھی اچھا، بات دوسری کیا تھی قاضی صاحب موصوف نے عرض کیا تھا کہ "لو یعلم المشتغلون بذکری ما فاتھم بقربی فلیبکون کثیرا و یضحکون قلیلا" اگر ذکر الٰہی میں مشغول رہنے والے صوفیا کو وصال حق سے متعلق اپنی گذشتہ غلطیوں کا علم ہو جائے تو یقیناً وہ روئیں زیادہ اور ہنسیں کم اور فرمایا کہ یہ بھی لکھا ہے کہ دوام ذکر حجاب قرب ہے اور دوام قرب حجاب انس ہے اور دوام انس میں نعمت وصال کو وقفہ ہوتا ہے۔

حسنات الابرار سئیات المقربین

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اب ان باتوں کو سمجھو "حسنات الابرار سیئات المقربین" (نیک لوگوں کی اچھائیاں مقربین بارگاہ الٰہی کے نزدیک بری باتیں ہیں) کے معنی ظاہر ہیں تفاوت مقام کی وجہ سے یہ کہا گیا ہے مثلاً ایک شخص ہے کہ علم بیان کرتا ہے یہ علم کا بیان بذات خود کار حسنہ ہے اور اس کے لئے حسنات ہیں مگر جو شخص مقام قرب میں ہے اور صاحب حال ہے وہ اگر حال سے رجوع کر کے علم کی طرف مشغول ہو جائے یہ اس کے لئے سئیہ ہے کیونکہ یہ تو اوپر سے نیچے آنا ہوا، اور گر پڑنا ہوا۔ صوفیوں کے نزدیک اسی کا نام سیئہ ہے اور اس کی مثالیں بہت ہیں۔ چنانچہ حضرت مالک دینارؒ سے نقل ہے کہ ایک روز گھر سے باہر نکلے اور زار زار رو رہے تھے۔ لوگوں نے سوال کیا پیر طریقت پر یہ کون سی مصیبت آ پہنچی۔ آپ نے فرمایا کل ہم سے بہت بے باکانہ ایک گناہ ہو گیا ہے اسی کا یہ ماتم ہے لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ بہت جوش وخروش کے ساتھ میں نے دعا مانگی کہ "اللّٰھم اغفرلی" اگر اپنی ہستی اور اپنے گناہ پر نظر نہ پڑتی تو منھ سے ایسا کیوں نکلتا دیکھو ہم تم اگر یہ دعا مانگیں تو داخل حسنات ہوں اور آپ نے اپنے علو مقام کیوجہ سے اس کو سیئہ سمجھا اور گناہ سمجھ کر روئے۔ اسی طرح کی ایک دوسری نقل ہے کہ ایک درویش نے نماز ادا کی اس کے بعد کہا "الحمد للّٰہ علی التوفیق و استغفر اللّٰہ علی التقصیر" ایک عارف نے سنا اور

نہایت جھڑک کر کہا کہ ہم سمجھ رہے تھے کہ تم صاحب توحید ہو مگر نہیں ہنوز تم مشرک ہو' درویش نے کہا یہ کیوں کر؟ عارف نے کہا کہ نماز تیری تیرا فعل اور تیری صفت ہے اگر نظر تیری اپنی صفت پر نہ ہوتی تو اپنی تقصیر تو نہیں دیکھتا جس طرح خدمت تیری غیر اللہ ہے اسی طرح تیری تقصیر بھی غیر اللہ ہے اور غیر پر نظر ہونا' شرک طریقت ہے۔ اللہ اکبر ہم سے تم سے اگر اس قسم کا جملہ نکلے تو عین عبادت اور حسنات ہے عرفاء کے نزدیک یہ گناہ ہے چونکہ مقام ان کا بلند ہے۔ اسی موقع سے یہ مثنوی زبان مبارک سے فرمائی ؎

با حیات تو دین برون ناید　　شب مرگ تو روز دین زاید

جہد کن تا زنیست ہست شوی　　وز شراب خدائے مست شوی

جب تک جان کی محبت ہے دین ظاہر نہیں ہوسکتا۔ جس رات کو مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ گے اس رات کی صبح دین کی صبح ہوگی ایسی کوشش کرو کہ نیست سے ہست ہو جاؤ اور شراب عرفاں سے مست ہو جاؤ۔

دوام ذکر حجاب قرب ہے

پھر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا رہی وہ بات کہ دوام ذکر حجاب قرب ہے اس معنی کے اعتبار سے دوام ذکر حجاب قرب ہے' ذکر صفت ذاکر کی ہے، اور مقصود ذکر سے مشاہدہ مذکور ہے تو جب تک ذاکر ذکر میں مشغول رہے گا اپنی صفت کے ساتھ قائم ہے گویا خودی باقی ہے اور غیریت ساتھ ساتھ ہے اور یہی غیرت حجاب ہے، اب جب تک غیریت باقی رہے گی قرب سے دوری رہے گی تو لازم آیا کہ دوام ذکر حجاب قرب ہے اس کے بعد یہ مثنوی ارشاد فرمائی ؎

ذکر جز بر در مجاہدہ نیست　　ذکر در مجلس مشاہدہ نیست

کار ناداں کوتہ اندیش است　　یاد گیرد کسے کہ درویش است

جب تک مجاہدہ کا وقت ہے ذکر کا کام ہے جب مقام مشاہدہ حاصل ہوا ذکر کی حاجت نہ رہی یہ کام تو کوتاہ اندیش اور نادان کا ہے جو اس کا دعویٰ کرے کہ درویش کا کام ذکر ہی ذکر ہے۔

دوام قرب حجاب انس ہے

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ دوام قرب حجاب انس ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں یہ خیال ہوا کہ ہم مقرب ہیں اور جہاں اپنے اوپر نظر ہوئی حجاب پیدا ہوا اور انس میں کمی آئی' کمی چہ معنی دارداس خیال کے باعث ترقی ہی رک جاتی ہے' مقام انس تک رسائی کہاں ہوسکتی ہے ہاں! اپنے تقرب پر نظر نہ ہوتو البتہ مقام انس حاصل ہوسکتا ہے۔

اسی موقع سے آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

عیب خواہی خود زرہ بگذار   عیب را با سرائے غیب چہ کار

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص مقرب ہو مگر مقام انس تک اس کی رسائی نہ ہو؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ قرب صوری کی صورت میں ممکن ہے کہ قرب ہو اور انس نہ ہو اس لئے کہ انس تو لازمہ محبت معنوی و حقیقی ہے مشاہدات میں یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ قرب ہے انس نہیں ہے جس قربت میں غرض کا تعلق ہوگا اس میں موانست کہاں' موانست تو لازمہ محبت ہے اور تقرب صوری تو خوف دوزخ وطمع بہشت کی وجہ سے ہوتا ہے، جہاں خوف وطمع کا گذر ہے وہاں انس کہاں' انس تو جب ہی ہوگا جس وقت بے غرض محبت ہوگی جیسا کہ اشتیاق کا حال ہے اور یہ جو کہا کہ دوام انس نعمت وصال کو توقف میں ڈالتا ہے اس کو بھی اسی پر قیاس کرو مقام انس میں جہاں یہ خیال کیا کہ موانست رکھتے ہیں ایسے مقام سے اس کو خاص دلچسپی ہو جائیگی اور اس مقام سے وہ آگے نہ بڑھے گا۔ ہاں! اگر مقام انس پر اس کی نظر نہ ہوگی تو نعمت وصال اس کو حاصل ہوگی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے اس لئے کہ "من نظر الی مقامه حجب عن امامه" (جس نے نظر کی اپنے مقام کی طرف وہ محجوب ہوا آگے والے مقام سے)

اس کے بعد مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ حضرت عین القضاۃؒ نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ "قیامت کے دن لوگ انبیاء علیہم السلام کا خیمہ دیکھیں گے اور خود ان کی ذات

بابرکات پر نظر نہ پڑے گی'' اس کے معنی کیا ہیں؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا واللہ اعلم اس کا معنی یہ ہوسکتا ہے کہ اس خیمہ سے انبیاء علیہم السلام کا قالب وصورت مراد ہو۔ قیامت میں جو شخص دیکھے گا وہ ان کے قالب وصورت کو دیکھے گا ان کی حقیقت اور ان کے درجات ومقامات کو نہیں دیکھے گا۔ دنیا میں بھی لوگوں نے ان کے قالب وصورت ہی کو دیکھا جو ان کی حقیقت تھی اور جو ان کے مقامات ودرجات تھے اس کو کہاں دیکھا۔ ہاں! یہ البتہ ہوگا کہ قیامت میں ایک نبی دوسرے نبی کو ظاہر وباطن دونوں طور پر دیکھیں گے۔ یہی شان اولیاء اللہ کی بھی ہے کہ دنیا میں جو شخص ان کو دیکھتا ہے ان کے قالب وصورت کو دیکھتا ہے ان کی ولایت ان کے مقامات وحقیقت اور ان کے درجات وکرامات جو عنداللہ ہیں اس کو کسی نے کہاں دیکھا ہے اور کون دیکھ سکتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ قیامت کے بعد بہشت میں اگر ان کی حقیقت کا ایک ذرہ ظاہر ہو جائے تو بہشت والے چیخ اٹھیں گے کہ ''الجبار اطلع علینا'' ہم نے اللہ کو دیکھا۔

اس کی مثال موجود ہے کہ بہشت میں ایک بجلی تڑپے گی اور بہشت میں ایسی چمک پیدا ہوگی کہ اہل بہشت سب کے سب پکار اٹھیں گے ''الجبار اطلع علینا''(میرے جبار یعنی میرے مولا کی ہم لوگوں پر تجلی ہوئی) فرشتے جواب دیں گے کہ آپ لوگ ہیں کہاں وہ بارگاہ بہت بلند ہے ایسا نہ سمجھئے یہ تو اس کے دوستوں میں سے ایک دوست کی چادر کا ایک گوشہ تھا جس کی یہ تابش تھی۔ حضرت امیر المؤمنین عثمان غنیؓ اس وقت ایک حجرہ سے دوسرے حجرہ میں تشریف لے گئے ہیں۔ اللہ اللہ جب یہ حال اولیاء اللہ کی ادنیٰ تجلی کا ہے تو ان کی اعلیٰ باتوں کی تاب کون لاسکتا ہے۔

مولانا کریم الدین مذکور نے عرض کیا کہ حضرت عین القضاۃؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بہشت چراگاہ ستور آدم ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا واللہ اعلم ستور آدم سے (شاید) مراد قالب وصورت آدم ہو کہ کھانا پینا قضائے حاجت اس کا کام ہے اور ان چیزوں کا تعلق قالب وصورت سے ہے اور ان چیزوں سے جو کچھ فائدہ ہے قالب وصورت کو ہے مگر حقیقت آدم کا کام دوسرا

ہے اور بہشت بھی دوسری ہے اسی بہشت میں وہ بہشت بھی ہے۔ قالب وصورت کو تمتع اس ظاہری بہشت سے ہے اور حقیقت آدم کو تمتع بہشت معنوی سے ہے۔ کھانے پینے کے علاوہ وہ ایک ایسا شغل ہے کہ بہشت ظاہری اور نعمت ظاہری کو اس سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جس طرح دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کھاتے، پیتے، سوتے ہیں اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا ایک خاص تعلق ہوتا ہے اور اس کو ظاہری افعال سے کوئی تعلق نہیں ہے یہی بات بہشت میں بھی ہوگی۔ اس معنی کے اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ بہشت ظاہری چراہ گاہ ہے ستور آدم کی۔ پھر انہی بزرگ نے عرض کیا کہ اس مکتوب میں یہ بھی ہے کہ جب عارف اس جگہ پہنچتا ہے تو اس وقت اگر اس سے پوچھیں کہ تم کہاں ہو تو جواب دے گا کہ گھڑیال نگل گیا اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اشارہ ہے دریائے وحدت کی طرف۔ دریائے وحدت میں جس نے غوطہ لگایا تو قطرہ دریا میں جاملا۔ جب قطرہ دریا میں جاملا تو اس کا نام ونشان کون بتائے اور نام ونشان باقی کب رہا۔ ایسی صورت میں یہی کہا جائے گا کہ گھڑیال نگل گیا۔ اس مضمون کو بعض جگہ یوں ادا کرتے ہیں ''جاء الحق و زھق الباطل'' حق آیا اور باطل ختم ہوا اور بعض جگہ یوں کہتے ہیں ''اذا ظھر النور بطل الزور'' (جب نور کا ظہور ہوا تو چھوٹی تجلی چھٹ گئی) اس کے بعد یہ بیت پڑھی بیت ؎

ظھر النور ذوالمنن باشد   بطل الزور جاں وتن باشد



آٹھواں باب

ذکر نبوت، ذکر حضور ﷺ معراج شریف، ہجرت رسول اللہ علیہ السلام، زیارت روضہ مبارکہ اور کچھ جمیع مؤمنین پر صحابہ کی فضیلت اور اس امت کا فضل تمام امت پر اور جو کچھ اس کے مناسب ہے اس کے بیان میں

نبوت فضل الٰہی ہے

مجلس شریف میں نبوت کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ نبوت کسبی اور اختیاری چیز نہیں ہے فضل پر مخصوص ہے۔ اسی کی مناسبت سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب حضرت لقمان علیہ السلام

کونبوت اور حکمت پر مطلع کیا گیا اور کہا گیا جو دل چاہے اختیار کیجئے تو حضرت لقمان علیہ السلام نے حکمت اختیار کی آپ سے لوگوں نے پوچھا کہ نبوت جیسی بلند چیز آپ نے کیوں چھوڑ دی؟ آپ نے کہا کہ تم لوگ بڑے نادان ہو اتنے لوگوں کو نبوت پوچھ پوچھ کر ملی جو ہم سے پوچھا گیا۔ اختیار دینے کے معنی یہی تھے کہ نبوت نہیں مل سکتی ہے حکمت مل سکتی ہے۔ اس لئے میں نے حکمت اختیار کی۔

عصمت انبیاء شیر خوارگی کے ایام ہی سے ہے

مجلس شریف میں اس کا ذکر آ گیا کہ پیغمبران قبل اظہار نبوت بھی پیغمبر ہیں یا نہیں؟

آپ نے فرمایا قبل بھی اور بعد بھی۔ وحی اور اظہار نبوت کے قبل علامات نبوت ظاہر ہوتے ہیں اور ان میں پائے جاتے ہیں وہ سب نبوت پر دلالت کرتے ہیں دیکھو ہمارے حضور ﷺ جب بچے تھے اور زمانہ شیر خوارگی کا تھا (اس وقت بھی) اس قدر علامات نبوت ظاہر ہوتے تھے جس کی حد نہیں۔

حضرت محمد (ﷺ) کی نبوت شیر خوارگی سے ہی ظاہر ہوئی

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ عرب میں پہلے یہ رسم تھی کہ ہر سال ہر ہر قبیلہ سے دائیاں مکہ معظّمہ آتی تھیں غرض یہ ہوتی تھی کہ جس شخص کو اپنے بیٹا بیٹی کے لئے دودھ پلائی کی ضرورت ہو تو اس کو ہم لے سکتے ہیں۔ سال دو سال کے لئے اجرت مقرر ہوتی تھی اور اس طئے شدہ اجرت پر بچے کو مکہ سے اپنے قبیلہ میں لے جایا کرتی تھیں ایک دفعہ اسی خیال سے مکہ میں دائیاں ہر قبیلہ کی جمع ہوئیں اور ایسے ایسے لڑکوں کو ان لوگوں نے لینا شروع کیا جن کے ماں باپ موجود تھے اور فارغ البال (خوشحال) تھے جن سے اجرت اور سامان پرورش ملنے کی زیادہ امید تھی اور جس لڑکے کے ماں باپ موجود نہ ہوتے تھے ان کو قبول نہیں کرتی تھیں کیونکہ ایسے (یتیم) لڑکوں کا کفیل کون ہوتا ہے اور اس کے لئے خرچ کون کرتا ہے۔ چنانچہ ہر دائی کو حسب خواہ لڑکے ملتے گئے وہ قبول کرتی گئیں ایک عورت کو حسب خواہ کوئی لڑکا نہ ملا اور وہ غریب اسی تلاش میں تھی کہ اس کو تنہا چھوڑ کر سب عورتیں آگے بڑھ گئیں۔ حضور ﷺ اس وقت شیر خوار تھے

اور یتیم ہونے کی وجہ سے کسی نے آپ ﷺ کو قبول نہ کیا تھا کیونکہ اجرت کون دیتا وہ عورت جو تنہا رہ گئیں تھیں اور ان کو کوئی لڑکا حسب خواہ نہ ملا تھا انہوں نے دل میں سونچا کہ اب خالی ہاتھ جانا ٹھیک نہیں گرچہ دوسری عورتوں کو اجرت کے ساتھ لڑکے ملتے گئے ہیں کیا ہوگا اسی یتیم بچہ کو بے اجرت لے جائیں اس غریب دائی کے پاس ایک لاغر گدھا تھا جو آنے کے وقت سب کے پیچھے رہتا تھا اور دوسری عورتیں بڑی شان سے آگے رہتی تھیں ۔حضور ﷺ کو لے کر اس لاغر گدھے پر سوار ہو کر یہ غریب بھی چلی ۔وہ عورتیں رواں دواں آگے بڑھتی جارہی تھیں اب اس لاغر گدھے کا یہ حال ہوتا ہے کہ اسپ تیز کی طرح بکٹٹ چلتا ہے ۔ان سبھوں سے آگے بڑھتا ہے اور ان سبھوں کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے سبھوں نے کہنا شروع کیا کہ آتے وقت تیرا گدھا خراما خراما پیچھے پیچھے آرہا تھا جانے کے وقت اس کو یہ کہاں کی طاقت آگئی کہ سب سے آگے نکلتا جا رہا ہے ۔آیا وہی گدھا ہے جس پر تو آئی تھی یا دوسرا خریدا ہے ۔اس نے کہا وہی گدھا ہے بالاتفاق سبھوں نے کہا ہو نہ ہو اس بچے میں کچھ برکت ہے اور اسی کے دم قدم کا صدقہ ہے اب جبکہ آپ (ﷺ) کو لے کر وہ گھر پہنچی تو خیر و برکت روز بروز بڑھنی شروع ہوئی ۔دونوں زن وشوہر کو آپ ﷺ سے جانی محبت ہوگئی اور روز بروز شفقت بڑھتی ہی چلی گئی اور قاعدہ کی بات ہے کہ عورت کا پیار بچوں پر جب زیادہ ہوتا ہے تو دودھ بڑھ جاتا ہے جی کھول کر انہوں نے دودھ پلانا شروع کردیا اور ہر طرح کی دیکھ بھال شروع کردی اور عافیت رسانی کا سامان مہیا کرنے لگیں اور گھر کی حالت اس قدر اجاگر ہوگئی کہ جس کی کوئی حد نہیں ۔سبھوں پر یہ بات روشن ہوگئی کہ اس گھر کی روشنی اسی بچے (ﷺ) سے ہے اور ساری خیر و برکت اسی بچے (ﷺ) کے دَم قدم سے ہے ایک بڑی شخصیت اس بچے (ﷺ) کی ہے ۔اس عورت کے پاس چند بکریاں بھی تھیں اس کی ترقی کا یہ حال ہوا کہ اس قبیلہ کی بکریاں اگر دو دو بچے جنتیں تو اس کی بکریاں چار چار ۔اب تو اس قبیلہ میں اس کا گھر بھی سب سے بڑا ہوگیا اور ہر بات کا انداز بدل گیا اور قبیلہ والوں کو برابر اس کا اعتراف رہا کہ سب خیر و برکت اس بچے (ﷺ) کے دَم سے ہے ۔اس بچے (ﷺ) میں کوئی بات ضرور ہے ۔رفتہ رفتہ حضور ﷺ ایسے ہوئے کہ بچوں کی

طرح کھیلنے لگے مگر کھیل میں بھی اس کی تمیز رہتی کہ ناجائز کھیل نہ کھیلتے جائز کھیل ہی کھیلتے جیسے تیراندازی وغیرہ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ آپ ﷺ دوسرے لڑکوں کے ساتھ باہر چلے جاتے۔ایک بار دوفرشتے انسانی صورت میں لڑکوں کے نزدیک آئے اورلڑکوں کے درمیان سے حضور ﷺ کو لے کر غائب ہوگئے کنارے لے جا کر آپ ﷺ کے شکم مبارک میں شگاف دے کر کوئی چیز باہر نکالی اس کے بعد شکم مبارک برابر ہوگیا۔

حضور ﷺ کا روحانی اپریشن

مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ وہ کون سی چیز تھی کہ جو باہر کی گئی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا جو چیز شیطان کے حصے کی تھی وہی نکال دی گئی یا کوئی دوسری چیز ایسی ہو، بہر حال لڑکوں نے دیکھا کہ محمد ﷺ غائب ہیں ان لوگوں کو سخت حیرانی اور پریشانی ہوئی دوڑے ہوئے گئے اور آپ ﷺ کی رضاعی ماں کو خبر دی کہ ایسا واقعہ ہے سن کر سارے گھر والے دوڑے اور تلاش کرنے لگے آخر ایک جگہ حضور ﷺ کو دیکھا کہ موجود ہیں مگر چہرۂ انور زرد ہے اور نہایت خوف غالب ہے پوچھا قصہ کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا اس طرح ہم لوگ کھیل رہے تھے کہ دو مرد آئے اور مجھے (ﷺ) پکڑ کر کنارے لے گئے میرے (ﷺ) شکم میں شگاف کیا اور کچھ نکالا پھر شکم کو برابر کر دیا اور غائب ہو گئے۔رضاعی ماں اور سب کے سب یہ بات سن کر بہت ڈرے اور یہ رائے قائم کی کہ قبل اس کے کسی دوسری آفت کا ظہور ہو کیوں نہ اس بچے (ﷺ) کو لے جا کر حقیقی چچا کے سپرد کر دیں تا کہ بدنامی ہمارے سر نہ آئے یہ سوچ کر حضور ﷺ کو لوگ لے گئے اور جا کر ابو طالب کے سپرد کر دیا۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ بچے ہی تھے کہ یہ سب علامتیں اور دلیلیں ظاہر ہوتی گئیں۔اس کے علاوہ بھی بہت ساری علامتیں اور دلیلیں ظاہر ہوتی رہتیں کہ اہل قریش دیکھ دیکھ کر حیرت میں تھے۔اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ واقعی جو شخص کچھ ہونے والا ہوتا ہے تو قبل اس کے کہ اس کے کمال کا اظہار

ہو علامتیں اور دلیلیں ایسی ظاہر ہونے لگتی ہیں کہ اس کے سوا دوسرے میں پائی نہیں جاتیں۔

معراج روحانی تھی یا جسمانی؟

مجلس شریف میں حضور ﷺ کی معراج شریف کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کو معراج بیداری میں ہوئی اور بجسم ہوئی۔ معتزلی اس کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ معراج خواب میں ہوئی بیداری میں نہیں ہوئی جسم کے ساتھ آپ (ﷺ) کو اوپر نہ لے گئے اس کو عقل قبول نہیں کرتی ہے کہ انسان ایک ہی رات میں ساتوں آسمان کی سیر کر کے واپس چلا آئے اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اگر معراج خواب میں مانی جائے تو حضور ﷺ کے لئے خصوصیت کیا ہوئی اور فضیلت کیا نکلی بہت ممکن ہے کہ کافر، مشرک بھی بہشت و دوزخ کو خواب میں دیکھے اگر نبی نے بھی اس چیز کو خواب میں دیکھا تو نبی کی اس میں کیا بڑائی ہوئی۔

معراج وشفاعت حضور اکرم ﷺ کا خاص امتیاز

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ قول معتبر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو دوسرے پیغمبروں کے اعتبار سے دو بات میں خصوصیت دی ہے دنیا میں معراج اور عقبیٰ میں شفاعت۔ کیونکہ کتاب اگر آپ (ﷺ) کو ملی تو دوسروں کو بھی ملی آپ ﷺ کو جو دوسروں پر فضل ظاہر ہوا تو انہی دو چیزوں سے کہ مخصوص آپ (ﷺ) کی ذات کے لئے ہیں دنیا میں معراج، عقبیٰ میں شفاعت۔ معتزلی ان دونوں کے منکر ہیں۔

معراج کے منکر کی شرعی حیثیت

پھر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ بعضوں کے نزدیک معراج کا منکر کافر ہے اور بعضوں کے نزدیک بدعتی ہے کافر نہیں ہے۔ ہاں! جو شخص بیت المقدس تک معراج کا منکر ہے یہ ضرور کفر ہے کیونکہ حضور ﷺ کا بیت المقدس تک جانا قرآن سے ثابت ہے اور بیت المقدس سے آسمان پر جانا یہ اخبار احاد سے ثابت ہے اور اخبار احاد کا منکر کافر نہیں ہوتا مگر وہ کفر کا سزاوار ضرور ہے۔

معراج کی اصل حکمتیں، اسباب، نکات اور آپ کے خصوصی امتیازات

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے معراج کی یہ حکمت بیان فرمائی کہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ معراج آپ ﷺ کی بڑی بزرگی کی دلیل ہے اللہ عزّ وجل کو منظور ہوا کہ جتنے قسم کے خزانے اور گنجینے اس کی ملک میں ہیں سب آپ ﷺ کے سامنے پیش کر دیے جائیں۔ بادشاہان دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب کسی کو مقرب بنا لیتے ہیں تو ان کی خاص طور پر تو قیر کرتے ہیں دوسروں کو وہ بات نصیب نہیں ہوتی رموز مملکت اور چھپے ہوئے خزانے جو کسی پر ظاہر نہیں وہ بھی اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔ معراج بھی ازیں قبیل ہے اس حدیث نبوی ﷺ کے یہی معنی ہیں "اوریت بی الارض فرأیت مشارقھا و مغاربھا ویبلغ ملک امتی ما اوری لی منھا" (معراج میں مجھے (ﷺ) روئے زمین اور اس کے چہار دانگ عالم کا مشاہدہ کرایا گیا کہ میری امت کی مملکت عنقریب وہاں تک پہنچے گی جہاں تک مجھے دیکھایا گیا۔

اور دوسرے گروہ کا قول ہے معراج میں یہ حکمت تھی کہ قیامت کے دن حضور ﷺ بالکل مطمئن رہیں۔ امت کی کارسازی کے سوا دوسرا کوئی کام آپ (ﷺ) کا نہ رہے۔ معراج میں آپ ﷺ کو قیامت کا مظاہرہ کرایا گیا، بہشت و دوزخ کا معائینہ ہوا اور بھی بہت ساری چیزیں دیکھائی گئیں تا کہ جب قیامت آئے سب کے سب اس کے ہول و عذاب کو یکا یک دیکھ کر نفسی نفسی کہنے لگیں تو اس وقت حضور اکرم ﷺ اس کی حقیقت سے آگاہ رہیں گے۔ صرف امتی امتی فرمائیں گے۔

تیسرے گروہ نے کہا کہ معراج میں یہ حکمت تھی کہ حضور نبی کریم ﷺ کی ہمت کا مظاہرہ ہو۔ زمین مع کل کائنات کے لپیٹ کر سامنے رکھ دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ قبول ہے؟ ارشاد ہوتا ہے کہ اسی نے انسان سے "انا ربکم الاعلی" (میں ہی تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) کہلا دیا اور اسی کی بدولت عرش الٰہی پر آسمانوں کا پردہ ڈالا گیا اور بعض دوستوں نے صرف "رب ھب لی ملکا" (اے میرے پروردگار مجھے ایک مملکت عطا فرمایئے) کہ ذریعہ اس کو خرید لیا یہ کون سی قیمتی چیز ہے کہ اس کی قدر کی جائے ساتوں آسمان و زمین کی

خلقت کو بلندئی ہمت پر سخت تعجب ہوا اور بہت زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ جس چیز کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعاء کر کے حاصل کیا وہ بےطلب آپ (ﷺ) کی خدمت میں پیش ہوتی ہے اور آپ (ﷺ) اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ اس میں ایک خاص راز تھا جس وقت دنیا پیش ہوئی اگر اس کو قبول فرماتے تو ملک عقبیٰ آپ (ﷺ) کے زیر نگیں نہیں آتا اور جب عقبیٰ کو پیش کیا گیا اگر آپ (ﷺ) اس کو قبول فرما لیتے تو وصل مولیٰ نہ ہوتا۔ "من اخذالدنیا فاته العقبیٰ ومن طلب العقبیٰ فاته المولیٰ ومن طلب المولیٰ فله الدنیاو العقبیٰ"۔ (جس نے دنیا کو حاصل کیا اس کے ہاتھ سے عقبیٰ گیا اور جس نے عقبیٰ طلب کیا اس نے مولی کو چھوڑ دیا اور جس نے مولیٰ اپنایا اس کو دنیا وآخرت دونوں مل گئی۔)

معراج میں آپ ﷺ کا بہشت کی جانب سے زبردست استقبال

اس کے بعد یہ حکایت فرمائی کہ شب معراج میں جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بہشت سے یہ بات کہہ دو کہ اتنے زمانے میں تیری پیدائش کا سبب صرف یہ ہے کہ ہم اپنے دوست (ﷺ) کو تیری بہار دیکھائیں۔ آج کی رات اس دوست (ﷺ) کی شب معراج ہے تو تیرا فرض ہے کہ تو بن سنور کر خوب آراستہ ہو جا اور اس دوست (ﷺ) کے سامنے حاضر ہو۔ جبرئیل علیہ السلام نے بہشت کو حکم پہنچایا۔ جہاں تک ہو سکا بہشت نے زیور وغیرہ سے اپنے آپ کو خوب آراستہ کیا۔ ایک تو بہشت بہ نفس نفیس خود حسین اور اس پر اتنی آرائش، حسن اور بھی دوبالا ہو گیا اب جس وقت حضور ﷺ کو معراج ہوئی جنت سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ آپ ﷺ نے دائیں جانب منہ پھیر لیا وہ دائیں جانب آ پہنچی آپ ﷺ نے بائیں جانب منہ پھیر لیا وہ بائیں جانب پہنچی تو آپ ﷺ دائیں جانب پھر گئے۔ تب جنت گھبرا گئی اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھ میں کیا خرابی ہے کہ حضور ﷺ مجھ سے منہ پھیر لیتے ہیں اگر کوئی سراپا آراستہ دلہن ہو سکتی ہے تو میں ہی ہوں اور اگر شراب طہور کی کہیں نہر جاری ہے تو وہ میرے ہی آس پاس ہے اور اگر کہیں زنجبیل ہے تو وہ مجھ میں ہی ہے اسی طرح ہر صفت کو اس نے دہرایا۔ (یہ ساری باتیں سن کر) حضور ﷺ

نے فرمایا کہ تیرا کہنا سب درست مگر یہاں معاملہ ہی دوسرا ہے ان آنکھوں کی جنت جمال الٰہی اور جمال حق ہے تجھ کو دیکھیں ہم تو کیا دیکھیں دیکھ ہی نہیں سکتے۔ تجھ کو کیا خبر کہ شہباز ہمت محمد (ﷺ) کی پرواز کہاں تک ہے وہ ایسے ادنیٰ شکار کے لئے رخ کر ہی نہیں سکتا اس نے اپنا شکار تاک لیا ہے جو لامکاں ہے تجھ کو جن زیبائیوں پر ناز ہے اس کی حقیقت سن لے اگر ہماری امت چاہے گی تو ایک دفعہ کلمہ پڑھ کر تجھ کو خرید لے گی۔ جنت نے پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) وہ کون سا کلمہ ہے جو ہماری قیمت ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہماری امت میں سے جو شخص " **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ﷺ" کہے گا تجھ کو خرید لے گا جب یہی تیری قیمت ٹھہری تو یہ نازو انداز کیسا۔

خاکسار نے عرض کیا کہ حضور ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں، یہ مسئلہ کیوں کر ہے؟

رویت باری تعالیٰ

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس گروہ کے عام لوگوں اور ان کے بزرگوں کا خیال ہے کہ بچشم سر نہ دیکھا اور دنیا میں بہ چشم سر کوئی شخص دیکھ نہیں سکتا ہے چنانچہ مادر مومناں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جو روایت ہے اس سے یہی ثابت ہے "**انھا قالت من زعم ان محمدا رای الی ربه فقد کذب**" جو شخص کہے کہ حضور ﷺ نے اللہ عزّ وجل کو دیکھا اس نے جھوٹ کہا اور اکثر لوگ اہل سنت و جماعت کے یہی خیال رکھتے ہیں جو حضرت صدیقہؓ کا قول ہے اور ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے شب معراج میں چشم سر سے خدا کو دیکھا اور حضور ﷺ کے لئے یہ بات مخصوص ہے۔ اس میں خلق اللہ کی شرکت نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مخصوص ہوئے کلام بے واسطہ کے ساتھ اور یہ لوگ دلیل پکڑتے ہیں حضرت ابن عباس، حضرت اسماء، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ تینوں حضرات صحابہ ہیں اور قائل ہیں کہ حضور ﷺ نے شب معراج میں خداوند عزّ وجل کو چشم سر سے دیکھا ہے جو گروہ دیدار بچشم سر کا قائل ہے وہ یہ بھی کہتا ہے کہ پیغمبروں میں سے تین ہستیاں ایسی ہیں کہ تین چیز کے ساتھ مخصوص ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے باتیں نہیں کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلت

کے ساتھ خلیل اللہ آپ کے سوا کسی کا نام نہ ہوا۔ حضور ﷺ دیدار بچشم سر کے ساتھ کہ آپ (ﷺ) کے سوا خدا کو کسی نے نہیں دیکھا۔ لیکن عام اہل سنت والجماعت دیدار بچشم سر کو جائز نہیں رکھتے ہیں اور اس کے قائل کو کافر یا مبتدع ضال بھی نہیں کہتے ہیں اتنا کہتے ہیں کہ ایسا خیال خطا ہے زیادہ زبان اس واسطے نہیں کھولتے ہیں کہ تین صحابہؓ اس خیال پر متفق ہیں اور صحابہؓ کی شان میں زبان درازی ناجائز ہے چہ جائیکہ کفر و بدعت کے ساتھ ان کو منسوب کرنا تو کسی طرح روا نہیں ہے۔ ہاں! سہو و خطا ممکن ہے کیونکہ معصوم سوائے پیغمبروں کے کوئی نہیں۔

معراج اولیاء سے مراد

اسی موقع پر زکریا غریب نے عرض کیا کہ سنتے ہیں کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ کو بھی معراج ہوئی تھی۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں! معراج سب اولیاء کو ہوتی ہے معراج سے مراد تقرب ہے۔ فرق یہ ہے کہ حضور ﷺ کو یہ تقرب جسمانی بھی ہوا اور اولیاء اللہ کے اسرار کو تقرب ہوتا ہے مگر ہر ولی کو معراج اس کے مدارج کے اعتبار سے ہوا کرتی ہے اسی معنی کے اعتبار سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ اور ان کے مرید کے معراج کا واقعہ

شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے ملفوظ میں لکھا ہے کہ مولانا فریدالدینؒ ایک دفعہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں گئے کچھ مرید ساتھ تھے۔ مولانا فریدالدینؒ ایک جگہ بیٹھ گئے مرید سب بھی آپ کے پیچھے بیٹھے ناگاہ آپ کے ایک مرید نے نعرہ مارا اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ مسجد میں ہلچل مچ گئی۔ قاضی شہر اور ان کے صاحبزادے وہاں موجود تھے ان لوگوں کو یہ حرکت ناگوار گذری پیادہ کو حکم دیا کہ پاؤں پکڑ کر گھسیٹ کر باہر کرو جب شیخ نے یہ رنگ دیکھا ملال پیدا ہوا مگر خاکساری سے کام لیا خاموش رہے چپ چاپ چلے آئے جب مرید کو ہوش آیا تو مولانا فریدالدینؒ نے مرید کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ الحمد للہ تجھ کو بھی میری معراج سے حصہ ملا۔ جس وقت تو نے نعرہ مارا ہے اس وقت مجھے معراج تھی مگر ایک بات رہ گئی اس کو بھی کرنا چاہئے قاضی جی اور ان کے لڑکے نے اپنی حکومت سے کام لے کر تمہاری پوری مرمت کر دی اب تم کو

بھی چاہئے کہ ذرا ان کی خبر لے لو تا کہ آئندہ سے کوئی سرکش فقیروں کی توہین نہ کرے اس کے بعد چند ہی روز گذرے تھے کہ قاضی جی کا لڑکا بیمار پڑا۔ قاضی جی کے دل میں یہ بات جم گئی کہ ہو نہ ہو یہ میری شامت اعمال کا نتیجہ ہے نہ شیخ کے مرید کے ساتھ بے ادبی کرتے نہ شیخ کو ناخوشی ہوتی اور نہ ایسا ہوتا۔ ابھی مرض کی ابتداء ہے مناسب یہ ہے کہ جا کر شیخ کو راضی وخوشنود کر لیں ایک شخص کا وسیلہ پکڑ کے کچھ سامان دعوت لے کر شیخ فرید الدین کی خدمت میں قاضی جی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جس بے ادبی کا ظہور مجھ سے ہوا ہے اس کی شامت کی وجہ سے میرا لڑکا مبتلائے مرض ہو گیا ہے۔ حضور میرے مخدوم ہیں گناہ معاف کر دیں اور دل صاف کر لیں قاضی جی نے بڑی لجاجت کی کہ شیخ کے دل سے کدورت صاف ہو جائے شیخ نے قبول نہ کیا جواب دیا کہ جس طرح تم نے اپنا کام کیا انھوں نے بھی اپنا کام کیا پُر قاضی جی نے لجاجت شروع کی اور واسطہ دینا شروع کیا تو آخر شیخ نے فرمایا اب ہم صفائی کر سکتے ہیں لیکن ایک شرط ہے کہ اس معاملہ کا انصاف قرآن شریف کے ہاتھ میں دیا جائے اور اس نیت سے قرآن شریف کھولا جائے کہ اگر آیت رحمت نکلے صفائی ہو جائے اور اگر برعکس نکلے صفائی نہ ہو۔ قاضی اور سب لوگ اس پر راضی ہو گئے چنانچہ قرآن شریف کھولا گیا۔ اتفاقاً آیت عداوت حسب ماجرا نکلی۔ شیخ نے کہا کہ اب صلح کی گنجائش نہیں رہی قاضی جی مجبور ہو کر واپس آئے آخر وہ لڑکا ختم ہو گیا اور قاضی جی بھی خانہ خراب ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس وقت مقصود اس حکایت سے یہ تھا کہ ہر ولی کو اس کے مرتبہ کے موافق معراج ہوتی ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ "الصلوٰۃ معراج المؤمنین" (نماز مؤمنین کی معراج ہے) قاضی خاں نے عرض کیا کہ جب بزرگان دین کی شان فضل وکرم کی ہے اور رحم وعفو کے ساتھ مشہور ہے تو ایسا کیوں ہوا کہ شیخ فرید الدینؒ نے مرید کو اس طرح فرمایا اس جگہ رحم وعفو کا پہلو نہیں پیدا ہوتا ہے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ظالم سے بدلہ لینا عین عدل ہے اور رحم وکرم فضل کا درجہ ہے یہاں پر آپ نے عدل سے کام لیا اس لئے کچھ مضائقہ نہیں ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی طرف سے یہ کرامت نہ ہوئی ہو بلکہ خلق اللہ کی عبرت کے لئے اللہ کی طرف سے ایسا حکم ہوا ہو اس قسم کے واقعات بہت ہوتے رہتے ہیں۔

نواں باب

ہجرت حضور ﷺ اور آپ (ﷺ) کے چچاؤں کی تعداد اور اصحاب صفہ کے بیان میں

مجلس شریف میں ہجرت حضور ﷺ کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا جب حضور ﷺ کو ہجرت کا حکم پہنچا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہوا ہے میں اب مکہ سے ہجرت کروں گا۔ حضرت صدیق اکبر رونے لگے یہ رونا انتہائی خوشی کے سبب سے تھا یعنی اس ناچیز کو سفر ہجرت میں ساتھ رہنے کا درجہ عطا ہوا جس طرح انسان غم کی وجہ سے روتا ہے خوشی کے سبب سے بھی روتا ہے دیکھو دوست جب فراق طویل کے بعد ملتے ہیں تو رونے لگتے ہیں، کیا یہ گریہ غم کے سبب ہوتا ہے، نہیں، خوشی کے سبب سے' اگر کوئی چاہے کہ دونوں گریہ میں فرق تمیز

کرے تو وہ آنسو کو چکھ کر دیکھے، اگر شیریں ہو گریہ شادی وخوشی سمجھے، اگر تلخ ہو تو گریہ غم تصور کرے اور یہ تو مسلم ہے کہ دو دوست جب ملتے ہیں تو یقینی غم دور ہوتا ہے اور خوشی پیدا ہوتی ہے ایسا رونا گریہ غم نہ ہوگا گریہ شادی وخوشی ہوگا اسی موقع پر یہ بیت زبان مبارک سے ارشاد ہوئی ؎

دیدار یار غائب دانی چہ ذوق دارد ابریکہ در بیاباں بر تشنہ گاں بارد

واقعہ ہجرت اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

پھر قصہ ہجرت اس طرح بیان فرمایا کہ رات کے وقت حضور ﷺ تنہا مکان سے نکلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو لئے چنانچہ دشمنوں نے مکہ کے چاروں طرف آدمیوں کو تعینات کر دیا تھا ایسا نہ ہو کہ فلاں شخص باہر نکل جائے اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو دشمنوں سے بچا کر آگے بڑھا دیا جب دشمنوں کو خبر ہوئی کہ وہ تو یہاں سے نکل گئے تو ان لوگوں نے پیچھا کیا حضور ﷺ ایک غار میں چھپ گئے۔ حضرت صدیق اکبر غار کے دروازے پر بیٹھ گئے دیکھا کہ اس میں سانپ کا بل ہے۔ فوراً اپنا پاؤں اس پر رکھ دیا تا کہ سانپ نکلنے نہ پائے اس سانپ نے خدا جانے کتنی مرتبہ آپ کو کاٹا اور خدا کی شان ایک غلام حضرت صدیق اکبرؓ کا اس غار کے قریب آپ کا اونٹ چرایا کرتا تھا اس کو آپ کی خبر ملی تو غار میں جا پہنچا اور جتنے روز تک آپ لوگ وہاں رہے دودھ پہنچاتا رہا۔ ایک روایت کی رو سے تین روز تک آپ لوگوں کا قیام اس غار میں رہا بعدہٗ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے غلام سے اپنا ایک اونٹ منگوایا اس پر حضور ﷺ سوار ہوئے اور وہاں سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اہل مدینہ کو جب یہ خبر ملی کہ حضور اکرم ﷺ اس طرف آرہے ہیں تو لوگوں کو استقبال کے لئے بھیجا اور پیغام دیا کہ بصد شوق حضور ﷺ تشریف لائیں ہم لوگ جان و مال سے حاضر ہیں یہ سب آپ (ﷺ) پر فدا ہیں اور ہم ہر قسم کی مدد کے لئے تیار ہیں جب حضور ﷺ مدینہ پہنچے اہل مدینہ کے ہر شخص کی تمنا یہی تھی کہ حضور ﷺ ہمارے مکان میں فروکش ہوتے اور یہ دولت لازوال ہم کو میسر ہوتی۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کی ہجرت سے متعلق تحقیق

حضور ﷺ کو حکم خداوندی یہ تھا کہ جہاں پر یہ اونٹ بیٹھ جائے وہیں سکونت اختیار

کیجیے اور مسکن ہی آپ (ﷺ) کا مدفن ہوگا، چنانچہ ہر ایک شخص نے کہنا شروع کیا کہ حضور ﷺ کے لئے یہ مکان آراستہ کیا ہے اور یہ سامان عافیت مہیا کیے ہیں تا کہ حضور ﷺ وہاں اتر جائیں مگر اونٹ ہے کہ بیٹھتا ہی نہیں آخر اونٹ وہاں بیٹھا جہاں کوئی عمارت نہ تھی۔ حضور ﷺ وہیں اتر گئے اور اسی جگہ حجرہ مبارک بنایا وصال کے بعد اسی جگہ قبر شریف بنی۔

ہجرت مدینہ کے پرآشوب حالات

اس کے بعد فرمایا ہجرت تو سب مسلمانوں پر فرض ہوگئی تھی اس وجہ سے لوگ ایک دو کر کے مکہ سے مدینہ آنا شروع ہوگئے بعض لوگ مکہ میں ایسے بھی تھے کہ بیٹا مسلمان تو باپ کافر، باپ مسلمان تو بیٹا کافر، ایسے لوگوں میں سے جو شخص مدینہ جانا چاہتا اس کو جانے نہیں دیتے رکاوٹ پیدا کرتے نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ چپ چاپ نکل بھاگتا اور مدینہ پہنچ جاتا بھاگ کر جانے والے کو اگر کفار پالیتے تھے تو مار ڈالتے تھے۔ پھر موقع پا کر حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات بھی مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔

حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ کیا ازواج مطہرات کے جانے میں کوئی خلل انداز نہ ہوا؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ کس کی مجال تھی کہ ان حضرات کو کوئی روک ٹوک کرتا۔ یہ حضرات عرب کی امراء وملوک میں سے تھیں۔

مجلس شریف میں حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرات کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ حضرات آپس میں دس بھائی تھے۔ ان میں سے ایک ابوطالب، دوسرے حمزہ رضی اللہ عنہ اور دسویں بھائی حضور ﷺ کے والد بزرگوار تھے۔ اس کے بعد خواجہ جلال الدین حافظ ملتانی نے عرض کیا کہ جنگ بدر کے بعد حضور ﷺ کتنے سال تک حیات میں رہے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہجرت کے بعد غالباً دس سال اس دنیا میں آپ ﷺ تشریف فرما رہے ہیں۔ ایسی ہی روایت آئی ہے۔

جنگ بدر اور حضرت عباسؓ کے ایمان لانے کا واقعہ

پھر عرض کیا کہ حضرت عباسؓ جو حضور ﷺ کے چچا تھے مکہ میں تھے اور حضور ﷺ مدینہ میں ان کے ایمان لانے کی کیا صورت ہوئی؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ مکہ میں اہل قریش اور دوسرے لوگ جمع ہوئے اور یہ رائے قرار پائی کہ مدینہ جا کر سب مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیں تا کہ دین محمدی بالکل نیست و نابود ہو جائے (دشمن کے منھ میں خاک) حضور ﷺ کے پاس اس وقت تک صرف تین سو آدمی کی جمعیت تھی اور وہی لوگ یار و انصار تھے (واللہ اعلم) کسی کے پاس نہ گھوڑا تھا اور نہ تلوار و نیزہ صرف تین اونٹ تھے۔ تین چار نیزے اور تلواریں اور مکہ سے جن لوگوں نے چڑھائی کی تھی وہ ہزاروں سوار گھوڑے اور اصلحے کے ساتھ تھے۔ حضور ﷺ کو خبر ملی کے اہل مکہ اس سامان کے ساتھ جنگ کے لئے آرہے ہیں۔ یہاں دیکھا جاتا ہے تو وہی تین سو اور کئی یار و انصار مگر خدا مددگار تھا۔ واعدۂ فتح کے ساتھ وحی کا نزول ہوا میرا حکم ہو چکا ہے کہ ضرور آپ (ﷺ) کو فتح ہوگی۔ حضور ﷺ نے یہ بشارت اپنے اصحابؓ کو سنادی۔ چنانچہ مہاجر و انصار خوش ہوئے اور دل مضبوط ہو گیا اس کے بعد مکہ کا لشکر مدینہ پہنچا اور بدر کے کنویں کو اس نے گھیر لیا اہل مدینہ اس کا پانی پیتے تھے بدر کے کنویں کو گھیر لینے سے غرض یہ تھی کہ اہل مدینہ بغیر پانی کے مر جائیں۔ حضور ﷺ اپنے صحابہ کو لے کر جنگ کے لئے آگے بڑھے چونکہ فتح کا وعدہ تھا اس لئے بہت بے نیازی کے ساتھ یہ لوگ آگے بڑھ رہے تھے۔ قطعاً ان لوگوں کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ ہم لوگ گنتی کے اعتبار سے بہت کم آدمی ہیں، جب حضور ﷺ کے لشکر کا کفار کے ساتھ مقابلہ ہوا تو لشکر اسلام کے سامنے کفار کے لشکر کو شکست شروع ہوئی اور وہ کمزور پڑ گئے۔ حضور ﷺ نے قریش کے ستر سرداروں کو قتل کیا اور ستر کو قیدی بنایا اور انہی اسیروں میں سے ایک حضرت عباسؓ بھی تھے اسی موقع پر وہ مسلمان ہوئے۔

بدری حضراتؓ کی اہمیت کی وجہ

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے جنگ بدر میں حضور ﷺ کا ساتھ دیا فتح کے بعد ان کا لقب بدری ہوا اور تمام صحابہ کرامؓ پر انؓ کو فضیلت حاصل تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے حضور ﷺ کا ساتھ اپنی جان پر کھیل کر دیا تھا تین سو اور کئی آدمیوں نے مل کر ہزاروں کا مقابلہ کیا۔ اصحاب بدر کی قدر و منزلت مخصوص تھی جہاں اور اصحاب بیٹھے رہتے وہاں اگر کوئی بدری پہنچ جاتے تو سب لوگ ان کو بیچ میں جگہ دینے کی کوشش

کرتے اوران کی تعظیم کرتے۔

بدر کی وجہ تسمیہ

اس موقع پر ایک عزیز نے عرض کیا کہ بدر کا کنواں کہنے کی کیا وجہ ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک شخص کا نام بدر تھا اسی نے یہ کنواں کھدایا تھا اس لئے اسی کے نام پر اس کا نام رکھا گیا۔

بدریوں کے لباس کے بارے میں خواجہ حسن بصری کی روایت

حاضرین مجلس میں سے ایک شخص سے عرض کیا کہ کیا خواجہ حسن بصری نے بدر کے ستر صحابہء کرامؓ کو دیکھا ہے اور کیا ہر ایک کا لباس محض صوف (اون) کا تھا؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ "تذکرۃ الاولیاء" میں یہ روایت ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصری ؒ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں صحابہؓ کی اس جماعت کے دیدار سے مشرف ہوا ہوں کہ تم اگر ان کو دیکھتے تو بے تعلقی اور بیزاری دنیا کے سبب تم انہیں سمجھتے کہ یہ لوگ دیوانے ہیں اور وہ تمہیں دیکھتے تو اس حالت میں دیکھ کر کہتے کہ یہ لوگ آدمی نہیں شیطان ہیں۔

اصحاب صفہ کا یقین

مجلس شریف میں اصحاب صفہ کا ذکر آ گیا بھوک سے بے طاقت ہو جاتے تھے مگر خلق سے سوال نہیں کرتے تھے (اس کی وجہ کیا تھی؟)

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ صرف یہی نہیں کہ مخلوق سے سوال نہیں کرتے تھے بلکہ خالق سے سوال میں تامل تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اگر خلق سے روٹی کا سوال کرتے تو بھوکے ہونے کا اظہار ہوتا یعنی دوست کی شکایت غیر سے ہوئی یہ بات ان کے مذہب میں جائز نہیں اور خالق سے سوال نہ کرنا اس وجہ سے تھا کہ نفس ایمان کا دشمن ہے اور کھانا پینا نفس ہی کے لئے ہوتا ہے تو دشمن کا حصہ دوست سے مانگنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ ارباب یقین تھے ان کے لئے صرف یہی خیال کافی تھا کہ اللہ ہمارے حال سے واقف ہے کہنے کی حاجت کیا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان وایقان

دیکھو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو کہ جس وقت نمرود لعین نے منجنیق میں رکھ کر آگ میں ان کو پھینکا ہے وہ ہوا اور زمین کے درمیان ہی میں تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ "ھل لک الی حاجة" (کہ اگر کوئی ضرورت ہو تو آپ فرمائے تا کہ میں اس کو پورا کروں) آپ نے فرمایا "اما الیک فلا" (ہاں! ضرورت تو ہے مگر تم سے نہیں) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا "فاسئل للّٰہ" (اچھا تو اللہ رب العزت سے کہئے اور اسی سے مانگئے) آپ نے فرمایا "حسبی سوالی علمه بحالی " (میرے ضرورت کے لئے سوال کی حاجت نہیں وہ میرے حال سے واقف ہے۔ اس کا یہ علم کافی ہے)۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر پڑھا ؂

از حالم اگر عالمیاں بے خبر اند　　　از حال من آں بہ کہ تو حالم دانی

(اگر چہ میری حالت سے دونوں جہاں والے بے خبر ہیں، لیکن میری حالتوں میں سے میرا یہ حال تو جانتا ہے بہت بہتر ہے۔)

بھوک سے اور کیا ہوگا؟

اس کے بعد فرمایا کہ بھوک سے اور کیا ہوگا بہت سے بہت یہی ہوگا کہ عاشق مر جائے گا۔ جاؤ مرنے دو جینا اس کی مرضی کے لئے ہے تو مرنا بھی اسی کی مرضی پر ہوگا۔ اسی معنی کے اعتبار سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ کسی شخص نے خواجہ ابراہیم ادہمؒ سے سوال کیا "الفقیر اذا جاع یوما فماذا یصنع ؟قال یصبر، قال السائل ولو جاع یومین؟ قال فیصبر، ثم قال سائل ولو جاع ثلاثة ایام ؟ قال فیصبر، قال السائل الجوع فی ثلاثة ایام قتل؟ قال فدیته علی قاتله" (فقیر جب ایک روز بھوکا رہ جائے تو کیا کرے؟ فرمایا صبر کرے۔ پھر سائل نے پوچھا کہ اگر دو روز بھوکا رہ جائے تو کیا کرے؟ فرمایا صبر کرے۔ پھر سوال کرنے والے نے پوچھا اگر تین دن گذر جائے تو کیا کرے؟ فرمایا صبر کرے۔ پھر سائل نے کہا کہ تین دن بھوکا رہنا تو موت ہے۔ فرمایا کہ خون کا فدیہ قاتل پر

ہے) یعنی اگر وہ مارڈالنا نہیں چاہتا تو یقینی روٹی اور پانی کا سامان فرما دیتا اس کے خزانے میں اس کی کمی نہیں ہے۔ جب اپنے دوست کو اس نے روٹی اور پانی سے محروم رکھا اسی بہانے اس کو مارنا منظور ہے اور ظاہر ہے کہ جس کا جو قاتل ہے اس کا خون بہا (قصاص) اس کے ذمہ ہوگا۔ اسی موقعہ سے آپ نے بیت پڑھی ؎

مر کشتۂ خلق را دیت دینار است　　　مر کشتۂ دوست را دیت دیدار است

(آدمی کو اگر آدمی ہی مار ڈالے تو اس کا خون بہا دینار ہوتا ہے اور اگر عاشق کو معشوق حقیقی مار ڈالے تو اس کا خون بہا سوائے دیدار اور کیا ہو سکتا ہے۔)

ضرورتیں ممنوعات کی ہوئی چیزوں کو مباح (جائز) کر دیتی ہیں

خاکسار نے عرض کیا کہ ''اصول'' کی روایت ہے کہ نفس کی محافظت واجب ہے اور سوال کا ترک ایسے موقع پر جہاں جان کی ہلاکت کا مرحلہ ہو شرعاً درست نہیں۔ جیسا کہ حالت مخمصہ میں بحالت مجبوری اگر مردار نہ کھائے یا ضرورتاً شراب نہ پیئے اور صبر سے یہاں تک کام لے کہ مر جائے تو کیا ایسا شخص گنہگار رہے؟ اسی طرح دوسروں کے سامنے مانگنے اور ہاتھ پھیلانے سے یہاں تک گریز کرے کہ مر جائے تو کیا اس میں بھی گنہگار ہوگا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور مجتہد فیہ ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور بیش تر علماء کے نزدیک حالت مخمصہ میں بھی اگر مردار نہ کھائے اور شراب نہ پیئے یہاں تک کہ وہ شخص مر جائے تو وہ گنہگار نہیں ہے بلکہ ماجور (قابل اجرت وانعام) ہے اور ایک روایت حضرت امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی ہے انھوں نے اس بات پر قیاس کیا کہ ایک شخص ہے جو کہ کلمۂ کفر بولنے پر مجبور ہوا یا غیر کا مال خرچ کرنے پر مجبور ہوا ہے ایسی صورت میں اگر وہ صبر سے کام لے اور اس کی جان چلی جائے تو وہ ماجور (قابل اجرت وانعام) ہوگا حالانکہ جان بچانے کے لئے اگر مبتلا (مجبوراً گناہ کا مرتکب) ہو جاتا تو گنہگار نہ ہوتا۔ مگر تقویٰ کی وجہ سے وہ ماجور ہوگا ایسا ہی اس جگہ بھی ہے۔ واللہ اعلم!

دسواں باب

جمیع مؤمنین پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت

اور جملہ امتوں پر اس امت کی افضلیت

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی منقبت

اور روضۂ مبارکہ رسول اللہ علیہ السلام کی عمارت کے بیان میں

مجلس شریف میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہء کرامؓ کی فضیلت کا تذکرہ آ گیا۔

خاکسار نے عرض کیا کہ تمام مؤمنین پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو فضیلت حاصل ہے وہ صرف حضور ﷺ کی صحبت کی وجہ سے ہے یا اور دوسری صفات کی بنا پر جیسے علم، عبادت، زہد وتقویٰ اور توکل وغیرہ؟

اہل سنت والجماعت کے نزدیک مقام مصطفیٰ (ﷺ) اور مراتب خلفائے راشدین

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ان سب سوالات کا اجمالاً جواب یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ تمام مخلوق سے افضل ترین ہیں اور حضور (ﷺ) کے بعد تمام خلائق میں افضل حضرات انبیاء اور سارے رسول ہیں انبیاء اور رسولوں کے بعد تمام امتیوں میں افضل حضرت رسول اللہ ﷺ کی امت ہے اور تمام امتوں میں افضل حضرت صدیق اکبرؓ ہیں ان کے بعد حضرت عمر خطابؓ اور ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں دوسری بات یہ جاننا ضروری ہے کہ خواص بنی آدم یعنی انبیاء اور رسل علیہم السلام خواص فرشتوں سے افضل ہیں۔ خواص ملائکہ جیسے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین عام بنی آدم سے افضل ہیں۔ عام بنی آدم میں سے وہ لوگ جو صالحین متقین ہیں یہ عام ملائکہ سے افضل ہیں یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جملہ امت پر افضلیت

اب میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں جیسا کہ تم نے پوچھا ہے کہ صحابہؓ کی فضیلت تمام مؤمنین پر فقط رسول اللہ ﷺ کی صحبت کی بناء پر ہے یا دوسرے صفات یعنی علم، عبادت اور زہد وغیرہ کی بناء پر؟ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فرمایا ہے "اصحابی کالنجوم بأیھم اقتدیتم اھتدیتم" (میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے تم جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے) یہ حکم عوام پر ہے اور عام ہے۔ جس طرح یہ حکم خلفائے اربعہ سے متعلق ہے اسی طرح جملہ صحابہؓ سے بھی متعلق ہے یعنی خلفائے اربعہ کی اقتداء جس طرح ہدایت کی علت ہوگی جملہ صحابہؓ کی پیروی موجب ہدایت ہوگی اور یقیناً مقتدا مقتدی سے افضل ہوگا۔ مقتدا کی افضلیت ہر معنی میں ہوگی تو صحابہؓ کی فضیلت صحبت رسول ﷺ کی بنا پر اور بھی دیگر معنی کے اعتبار سے انہیں حاصل ہے۔ گرچہ یہ لوگ ان تمام صفتوں سے موصوف ہیں جیسے علم، تقویٰ، ورع، زہد توکل اور اس جیسی دوسری صفتیں مگر اثر صحبت رسول ﷺ سب سے بڑھی ہوئی ہے یعنی باوجود تمام صفتوں کے جو ان کو حاصل ہے صحبت کی نسبت سب پر غالب ہے چنانچہ ان کو صحبت

ہی کی نسبت سے افضل کہا جائے۔ یہ نہیں کہ دوسری نسبتوں کی وجہ سے افضل کہیں جیسا کہ کہتے ہیں کہ دوسرے اولیاء اللہ کو وہ صفتیں حاصل ہوسکتی ہیں مگر صحبت کی نسبت کہاں سے لائیں گے۔ یہ فضل صحابہؓ کا خصوصی ہے جو دوسروں کو کہاں نصیب۔ اس وقت حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ؎

ماہ من گر تو مرا کس نہ کنی من چہ کسم — سنگ بے تربیتے لعل شدن نتواند

(جب میرے چاند نے مجھے حیثیت ہی نہیں بخشی تو میں کون ہوں پتھر بغیر تربیت کے لعل نہیں بن سکتا۔)

مقام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ صرف تنہا صحبت و نگاہ رسول اکرم ﷺ کا یہ اثر ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خود ان صحابہؓ کی نگاہ اور صحبت میں یہ تاثیر ہے کہ مؤمن کے حق میں اگر یہ نظر کر دیں تو ان میں اثر پیدا ہو جائے کیونکہ ان کی نگاہ مؤمن کے حق میں نگاہ شفقت ہی ہوگی اور ان کی وہ نظر مؤمن کے حق میں قطعاً موثر ہوگی اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نظر تو خالصاً رحمانی ہے۔ جب کسی پر وہ نگاہ پڑی تو وہ سراسر رحمت ہی کی نگاہ ہوگی جو حضرات کہ آپ کے نظر یافتہ اور صحبت کا اثر پائے ہوئے ہیں ان کا کیا کہنا ہے گرچہ صرف نگاہ اور صرف صحبت ہی میں رہے ہوں۔ یقیناً وہ نظر پاک اور صحبت (روحی فداک ﷺ) ہی ان کے حرکات وسکنات، قول و فعل، کمی و بیشی یہ تمام حضور ﷺ کی صحبت کے اندازے کے مطابق وجود میں آئے گی صحابہ کا تھوڑا عمل بھی بہت ہو جاتا ہے صحابہؓ کے علاوہ اور دوسرے لوگ جو فعل یا کام کریں گے وہ قصور، نقص اور آفت سے خالی نہیں اگرچہ بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

صحابہؓ کی جانب سے اظہار معصیت میں پنہاں راز

مجلس شریف میں تذکرہ آ گیا کہ بعض صحابہ رسول مقبول ﷺ کے حضور میں اپنے گناہوں کو پیش کرتے تھے۔

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ اس کے باوجود کہ وہ لوگ یہ مسئلہ جانتے تھے کہ

گناہ کا اظہار درست نہیں ہے اس سے گناہ کا انکشاف ہو جائے گا اصل کام گناہ کا چھپانا ہے پھر بھی اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو وہ نبی کریم ﷺ کے حضور میں اس کو پیش کرتے جیسا کہ ماعز رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگرچہ صحابہؓ یہ جانتے تھے کے گناہ کا اظہار درست نہیں ہے لیکن یہ صحابہ کی اعلیٰ ہمتی تھی جو دین کے معاملے میں انہیں حاصل تھی اس کو درست نہیں سمجھتے تھے کہ ان سے کوئی گناہ ہو جائے اور وہ اسے پوشیدہ رکھیں بلکہ وہ اسی وقت اس کا اظہار حضور ﷺ کے سامنے کر دیتے تھے اور یہ جائز ہے کہ کسی سے کوئی لغزش ہو جائے تو وہ اس گناہ کا امام وقت یا اس کے نائب کے سامنے اقرار کرے یہ اس لئے تاکہ امام وقت اس پر حد شرع جاری کرے چنانچہ صحابہؓ کے اپنے گناہ کے بیان کرنے کا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس گناہ کا جو کفارہ ہے وہ پورا ہو جائے اور حضور اکرم ﷺ اس گناہ کا جو حکم سزا ہے اس کو ارشاد فرمادیں اور ایسا بہت ہوا ہے کہ اگر صحابہؓ سے کوئی لغزش ہو جاتی تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیتے اور اس واقعہ کے مطابق کوئی حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہو جاتا اس میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اس معصیت کے اظہار سے شریعت کا ایک مسئلہ وجود میں آجاتا تھا۔ جیسا کہ ماعز رضی اللہ عنہ کے قصہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا اور رسول علیہ السلام نے اس گناہ کے کفارہ کا حکم صادر فرمایا اور اس سے شریعت کا ایک مسئلہ مرتب ہو کر بیان میں آ گیا۔

اپنے شیخ کے حضور میں اپنی لغزشوں کی وضاحت

پھر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ اس زمانہ میں گناہوں کا کفارہ اور اس کا حکم معلوم ہو تو مرید پیر کے حضور میں اپنے گناہوں کو کیوں پیش کرے؟ مرید کے لئے یہ شرط رکھی گئی ہے کہ اگر مرید سے کوئی لغزش ہو جائے تو وہ پیر کے سامنے اس کو ظاہر کر دے' مرید خود گناہ کا کفارہ اپنے طور پر کیوں نہ ادا کر لے پیر کے سامنے عرض کرنے میں کیا رمز ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس دور میں گنہاہوں کا غلبہ دلوں میں بہت زیادہ گھر کر گیا ہے یہ ایک روگ ہو گیا ہے اسی معصیت کے روگ کی زیادتی کے سبب یہ

بات ہوسکتی ہے کہ کوئی گناہ کرے اور جو اس کا کفارہ ہے وہ بھی ادا کردے لیکن وہ کفارہ پورے طور پر نہ ہوسکا۔ مثلاً روزہ کے گناہوں کا کفارہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے اس درمیان میں مرید سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا تو دو تین روزے کفارہ کے رکھ لینا آسان معلوم ہوا۔ دو تین روزے بغیر مجاہدۂ نفس اس نے رکھ لئے اس کے بعد پیر نے غور کیا کہ یہ کفارہ اس مرید کے لئے آسان ہوا اور اس سے مجاہدۂ نفس حاصل نہ ہوا اور نفس پر کوئی بار نہ پڑا۔ پیر نے دیکھا کہ یہ شخص مال کی محبت رکھتا ہے اور کفارہ میں مال کا خرچ کرنا اس کے لئے روزہ رکھنے سے زیادہ دشوار ہے اس لئے اصلاح حال کے لئے پیر کفارہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے پیر سے گناہ عرض کرنے کا یہی مقصد ہے اور اس میں یہی رمز و اشارہ ہے کہ (پیر) مرید کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ جس سے اس کے نفس پر بار پڑے نفس کی اصلاح ہو اور گناہ کا کفارہ (اور اس کا مقصد) پورا ہوجائے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس کے بعد یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

روشن تر از آفتاب باید رای تا بشناسد مزاج ہر سودائی

(نگاہ و بصیرت آفتاب سے بھی زیادہ تیز و روشن ہونی چاہئے تا کہ ہر دیوانے کے مزاج کو پہچان سکے۔)

امت محمدیہ ﷺ کی فضیلت

مجلس شریف میں امت رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ آگیا۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اس امت اور دوسری امتوں کے درمیان بہت زیادہ کیا فرق ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جس طرح سے کہ اس امت کے پیغمبر علیہ السلام کو تمام پیغمبران علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح اس امت کو تمام پیغمبروں کی امتوں پر بھی فضیلت حاصل ہے اور یہ آیت کریمہ زبان مبارک سے تلاوت فرمائی "**کنتم خیر امۃ**" اور فرمایا کہ پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "**کیف یھلک امۃ انا قائدھا و عیسی سابقھا**" (کیسے وہ امت ہلاک ہوگی جس کے آگے سے قیادت کرنے والا میں (ﷺ) ہوں گا اور پیچھے سے رہنمائی کرنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے)

ازواج مطہراتؓ کی تعداد

مجلس شریف میں نبی کریم ﷺ کی بیویوں کا تذکرہ آ گیا۔ مولانا نجم الدین شاعر نے عرض کیا کہ حضور ﷺ کی نو بیویاں تھیں اور کیا اس سے زیادہ بھی تھیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کتابوں میں یہی نو ازواج کی تعداد کا ذکر ہے اس سے زیادہ پر میری نظر نہیں پڑی ہے پھر عرض کیا کہ ایک جگہ میں نے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ چھ دوسری ازواج ان نو کے علاوہ تھیں لیکن ان کو وظیفۂ زوجیت سے قبل حضور ﷺ نے طلاق دے دی تھی۔ مخدوم نے فرمایا کہ ایسی روایت بہت کم آئی ہوگی یہ اس لئے کہ دوسروں کے لئے ان سے شادی کرنا حرام ہو چکا ہے۔ یہ روایت بالکل شاذ ہوگی۔

ازواج مطہراتؓ سے نکاح حرام تھا؟

قاضی صدرالدین نے عرض کیا کہ صرف نکاح ہی سے حرامؒ ہو جائیں گی یا وظیفہء زوجیت کے بعد حرام ہوں گی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ صرف نکاح کرنے سے ہی حرام ہو جائیں گی۔ یہ اس لئے کہ 'ازواجہ امھاتکم'' (حضور ﷺ کی بیویاں تمہاری مائیں ہیں) یہ حکم مطلق ہے ''نظرا الی الاطلاق'' صرف نکاح ہی سے دوسروں کے لئے حرام ہوں گی۔

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ میں نے تفسیر امام زاہد میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ان نو ازواج میں ایک بیوی بہت زیادہ سن رسیدہ ہو گئیں تھیں (حضرت سودہ رضی اللہ عنہا) حضور ﷺ چاہتے تھے کہ ان کو طلاق دے دی جائے سرکار دو عالم (ﷺ) کا یہ ارادہ ان کو معلوم ہو گیا تھا اس کے بعد وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنا حق اپنی بہن عائشہ کو دے دیا ہے۔ آپ ﷺ مجھے اپنی ازواج مطہرات میں سے جدا نہ فرمائیں تا کہ میں اس شرف زوجیت سے محروم نہ ہو جاؤں۔ یہ شرف میرا دنیا اور عقبیٰ دونوں میں باقی رہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ایسا ہی کیا ان کو طلاق نہیں دی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم وفقہ میں مقام

مجلس شریف میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مناقب کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو "فقیہ امت" کہا جاتا ہے اور نصف دین آپ سے حاصل ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "خذو اشطر دینکم عن الحمیراء" (اپنے دین کے نصف حصہ کو حمیراء یعنی عائشہ صدیقہؓ سے حاصل کرو)۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد مسئلہ غسل میں اختلاف پیدا ہو گیا یعنی غسل واجب ہے یا نہیں؟

امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ اور تمام صحابہ کبارؓ موجود تھے۔ متفقہ طور پر یہ رائے ہوئی کہ اس مسئلہ کو لکھا جائے اور فتویٰ کا جواب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مانگا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ فتویٰ لکھا گیا اور ام المؤمنین کی خدمت میں بھیجا گیا۔ حضرت ام المؤمنین نے جواب لکھا! "غسل واجب ہوگا" اور وہ حدیث جو اس مسئلہ کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا وہ حدیث اسی وقت زبانی پڑھ کر سنا دیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیقؓ اور صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین سبھی موجود ہیں صحابہؓ کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو گیا اور پھر وہ اختلاف ختم ہو گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فتویٰ پر عمل

جس وقت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے وجوب غسل کا فتویٰ لکھ کر بھیجا تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ اب اس فتویٰ کے بعد کوئی بھی اگر یہ کہے گا کہ غسل واجب نہیں ہے تو میں اسے درے لگاؤں گا۔

اس موقع پر شریف قاضی بدر الدین ظفر آبادی آ گئے ان کو کسی سے کچھ کام وغرض تھی۔ اس کے بارے میں مخدوم نے ان سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس شخص کے پاس گ یہ تھا میں نے اس طرح کہا اس نے ایسا جواب دیا کہ طبیعت پر بار اور بوجھ ہوا۔ حضرت مخدوم

جہاں عظمہ اللہ کو اس بات سے بہت زیادہ لطف آیا کہ ترک اس نے کی اور چند مرتبہ اس کی تکرار فرمایا کہ سخت کلامی اس سے ہوئی۔ اس کے بعد قاضی بدرالدین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس بات سے مجھ کو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قصہ افک یاد آ گیا جو مشہور ہے مطلب یہ ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام رکھا گیا صحابہؓ میں سے جب ایک صحابیؓ نے یہ قصہ سنا تو نہایت رنجیدہ اور مکدر ہو کر گھر میں آئے صحابہؓ کی بیویاں اپنے اپنے شوہروں کے انتظار میں تھیں جیسے ہی صحابہؓ حضور ﷺ کی مجلس شریف سے گھروں میں آئے ان کی عورتوں نے ان سے پوچھنا شروع کیا کہ آج کیا واقعہ ہوا اور رسول ﷺ نے کیا حکم صادر فرمایا؟ صحابہؓ نے اپنی عورتوں سے واقعہ بیان کیا۔ الغرض وہ صحابیؓ جو غمگین و مکدر ہو کر گھر آئے تھے ان کی بیوی نے دیکھا کہ مکدر اور رنجیدہ ہیں۔ دوڑی ہوئی آئیں اور پوچھا یہ کیا حال ہے؟ انہوں نے نازل شدہ وعید بیان کی اور کہا کہ اس طرح کا واقعہ ہوا ہے میرے دل پر بار اور تکدر اسی وجہ سے ہے اس کے بعد ان صحابہؓ کی بیوی نے کہا کہ اس مین تکدر اور بار کی کیا بات ہے میں آپ کی بیوی ہوں اگر کوئی مجھ پر اس طرح کا اتہام رکھے اور آپ سے بیان کرے تو آپ یقین کریں گے یا نہیں۔ صحابیؓ نے کہا نہیں۔ بیوی نے کہا کہ جب آپ میرے حق میں درست نہیں سمجھتے تو بلاشبہ آپ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے حق میں بھی اس کو سچ نہ سمجھیں اور یقین کامل رکھئے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے اور وہ مجھ سے کہیں زیادہ پاک ہیں۔ اس کے بعد ان کے شوہر نے کہا کہ بات ایسی ہی ہے کہ میں اس کو سچ نہیں سمجھتا۔ اور اس کے جھوٹ ہونے پر میرا یقین ہے لیکن لوگ تو مضحکہ کرتے ہیں (مذاق اڑاتے ہیں)۔

اس موقع پر مخدوم نے یہ شعر پڑھا ؎

تشت از سر بام باری افتاد   بینم رخ یار یا نہ بینم

روضۂ اقدس (ﷺ) پر گنبد کی تعمیر

مجلس شریف میں رسول علیہ السلام کے روضہء اقدس کی عمارت کا تذکرہ آ گیا' مخدوم نے فرمایا کہ پہلے رسول مقبول ﷺ کے مقبرہء پاک میں چہار دیواری اور گنبد نہ تھا۔ اہل عرب

زیارت کے لئے آتے تھے قبر مبارک (ﷺ) پر لوٹتے تھے اور گریہ وزاری کرتے تھے اسی طرح کی دوسری بے ادبیاں ہو جاتی تھیں۔ اہل عرب میں سے چند شخصوں نے یہ مشورہ کیا کہ بڑی بے ادبی ہوتی ہے یہ بہتر نہیں ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ایک چہار دیواری بنادی جائے تاکہ اس طرح کی بے ادبی نہ ہو۔ لوگ دور سے زیارت کریں اور لوٹ جائیں۔ ان لوگوں نے چہار دیواری بنادی۔ اتنی بلند کہ قبر مبارک نظر آئے۔ لوگ آتے باہر سے زیارت کرتے اور واپس ہو جاتے۔ اس کے باوجود بعض لوگ شوخی اور نادانی سے تڑپ کر اندر آجاتے اور قبر مبارک سے لپٹ جاتے اور لوٹ پوٹ کرتے اس کے بعد زبیدہ ہارون رشید کی بیوی نے ایک گنبد تعمیر کرایا لیکن گنبد مبارک کا سرا کھلا رکھا اس کے بعد کوئی خلیفہء وقت زیارت کے لئے آئے اور کہا کے ایسا ہو کہ میں گنبد شریف (ﷺ) کے اندر جا کر بہ چشم سر زیارت کروں اور یہ سعادت حاصل کروں تو خوب ہو۔ لوگوں نے بہت منع کیا لیکن وہ گنبد کے اوپر گئے اور گنبد شریف (ﷺ) کا سرا جو کھلا ہوا تھا اس راہ سے وہ گنبد شریف (ﷺ) کے اندر داخل ہو گئے اور اتر آئے۔ حضور ﷺ کے روضۂ پاک کے نور سے آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ بہر حال انہوں نے زیارت کی اور باہر آئے اور گنبد شریف (ﷺ) کے کھلے ہوئے حصہ کو بند کروادیا۔

قاضی صدر الدین نے عرض کیا کہ کیا حضور ﷺ کے روضۂ پاک کے اندر حضور ﷺ کے صحابہؓ بھی آرام فرما ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ دو صحابیؓ اس گنبد شریف میں حضور ﷺ کی قبر مبارک کے پائیں میں آسودہ ہیں۔ ایک امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبرؓ کے ان کا سر حضور ﷺ کے سینۂ پاک کے سامنے ہے۔ دوسرے امیر المؤمنین عمر خطابؓ ہیں ان کا سر مبارک سینہ پاک ابوبکر صدیقؓ کے سامنے ہے اور گنبد شریف (ﷺ) کے باہر ان تینوں حضرات کے سر مبارک کے سامنے ایک امتیازی نشان لگا دیا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ جو کوئی زیارت کے لئے آئے ان نشانات کے سامنے مواجہ میں کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی اور ان دونوں صحابہؓ کی زیارت کرے۔

حضور ﷺ کے گنبد کے باہر بھی مزار ہے

اس کے بعد حضرت مخدوم نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ روضۂ اقدس (ﷺ) کی مجاوری کرتے تھے ان کو یہ تمنا ہوئی کہ میرے مرنے کے بعد مجھ کو گنبد شریف (ﷺ) کے باہر روضۂ اقدس (ﷺ) کے پائیں میں اگر دفن کر دیا جائے تو یہ میرے لئے بہت بڑی سعادت ہوگی اور دوسرے مجاوروں سے اپنے اس تمنا کا اظہار انہوں نے کیا۔ ان لوگوں نے ان کی اس بات کو منظور کرلیا جب انہوں نے وفات پائی تو ان کو گنبد شریف (ﷺ) کے پائنتی میں دفن کر دیا۔ انہوں نے یہ وصیت بھی کی تھی کہ اگر مجھے پائیں گنبد میں دفن کر دیا جائے تو میری قبر پر لکھ دیا جائے "کلبھم باسط ذراعیه بالوصید"۔

حضور ﷺ کے محتاج رحمت ہونے کی علت

مجلس شریف میں حضور اقدس ﷺ پر دورکعت نماز کے ثواب کے ہدیہ کا تذکرہ آ گیا۔

قاضی بدرالدین ظفر آبادی نے عرض کیا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اس دورکعت "صلوٰۃ الھدی" (نماز ہدیہ) کی کیا ضرورت ہے؟ حضور ﷺ دورکعت نماز کے ثواب کے محتاج تو نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ بات کوئی احمق ہی کہہ سکتا ہے۔ اچھے اور سمجھ دار ایسی بات نہیں کہہ سکتے ہیں۔ گرچہ حضور ﷺ کی ذات والا صفات عظمت و برتری کے کمال پر ہے اور اس میں کوئی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہے لیکن رحمت ونعمت باری تعالیٰ کی بھی کوئی حد وانتہا نہیں ہے۔

کوئی کتنی ہی دولت ونعمت کا حامل ہو پھر بھی اس نعمت عظیمۃ سے بھی زیادہ کا محتاج ہے تو اس اعتبار سے رحمت ونعمت اس بارگاہ کی جس کی کوئی انتہا نہ ہوئی نعمت میں مزید افزونی کی احتیاج ہوگی۔ پس '' اللّٰھم صل علی محمد '' جس کے معنی ہیں '' اللّٰھم ارحم محمد '' جو فرض ہے اگر رب کی رحمت کے محتاج نہ ہوتے تو حضور ﷺ کے لئے رحمت مانگنا اور درود بھیجنا امت پر فرض نہ ہوتا۔

زکریا غریب نے عرض کیا کہ ایک پھول ہے جس کے دیکھنے پر درود پڑھنا آیا ہے

اس کی اصل کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کتابوں میں نہیں دیکھا ہے ایسا عوام کہتے ہیں لیکن مطلق روایت ہے کہ درود پڑھنا چاہئے اور اس کی مناسبت سے حکایت فرمائی کہ جس زمانہ میں خواجہ مظفر دریاؒ خواجہ خضرؑ کی ہم سفری میں تھے تو خواجہ خضرؑ جنگل بیابان میں پہنچے خواجہ مظفرؒ ساتھ تھے ایک جزیرہ کے کنارے آئے اس جزیرہ میں ایک پھول تھا خواجہ خضر نے اس کو توڑا اور درود شریف پڑھا دونوں آنکھوں پر رکھا اس کے بعد خواجہ مظفر نے کہا کہ آپ پر اللہ کی رحمت ہو کہ آپ نے جب پھول دیکھا درود شریف پڑھا اور دونوں دیدہ سے لگایا۔ خواجہ خضر نے کہا ہاں! حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر فرمایا کہ اس کی اصل یہ ہے کہ جب معراج شریف کی شب حضرت رسالت پناہ ﷺ آسمان پر لے جائے گئے تو سیر کناں ایک جگہ پہنچے تو حضور ﷺ کے پسینۂ مبارک سے گلاب کا پھول پیدا ہوا تو یقیناً جب کوئی گلاب کا پھول دیکھے گا تو رسول اللہ ﷺ کی یاد تازہ ہو جائے گی اور جب رسول اللہ علیہ السلام کی یاد آئے گی تو درود شریف پڑھیں گے اور یہ بات تمام پھولوں کے لئے ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خوشبو رسول اللہ ﷺ کو محبوب ہے تو یقیناً جس وقت مؤمن کو خوشبو ملے رسول اللہ ﷺ کو یاد کرے اور جب آپ کی یاد آئے تو درود بھیجے تو اس اعتبار سے سب خوشبو اور پھول برابر ہیں کوئی فرق نہیں ہے اور حضرت مولانا تقی الدینؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ گلاب کے پھول کو پھینکو نہیں اس لئے کہ یہ درود یاد دلاتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ اسی سبب سے میت کے کفن میں گلاب چھڑکتے ہیں اور گلاب کا پھول بھی رکھتے ہیں۔ یہ اس بنا پر ہے کہ گلاب چونکہ بوئے محمد ﷺ ہے حضور ﷺ کے پسینہ سے پیدا ہوا ہے جب تک یہ میت پر رہے گا دوزخ کی آگ کا اثر میت پر نہ ہوگا تو چاہئے کہ مردہ کے کفن میں گلاب کا پھول اور گلاب کا عرق بہت زیادہ ڈالیں اور جس کوزہ سے پانی پیتے ہیں چاہئے کہ اس میں بھی گلاب کی چند پتیاں ڈال دیا کریں خوشبو خود حضور ﷺ کو بہت محبوب ہے اور گلاب کے پھول سے خوشبو آتی ہے جیسا کہ اس بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے ”حبب الی من دنیا کم ثلثة: الطیب والنساء قرة عینی فی الصلوٰة“۔ (تمہاری دنیا کی چیزوں میں سے تین چیزیں مجھے محبوب بنادی گئی ہیں (۱) خوشبو (۲) عورت (۳) نمازیں میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے)



گیارہواں باب

طہارت کے بیان میں

مجلس شریف میں طہارت کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ "احیاء العلوم" میں طہارت کے چار درجے مقرر کیے ہیں۔

طہارت کے چار درجے

(۱) حدث اور نجاستوں سے ظاہری طہارت۔ (۲) گناہوں اور خلاف شرع باتوں سے اعضاء و جوارح کی طہارت۔ (۳) صفات مذمومہ یعنی برے خصائل سے باطن کی طہارت۔ (۴) ماسوا اللہ سے سر کی طہارت۔ ماسوا اللہ سے سر کی طہارت: یہ عارفوں کی قدم گاہ اور منتہیوں کا مقام ہے اسی کو سر پاک کہتے ہیں لیکن طہارت اصلی بھی ایک بہت بڑا راز ہے ارباب بصیرت اور اہل سلوک اس آیت کریمہ "لا یمسہٗ الا المطھرون" (اس کو صرف پاکیزہ لوگ ہی چھوتے ہیں) کی سیاست سے حیران و سرگرداں ہیں۔ اس آیت شریفہ میں جو کچھ ہے اس کی معنویت کو یہی لوگ جانتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اس بارگاہ پاک میں بجز پاک بازوں کے اور کسی کی گزر نہیں۔

حضرت مخدوم جب یہ کلمات فرما چکے تو یہ شعر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ ؎

ذکر پاکت کجا تو انم کرد منکہ آلودہ ام یمی ذنی

(ذکر پاک مجھ سے کیونکر ادا ہوسکتا ہے جبکہ میں اپنی زبان ومنہ کی گندگی وآلودگی میں مبتلا ہوں۔)

طہارت ظاہری وباطنی کی اہمیت

ارشاد ہوا جس طرح بدن کے لئے پاک وطاہر پوشاک کی ضرورت ہے اسی طرح جسم کے لئے دل کی طہارت ضروری ہے اگر لباس پاک ہو اور بدن پاک نہ ہو تو فتویٰ ظاہر کے اعتبار سے شرعاً نماز جائز نہ ہوگی اسی طرح اگر جسم پاک ہو اور دل پاک نہ ہو تو اہل طریقت کے فتویٰ (باطن) کے رو سے نماز درست نہ ہوگی۔ اس موقع پر خاکسار نے عرض کیا کہ شاید اسی وجہ سے بعض لوگ نماز ترک کردیتے ہیں کہ وہ اپنے دل کو پاک نہیں پاتے کیا اہل طریقت کے فتویٰ کی رو سے دل کی طہارت کے بغیر نماز درست نہیں ہوگی؟

نماز طریقت وشریعت کی روشنی میں

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں! اس وجہ سے بھی ترک کردیتے ہیں لیکن ترک کرنے کی اجازت نہیں۔ مشائخ طریقت میں سے کوئی بھی اس کے قائل نہیں ہیں کہ دل کی طہارت نہ ہونے کی وجہ سے نماز ترک کی جائے، بلکہ نماز ادا کیا کریں اور یہ ہرگز نہ سمجھیں کہ میری نماز اہل طریقت کے فتویٰ کی رو سے درست نہیں ہوئی وہ نادان جو نماز ترک کرتے ہیں ان کی نگاہ اس سے آگے نہیں بڑھی ہے بس وہ یہی جانتے ہیں کہ طریقت میں بغیر طہارت دل نماز درست نہیں ہوتی ہے اور نماز پڑھنا ہی چھوڑ دیتے ہیں اس سے آگے مسئلہ کی تحقیق نہیں کرتے اگر کچھ آگے بڑھتے تو یہ جانتے کہ ترک نماز درست نہیں ہے۔ اس سے آگے علم حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شرع کا حکم حالات کے مطابق ہے۔ مثلاً کسی کو نماز کھڑے ہوکر پڑھنے کی طاقت نہیں ہے شرع کا حکم اس کے حق میں یہ ہے کہ وہ بیٹھ کر پڑھے اور کوئی بیٹھ کر بھی پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ لیٹ کر پڑھے گا ایسے شخص کے حق میں شرع کا حکم یہی ہے کہ لیٹ کر اشارہ سے پڑھے، پس جب ان احکام کو اس نے جان لیا تو اس کو یہ بھی جاننا چاہئے کہ دل

کی طہارت حاصل کرنے پر اسے قدرت نہیں ہے تو حکم اس کے حق میں یہ ہوگا کہ جسم کی طہارت کے ساتھ نماز ادا کرے، ترک نہ کرے کیونکہ وہ اس ترک پر معذور نہیں ہے دل کی طہارت کی کوشش میں رہے جب طہارت دل حاصل ہو جائے تو پھر دل کی طہارت کے ساتھ ادا کرے یہ اس لئے کہ تکالیف شرع یعنی احکام شرعی حالات کے مطابق ہوا کرتے ہیں یہ غلطیاں اسی لئے ہوتی ہیں کہ لوگ اپنے طور پر سلوک اختیار کر لیتے ہیں اگر کسی پیر کے سایۂ دولت میں رہ کر راہ طریقت اختیار کرتے تو ایسی غلطیوں میں ہرگز نہ پڑتے۔

طہارت کے اقسام

اس موقع پر کتاب مکتوبات عین القضاۃ ہمدانیؒ مقابلہ کے لئے لائی گئی۔ بات طہارت کی تقسیم تک پہنچی کہ یوں طہارت کی تقسیم کی گئی ہے۔

(۱) اول طہارت: ظاہر جسم کی طہارت۔

(۲) اس کے بعد: حواس کی طہارت ہے۔

(۳) پھر: تخیلات سے دماغ کی طہارت ہے۔

(۴) پھر: دل کی طہارت ہے۔

طہارت کی ترتیب

خاکسار نے عرض کیا کہ تصفیہ کی ترتیب اسی طور پر ہے جیسا کہ عین القضاۃ نے لکھا ہے یا دوسرے طریقے پر؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ طہارت کی ترتیب اسی طور پر ہے جب تک اس طور پر کوشش نہیں کی جائے گی کام درست نہ ہوگا اول ظاہر پاک کرے، پھر طہارت حواس، اس کے بعد دماغ کی پاکی تخیلات سے، سب سے آخر میں دل کی طہارت میں مشغول ہونا چاہئے۔

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ جسم کی طہارت میں دیر تک لگے رہنا چاہئے کہ نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جسم کے پاک کرنے میں بہت زیادہ وقت لگانے کی کیا ضرورت ہے یعنی جتنی دیر میں کپڑے اور جسم دھل گیا پاک ہو گیا ہاں وقت

حواس کے پاک کرنے میں لگتا ہے کیونکہ یہ اہم کام ہے، زبان کو جھوٹ بولنے سے پاک رنا چاہئے، آنکھوں کو نامحرموں کو دیکھنے سے کان کو ان باتوں کے سننے سے جن کا سننا درست نہیں. شکم کو حرام لقمے سے باز رکھنا ضروری ہے اسی طرح ہر اعضاء کو حرام و ناجائز سے بچانا چاہئے اور اس کی نگہداشت میں لگے رہنا چاہئے تب جا کر حواس کی طہارت میسر ہو سکے گی۔ البتہ اس میں وقت لگتا ہے اور دیر تک کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اس موقع پر ایک عزیز نے عرض کیا کہ اگر کوئی ابتداً دل کی تطہیر میں مشغول ہو کیونکہ اعضاء و جوارح دل کے تابع ہیں جب دل میں تزکیہ وتصفیہ پیدا ہو جائے گا تو لامحالہ اعضاء تابع ہونے کی وجہ کر پاک ہو جائیں گے تو کیا ایسی صورت میں ترتیب کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہاں پر دو طریقے ہیں جیسا کہ دل اصل ہے اعضاء اس کے تابع ہیں تو جب دل ہی پاک ہو گیا تو اعضاء تابع ہونے کی حیثیت سے یقیناً پاک ہو جائینگے۔

حواس خمسہ کے دل پر اثرات

اس اعتبار سے حواس خمسہ میں سے ہر ایک دل کا دروازہ ہے، ہر وہ چیز جو اس حواس خمسہ سے حاصل ہوتی ہے اس کا اثر متواتر دل پر پڑتا ہے اور اس سے پیہم کدورت اور تاریکی دل میں پیدا ہوتی رہتی ہے پہلی صورت میں تو یہ ممکن ہے لیکن دوسری صورت کے اعتبار سے درست نہیں ہے لہٰذا اس رو سے ترتیب کی اشد ضرورت ہے تا کہ کام ٹھیک سے چلے اور تطہیر حاصل ہو عام مشائخ کی یہی روش ہے ہاں! بعض شیوخ کی بھی روش رہی ہے کہ وہ دل کی تطہیر سے آغاز کرتے ہیں لیکن بزرگوں کا قول ہے کہ یہ بہت ہی مشکل کام ہے اور اس میں بے انتہا خطرات ہیں۔

خاکسار نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص خلوت تنہائی میں ایک جگہ متعین کر کے ایک مقررہ وقت تک حواس اور احساسات کو سمیٹ کر بیٹھے تو وہ اس مقررہ وقت میں دل کی تطہیر میں مشغول ہو یا کیا کرے؟

پیر کامل کی ضرورت واہمیت

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یقیناً اس وقت اپنے باطن کو پاک کرنے میں لگ جائے۔ظاہر کی محافظت کے لئے طہارت کا پورا خیال رکھے اور باطن کو دل کے کام میں مشغول کر دے۔ظاہر کی حفاظت اور باطن کی مشغولیت یہ کوئی ایسے کام نہیں جو خود بخود ہو جائیں۔ان کاموں کے لئے ایسے پیر کامل کی حمایت ضروری ہے جو اس راہ کا سالک ہو صاحب بصیرت ہو اور ایسا طبیب حاذق ہو جو تمام امراض باطنی کو جانتا ہو اور ان کے علاج میں بھی مہارت رکھتا ہو تو مقصد کا حصول ممکن ہے۔

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ جس طرح طہارت ظاہری کے لئے ترتیب ہے کیا اسی طرح باطن کی تطہیر کے لئے بھی ترتیب ہے؟

صفات مذمومہ اور صفات محمودہ میں فرق وامتیاز

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں! باطن کی تطہیر کے لئے بھی ترتیب ہے' مذمومات ہے اور پھر محمودات ہے' خوب غور کرے کہ مذمومات ہے تو اس میں کیا ہے پہلے ان برائیوں کو ختم کرے پھر دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہو۔

اس موقع پر مولانا معزالدین نے عرض کیا کہ مذمومات کو ختم کرنے کے بعد دوسری اور کیا چیز رہ جاتی ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ مرید کے لئے جس طرح صفات مذمومہ سے پاک ہونا ضروری ہے اسی طرح صفات محمودہ سے بھی پاک ہونا چاہئے۔

خاکسار نے عرض کیا کہ مذمومات یعنی بری خصلتوں کا ترک کر دینا پاکی ہی ہے پھر صفات محمودہ میں پاکی کس چیز سے ہوگی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ صفات محمودہ سے پاک ہونا یہ "ترک النظر الیھا" یعنی اپنی صفات محمودہ اور نیکیوں کی طرف سے رخ پھیر لینا ہے۔اپنے اچھے اور نیک کاموں کی قدر اپنی نگاہ میں باقی نہ رہنے دینا ہے چنانچہ جس طرح مرید کے لئے صفات

مذمومہ حجاب ہیں اسی طرح صفات محمودہ پر نظر و نیکیوں کی قدر معلوم ہونا مرید کے لئے یہ بھی حجاب ہے اور یہی مقام ہے جو کہا گیا ہے۔

عالموں زاہدوں اور عابدوں کا حجاب

(۱) **العالمون محجبون بعلمهم يعنى با لنظر اليه** (علماء اپنے علم و فن کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کی وجہ سے حجاب میں ہیں۔)

(۲) **الزاهدون محجبون بزهدهم يعنى بالنظر اليه** (زاہد لوگ اپنے تقویٰ کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کی وجہ سے حجاب میں ہیں۔)

(۳) **العابدون محجبون بعبادتهم يعنى با لنظر اليه** (عابد لوگ اپنی عبادت و ریاضت کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کی وجہ سے حجاب میں ہیں۔) اور یہی بات خود عارفوں کے لئے بھی ہے عرفاء کے لئے غیر پر نظر شرک ہے۔

خاکسار نے عرض کیا کہ مذمومات میں بھی ترتیب ہے کہ پہلے کس چیز سے شروع کرے۔ مثلاً حسد سے حقد سے یا دوسری مذموم صفتوں سے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر وہ صفت جو کمزور تر ہو اس سے شروع کرے اس کے بعد جو قوی ہو اس کے ترک میں مشغول ہو اگر پہلے ہی قوی کی اصلاح میں مصروف ہوگا تو کامیاب نہ ہوگا۔

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ مرید اس کا علاج اس کے ختم کرنے کا طریقہ خود نہیں جانتا ہے تو کیا کرے؟

روحانی بیماری کے علاج کے مؤثر طریقے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ مرید بیچارہ کیسے جانے گا جب تک کہ اسے پیر نہ بتائے یا بزرگوں کی کتابوں میں نہ دیکھے اور اس کو اچھی طرح نہ سمجھ لے اور اس پر نگاہ نہ رکھے اور اس کے بعد اپنی اصلاح کرے ایسا بھی بہت کم ہوتا ہے یہ اس لئے کہ یہ عیبوں پر نگاہ رکھنا ہے اور پھر اس کا علاج یہ بہت مشکل ہے اور نہیں ہوسکتا ہے۔ جس طرح

مریض ظاہر خود اپنے طور پر اپنا علاج نہیں کرسکتا اسی طرح مریض باطن بھی اپنا علاج آپ نہیں کرسکتا ہے۔

مرید کے لئے پیر ہی کتاب ہے

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ جہاں پیر موجود ہے وہاں مرید کتابوں سے کیوں اپنی اصلاح کرے، اپنے ہر درد کا علاج پیر سے طلب کرے اور خود کو پیر کے ارشاد کے مطابق سنوارے اور اپنی اصلاح کرے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا جہاں پیر موجود ہے وہاں مرید کے لئے پیر ہی کتاب ہے، پیر کی موجودگی میں کتاب کی کیا حاجت ہے۔

قدوسیت کا مفہوم

مجلس شریف میں قدوسیت کا ذکر آ گیا حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا کہ ایک جگہ مرقوم ہے کہ بندہ کی پہنچ قدوسیت تک نہیں ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس قدوسیت سے قدوسیت مطلق مراد ہے یعنی بے عیب ہونا ہر طرح اور ہر حیثیت سے پاک ہونا ہے اور یہ صفت صرف حق تعالیٰ جل جلالہ کے لئے خاص ہے۔ اگر کوئی بعض وجوہ سے پاک ہے اور بعض حیثیت سے پاک نہیں تو قدوسیت مطلق نہ ہوگی وہ اس طرح سے کہ بندہ بری خصلتوں اور صفات مذمومہ سے نکل کر صفات محمودہ کی طرف لوٹ آیا اس نسبت سے پاک ہو گیا یہ اس لئے کہ راہ طریقت پر چلنے والوں کی یہی روش ہے کہ راہ سلوک میں تمام عیبوں اور نقصان سے پاکی اور طہارت کا کمال حاصل کرتے ہیں جہاں تک ممکن ہے لیکن اپنے حدوث (سراپا) میں جو تمام عیبوں کا سرچشمہ ہے اس سے ہرگز پاک نہیں ہو سکتے اور کوئی مخلوق اس سے خود کو نہیں نکال سکتی ہے اور دوسرے اس لئے کہ "قیام بدوست" میرا وجود ہی اسی سے ہے، بعدہ، ارشاد فرمایا "قیامنا به و وجود نامنه (ہمارا قیام اور ہمارا وجود اسی سے متعلق ہے) یہ دو چیزیں ہیں آدمی ہرگز اس سے نہیں نکل سکتا۔ جہاں تک نقصان اور عیب ہے اس سے باہر آئیں اور اس طہارت میں کمالات حاصل کریں۔

ظاہر و باطن کی پاکی کی اہمیت

اس کے بعد فرمایا اگلے بزرگوں کی روش استغراق ہمت کی تھی دل کی طہارت میں غرق رہتے تھے اور بڑی لمبی لمبی کوشش کیا کرتے تھے، دل کی طہارت جہاں تک ممکن ہے وہ لوگ حاصل کرتے تھے اور اس تطہیر کو انتہا تک پہنچاتے تھے۔ ہاں! طہارت ظاہری میں آسانی اختیار کرتے اور علم کی حد میں رہتے ہوئے اقتصار فرماتے تھے جیسا کہ روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے باوجود اپنے اس علو مرتبت اور منصبِ عالی کے نصاریٰ کے گھڑے کے پانی سے وضو فرمایا ہے حالانکہ یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ ان کے ظروف میں شراب رہا کرتی ہے اور اس ملاوٹ سے شاید ہی کوئی برتن ان کا خالی رہتا ہو کیونکہ ان نصرانیوں کے یہاں شراب ویسے ہی پاک اور حلال ہے جیسے کہ ہم لوگوں کے نزدیک پانی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم زمین پر بغیر مصلیٰ کے نماز ادا فرمالیا کرتے تھے اور ننگے پاؤں راستہ میں چلتے تھے اور ایسا بھی ہوتا کہ صرف ڈھیلوں سے استنجا پاک کرلیا کرتے تھے اور اقتصار کرتے تھے، طہارت ظاہری میں سہولت کی یہ روش ان لوگوں کی تھی اور یہ لوگ ایسا ہی کیا کرتے تھے اور صوفیاء کی روش اور ان کا عمل بھی ایسا ہی ہے مگر آج اپنے بانکپن سے جو محض ان کی جہالت کے سبب سے ہے طہارت ظاہری میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں اور اتنی سختی برتتے ہیں کہ وہ حد علم سے باہر ہو جاتا ہے اور اس کا نام اپنے لئے انہوں نے احتیاط رکھ لیا ہے اگر ذرا بھی ان کے کپڑے میلے گندے ہو جائیں اسی وقت اتار دیں گے حالانکہ وہ پاک ہے باوجود اس کے حال یہ ہے کہ ذرا بھی ان کو باطن کے اعتبار سے پاکی میسر نہیں ہے۔ ان کا باطن بالکل بیکار ہے۔ کدورت اور گندگی سے بھرا ہوا ہے۔ کینہ، بغض، حسد، کبر و عجب، ریا نفاق سے پر ہے۔ اگر کسی کو ننگے پاؤں چلتے ہوئے دیکھیں گے تو اسی وقت اس کو روک دینگے و منع کریں گے۔ حالانکہ شرع میں اس کی اجازت ہے اور منع نہیں ہے اور اس کدورت، حقد، حسد، عجب، کبر، ریا اور نفاق کا کوئی بھی منکر نہیں ہے اور نہ روکنے ٹوکنے والا ہے۔ (حالانکہ) ان گندگیوں سے اس کے دین کی خرابی ہے یہ باتیں جہالت اور کم علمی کی ہیں اور علماء راسخین، صلحائے صادقین کی صحبت میں رہ کر ان کے طور و طریقہ کو نہیں اختیار کرنے کے سبب سے یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

باوضو رہنے کی فضیلت

مجلس شریف میں وضو کرنے اور باوضو رہنے کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور پیغمبر ﷺ نے صبح کی نماز کے وقت حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ اے بلالؓ! تمہارا اسلام میں وہ کون سا مقبول ترین عمل ہے کہ شب معراج میں میں نے اپنے آگے آگے تمہارے نعلین کی آواز سنی ہے۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اسلام میں میرا ایسا بہتر اور مؤثر عمل کوئی نہیں مگر ہاں! جتنی مرتبہ بھی میرا وضو ساقط ہوا میں نے وضو کر لیا اور دو رکعت نماز ادا کر لی۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اسی حدیث شریف کے مطابق صوفیوں کے آداب میں سے یہ ایک ادب ہے کہ ہمیشہ باوضو رہیں کیونکہ وضو مؤمن کا ہتھیار ہے۔ اعضاء اور بدن جب وضو کی حمایت میں ہوتے ہیں تو حدیث ہے کہ شیطان کو یہاں راہ نہیں ملتی اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ روایت کی ہے کہ جس وقت حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آٹھ سال کا تھا مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بچے اگر تجھ سے ہو سکے ہمیشہ باوضو رہا کر "فانه من اتاه الموت و هو على الوضوء اعطى الشهادة" (یعنی جو شخص باوضو ہو اور اسی حالت میں موت آ گئی تو اسے شہادت کا درجہ ملے گا۔) یعنی شہید ہو گا لازم ہے کہ (مریدین) وضو کرنے میں پانی زیادہ صرف نہ کریں جتنا از روئے علم بتایا گیا ہے اسی پر عمل کریں۔ حضرت ابن کعبؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ وہ وضو شیطانی ہے جس کو ولھان (وضو کے شیطان کا نام) وضو میں پانی کے اسراف سے پرہیز کرو اور ابو عبداللہ رود باریؒ نے کہا ہے کہ شیطان ہمیشہ اس فکر میں ہے کہ بنی آدم کے جملہ اعمال میں خلل ڈال کر میں اپنا کام بنا لوں ان سے پانی ہی زیادہ صرف کروا ڈالوں جتنا کہ شرع میں ان کو حکم ہے تو معلوم ہوا کہ سلامتی اسی میں ہے کہ مؤمن حد شرع کے اندر رہیں، نہ اس سے تھوڑا بھی کم کریں اور نہ اس سے آگے بڑھیں۔

وضو میں بات کرنا منع ہے

اس کے بعد مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ وضو کے درمیان گفتگو کرتے ہیں اور بولتے ہیں مگر بولنا نہ چاہئے کیونکہ وضو میں بات کرنا منع ہے۔

وضو جتنا اچھا ہوگا نماز بھی اسی قدر بہتر ہوگی

پہلے تو وضو میں دل کی حاضری چاہئے تاکہ نماز حضور دل کے ساتھ ادا ہو سکے، کہا گیا ہے کہ جتنا حضوری دل وضو میں ہوگا اتنی ہی مقدار میں نماز میں بھی ہوگا جو وضو حضوری دل کے ساتھ کیا جائے گا وہ نماز بھی حضوری دل کے ساتھ ادا ہوگی اور قول ہے کہ "الوضوء انفصال والصلٰوۃ اتصال من لم ینفصل لم یتصل" (وضو غیر اللہ سے علاحدگی کا نام ہے اور نماز اللہ تعالیٰ سے ملنے کا نام ہے چنانچہ جو ماسوی اللہ سے الگ نہیں ہوگا وہ اللہ سے نہیں ملےگا)

وضو غیر اللہ سے دوری اور اللہ سے نزدیکی کا نام ہے

پس چاہئے کہ پہلے وضو میں حضور دل کی کوشش کرے اور غیر کے ساتھ مشغول نہ ہوتا کہ نماز میں حضوری حاصل ہو اور یہ جو کہا گیا "الوضو انفصال" یعنی غیر سے منقطع ہونا اور وہ جو کہا گیا "والصلوٰۃ اتصال" یہ اشارہ اس جانب ہے "لی مع اللّٰہ وقت" (مجھ کو میرے رب کے ساتھ ایک خاص وقت ہے۔) آج کل دیکھنے میں آتا ہے کہ وضو بھی کر رہے ہیں اور لوگوں سے گفتگو بھی ہو رہی ہے جس بات کا خیال رکھنا چاہئے اس کا خیال ہی نہیں رکھتے اور بعض لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھتا ہوں اور حیران رہ جاتا ہوں۔

وضو میں احتیاط

وضو کرنا اس طور پر ہے کہ جب ہاتھ پر پانی ڈالیں تو انگلیوں کے سرے پر ڈالیں اور انگلیوں سے ہوتا ہوا پانی ہاتھ پر آکر کہنی پر گرے اور اس بیان کو اپنے دست مبارک سے عمل کر کے آپ نے بتایا کہ اس طرح دھونا چاہئے اور فرمایا کہ آج کل یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ کہنی سے پانی ڈالتے ہیں اور انگلیوں کی طرف سے گراتے ہیں اور یہ منع ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وضو کرانے کے لئے کہتے ہیں اور پانی دوسرا ڈالتا ہے وہ وضو کرتے ہیں یہ بھی نہیں چاہئے یہ اس لئے کہ اس میں استعانت اور مدد ہوتی ہے۔ ہاں! مگر ایسی صورت ہو کہ کوئی نیکی کمانے کی نیت سے آئے اور سہارا دے اور وضو کرائے تو یہاں پر منع نہیں کرنا چاہئے تاکہ اس کی یہ نیک نیتی پوری ہو جائے اور چند بار زبان مبارک سے اس کلمہ کو دہرایا کہ نماز میں دل کی حضوری کی کیفیت اسی وقت پیدا ہوگی جب وضو بھی اچھی طرح حضوری کی کیفیت کے ساتھ کیا گیا ہو۔



بارہواں باب

نماز کے بیان میں اور جو کچھ اس کے متعلق ہے

مومن کی نماز میں فرشتوں کی ساری عبادتیں مضمر ہیں

مجلس شریف میں دوگانہ کی فضیلت کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس بات کو تو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ آسمان اور زمین میں کتنے ہزار فرشتے ہیں، ہر فرشتہ کے لئے ایک خاص عبادت معین ہے، بعض رکوع میں، بعض سجود میں، ایک کے لئے تحلیل دوسرے کے لئے تسبیح ہے روحوں کی پیدائش سے لے کر جب تک ان کا وجود قائم رہے گا ایک ہی حالت میں سب رہیں گے یعنی جو قیام میں ہے قیام میں، جو رکوع میں ہے وہ رکوع میں، جو قرأت میں ہے وہ قرأت میں جو نشست میں ہے وہ نشست میں، جو سجدہ میں ہے وہ سجدہ میں، جو تسبیح میں ہے وہ تسبیح میں، روز پیدائش سے روز قیامت تک اپنی اپنی حالت میں سب رہیں گے، جتنی قسم کی عبادتیں ہیں سب

کی سب مؤمن کی ایک دوگانہ نماز میں موجود ہیں، یہ دولت حضور ﷺ کی تمنا کی بدولت ملی ہے۔ شب معراج میں جب حضور ﷺ کو آسمان پر لے گئے ہر فرشتہ کو آپ ﷺ نے ایک عبادت میں مشغول دیکھا جو عبادت جس فرشتہ کے لئے مخصوص تھی اس کو دیکھ دیکھ کر رغبت پیدا ہوتی تھی کہ یہ چیزیں ہماری امت میں ہوتیں تو بہتر ہوتا۔ حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کی دلی تمنا پوری کی اور ایک دوگانہ نماز میں کل مختلف عبادتوں کو جمع کر دیا تا کہ جو امتی آپ کا ایک دوگانہ نماز دل سے جب ادا کرے تو گویا اس نے کل فرشتوں کی عبادت کر لی اور جس شان سے فرشتے اس کی پرستش کرتے ہیں اسی شان سے اس (آپ ﷺ کی امت) نے بھی اللہ تعالیٰ کی پرستش کی، دیکھو ایک دوگانہ نماز کو وہ شرف حاصل ہے جس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔

ارکان صلوٰۃ میں امام کی موافقت کی شرعی حیثیت

خاکسار نے عرض کیا کہ اگر امام ومقتدی کی تکبیر کے درمیان تقدیم وتاخیر واقع ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تقدیم وتاخیر تکبیر اول میں یا دوسری تکبیروں میں ہو اگر اول تکبیر میں مقتدی نے امام سے سبقت کی تو اقتدا نہیں ہوگی مناسب یہی ہے کہ نماز کی تمام تکبیروں میں سے کسی تکبیر میں تقدیم وتاخیر نہیں ہو بلکہ مقتدی کو چاہئے کہ تمام ارکان وشرائط میں امام کی موافقت کرے تب متابعت (اقتدا) سمجھی جائے گی۔ امام کے بعد فوراً مقتدی کو بھی تکبیر کہنی چاہئے امام کی موافقت کرے تب متابعت سمجھی جائے گی کسی طرح بھی امام کی مخالفت عمل اور فعل سے نہ ہو۔

شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ اگر امام سر رکوع وسجود سے اٹھالے اور مقتدی نے اس وقت تک تسبیح رکوع وسجود تمام نہیں کیا ہے یہاں پر کیا کرنا چاہئے؟ امام کی موافقت کرے یا تسبیحوں کو تمام کرے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس جگہ امام کی موافقت چاہئے اس لئے کہ موافقت واجب ہے اور رکوع وسجود کی تسبیحیں سنت ہیں مگر اس کے قعدۂ اولی میں تشہد

(التحیات) کے وقت اگر امام اٹھ جائے اور مقتدی نے ابھی تشہد تمام نہیں کیا ہے یہاں پر امام کی موافقت نہ کرے بلکہ تشہد تمام کر کے اٹھے کیونکہ جس طرح موافقت امام کی ضروری اور واجب ہے قرأت تشہد بھی اسی طرح واجب ہے ایک روایت میں ہے کہ پڑھ کر اٹھنے میں دونوں واجب کی ادائیگی ہو جاتی ہے۔

نماز میں نیت کس قدر ہونی چاہئے اور نماز کی درستگی کیسے ہوتی ہے

شیخ کریم الدین نے عرض کیا کہ اگر نیت خالص کرنے میں کچھ دیر ہو تو کیا یہ مناسب ہے کہ نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ نیت خالص کرنا کتنا بڑا کام ہے اسی قدر جاننا کافی ہے کہ ہم فلاں وقت کی نماز پڑھ رہے ہیں اس کے علاوہ زیادہ ہے۔ علم و یقین کے ساتھ بس اتنا سمجھ لے کہ یہ نماز ظہر کی ہے یا عصر کی ہے اس کے بعد نہایت شفقت آمیز لہجہ میں حاضرین مجلس سے فرمایا کہ یہ نمازیں جو تم لوگ ادا کرتے ہو (نماز کا عمل قولی اور فعلی دونوں طرح سے درست ہونا چاہئے) یہ عمل قولی ہے فعلی نہیں ہے اور چاہئے کہ فعل میں اپنے کو درست کرے اس کے بعد قول میں درست کرے۔ نماز میں بہت سی باتیں ہیں جن کو تم ترک کر دیتے ہو، حالانکہ ان کے ترک کر دینے سے بعضوں کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے، سنو! نماز کی ترتیب اس طور پر ہے کہ جب رکوع میں جائے تو تسبیح رکوع کے بعد سمع اللہ کی سین کی ابتداء یہیں سے کرے اور قومہ میں اس کو تمام کرے اور قومہ اس طرح کرے کہ تمام جسم سکون و قرار میں آجائے اسی قیام کی حالت میں اللہ اکبر کی الف سے شروع کرے اور لفظ اللہ مد کے ساتھ کہے اور اکبر کے حرف 'ر' کو سجدہ میں تمام کرے اور جب سجدہ میں جائے تو سجدہ کی تسبیح کے بعد وہیں سے تکبیر کی ابتدا کرے اور جلسے میں ختم کرے دوسرے سجدہ کے قبل والے سجدہ میں بھی جسم کو سکون و قرار دینا چاہئے اسی آداب ترتیب سے نماز ادا کرتا رہے تاکہ کوئی وقت نماز میں ذکر سے خالی نہ جائے، اب اگر کوئی ضروری بات ترک ہوگی اور تکبیرات و تسبیحات اپنے اپنے محل میں ادا نہ ہوں گے تو بعض امام کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ خود امام ظفرؒ فرماتے

ہیں کہ اگر کوئی تکبیر اپنے محل میں ادا نہ ہوئی تو فساد ہوگا اور امام یوسفؒ تعدیل ارکان کو یعنی ہر رکن کو اچھی طرح سے ادا کرنا فرض کہتے ہیں انہیں پر موقوف نہیں علماء کا اسی پر اجماع ہے اور نمازی کے لئے لازم ہے کہ نماز کی کل شرطیں اور تعدیل ارکان بہتر طریقہ سے بجالائے تا کہ کسی کے قول کی رو سے نماز فاسد نہ ہو اور سب کے قول کی رو سے بری الذمہ ہو جائے کیونکہ یہ نہیں معلوم کہ قیامت کے دن کس کا قول معتبر ہوگا بعض لوگ جس کو جائز کہہ رہے ہیں وہ باری تعالیٰ کے یہاں معتبر نہ ہو بلکہ ان کا قول معتبر ہو جو نا جائز کہہ رہے ہیں۔

شیخ معزالدین نے یہاں پر شبہ کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ ہر شخص عمل میں پابند اپنے امام کا ہے جو مذہب اس کے امام کا ہے وہی اس کا ہے دوسرے امام کے قول پر جب اس کا عمل نہیں ہے اور نہ اس نے اس مذہب کو اختیار کیا ہے تو ایسی صورت میں دوسرے امام کا قول اس کے لئے حجت کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اور وہ کیونکر اس پر عمل کر سکتا ہے؟

کسی مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہو تو کیا کرنا چاہئے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ مذہب کا لب لباب یہ ہے کہ جس چیز کے وجوب میں علماء کا اختلاف ہے اس فعل کا کرنا بہتر ہے نہ کرنے سے، ایک امام کے یہاں کوئی امر واجب ہے اس کو اپنے مذہب کے باعث کسی نے ضروری نہ سمجھا اور ترک کیا گو یہ فعل اس کا ناجائز نہیں ہوا مگر در حقیقت اولیت اس نے ترک کی اور احتیاط سے اس نے کام نہیں لیا اس پہلو کے خیال سے اس کا کام کرنا جائز معلوم ہوتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ نماز میں کوئی وقت ذکر سے خالی نہیں گزرنا چاہئے جس طور پر ہم نے کہا ہے اسی طور پر ادا کرے اور کوئی ساعت ذکر سے خالی نہ جائے تکبیر میں تقدیم یا تاخیر کے باعث اگر کوئی بات ترک ہوگی تو اتنا وقت ذکر سے خالی جائے گا اور نماز میں بہت سی باتیں ایسی واقع ہو جاتی ہیں جو داخل بدعت ہیں ان سے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے وہ بدعتیں کیا کیا ہیں؟ یہ ہیں دیکھو!

نماز کی بدعتیں

ہر تسبیح کے لئے ایک فعل متعین ہے جیسے سبحان ربی العظیم ہے اس کو رکوع میں

تمام ہونا چاہئے اور سبحان ربی الاعلیٰ ہے اس کو سجود میں تمام ہونا چاہئے تسبیح کے پوری ہونے سے پہلے سر اٹھادے گا تو یہ بدعت ہوگی بے محل ادا ہونے کی وجہ سے کیونکہ اس قسم کی حرکت بدعت ہے مفسد صلوٰۃ نہیں ہے بہر حال مناسب تو یہ ہے کہ جس طرح سے بزرگان دین نماز پڑھتے ہیں اسی طرح پڑھنا چاہئے ان بزرگوں کا اصول یہ ہے کہ اگر دس پہلو جواز کا ہے اور ایک پہلو فساد کا نظر آئے تو اسی پہلو کا احتیاط کے تقاضہ سے خیال رکھنا چاہئے۔

نماز کے جواز کا مسئلہ

خاکسار نے عرض کیا کہ ترغیب الصلوٰۃ میں اس طور پر لکھا گیا ہے کہ اگر نماز میں نو صورت فساد کی ہو اور ایک جواز کی تو حکم جواز ہی پر ہوگا اس روایت کا کیا جواب ہوگا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب نظر غیر ہے یعنی کسی مؤمن نے اس طرح سے نماز ادا کی کہ دوسرے کی نظر میں نو صورت نماز کے فساد کی پیدا ہوتی ہو اور ایک صورت نماز کے جواز کی تو نماز جائز اس لئے سمجھی جائے گی کہ مؤمن و مسلم پر حسن ظن کرنا احسن ہے۔ سمجھا یہ جائے گا کہ اس نے نماز صحیح پڑھی ہے دیکھنے کی چوک ہے لیکن جس صورت کو ہم نے بیان کیا یہ اپنی ذات کے لئے ہے۔ اس کے بعد فرمایا فی زمانہ بات بڑی چکنی چکنی لوگ کرتے ہیں اور اس کی مشاقی بہت ہے عمل و فعل میں بڑے کچے ہیں۔

پیر کی موافقت نماز میں

لازم تو یہ ہے کہ اپنے کو پیر کے فعل کے موافق درست کریں پہلے نماز ہی سے شروع کرنا چاہئے اور بعض مرید ایسے بھی ہیں کہ اپنے کو پیر کے فعل کے موافق درست کرتے ہیں اور یہی موافقت ان کے لئے اس قدر کافی ہوگئی کہ دوسری جگہ تعلیم و تعلم کی ان کو محتاجی نہیں رہی۔

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ اگر امام ایسا ہے کہ رکوع کے بعد جلدی سے سجدہ میں چلا جاتا ہے اور سجدہ سے فوراً قیام میں چلا جاتا ہے قومہ اور جلسہ جس طرح پر حکم ہے بجا نہیں لاتا ہے ایسی صورت میں مقتدی کو کیا کرنا چاہئے امام کی موافقت کرے یا نہ کرے کیونکہ تعدیل ارکان اور آداب و شرائط بجالانے کا اس کو موقع نہیں ملتا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ایسے امام کے پیچھے حتی الوسع نماز ہی نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ بعض کے قول کے رو سے نماز اس کی فاسد ہوتی ہے تو ایسے کی اقتدا کب جائز ہوگی اگر ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کا اتفاق ہو جائے تو نماز دہرا لینی چاہئے اس کی اقتدا صرف جماعت کی فضیلت کے وجہ سے کی جاسکتی ہے اور اس کی بھی مجبوری ہو کہ سوائے اس کے دوسرا امام بھی نہ ہو۔

امام ارکان نماز میں اگر تعدیل نہیں کرتا ہو تو مقتدی کیا کرے

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ اگر قریب کی مسجد میں امام ایسا ہو کہ شرائط اور تعدیل ارکان بجا نہیں لاتا ہو مگر دین دار اور صالح ہو تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ایسے موقع میں دوسری مسجد میں جانا جائز ہے مگر اس شخص کے لئے جائز ہے جس کے جانے سے مسجد کی جماعت ٹوٹ نہ جائے اگر جماعت کے ٹوٹنے کا خوف ہے تو نہ جائے۔

نماز کو درستگی کے ساتھ ادا کرنی چاہئے

فرمایا کہ آج کل کی امامت کا عجب حال ہے امام لوگ امامت کا مشاہرہ لیتے ہیں اور مشاہرہ لے کر امامت کرنا مکروہ ہے علماء کو خود اس کی فکر نہیں ہے جس طور پر نماز پڑھنا آیا ہے اور بزرگان دین نے نماز پڑھی ہے یہ لوگ نہیں پڑھتے ہیں اس بات کو حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ بار بار تکرار کے ساتھ فرماتے رہے اور چند بار زبان مبارک پر لائے کہ اول اپنے کو عملاً درست کرو اور نماز سے شروع کرو اس زمانہ میں نماز شرائط کے ساتھ کوئی شخص ادا نہیں کر سکتا لیکن جس کو اللہ توفیق دے دیکھو کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ہاتھ زمین پر رکھ کر نہیں اٹھنا چاہئے مگر خواہ مخواہ زمین پر ہاتھ رکھ کر اٹھتے ہیں جب اس کا یہ حال ہے تو تکبیر، قومہ، جلسہ اور تعدیل ارکان کیا پورا ہوگا۔

سجدہ سہو کب لازم آتا ہے

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ اگر پہلے تشہد (قعدہ اولیٰ) میں کسی نے تحیات اور درود

دونوں پڑھ لیا تو کیا حکم ہو گا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر قصداً پڑھا ہے تو نماز جائز ہے مگر نقصان لئے ہوئے ہے یعنی سجدۂ سہو لازم آئے گا اور اگر بھول کر پڑھا ہے تو بھی سجدۂ سہو لازم آئے گا۔ ''اللّٰھم صل علی محمد'' پڑھ لینے سے درود کامل ہو جاتا ہے اور اگر صرف 'اللّٰھم صل' پڑھنے کے بعد یاد آ گیا کہ قعدۂ اولیٰ ہے اس صورت میں سجدہ سہو نہ ہو گا اور درود کے علاوہ اگر دعا بھی سہواً پڑھ لے تو بھی سجدۂ سہو ضروری ہو جائے گا۔

مولانا لطیف الدین نے عرض کیا کہ حضور ﷺ کو جو نماز میں سہو ہوا اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور ایسا بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک بزرگ نے اس کی تمنا کی ہے کاش کے وہ سہو میں میں ہوتا (یعنی اے کاش دیدار الٰہی کی دولت مجھے بھی حاصل ہو جاتی) واللہ اعلم۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ان بزرگوں کا کیا کہنا ہے ان کو جب جب سہو ہوتا تھا تو ادنیٰ مقام سے اعلیٰ مقام کی طرف ترقی فرماتے تھے اور ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف بازگشت ہوتی ہے۔

نماز میں عالم محویت اور مقام وصل ولقا

نقل ہے کہ شب معراج میں جب حضور ﷺ مقام قاب قوسین میں پہنچے تو وہ مقام آپ (ﷺ) کو اچھا معلوم ہوا آپ نے تمنا کی کہ ہم یہیں رہ جاتے اب دنیا میں نہ جاتے تو اچھا تھا۔ حکم ہوا کہ اے میرے رسول (ﷺ) میں نے آپ (ﷺ) کو دنیا میں دعوت خلق کے لئے بھیجا ہے تا کہ آپ (ﷺ) کے ذریعہ سے ان کی مغفرت ہو اور یہ امر تو میرے نزدیک کوئی مشکل نہیں ہے کہ آپ (ﷺ) کو دنیا میں بھی اس مقام کی سیر کرادیا کریں۔ مگر ہاں! آپ (ﷺ) یہاں رہ کر خلق کی دعوت نہیں کر سکتے ہیں۔ اب جب آپ (ﷺ) یہاں سے واپس جائیں گے تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ جب آپ (ﷺ) کو اس مقام کی تمنا پیدا ہو تو آپ (ﷺ) نماز میں کھڑے ہو جائیں اس مقام کی سیر ہو جائے گی واپسی کے بعد یہی ہوتا رہا کہ حضور ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اس وقت اس مقام کا معائنہ اور مشاہدہ ہوتا چونکہ یہ مقام نماز سے اعلیٰ ہے اس لئے اس

کے مطالعہ سے محویت کا غلبہ ہوتا تھا اور یہی محویت باعث سہو ہوتی تھی اس مقام کے مطالعہ (مشاہدہ) کے لئے آپ (ﷺ) کو بیقراری ہوتی تھی تو ''ارحنا یا بلال با لصلوٰۃ ''(اے بلال نماز کے ذریعہ مجھے (ﷺ) راحت پہنچاؤ) فرمایا کرتے تھے۔ رہی وہ بات کہ اس سہو کی تمنا کس بزرگ نے کی ہے اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے کی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ نے کی ہے۔ بزرگوں کا خیال ہے کہ غالباً یہ تمنا حضرت جنید بغدادیؒ نے کی ہوگی۔ یہ احتمال اس لئے ہے کہ اس سہو کی تمنا میں ادب کا پہلو کچھ دینا ہے وہ یہ کہ اس سہو کی تمنا کرنا گویا اس مقام کی تمنا کرنا ہے جس کا تعلق بارگاہ نبوت (ﷺ) سے ہے اور ایسے مقام کی تمنا کرنا گویا اس مقام کی تمنا کرنا ہے ادب کے پہلو کو کمزور کرتا ہے اس کمزوری کی نسبت بہ مقابلہ حضرت صدیق اکبرؓ اگر خواجہ جنید بغدادیؒ کی طرف کی جائے تو زیادہ مناسب ہے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ افضل البشر تھے۔ اس کے بعد قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ اس زمانہ میں لوگ مسجدوں میں نماز ادا کرتے ہیں اور جو اس کے حقوق وشرائط ہیں وہ بجا نہیں لاتے ہیں یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ اس زمانہ کے اماموں کا کیا حال ہے ایسی صورت میں رفقاء کے ساتھ اگر گھر میں نماز جماعت سے پڑھی جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر گھر میں جماعت قائم کرنی عمومی طور پر ہے یعنی خواص وعوام کے اس مکان میں داخل ہونے میں کوئی روکاوٹ نہیں (اذن عام ہے) تو ایسے مقام میں جماعت کرنی ٹھیک ہے کیونکہ ایسی صورت میں جماعت کی فرضیت کا ترک نہیں ہوتا ہے۔ ہاں! وہ جماعت اگر عمومی طور پر نہ ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو ایسی صورت میں جماعت کا ثواب پانے میں بعضوں کا اختلاف ہے اگر چہ جماعت ہی سے ادا کی جائے۔ اگر متفقہ رائے پر جماعت کی فضیلت حاصل کرنا ہے تو ایسا کرنا چاہئے کہ عام امام کے پیچھے نماز ادا کرلے پھر بعد میں احتیاطاً نماز دہرالے اس طرح جماعت کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے گی اور مسجد تک آنے جانے میں جو ثواب ہے وہ بھی مل جائے گا۔ ظاہر ہے اس میں بھی تو الگ سے ثواب ہے۔

علم بلا عمل

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اس زمانے میں لوگ علم حاصل کرتے ہیں مگر اس پر کچھ بھی عمل نہیں کرتے۔ اس علم سے صرف زبان تیار کرتے ہیں ایسا علم کس کام کا اور اس کا کیا فائدہ۔

نماز میں حضوری

لوگ آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ نماز میں دل کی حضوری کیسے حاصل ہو؟

صورت حال یہ ہوتی ہے کہ تسبیح وتکبیر اپنے محل میں ادا نہیں کی جاتی قیام اور قعود میں کیفیت باقی نہیں رہتی اور اس کے حقوق بھی ادا نہیں ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں حضوری قلب حاصل ہو تو کس طرح؟ اس موقع پر حضوری دل کے متعلق ارشاد ہوا کہ بزرگوں کا قول ہے کہ نمازی کو چاہئے کہ کم از کم اتنا حضوری دل حاصل ہو کہ وہ یہ جانے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا ہے کہ ''ولا تقوبوا لصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا کما تقولون'' معنی یہ ہوئے کہ نماز کے پاس نہ جاؤ اس حال میں کہ تم مست ہو۔ مست نہیں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جو تم بولو اسے جانو بھی کہ تم نے کیسی نماز پڑھی ہے۔ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مست جو کچھ پڑھتا ہے اس میں اس کا دل حاضر نہیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ممانعت کی ہے اور غافل بھی جو کہتا ہے اس کے دل کا بھی ایسا ہی حال ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی مست ہی کی طرح ہوتا ہے غرابت التفسیر میں اس آیت شریف کے متعلق مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طویٰ فرما کر فاخلع نعلیک سے یہ فرمایا کہ یہ جملہ بمعنی فاترک بامراتک و غنمک'' یعنی تو الگ ہو جا بیوی اور بکریوں کی فکر سے اور دل سے اس کا خیال نکال دے۔

نماز میں غیر اللہ کی طرف مشغولی

مطلب یہ کہ نماز میں اللہ کو چھوڑ کر دوسری چیز کی فکر ہی مستی ہے اس موقع پر مست کا لفظ اس طرح ہے کہ شراب کی مستی میں دنیاوی امور پر جیسی مشغولی ہوتی ہے، نماز کی غفلت میں بھی ویسا ہی ہوتا ہے اور نماز میں ایسی ہی غیر اللہ کی مشغولی پر آیت مذکورہ ''لا تقربوا

الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ'' کی ممانعت صادق آتی ہے۔

اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ؎

سیل طوفاں و خانہ آشفتہ　　　تو رودگاہ مست گہ خفتہ

(سیلاب وطوفان اور خانہ ویرانی کی فکر، تو، تو انہیں تفکرات میں کبھی سوتا ہے اور کبھی مست و بے خبر ہوتا ہے) پھر شیخ معز الدین نے دو شعر پڑھا ؎

تو دروں نماز و دل بیروں　　　گشتہامی کند بہ مہمانی

ایں چنیں حالت پریشاں را　　　شرم نیاید نماز مے خوانی

(تو نماز میں ہوتا ہے اور تیرا دل نماز سے باہر مہمانی میں لگا رہتا ہے یعنی اپنی اس پریشاں حالی پر اے دل تجھے شرم نہیں آتی پھر بھی تو نماز ادا کر رہا ہے۔)

مدرک تحریمہ کی فضیلت

مجلس شریف میں امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ میں شامل ہونے کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ''کشف المحجوب'' میں مدرک تحریمہ کی فضیلت کے باب میں یہ تذکرہ آ گیا ہے کہ بعضوں کا قول ہے کہ مقتدی مدرک تحریمہ اس وقت ہوتا ہے جب تک امام نے سورۂ فاتحہ نہیں شروع کی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مقتدی مدرک تحریمہ اس وقت تک ہے جب تک امام سورۂ فاتحہ میں ہے لیکن ایک بزرگ نے فرمایا ہے بظاہر جس نے امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ میں شمولیت کی ہے اس کو مدرک نہیں سمجھتا بلکہ میں مدرک تحریمہ اس مقتدی کو سمجھتا ہوں کہ جس کے اندر تحریمہ کے فوت ہونے پر کوئی حسرت وندامت کا احساس ہو جس کے اندر یہ حال نہیں ہے اسی مناسبت سے ایک حکایت بیان فرمائی کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ صبح کی نماز کے وقت سوئے ہوئے تھے شیطان آیا، اس نے جگایا کہا کہ حضرت اٹھئے نماز ادا کیجئے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اے ملعون تیرا کام تو اس کے برعکس ہے اس نے کہا جی ہاں! ہے تو ایسا ہی لیکن میں ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ سوئے رہیں اور تکبیر اولیٰ آپ سے فوت ہو جائے پھر جب آپ اٹھیں تو اپنی حسرت وندامت کا اظہار کریں کہ ایک ہزار تکبیر تحریمہ

باندھنے والوں کا ثواب آپ کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جائے جیسا کہ ایک بار ہو چکا ہے کہ امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ جب آپ سے چھوٹ گئی تو آپ نے اس درجہ حسرت وندامت اور غم واندوہ کا اظہار کیا کہ ایک ہزار تکبیر اولیٰ کا ثواب آپ کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا گیا۔ لہٰذا مجھے خوف ہوا کہ اس دفعہ کہیں پھر تکبیر اولیٰ چھوٹ گئی تو آنجناب کے نامۂ اعمال میں پھر ہزار تکبیر اولیٰ کا ثواب لکھ دیا جائے گا۔ اس لئے ہم نے جگا دیا کہ ایک ہی تکبیر اولیٰ کا ثواب لکھا جائے۔

روایت ہے کہ اگلے لوگوں میں دستور تھا کہ اگر کسی سے تکبیر اولیٰ فوت ہو جاتی تھی تو تین دنوں تک مزاج پرسی کرتے اور کسی سے جماعت چھوٹ جاتی تو سات دنوں تک مزاج پرسی کرتے رہتے تھے۔ اسی سے سمجھنا چاہئے کہ اسلام کیا تھا اور اب کیا ہو گیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ جب یہ فرما رہے تھے تو یہ کلمہ زبان مبارک سے فرمایا کہ ہم لوگ اس درجہ شیطان کے پھندے میں پڑے ہیں کہ نہ اپنی خبر ہے اور نہ ہی اسلام کا کچھ اثر ہے۔ پھر یہ مثنوی زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمایا ؎

ہر دوکان فریب و تلبیس است   دست خوش یافتہ است ابلیس است

تا گرفتہ برشوت از دین نور   رائیگاں دیورا شدہ مزدور

(فریب و تلبیس کی دوکان پھیلا رکھی ہے تیز دستی دکھلا رہا ہے ایسے جیسے خود ابلیس بیٹھا ہو، رشوت میں دین کی روشنی دے چکا ہے، برباد ہو چکا ہے، شیطان کی مزدوری میں لگا ہوا ہے اور فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ ہے) **"سیأتی علی الناس زمان یجتمعون فی المساجد و یصلون ولا فیما بینهم مسلم"** یعنی لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ مسجد میں جمع ہوں گے اور حال یہ ہوگا کہ ایک بھی مسلم نہ ہوگا۔ یہ صفت ہم جیسے نمازیوں کی ہے۔

تحریمہ کا معنی ومفہوم

فرمایا کہ تحریمہ کا اشارہ اس طرف ہے کہ اس عالم کو ترک کر کے ایک دوسرے عالم کو سفر کرتے ہیں اگر چہ صورتاً ترک نہیں ہوتا مگر معناً ترک ہی کرتے ہیں یہ اس لئے کہ عالم سے

مقصوداس کی (دنیاوی) مشغولیتیں ہیں اور تحریمہ ان مشغولیتوں کوحرام کرتا ہے۔ جب کسی نے تحریمہ باندھا تو وہ مشغولی کی چیزوں سے باہر آ گیا (یعنی مشغولیتوں کو اس نے چھوڑ دیا) اس اعتبار سے دنیا کا ترک ہوا۔ بظاہر صورت کا کیا اعتبار ہے اور نماز میں سلام سے اس طرف اشارہ ہے کہ جہاں سفر کیا تھا وہاں سے وطن میں واپس آ گیا۔ یقیناً جب آدمی سفر سے واپس آتا ہے تو سلام کرتا ہے۔

عادت پرستی بت پرستی ہے

مجلس شریف میں عادت وعبادت کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس زمانے میں لوگ نماز رسم و عادت کے طور پر ادا کرتے ہیں جیسے ماں باپ نے اپنے بچوں کو بچپن میں نماز پڑھنا سکھا دیا پڑھنے لگے اور عادی ہو گئے اور بچپن سے بڑھاپے تک اسی عادت کے طور پر ادا کرتے رہتے ہیں۔ عادت سے کون بچا ہوا ہے۔ سب سے بڑا کام عبادت ہے اور عبادت یہ ہے کہ عادت پرستی سے نکل آئے۔ حضرت عین القضاۃ ہمدانیؒ نے متعدد جگہ لکھا ہے کہ عادت پرستی بت پرستی ہے۔

اوقات مکروھہ میں نماز نفل صوفیاء کی نظر میں

اوقات مکروہہ میں نفل نمازوں کا تذکرہ آ گیا۔ نصر اللہ پسر مولانا عالم نے عرض کیا کہ اوقات مکروہہ میں نفل نماز پڑھنا آیا ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا روایت ظاہر کے اعتبار سے مکروہ ہے جیسا کہ فقیہوں کے یہاں لکھا ہوا ہے لیکن حضرات صوفیاء دوگانہ شکر وضو جملہ اوقات میں پڑھتے ہیں اور مریدوں کو پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اور یقیناً ان کے نزدیک اس کی اصلی اور نقلی دلیلیں ہیں۔ اس مناسبت سے ایک حکایت بیان فرمائی گئی کہ ملتان میں حضرت شیخ رکن الدین کے مریدین صبح کی سنت کے قبل دو رکعت نفل نماز ادا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک طالب علم مسجد میں آئے حضرت کے مریدوں کو دیکھا وہ سب آتے ہیں اور سنت سے پہلے نفل میں مشغول ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ متعلم ایک دن حضرت شیخ رکن الدین کی مجلس میں آئے۔ مریدین بھی حاضر تھے اس

متعلم نے حضرت شیخ سے کہا کہ آپ کے مریدین صبح کی سنت سے پہلے نفل پڑھتے ہیں یہ مکروہ ہے ان کو احکام کی اصلاً خبر نہیں۔ شیخ رکن الدین علیہ الرحمۃ والغفران نے فرمایا کہ ہاں! ہم بھی پڑھا کرتے ہیں۔ تم اسے بیہودہ نہ کہو اور دوسری حکایت بیان فرمائی کہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے ایک امی (انپڑھ) مرید تھے ان کو بھی صبح کی سنت سے پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا ایک دن پیر کی خدمت میں آئے اور کہا کہ مجھ کو طلبہ ستاتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں کہ یہ دو رکعت نفل جو صبح سے قبل پڑھتے ہیں کہاں جائز ہے میں انہیں کیا جواب دوں۔ شیخ نے فرمایا آپ یہ جواب دیجئے کہ 'هٰذه صلوٰة العاشقين' (یہ عاشقوں کی نماز ہے)

نماز جمعہ کی اہمیت اور فضیلت

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ شرائط جمعہ کی موجودگی میں جمعہ کی نماز فوت ہو جانے پر جیسا کہ آج کل بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز میں اس درجہ تاخیر کرتے ہیں اور اس وقت ادا کرتے ہیں جب نماز فوت کی حد تک پہنچ جاتی ہے ایسی صورت میں نماز ظہر ادا کرے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز پڑھے پھر کہا کہ اے بھائی کس کو دین کا غم ہے اور اس زمانہ میں کون نماز کے خیال سے مسجد جاتا ہے بلکہ لوگ اس لئے جاتے ہیں کہ بادشاہ کا خطبہ چھوٹنے نہ پائے کاش لوگ جانتے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کو جمعہ چھوٹنے کا غم ہوتا ہے یا یہ کہ آج ہر شخص اپنی اپنی دنیا کے غم میں مبتلا ہے اور دین کا غم سرے سے نہیں ہے۔ اب تو دین کا غم رکھنے والوں کی مشابہت بھی نہیں ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ آج میں بھی جمعہ میں جاتا ہوں تو نیت یہ ہوتی ہے کہ اس سے قبل کچھ دین دار لوگ گزرے ہیں جو جمعہ کے روز نماز کے لئے جایا کرتے تھے اب تو بس اس قدر مشابہت ہے اور بس اسی قدر نیت کی ہمنوائی ہے۔

امت محمدیہ کی خصوصیت

احمد سعید باف نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے قبل خطبہ پڑھا جاتا تھا کہ نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے حضور ﷺ کے قبل خود جمعہ نہیں تھا۔ جمعہ اس امت کے لئے مخصوص ہے اور ماہ رمضان کا روزہ بھی۔ اس سے قبل کسی پیغمبر علیہ السلام کے عہد میں نہ تھا اور ان کے علاوہ کچھ مخصوص چیزیں اس امت کے ساتھ ہیں۔

نماز کی قرأت میں فحش غلطی سے نماز کا کیا حکم ہوگا

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ آج جمعہ کی نماز میں قرأت میں امام نے 'یوم تسیر الجبال والارض بارزۃ' غلط پڑھ دیا قرآن میں اس ترتیب سے ہے 'ویوم تسیر الجبال وتری الارض بارزۃ' اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تغیر ہے لیکن تغیر فاحش نہیں اس لئے جائز ہوگا لہٰذا وسوسہ کے دور ہونے کے لئے اگر ظہر کی نماز پڑھ لیں تو اس میں کوئی نقصان نہیں۔

دعا کی قبولیت کے اوقات

صدرالدین پسر شیخ احمد نے ملخص احیاء العلوم پڑھنا شروع کیا جب ساعت متبرکہ یعنی قبولیت دعا کے اوقات کے ذکر پر پہنچے تو حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہے کہ اس وقت جو دعا بھی کی جائے وہ قبول ہوتی ہے لیکن وہ ساعت مبہم اور پوشیدہ ہے۔ بعض کا قول ہے کہ وہ وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے۔ بعض کے نزدیک خطیب کے منبر سے اتر آنے اور نماز شروع کرنے سے قبل تک کا عرصہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ نماز عصر سے غروب آفتاب تک کا وقفہ ہے۔

مستجاب وقتوں کو مبہم رکھنے کا راز

اس موقع پر خاکسار نے پوچھا کہ وقت کے مبہم رکھنے میں کیا حکمت ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ روضۃ العلماء میں پورے ماہ رمضان میں شب قدر کے مبہم رکھنے کے متعلق حکمت ہے کہ اگر وہ شب معین کر دی جاتی تو ہر شخص دوسری تمام راتوں کو عبادت سے زندہ نہ رکھ کر صرف اسی رات کو جاگ کر عبادت کرتا اس لئے صاحب شرع علیہ السلام نے مبہم رکھا تا کہ اس رات کے پانے کی امید میں ماہ رمضان کی تمام

راتوں کو جاگ کر عبادت کرے اور اگلے بزرگوں کی یہ عادت تھی کہ جمعہ کے دن صبح سے قبل جامع مسجد چلے جاتے اور جمعہ کا پورا دن غروب آفتاب تک جامع مسجد میں گذار دیتے تھے وہ ایسا اسی لئے کرتے تھے کہ وہ مقبولیت دعا کی ساعت جو پورے جمعہ کے دن مبہم ہے اس گھڑی کو پالینے کی امید میں مشغول رہا کریں۔

نوافل جمعہ کی فضیلت اور اس کے پڑھنے کے طریقے

خاکسار نے عرض کیا کہ اگر نماز جمعہ سے پہلے کوئی مسجد چلا جائے اور وہاں رہے یہاں تک خطبہ کا وقت آجائے اور اس درمیان اس کو بہت وقت ملا تو اس وقت میں وہ کیا کرے؟

فرمایا جمعہ کے دن نفل نمازیں منقول ہیں اور اکثر سورتوں کے پڑھنے کے متعلق آیا ہے جیسے سورہ کہف، سورہ طٰہٰ وغیرہ جو دل چاہے اسے پڑھے اور چار رکعت نفل بھی آئی ہے۔ اس ترکیب سے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص پچاس بار پڑھے۔ اس طور سے دوسو بار سورۂ اخلاص پوری نماز میں ہو جائے گی۔

جمعہ کے روز حضور (ﷺ) پر درود بھیجنے کی فضیلت

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن اور شب جمعہ میں حضور اکرم رسول ﷺ پر درود شریف بھیجنے کا بے انتہا ثواب ہے اور اس ثواب کے متعلق بہت ساری خوشخبریاں آئی ہیں۔ چنانچہ اس مختصر سے درود کے متعلق ارشاد ہے کہ اسی (۸۰) بار پڑھا کریں۔ جیسا کہ رسالتمآب ﷺ سے مروی ہے "**من صلی علی فی یوم الجمعة ثمانین مرة غفر الله له ذنوب ثمانین سنة**" یعنی جو کوئی مجھ (ﷺ) پر جمعہ کے دن اسی مرتبہ درود بھیجتا ہے تو حق سبحانہٗ تعالیٰ اس کے اسی سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ دریافت کیا گیا کہ حضور اکرم ﷺ پر درود کس طرح پڑھا جائے ارشاد ہوا "**اللّٰھم صل علی محمد عبدک و حبیبک و رسولک النبی الأمی**"۔

مجلس شریف میں جمعہ کی فضیلت کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا حدیث شریف میں ہے کہ "**ان اللّٰہ عز**

وجل فی کل جمعة ست مائة الف عتق من النار کلهم قد استوجب علیهم النار" یعنی اللہ جلّ شانہٗ ہر جمعہ میں چھ لاکھ ایسے لوگوں کو آگ سے آزادی دیتا ہے جن پر آگ کا وجوب ہو چکا ہو حضرت کعب احبارؓ سے روایت ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں ان میں ایک چیز پر ایک چیز کو فضیلت دی ہے مثلاً تمام شہروں پر شہر مکہ کو فضیلت ہے، تمام مہینوں میں ماہ رمضان کو تمام دنوں میں جمعہ کے دن کو۔ اس موقع پر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ اکثر عوام نماز کے بعد جو سجدہ کرتے ہیں یہ کہاں سے آیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ بعد نماز سجدہ میں جا کر دعا پڑھنے کے لئے سجدہ کیا ہے تو یہ صورت نفل کے لئے ہے پھر عرض کیا کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو دعائے ماثورہ نہ پڑھ کر فارسی میں دعا کرتے ہیں۔ فرمایا فارسی بھی دعاء ہے۔ پھر پوچھا کہ بعض ان میں ایسے ہیں کہ صرف سجدہ کر کے سر اٹھا لیتے ہیں اور کوئی دعاء نہیں کرتے یہ صورت کیسی ہے؟ فرمایا اگر شکر کی نیت سے ایسا کرتے ہیں تو صاحبین (امام محمد و امام یوسف) کے قول پر درست ہے اگرچہ دعا معین نہیں پڑھتے مگر یہ بھی کہا کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد اگر کوئی چاہے کہ دعا پڑھنے کے لئے سجدہ کرے تو آیت سجدہ میں سے بھی ایک آیت پڑھ لے تو غرض (دعاء) بھی حاصل ہو جائے گی (اور سجدہ کا ثواب بھی)۔ پھر عرض کیا کہ سجدہ کرنے کی جگہ کو چومنا کیسا ہے؟

فرمایا کہ اس کے متعلق نہ کچھ سننے میں آیا ہے اور نہ کتابوں میں کہیں دیکھا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا شب برأت میں سجدۂ شوق

پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ شب برأت کی ایک رات رسول اللہ ﷺ حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیچھے پیچھے بیوی ہونے کی نگاہ خاص کے مطابق باہر آئیں۔ دیکھا کہ رسول علیہ السلام سجدہ میں ہیں اور روایت میں یوں ہے کہ اس طرح رسول علیہ السلام سجدہ میں تھے کہ "کالثوب الخلق الساقط" یعنی جیسے پرانے چیتھڑے زمین پر پڑے ہوں اور آپ ﷺ اپنی اسی کیفیت کے ساتھ سجدہ میں عجز و انکسار اور آہ وزاری میں مشغول تھے۔

کھانے کے شکریہ کے لئے نماز

کھانا کھانے کے بعد دو رکعت نماز ادا کرنے کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا (نماز) پڑھنا چاہیئے یہ دو رکعت شکرانہ طعام ہو جائے گی۔ اگلے زمانے میں صرف الحمد للہ کہنے سے شکر طعام ہو جاتا تھا۔ یہ اس لئے کہ ان لوگوں کے عمل میں خلل نہیں تھا۔ جب لوگ کھانے کے بعد الحمد للہ کہہ دیتے تو شکر ادا ہو جاتا لیکن ہم لوگوں کے وقت میں صرف زبان سے کہنا کافی نہیں ہے بلکہ قول کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔

اس کے بعد یہ فرمایا کہ ان دو رکعت نفلوں کا ادا کرنا کسے میسر آئے گا اگر کوئی ادا بھی کرے گا تو اس پر استقامت کیسے رہے گی؟ کیونکہ اگر کسی کو کسی نے اپنے گھر دعوت دی تو اس کا کہاں موقع ہوگا کہ دوگانہ شکرانۂ طعام ادا کر سکے یا ایسی صورت ہو کے خود اس کا کھانا پینا عادت کے طور پر ہے تو اس کو کھانے کا وقت معین کرنا ہوگا تا کہ وہ کھانا کھانے کے بعد اس دوگانہ کی ادائیگی کے لئے مستعدر ہے اور کھانے کے بعد دوگانہ ادا کر سکے۔

تحیۃ المسجد

مجلس شریف میں دوگانہ شکر الوضو اور تحیۃ المسجد کا ذکر آ گیا۔

خاکسار نے کہا کہ اگر کسی نے وضو کیا اور دوگانہ ادا نہ کیا بعد اس کے مسجد چلا گیا تو ایسی صورت میں وہ تحیۃ المسجد ادا کرے یا تحیۃ الوضو؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تحیۃ المسجد ادا کرے کیونکہ یہی دوگانہ دونوں کی جگہ پر شمار ہوگا۔

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ بعض آدمی جب مسجد جاتے ہیں تو جاتے ہی بیٹھ جاتے ہیں اور اس کے بعد تحیۃ المسجد ادا کرتے ہیں (حضور کی) نظر مبارک سے ایسا کہیں گذرا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ دوگانہ تحیۃ الوضو مسجد میں داخل ہوتے ہی مسجد میں بیٹھنے سے قبل ادا کرنا چاہیئے یہ اس لئے کہ یہ دوگانہ تحیۃ المسجد مسجد

کے سلام کے درجہ میں ہے اور سلام کا یہ طریقہ نہیں کہ پہلے بیٹھ لے پھر سلام کرے۔ سلام کا قاعدہ یہ ہے کہ داخل ہونے کے ساتھ ہی سلام کرے۔ تحیۃ المسجد بھی مسجد میں داخل ہونے کے ساتھ ہی بیٹھنے کے قبل ادا کرے۔ اگر مسجد میں جا کر بیٹھ گئے اور اس کے بعد تحیۃ المسجد ادا کیا تو تحیۃ کا ثواب نہ ہوگا۔ ہاں! یہ نماز صرف نفل ہو جائے گی اور یہ قول اکثر علماء کا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ بھی ہے کہ اگر بیٹھنے کے بعد بھی ادا کی تو ادا ہو جائے گی۔

سجدۂ تعظیمی کی اباحیت

مخدوم زادہ نے (اللہ ان کے علم وعمل کو بڑھائے) سراج العارفین کا سبق پڑھنا شروع کیا۔ یہاں تک کے اس حکایت پر پہنچے کہ ایک دن ایک بزرگ زادہ شام وروم کی سیاحت کرتے ہوئے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے یہاں پہنچے تھے اسی وقت ایک شخص حاضر ہوا اور سجدہ کے طور پر سر زمین پر رکھا مسافر نے کہا کہ سجدہ بجز خدا کے اور کسی کے لئے جائز نہیں اور بہت کچھ بولنا شروع کیا اس پر محبوب الٰہی حضرت شیخ نظام الدین نے فرمایا شاید کہ مباح ہو کیونکہ اس کے قبل کے لوگ یعنی رعیت بادشاہ کو بجائے تحیت سجدہ کیا کرتے تھے اور اگلی امت کی تحیۃ بھی سجدہ تھی شاید وہ اباحیت باقی رہ گئی ہو۔ قاضی اشرف الدین نے اس موقع پر عرض کیا کہ جب یہ منسوخ ہو گیا تو پھر مباح کیسے ہوا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کسی چیز کی ضرورتاً منسوخ ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کچھ بھی مشروعیت اس کی باقی نہیں رہی اور یہ جائز ہے کہ کوئی چیز منسوخ ہو گئی ہو اور مشروعیت اس کی کسی صورت میں بھی باقی ہو جیسے ایام بیض کا روزہ اور عاشورہ کے دن کا روزہ کہ جس کی فرضیت منسوخ ہے لیکن اس کے باوجود مشروعیت باقی ہے۔

پھر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ ''کنز المسائل'' میں لکھا ہے کہ خدا کے سوا اور کسی کو سجدہ کرنا کفر ہے اس کا کیا جواب ہوگا؟

فرمایا کہ اگر عبادت کی نیت سے کوئی سجدہ کرے تو کفر ہوگا لیکن تحیۃ اور سلام کی نیت سے ہو تو شاید مباح ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ مولانا نظام الدین مخدوم کے پھوپھی زاد

بھائی نے عرض کیا کہ اس آیۃ میں "ورفع علی العرش و خروا له سجدا" اپنے والد کو اپنے ساتھ تخت پر بیٹھا لیا اور ان کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑے 'له' میں جو ضمیر ہے وہ کس پر عائد ہوتی ہے۔ اگر یوسف پیغمبر کی جانب ہے تو یہ کیونکر ہوا کہ باپ نے بیٹے کو سجدہ کیا اور جناب یعقوب علیہ السلام کی جانب ہے تو خود ظاہر ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر یہ ضمیر یوسف علیہ السلام پر عاید ہو تو اس وجہ سے ہے کہ یہ سنت ہے کہ بزرگ خصوصاً اپنے چھوٹے کو سلام کرے اور اسی لئے شب معراج میں اللہ جل شانہ نے پیغمبر علیہ السلام کو سلام کیا اور کہا السلام علیک ایھا النبی اور ان لوگوں کی شریعت میں سجدہ سلام کی جگہ تھا جیسے ہماری شریعت میں سلام ہے تو اس گفتگو سے کوئی چیز لازم نہیں آتی۔

مسبوق مقتدی کا امام کے سلام سے قبل اٹھنے کی شرعی حیثیت

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ شیخ نظام الدین کے ملفوظ میں ایک حکایت درج ہے کہ ایک بزرگ تھے جو اپنی جگہ سے ایک فقیہ کے پاس پانچوں وقت کی نماز کے لئے آیا کرتے اور پانچوں وقت کی نماز میں ان کی اقتدا کرتے۔ ایک دن وہ بزرگ صبح کی نماز کے لئے آئے امام کو دوسری رکعت میں انہوں نے پایا۔ وہ بزرگ نماز میں شامل ہو گئے اور ان کی اقتدا کی۔ جب امام تشہد کے لئے بیٹھ گئے تو وہ بزرگ امام کے سلام پھیرنے سے قبل اٹھ گئے تا کہ چھوٹی ہوئی پہلی رکعت کو ادا کرلیں بعد اس کے جب نماز سے فارغ ہوئے تو فقیہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ آپ کیوں امام کے سلام پھیرنے سے قبل اٹھ گئے ہوسکتا ہے کہ امام کو نماز میں سہو ہو گیا ہو وہ سجدہ سہو کرے گا تو آپ اس کو نہیں پائیں گے۔ ان بزرگ نے کہا کہ اگر کوئی نور باطن یعنی کشف سے جانتا ہے کہ امام سے سہو نہیں ہوا ہے تو اس کا اٹھ جانا جائز ہے۔ اس پر اس فقیہ نے یہ کہا کہ وہ نور باطن جو شرع کے موافق نہ ہو وہ ظلمت ہے۔ اس واقعہ کے بعد وہ بزرگ پھر کبھی ان کے ساتھ نماز پڑھنے کو نہیں آئے۔ معلوم نہیں کہ ان بزرگ کے پھر نہ آنے میں کیا مصلحت تھی اور اس فقیہ کے یہ کہنے کے کیا معنی تھے کہ جو نور شرع کے موافق نہ ہو وہ ظلمت ہے؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس فقیہ نے جو کچھ کہا کہ وہ باعتبار ظاہر کے کہا

کیونکہ مقتدی سے کوئی چیز نماز میں چھوٹ گئی ہے تو امام سلام پھیر لے تو وہ اٹھ جائے اور جو چیز چھوٹ گئی ہے اسے ادا کر لے اور وہ بزرگ جو سلام کے قبل اٹھ گئے باعتبار ظاہر تو خلاف شرع معلوم ہوتا ہے لیکن معنا موافق شرع ہے یہ اس لئے کے انھوں نے یہ نور باطن سے جان لیا کہ امام سے سہو نہیں ہوا ہے اس علم کے سبب وہ اٹھ گئے اور یہ کہ مسبوق جو امام کے سلام کے بعد اٹھتا ہے اس کا سبب مسبوق کی لاعلمی ہے کیونکہ اسے علم نہیں کہ امام کو کوئی سہو ہوا ہے یا نہیں اور ان بزرگ کو اپنے نور باطن سے معلوم ہو گیا تو معناً موافق شرع ہے گرچہ صورتا مخالف شرع ہے اس سے کیا نقصان پہنچتا ہے اور یہ کہ پھر اس کے بعد وہ نہیں آئے اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ اس فقیہ میں انکار کی ایک صورت انہوں نے دیکھی۔

نماز میں قنوت نازلہ کب پڑھی جائے

مولانا نصیر الدین امام قاضی صفی کی ملخص احیاء العلوم پڑھنے لگے جب اس عبارت پر پہنچے کہ امام شافعی کے نزدیک صبح کی نماز میں دعاء قنوت نازلہ پڑھنا چاہئے۔

اس خاکسار نے عرض کیا کہ مشائخ قنوت نازلہ کب پڑھتے ہیں؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ (عام طور سے) نہیں پڑھتے ہیں مگر اس وقت پڑھتے ہیں جب کوئی اہم کام یا کوئی مہم ان کو درپیش ہوتی ہے تو اپنی اس مہم کے سر ہونے کے لئے پڑھتے ہیں اور وہ اس (حدیث) کی اتباع میں پڑھتے ہیں جس سے کہ امام شافعیؒ نے تمسک کیا ہے اور وہ اس پر محمول ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے ایک مہم میں پڑھا تھا دوسری عام حالتوں میں نہیں پھر عرض کیا کہ اس کی ادائیگی کی شکل کیا ہوگی۔

قنوت نازلہ کیسے پڑھی جائے

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ صبح کی نماز میں دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قومہ میں قنوت پڑھتے ہیں پھر دریافت کیا کہ حاجت براری یا کفایت مہم کے لئے اگر کوئی پڑھنا چاہے اور جماعت میں نہ پڑھ سکے تو تنہا پڑھے یا نہیں؟

فرمایا کہ عام حالات و مشکلات میں آیا ہے (جب کسی جگہ پر تمام مسلمانوں پر کوئی مہم

آپڑے) تو اس وقت امام فجر کی نماز میں پڑھا کرے۔

نماز عشاء سے قبل طعام

مجلس شریف میں نماز عشاء سے قبل کھانا کھا لینے کا ذکر آ گیا کہ اگر نماز عشاء کا وقت کافی اور وسیع ہو تو پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے۔ اس پر خاکسار نے عرض کیا کہ اگر نماز کا وقت وسیع ہے اور کھانا تیار رکھا ہوا ہے لیکن جماعت چھوٹنے کا ڈر ہے تو ایسی صورت میں کیا کرے؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ پہلے نماز جماعت سے پڑھ لے پھر کھانا کھائے۔

سجدہ بلا طہارت کے متعلق مسائل

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص بغیر طہارت کے سجدہ کرتا ہے اور عقیدہ اس پر رکھتا ہے کہ بغیر طہارت کے سجدہ جائز نہیں ہے اس کے باوجود اگر سجدہ کرے تو وہ کفر ہوگا کہ نہیں؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ عقیدہ اس پر رکھتا ہے کہ بغیر طہارت کے سجدہ کرنا منع ہے مگر کسی خاص شرم کی وجہ سے یا کسی دوسرے سبب سے سجدہ میں چلا جائے تو روایت یہ ہے کہ ''لا یکفر'' (کفر نہیں ہوگا) اور جہاں ایسی صورت ہے کہ بغیر طہارت کے سجدہ کرتا ہے اور اس کو یہ زعم ہے کہ بغیر طہارت کے سجدہ جائز ہے تو ایسی صورت میں کافر ہو جائے گا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس سے نص قرآنی کا انکار لازم آتا ہے اور وہ اس کے تحت آ جاتا ہے۔ اس لئے کہ نص ہے کہ سجدہ طہارت کے ساتھ جائز ہے تو جہاں بغیر طہارت کے سجدہ کیا تو وہ قرآن کا منکر ہوا اور قرآن کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ پھر عرض کیا کہ وہ کون سی آیت ہے جس کے رو سے سجدہ کے لئے طہارت فرض ہوئی؟ فرمایا کہ وہ آیت جس سے نماز کے لئے طہارت ثابت ہے سجدہ بھی نماز کا ایک رکن ہے بلکہ نماز اور دوسرے ارکان میں سجدہ کو وہ اہمیت حاصل ہے جو کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ جیسے قیام یا رکوع (یہ نماز کے علاوہ بھی ہے) مگر سجدہ خاص اللہ کے لئے مخصوص ہے کہ خدائے عز و جل کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ جائز نہیں ہے۔ اس کے کسی قول یا فعل کے سلسلہ میں جو کفر کے متعلق لکھا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس

قول یا فعل کے تحت قرآن کے کسی آیت کا انکار ہوتا ہے یا احادیث متواتر کا انکار ہوتا ہو۔اسی بنا پر قول وفعل میں کفر لازم آتا ہے۔

آذاں کے دوران کلمۂ شہادت پر دونوں انگلیوں کا چومنا

خاکسار نے عرض کیا کہ اذاں کے وقت جب مؤذن "اشھد ان محمد ا رسول اللّٰہ" کہتا ہے تو اکثر لوگ دونوں انگلیوں کو چومتے ہیں اور دونوں آنکھوں پر رکھتے ہیں یہ کہاں سے ہے؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کہیں کتابوں میں لکھا ہوا نہیں دیکھا ہے اور جتنی کتابیں ہم نے دیکھیں ہیں اس میں کہیں ہمیں نہیں ملا لیکن تمام شہروں میں یہ عام ہے کہ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔مولانا ضیاء الدین سنامی جو محدث بھی تھے اور مفسر بھی وہ ایک دن وعظ کہہ رہے تھے اور ہم بھی ان کے وعظ میں موجود تھے۔ایک شخص نے اسی سوال کو لکھ کر مولانا کے سامنے پیش کیا۔مولانا نے منبر سے ہی بہ آواز بلند یہ اعلان کیا کہ اس کاغذ میں یہ سوال کیا گیا ہے۔ہم نے یہ مسئلہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا ہے اور نہ ہم تک اس کی کوئی روایت پہنچی ہے لیکن ہم اتنا کہتے ہیں کہ جو شخص یہ عمل کرتا ہے یا کرے تو اس کی آنکھوں میں کوئی مرض پیدا نہیں ہوگا اور نہ وہ نابینا ہوگا۔پھر خاکسار نے عرض کیا کہ اتنا جو انہوں نے کہا یہ کس اعتبار سے کہا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا حضور مقبول ﷺ کے نام کی تعظیم باعث برکت ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کے نام سنے اور انگلیوں کو چومے اور آنکھوں پر ملے تو بے شک یہ ہوسکتا ہے (آنکھ میں مرض نہ ہو)۔

سمع اللہ لمن حمدہ کے 'ہ' کے ترک کرنے سے مفسدہ لاحق ہوتا ہے

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ مولانا قیام الدین جو ظفر آباد کے رہنے والے ہیں۔انہوں نے ایک رسالہ لکھا ہے اس میں مرقوم ہے کہ اگر کوئی شخص "سمع اللہ لمن حمدہ" بغیر 'ہ' کے کہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ایسا کیونکر ہوگا؟ اگر مکمل سمع اللہ لمن حمدہ نہ کہے جب کوئی فساد نہیں ہے تو صرف ضمیر کے ترک سے فساد صلوۃ کیونکر ہوگا؟ اور مفعول کے ضمیر کا حذف کرنا کلام میں جائز ہے تو پھر نماز فاسد کس طرح ہوگی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا فساد صلوٰۃ اس معنی کے رو سے ہوگا کہ 'سمع' کے معنی کیا ہیں؟ سمع بہ معنی ایجاب وقبول کرنے کے ہیں اور حق تعالیٰ اس حمد کو قبول فرماتا ہے جو خاص اللہ کے لئے ہے اور ضمیر یعنی 'ہ' کے ترک سے حمد مطلق ہو جائے گی۔ حمد مطلق خاص اللہ کے لئے نہ ہوگی بلکہ عام ہوگی تو اللہ تعالیٰ حمد مطلق یعنی ہر کسی کے حمد کو قبول نہیں فرماتا بلکہ وہ اس حمد کو قبول فرماتا ہے جو خاص اللہ کے لئے ہی ہو تو ضمیر یعنی 'ہ' کے ترک سے ثناء ثنا نہیں رہی بلکہ عوام الناس کے کلام کے مشابہ ہوگئی اور یہی بنا فساد کی ہے لیکن اصول نحوی کے مطابق اگر مفعول (ہ) کو ترک کیا اور اس کا معنی مراد بھی ملحوظ ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی جائز ہوگی۔

طالب مولیٰ کی اہمیت

مخدوم زادہ (اللہ ان کے علم کو بڑھائے) ''شرح تعرف'' پڑھنے لگے جب اس مقام پر پہنچے کہ اولیاء اللہ کی صفت کیا ہونی چاہئے اور وہ کیسے صف اول میں پہنچتے ہیں؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ صف اول میں ہونا اس طرح ہے کہ طالب تین طرح کے ہیں۔ (۱) طالب دنیا (۲) طالب عقبی اور (۳) طالب مولیٰ۔ تو جو طالب مولیٰ ہے اس کے متعلق کہیں گے کہ وہ صف اول میں ہے اور اس جماعت صوفیاء کے ایک گروہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ جو دنیا کا طلبگار ہے وہ دنیا کا بندہ ہے اور جو عقبیٰ کا خواہش مند ہے وہ عقبیٰ کا بندہ ہے اور جو مولیٰ کا طالب ہے وہ دنیا و عقبیٰ دونوں اس کے غلام ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر یہ شعر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ؎

دنیا است بلا خانہ عقبی ہوس آباد   ما فارغ ازیں ہر دو نہ اینیم نہ انیم

(دنیا بلا و مصیبت کا گھر ہے عقبی ہوس کی جگہ ہے ہم ان دونوں سے ہاتھ اٹھا چکے ہیں نہ اس کے خواہش مند ہیں نہ اس کے۔)

کاچک کا عمل کیا ہے

مخدوم زادہ (اللہ ان کے علم کو بڑھائے) ''سراج العارفین'' پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ اس مقام پر پہنچے کہ ایک شخص سر نیچے اور پاؤں اوپر اٹھائے ہوئے اس طرح سے کہ سر

کی چندیا زمین پر اور پاؤں ہوا میں کیئے ہوئے تلاوت قرآن میں تھا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس عمل کو کا چک کہتے ہیں جسے جوگیوں کی اصطلاح میں کپاری کہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ یہ حالت یک بارگی نہیں ہوتی۔ آہستہ آہستہ بتدریج مشق سے حاصل ہوتی ہے۔ پہلے ایک آیت کی عادت کرتے ہیں پھر دو پھر تین بتدریج بڑھاتے جاتے ہیں یہاں تک کہ بہت دیر تک پڑھتے رہتے ہیں۔ اس نسبت سے ایک حکایت بیان فرمائی کہ شیخ محمد اطالقی، شیخ تمیمی کی نقل بیان کرتے ہیں کہ وہ بھی اسی طور پر ہر رات ایک ختم قرآن کرتے تھے۔ قاضی صدرالدین نے عرض کیا کہ اگر چندیا زمین پر ہو اور پاؤں ہوا میں لیکن سہارا کسی دیوار یا کسی اور چیز کا لے کر ایسا کرے تو اس کے متعلق کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ مجاہدہ کامل اسی وقت ہوگا جب بلا کسی تعلق کے ہو۔ اگر سہارا لے کر کرے تو مجاہدہ نہیں ہوگا۔

اس معنی کی ایک حکایت بیان فرمائی کہ حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیرؒ سے منقول ہے کہ ان تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے نماز معکوس ادا فرمائی ہے۔ ان بزرگوں کا یہ طریقہ تھا کہ کنویں کے کنارے پر جاتے اپنے پاؤں ڈوری سے باندھ دیتے ڈوری کو کنویں کے کنارے منڈیر سے مضبوط کر دیتے اور خود کو الٹا کنواں میں ڈال دیتے پھر نماز معکوس اشارے سے پڑھتے۔

ایک پاؤں پر نماز پڑھنا کیسا ہے

اس کے بعد مخدوم زادہ کا سبق جب اس مقام پر پہنچا کہ نماز ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں۔ ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا منع ہے فرمایا کہ یہ غلط ہے اس طرح بھی جائز ہے لیکن منع یہ ہے کہ نماز کے قیام کی حالت میں ایک پاؤں پر بوجھ ہو بلکہ یہ چاہیئے کے دونوں پاؤں برابر رکھے اس طرح کے ایک پاؤں پر بار نہ ہو دونوں پر برابر بار ہو اور سیدھا کھڑا رہے۔

نماز میں آمین آہستہ کہنے کا حکم

خاکسار نے عرض کیا کہ امام 'ولا الضالین' کے بعد آمین کہے؟ حضرت مخدوم

جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں! کہے لیکن آہستہ کہے (بہ آواز بلند نہیں)۔

وضو، صلوٰۃ الوضو اور ایام بیض کے روزے کی اہمیت

پھر اس خاکسار سے سوال ہوا کہ کیا اکثر اوقات باوضو رہا کرتے ہو اور اس وقت بھی تم باوضو ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جی! باوضو ہوں۔ ارشاد ہوا الحمد للہ۔ پھر پرسش ہوئی کہ باوضو کے بعد دوگانۂ شکر وضو ادا کرتے ہو؟ عرض کیا حضور جی ہاں ادا کرتا ہوں۔ فرمایا الحمد للہ۔ پھر پوچھا گیا ایام بیض کا روزہ رکھتے ہو؟ عرض کیا کہ حضور نہیں۔ ارشاد ہوا کہ آئندہ سے رکھا کیجئے۔ اس لئے کہ یہ روزہ نفس کی اصلاح کرتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ مشائخ کی روش میں یہ داخل ہے کہ وضو ہونے کے باوجود ہر فرض نماز کے بعد تازہ وضو کرتے ہیں۔

مجلس شریف میں مصلیٰ کا ذکر آ گیا۔

مولانا نظام الدین نامی ایک پیر مولانا رکن الدین مرحوم کی مسجد میں حاضر تھے حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک وقت یہی شخص مولانا تقی کے یہاں گئے ہوئے تھے اور وہیں وہ چلہ میں بیٹھے۔ اتفاقاً ایک روز مولانا تقی ان کے یہاں آئے ان کے حجرے میں قدم رکھا۔ عجب اتفاق کہ مولانا تقی کا پاؤں ان کی جائے نماز کے سجدہ کے مقام پر پڑ گیا۔ مولانا تقی الدین نے ایک نعرہ مارا اور بے انتہا حسرت وندامت کا اظہار کیا ان پیر صاحب نے پوچھا آپ نے نعرہ کیوں لگایا۔ مولانا نے فرمایا میرا پاؤں آپ کی جائے نماز کے سجدہ کی جگہ پر پڑ گیا اسی لئے نعرہ زبان سے نکل گیا کیوں کہ جہاں سجدہ کرتے ہیں وہاں پاؤں نہیں رکھنا چاہئے۔

اس موقع پر حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا مولانا تقی الدینؒ کے وہ پیر تھے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے پیر نہیں تھے لیکن بعض کہتے ہیں کہ مولانا سے ہم نے سنا ہے کہ مجھ کو ایک مسافر درویش سے ارادت ہے اس کی تحقیق نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



تیرہواں باب

روزہ اور اس کے متعلقات کے ذکر میں

مجلس شریف میں خاکسار نے عرض کیا کہ ایک حدیث ہے 'الصوم باب العبادات' (روزہ تمام عبادتوں کا دروازہ ہے) روزہ کس طرح باب العبادات ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ اس لئے کہ عبادات کے دروازہ میں داخل ہونے سے اس کا نفس اور اس کی خواہشات مانع ہیں اور روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ نفس پر اس سے چوٹ پڑتی ہے اور خواہشات نفسانی پامال ہوتی ہیں تو یقیناً عبادات کا دروازہ اس روزہ کے ذریعہ کھل جاتا ہے اسی بنا پر پیغمبر ﷺ نے فرمایا 'الصوم باب العبادات' اور بزرگوں کا قول ہے کہ آدمی کے نفس میں شر کے ہزار عضو ہیں وہ سب شیطان کے قبضہ میں ہیں اور شیطان کا ان سب سے تعلق ہے جب آدمی پیٹ کو بھوکا رکھتا ہے تو آدمی اس کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے اور نفس پر ایسا بوجھ اور بار ڈالتا ہے کہ اس سے نفس کے تمام عضو خشک ہو جاتے ہیں اور بھوک کی آگ سے وہ سب جل جاتے ہیں یہاں تک کے شیطان کو بھی اس سے تعلق نہیں رہتا ہے وہ ایسے شخص کے سائے سے بھی بھاگتا ہے اور جب پیٹ بھر لیتا ہے تو آدمی کو لذات وشہوات میں

مبتلا کر دیتا ہے پھر نفس کے ان تمام اعضاء کو تر و تازہ کر دیتا ہے اور شیطان اس پر حاوی ہو جاتا ہے اس طرح یقیناً روزہ عبادات کا دروازہ ہوا۔

حکیم لقمان کا حکیمانہ قول

حکیم لقمان سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے لڑکے کو نصیحت کی کہ اے بیٹے اگر معدہ کھانے سے بھرا ہوتا ہے تو نیند کی فکر ہوتی ہے اور حکمت گم ہو جاتی ہے اور اعضاء عبادات سے درماندگی میں پڑ جاتے ہیں اس لئے بزرگان دین مریدوں کے لئے یہ اچھا نہیں سمجھتے کہ وہ لوگ نفل کے روزے ایک روزہ رکھنے کے بعد دوسرے دن روزہ نہ رکھ کر افطار کریں اور چار روزے کے بعد ایسا (یعنی افطار) کیا کریں۔

صوم وصال کے جواز کی وجہ

شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ صوم وصال منع ہے اس کے لئے رسول ﷺ مخصوص ہیں اگر کوئی دوسرا شخص صوم وصال رکھے تو کیسا ہوگا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی دوسرا شخص نفس کی ریاضت کے لئے رکھے تو جائز ہے اور مشائخ کرام کی کتابوں میں ہے کہ صوم وصال جو منع ہے اس کی تاویل وہ یہ کرتے ہیں کہ یہ بر بنائے شفقت منع ہے۔

پھر شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ اگر دوسروں کے لئے بھی جائز ہوتا تو خصوصیت یعنی مخصوص فرمانے کا کیا فائدہ ہے؟

فرمایا کہ حضرات پیغمبران علیہم السلام کی یہ روش ہے کہ جس عمل کا حکم دیتے ہیں اسے خود کرتے ہیں لیکن اگر ایسا ہے کہ کسی چیز کو خود تو کرتے ہیں لیکن اس کے کرنے کا حکم نہیں دیتے اور اس کو اپنا معمول بناتے ہیں اپنے لئے لازم قرار دیتے ہیں اور اپنے اوپر [illegible] کرتے ہیں تو ایسی چیز دو قسم پر ہے ایک قسم وہ ہے کہ خود کرتے ہیں اور دوسروں کے لئے اس کا [illegible] ہونے چار بیویوں سے زیادہ عورت رکھنا اور اسی طرح کی دوسری چیزیں جو مخصوص ہیں۔

ہے کہ خود تو وہ کرتے ہیں لیکن اس کے کرنے میں بہت زیادہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے اسی سبب

سے شفقت کی بنا پر امت کو اس کے کرنے کا حکم نہیں دیتے اس قسم کو اگر کوئی کرے تو جائز ہوگا صوم وصال میں مشقت بہت زیادہ اٹھانی پڑتی ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''انی لست کاحدکم فانی ابیت عندربی فھو یسقینی و یطعمنی '' (میں تم لوگوں کی طرح نہیں ہوں میری راتیں رب کے پاس گزرتی ہیں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے) اسی سے یہ اصل نکلتی ہے کہ یہاں صوم وصال سے منع کرنا شفقت کی بنا پر ہے کیونکہ علت بیان کی جارہی ہے کہ مجھ کو حق تعالیٰ کھانا اور پینا دیتا ہے یعنی تمہیں یہ طاقت نہیں کہ تم برداشت کرسکو۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ بر بنائے شفقت منع فرمایا۔ میرے لئے ممنوع اسی بنا پر ہے دوسری مثال یہ ہے کہ حضور ﷺ کے پاس جو کچھ صبح کو پہنچتا وہ شام ہوتے ہوتے سب کا سب ختم فرمادیتے کچھ باقی نہیں رہنے دیتے ذرہ ذرہ اپنے پاس سے دور فرما دیتے لیکن امت کو یہ دیکھتے ہوئے کہ ان میں اس کی برداشت کی طاقت نہیں، بر بنائے شفقت ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو درست ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ طریقت یہی طلب کرتی ہے۔ اور اسی سے طریقت کو اختیار کیا ہے اور یہیں پر طریقت شریعت سے جدا ہوتی ہے الشریعة اقوالی وا لطریقة افعالی والحقیقة احوالی شریعت میری گفتگو ہے طریقت میری روش اور میرا کام ہے اور حقیقت میری کیفیت اور میرے احوال ہیں اگر چہ اصل میں ایک ہی ہے پھر فرمایا کہ ہم نے اس کو ایک مکتوب میں کھول کر لکھ دیا ہے اس تقسیم کو وہاں پر دیکھو۔

صوم وصال کی قلیل وکثیر مدت

اور پھر اسی موقع پر جناب موسیٰ علیہ السلام کے چلہ کا ذکر آگیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہتے ہیں کہ ایسا نہیں تھا کہ صبح سے نہیں کھاتے اور مغرب کے وقت کھانا تناول فرمالیتے بلکہ چالیس دن طے فرماتے کہ ان چالیس دنوں میں کچھ بھی نہ کھاتے اور بعض بزرگوں نے بھی زیادہ دنوں تک کھانا نہ کھانے کی کوشش فرمائی ہے اس طرح کہ پہلے ایک رات سے دوسری رات پھر بتدریج اپنے طئے زمانی کو سات

دنوں تک پہنچایا ہے پھر دس روز تک پھر پندرہ روز اور اس طرح چالیس دن تک۔

صوم وصال کے رکھنے والے کی قوت کے اسرار

خواجہ سہیل بن عبداللہ نے اس بارے میں پوچھا کہ جب کوئی چالیس دن میں ایک بار کھاتا ہے تو بھوک کا جوالہ کہاں چلا جاتا ہے؟

فرمایا لطیفۂ نور یعنی نور باطن اس کی آتش گرسنگی (بھوک) کو بجھا دیتی ہے اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف میں فرمایا ہے کہ میں نے بعض صالحین سے یہ سوال کیا تو انہوں نے اس انداز سے جواب دیا کہ اس سے روشنی ملتی ہے کہ ایک شخص جب اللہ جل جلالہٗ کی قربت کی مسرت پاتا ہے تو اس کی بھوک کی آگ کی وہ لہر اس خوشی کے مقابلہ میں بجھ جاتی ہے اور ایسا عام لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے اور بھی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف میں فرمایا ہے مختصر یہ کہ اس سلسلہ میں مجھ تک روزہ کی طئے زمانی کی روایتیں پہنچی ہیں ایسے لوگوں کے متعلق جن کا زمانہ تو پایا ہے لیکن ان کو دیکھا نہیں وہ ایک گاؤں میں رہتے تھے جسے ''بہر'' کہتے ہیں اور انہیں خلیفہ زاہد کہا کرتے تھے کہ وہ ہر مہینے میں صرف ایک بادام کھالیا کرتے اور ہم نے ہرگز یہ نہیں سنا کہ اس امت میں کوئی شخص طئے کے معاملہ اور تقلیل غذا میں اس حد تک پہنچا ہو، ان کے اس کام کی ابتدا اس طرح تھی کہ انہوں نے کھانے کو اس مقدار میں کم کیا کہ ایک تازہ لکڑی خشک ہو جائے اور اسی کو انہوں نے معیار بنایا پھر طئے کیا اور اس درجہ تک پہنچے اور اس کام کو صادق اور کاذب سبھی کر سکتے ہیں صادق اپنی صدق کی قوت سے اور کاذب اپنی خواہشات نفسانی کی طاقت سے جو اس کے باطن میں پوشیدہ ہے وہ اس پر ترک طعام کو آسان کر دیتا ہے وہ یوں کہ اس فعل سے خلق میں خوش نامی ہوگی یہ عین نفاق ہے اللہ اس سے پناہ میں رکھے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ جب یہ فرما رہے تھے تو یہ شعر آپ نے پڑھا ؎

لنکہنت گر ترا کند فربہ   سیر خوردن ترا از لنکہنت بہ

اور صادق وہ ہے کہ طئے پر قادر ہو جاتا ہے اس حال میں کہ اس کی حالت کی کسی کو اطلاع بھی نہیں ہوتی اس کے حال پر لوگ اس وقت مطلع ہوتے ہیں جب وہ ضعیف ہو چکا ہوتا

ہے اسی اخفائے حال سے طئے پر اس کی قوت بہت کچھ زیادہ ہو جاتی ہے یہی صادق کی علامت ہے اور کاذب کے معاملے میں مخلوق کو جتنا زیادہ اس کا علم ہوتا ہے طئے پر قوت بھی اس کی بڑھتی جاتی ہے۔

عیدالضحٰی کی نماز تک نہ کھانے کی شرعی حیثیت

مولانا لطیف الدین نے عرض کیا کہ عیدالضحٰی کے دن پڑھے لکھوں میں یہ بحث تھی کہ آج کے دن نماز ادا کرنے تک کھانے پینے کو روکنا مستحب ہے اسے روزہ کہتے ہیں اس پر روزہ کا اطلاق کس طرح جائز ہوگا کیونکہ روزے کی ماہیئت اور اس کے شرائط موجود نہیں ہیں اور بعض اسے شرعی روزہ کہتے ہیں اور بعض لغوی' کچھ صحیح فیصلہ نہ ہوا ویسے ہی رہ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے کہیں دیکھا ہے اسے روزہ شرعی لکھا ہے اور لغوی بھی، وہاں یہ بحث کی گئی ہے کہ تین قسمیں ہیں ایک قسم صرف لغوی، دوسری قسم صرف شرعی، تیسری قسم لغوی اور شرعی بھی اور تیسری قسم کی مثال اسی روزہ عید سے دی ہے اس میں دونوں وجہیں موجود ہیں لغوی بھی اور شرعی بھی اور لغوی اس سبب سے کہ ایک مقرر گھڑی تک کھانے پینے سے رکنا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور صحیح طور پر شرعی ہونا اس رو سے ہے کہ شرع اس پر وارد ہے اور جس چیز پر شرع وارد ہے وہ الشرع (شرعی) ہوگی اور دوسرے یہ کہ یُثَابُ بِذالک (ثواب پاتا ہے اس کی وجہ سے) لیکن روزہ کی ماہیئت موجود نہیں ہے یہ اس لئے کہ روزہ میں طلوع فجر سے غروب تک کھانے پینے سے رکنا ضروری ہے اور وہ چیزیں یہاں مفقود ہیں اور اس اعتبار سے روزہ اصطلاحی کہنا غلط ہو جاتا ہے۔

ایام خالیہ کی تشریح

پھر مولانا لطیف الدین نے عرض کیا کہ ''کلوا واشربوا هَنِيًّا بما اسلفتم في الايام الخالية'' کھاؤ اور پیو اس چیز کے سبب سے یہ کیسے ہوگا اور اس کا مطلب کیا ہے؟
حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کھاؤ پیو اس چیز کے سبب سے جو گزشتہ ایام میں تم نے بھیجا ہے اس ایام خالیہ سے روزہ کے دن مراد ہیں یعنی روزہ کے ان دنوں میں جب کہ تم

نے کھانا اور پینا ترک کر دیا تھا تو اس کا عوض کیا ہے؟ یہی کہ بہشت میں داخل ہو کھاؤ اور پیو ایام خالیہ یعنی وہ ایام گزشتہ جس میں روزے رکھے گئے۔

مشائخ کے نزدیک روزے کے اقسام

پھر جماعت مشائخ کے روزے کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس طبقہ مشائخ کا روزہ کچھ اور ہی ہے چنانچہ ''احیاء العلوم'' میں روزہ کے تین درجے قرار دیئے ہیں فرمایا ہے اول روزہ عوام کا ہے دوسرا روزہ خاص کا ہے اور تیسرا روزہ اخص الخواص کا اور عوامی روزہ یہ ہے کہ صبح سے کھانے اور پینے اور جماع کرنے سے روزہ کی نیت کے ساتھ روکا جائے اور خواص کا روزہ یہ ہے کہ (ان سب کے ساتھ) جملہ حواس و اعضاء کو گناہوں سے محفوظ رکھا جائے روزہ اخص الخواص یہ ہے کہ دل کی نگرانی کی جائے گرے ہوئے خیالات اور دنیاوی افکار سے اور دل کو پورے طور پر غیر اللہ سے روکے رکھنا چاہیئے یہی روزہ انبیاء اور صدیقین اور مقرب لوگوں کا ہے تو یہ روزہ تو غیر اللہ کے خیال آنے ہی سے افطار ہو جائے گا۔

روزہ کی عارفانہ تعریف

عین القضاۃ ہمدائیؒ کی تمہیدات میں اس عبارت کے ساتھ مرقوم ایک بزرگ کا قول سنا انہوں نے کہا الصوم ھو الغیبة من رویة مادون اللّٰہ لرویة اللّٰہ روزہ اللہ رب العزت کے مشاہدہ کے لئے اس کے ماسوا سے بیگانگی کا نام ہے اور فرمایا ہے اے عزیز! صوموا لرویته وافطروا لرویته (روزہ رکھو اللہ کی رویت کے لئے اور افطار کرو اس کے مشاہدہ میں رہتے ہوئے۔) اس روزہ میں یہی تو کہا گیا ہے کہ ابتداء اس روزے کی خدا کے لئے ہوتی ہے اور اخیر اس کا افطار خدا کے ساتھ ہوتا ہے اور اس طرح بھی کہا ہے کہ ہر آدمی کا روزہ کس چیز سے ہے اور افطار کس چیز کے ساتھ ہے یہی تو دیکھنا ہے؟

روزہ کی انفرادیت کی اہم وجہ

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا بزرگوں کا قول ہے کہ آدم کی اولاد کا کوئی

عمل ایسا نہیں ہے کہ کل قیامت کے دن اس کا عمل لوگوں کے حقوق کا قصاص نہ ہو مگر صرف روزہ قصاص کا عوض نہیں بنے گا کیونکہ خداوند عزوجل قیامت کے روز کہے گا کہ یہ میرے لئے ہے اور اس شکل میں روزہ کسی کا قصاص نہ ہوگا اور بعضوں نے اس حدیث شریف کے بارے میں کہا ہے کہ الصوم لی وانا اجزی به ' (روزہ میرے لئے ہے اور اس کا بدلہ میں دوں گا) اس حدیث میں صوم کی اضافت اپنی طرف کی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ روزہ اخلاق صمدیت میں سے ایک خلق ہے اور تفسیر میں سائحون بمعنی صائمون کہا گیا ہے یہ اس لئے کہ روزہ دار اپنی بھوک اور پیاس کے ذریعہ مشاہدۂ حق کی سیر کرتے ہیں اور انما یوفی الصابرین اجرهم بغیر حساب (بے شک صابروں کو ان کے صبر کا بدلہ بے حساب پورا دیا جائے گا فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین جزاءً بما کانوا یعملون (تو کوئی نفس نہیں جانتا ہے آنکھوں کی اس ٹھنڈک کو جو اس کے لئے مخفی رکھی گئی ہے ان اعمال کے بدلے میں جو اس نے کئے ہیں۔)۔

کیسا روزہ اور کیسے روزہ دار

اس آیت کی تفسیر میں بھی کہا گیا ہے کہ یہ روزہ داروں کے عمل کا بدلہ ہے اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ روزہ کے فوائد بے انتہا ہیں۔ جو احاطہ تحریر اور بیان میں نہیں آسکتے لیکن روزہ کسے نصیب ہے اور روزہ دار کون ہے! حدیث شریف میں ہے کہ کم من صائم حظه من صیامه الجوع و العطش (بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کے روزہ سے ان کے حصہ میں بھوک و پیاس کے علاوہ کچھ نہیں آتا) اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ میں بھوکے رہتے ہیں اور لقمۂ حرام سے افطار کرتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ حلال کھانے سے روزہ رکھتے ہیں اور مسلمانوں کی غیبت کر کے ان کے گوشت سے افطار کرتے ہیں اور خود اہل ظواہر کے نزدیک بھی غیبت اور جھوٹ بولنا روزہ کو توڑ دیتا ہے۔

نوافل روزے کے سلسلہ میں مشائخ کی روش

اس موقع پر شیخ معزالدین نے عرض کیا کہ روزہ میں مشائخ کی کیا روش ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ روزہ میں مشائخ کی روش مختلف ہے۔
بعض وہ ہیں کہ ہمیشہ روزہ میں رہتے ہیں یہاں تک کہ اسی کی برکت سے اللہ جل شانہ کا قرب انہیں حاصل ہے اور بعضوں کی روش یہ رہی ہے کہ ایک دن روزہ رکھتے ہیں اور ایک دن افطار کرتے ہیں اس عمل کی صالحین نے تحسین فرمائی ہے کہ یہ مقام صبر وشکر میں رہنا ہے اور بعض کا عمل یہ ہے کہ دو روز روزہ سے رہتے ہیں اور ایک دن افطار کرتے ہیں یا ایک دن روزہ سے رہتے ہیں اور دو دن افطار کرتے ہیں اور بعضوں کی یہ روش ہے کہ پیر اور جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھتے ہیں اور بقیہ دنوں میں روزہ نہیں رکھتے اور حضرت خواجہ جنید بغدادی کی نقل ہے کہ آپ ہمیشہ روزہ سے رہتے اور جب کوئی آپ کے یہاں آجاتا تو اس کے ساتھ کھانا کھا لیتے اور فرماتے کہ بھائی کا ساتھ دینے کا فضل روزہ کی فضیلت سے کم نہیں ہے اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ نے عوارف میں لکھا ہے کہ میں نے شیخ ابوسعیدؒ کو دیکھا تھا کہ وہ دن میں چند بار کھا لیتے تھے جب کبھی ان کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا تو وہ کھا لیتے اور اس کھا لینے میں ارادہ حق کے موافق کا مشاہدہ کرتے یہ اسی لئے کہ ان کا حال اپنے اللہ کے ساتھ کھانے، پہننے اور تمام تصرفات میں اپنے اختیار سے نہیں ہوتا تھا ہر حال میں وہ اللہ کی مشیت اور ارادہ کے ساتھ قیام کرتے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ جب بیان کی اس حصہ پر پہنچے تو فرمایا کہ یہ حال مجھ کو بہت پسند ہے اور اس کا مقام بہت بلند ہے۔

پھر شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ بعض بزرگوں کی یہ نقل ہے کہ وہ برسوں روزہ رکھتے اور غروب سے پہلے افطار کر لیتے تھے مگر ماہ رمضان میں حسب دستور بعد غروب افطار کرتے یہ صورت کیسی ہے اور اس کے کیا معنی ہوئے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ عوارف میں اس کا جواب لکھا ہے کہ امام ابونصیر سراج نے کہا کہ مشائخ کا ایک گروہ اس سے منکر ہے اپنے علم کی مخالفت کی بنا پر ان کا روزہ اگرچہ نفل ہے لیکن دوسرے مشائخ نے اس شکل کو اچھا سمجھا ہے کیونکہ اس قسم کے لوگوں

کی غرض اپنی اس بھوک سے نفس کوادب دینا ہےاوراس پر بھی تادیب ہے کہ اپنے روزہ کوروزہ دیکھ کر اپنے آپ میں خوش نہ ہوں اور یہ گرچہ ظاہر علم کے خلاف ہےلیکن صدیقوں کی اس میں اپنی نیت ہے جن معاملات کی بنا پر وہ عمل کرتے ہیں تو چاہئے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ معارضہ نہ کیا جائے کیونکہ صدق محمود ہے بعینہٖ جو جیسا ہے اور صادق کو اس کے اپنے صدق میں پناہ حاصل ہے جو جس حال میں ہوتا ہے۔

اس موقع پر زبان گوہر فشاں سے یہ بیت پڑھی گئی ؎

درطلب دوستی صدق ترا رہبر است　　　خواہ بہ زنار کوش خواہ بدستار باش

(دوستی کی راہ میں صدق تیرا رہبر ہے چاہے زنار کی راہ سے جدوجہد کر، چاہے دستار میں رہ) اور فرمایا کہ ''عوارف'' کے مصنف نے بیان فرمایا ہے میرے دل میں ایسا گذرتا ہے کہ نفس روزہ کے حال کو دیکھ کر روزہ کے ثواب کی خوشی نہ محسوس کرے کیونکہ ایسا ارادہ کرنا درست ہے تاکہ نفس کا اس تادیب سے روحانی علاج ہو وہ روزہ کو دیکھ کر نفس کو ثواب کی مسرت کا موقع نہ دے مگران باتوں کے باوجود علم کی موافقت مناسب ہے اور روزہ کو علم کے شرعی حکم کے مقابلہ میں مکمل کرنا اور گذارنا چاہئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا '' ولا تبطلوا اعمالکم '' (مت باطل کرو اپنے اعمال کو)۔



چودہواں باب

حج اور جہاد اور اس کے حکم کے ذکر میں

مجلس شریف میں حج کا تذکرہ آ گیا۔

ترویحہ کا دن تھا حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کی زبان مبارک پر یہ کلمات آئے

"من ادرک الوقوف فقد ادرک الحج و من فاته الوقوف فاته الحج" (جس نے وقوف پایا اس نے حج پایا جس سے وقوف چھوٹا حج چھوٹا)

دردِ دل اور آہ کی قیمت

بار بار یہ فرمایا کہ ارکان حج میں وقوف ایک ایسا رکن ہے اور ہر بار چشم مبارک پُر آب ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک جوان حج میں گیا عرفہ کے دن وہ جوان اللہ کے ساتھ ایسا مستغرق ہوا کہ اس کو خبر بھی نہ ہوئی کہ آج عرفہ کا دن ہے دوسرے دن وہ جوان وقوف و منیٰ میں آیا اور عرفہ کے دن کے افعال ادا کرنے لگا ایک جماعت جو وہاں پر موجود تھی کہنے لگی میاں عرفہ کل ہی گذر گیا آج کیا کر رہے ہو جب اس جوان نے یہ سنا نہایت ملول خاطر و شکستہ دل ہوا اور اسی غم میں دل سے ایک دردناک آہ کھینچی اس مقام پر

ایک عارف بھی حاضر تھے کہا کہ سو حج یا اس سے زیادہ ہم نے کئے ہیں ان سو حج کے عوض میں اپنی اس آہ کو میرے ہاتھ بیچتے ہو؟ اس جوان نے اپنی اس آہ کو ان تمام حج کے عوض بیچ دیا اس کے بعد اسی وقت اس کے سر میں ندا آئی کہ اے جوان اس آہ کو تو نے سستا بیچا اس مقام پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ طاعت جس کے چھوٹ جانے پر حسرت و ندامت ہو اس حسرت وندامت کی بڑی قیمت ہے اس مناسبت سے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ اگلے بزرگوں کو جو نعمتیں حاصل تھیں وہ آپ کو بھی حاصل ہیں؟ فرمایا ہاں! کہا وہ کیا ہیں؟ فرمایا وہ حسرت نایافت ہے (یعنی نہ پانے کی حسرت)۔

حج نہ کرنے کی وعید

مجلس شریف میں اس حدیث شریف کا تذکرہ آ گیا کہ "من لم یحج فلیمت یھودیا او نصرانیا" جس نے حج نہیں کیا تو وہ یہودی یا نصرانی کی طرح مرا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث اس شخص کے حق میں ہے کہ جس پر حج فرض ہوا ہو اور زاد و راحلہ (اخراجات) اور وہ شرائط جو حج کے لئے واجب ہیں ان کی موجودگی کے باوجود بغیر کسی عذر کے حج ادا نہ کرے اور مر جائے تو وہ یہودی اور نصرانی کی صفت پر مرا۔

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ اس سے تو یہی لازم آتا ہے کے اس نے ایک فرض ترک کیا۔ وہ یہودی و نصرانی کیونکر ہو جائے گا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ وعید میں مبالغہ ہے نہ یہ کہ حقیقت میں وہ یہودی و نصرانی ہو جاتا ہے۔

صوفیاء کے نزدیک شرط حج کیا ہے

شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ زاد و راحلہ و اخراجات کی شرط ضعفِ قوت بشری اور راہ کی دوری کی بنا پر ہے اگر کوئی اصحاب توکل ہو اور اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ زاد و راحلہ کے بغیر اللہ پر بھروسہ کر کے متوکلا نکل کھڑا ہو تو کیا ایسے شخص کے حق میں بھی فرض ہوگا گرچہ زاد و

راحلہ نہ رکھتا ہو؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں! ایسے شخص کے حق میں اس گروہ صوفیاء کے مطابق فرض ہوگا اگرچہ زاد و راحلہ نہ ہو تب بھی۔ لیکن ظاہر شرع کے اعتبار سے میں نے ایسا نہیں دیکھا ہے۔

ادائیگی حج کے لئے والدین کی اجازت مشروط نہیں

خاکسار نے عرض کیا کہ اگر کسی کے پاس حج کے اخراجات سفر کا سامان ہو گیا ہے اور اس پر زاد و راحلہ کی موجودگی کے سبب حج فرض ہوا ہو تو ایسی صورت میں ماں باپ کی اجازت شرط ہوگی کہ نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ فرائض کے اقسام میں اصل یہ ہے کہ جب وہ پائے جائیں تو ماں باپ اور دوسروں کا حق ظاہر نہیں ہوتا ہے تو اس موقع پر ان لوگوں کی رضامندی بھی شرط نہ ہوگی جس طرح نماز اور روزہ میں ماں باپ کی رضا شرط نہیں ہے۔

حقیقی حج کے لئے اللہ والوں کے شرائط

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ عین القضاۃ ہمدانیؒ نے تمہیدات میں ارقام فرمایا ہے کہ اے میرے عزیز حج کی ادائیگی ظاہری طور پر ہر شخص کر سکتا ہے لیکن حقیقی حج کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے حج کی راہ میں سونا اور چاندی لٹانا شرط ہے اللہ کی راہ میں جان و دل لٹانے کی ضرورت ہوتی ہے یہ حج تو اسی کو ہے جو جان کے قیود سے نکل چکا ہو "من استطاع الیہ سبیلا" (جس کو اس راہ کی استطاعت ہو) کا مطلب یہی ہے کہا گیا ہے کہ دل طلب کرو اس لئے کہ حج اصل میں دل کا حج ہے کیا تم نے یہ سنا ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ خدا کہاں ہے فقال فی قلوب عبادہ (اپنے بندوں کے دلوں میں) قلب المؤمن بیت اللہ (مومن کا دل اللہ کا گھر ہے) یہی بات ہے لیکن ہوشیار رہنا چاہئے ہرگز اس سے کوئی حلول و اتحاد نہ سمجھ لے کیونکہ اللہ جل شانہ اس سے منزہ و پاک ہے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ جب اس مقام پر پہنچے تو یہ مثنوی زبان مبارک

پر جاری ہوگئی ؎

پیش آں کس بدل شکے نبود — صورت و آئینہ یکے نہ بود
پاک از آنہا کہ غافلاں گفتند — پاک تر ز آنکہ عاقلاں گفتند

(جس نے دل سے مشاہدہ کیا اس کو اس پر کوئی شک نہیں ہوتا ہے کہ صورت و آئینہ ایک نہیں ہے وہ ذات حق اس سے بہت پاک ہے جو غافل دلوں نے کہا ہے اور اس سے اور زیادہ پاک ہے جو عقل کی گتھیاں سلجھانے والوں نے کہا ہے۔)

خواجہ بایزید بسطامیؒ کی حج سے متعلق حکایت

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی گئی۔ نقل ہے کہ خواجہ بایزید بسطامی نے ایک وقت ایک شخص کو دیکھا پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے اس نے کہا بیت اللہ شریف جا رہا ہوں پوچھا کتنی اشرفیاں رکھی ہیں کہا سات فرمایا سات بار میرا طواف کر لو زیارت کعبہ ہو جائے گی۔ اس موقع پر یہ رباعی زبان شکر فشاں سے پڑھی گئی ؎

محراب جہاں جمال رخسارہ ماست — سلطان جہاں در دل بیچارہ ماست
شور و شر و شرک و کفر و توحید و یقیں — در گوشۂ دل ہائے جگر خوارہ ماست

(یہ عالم میرے محبوب کے رخسارہ کا محراب ہے کائنات کا اصلی ماویٰ مجھ بیچارے کے دل کا مطلوب ہے۔ شرک و کفر، توحید و یقیں کے ہنگامے اور شر ہم لوگوں کے خون جگر کا ایک گوشہ اختیار کر چکا ہے۔)

مٹی کے کعبہ کے بجائے دل کے کعبہ کی زیارت

اور حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ عین القضاۃ ہمدانیؒ کے کلمات میں ہے کہ جو مٹی کے کعبہ کے پاس جاتا ہے وہ اپنے کو دیکھتا ہے اور جو کعبہ دل کی زیارت کرتا ہے وہ خدا کو دیکھتا ہے اور یہ مثنوی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی گئی ؎

خلق را ذات چوں نماید رو — بکدام آئینہ در آید رو

(مخلوق پر جب ذات کا جلوہ ہوتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جس طرح سے کہ انعکاس اور

پر تو آئینہ میں آسکے۔)

ارکان حج کی ادائیگی کے صحیح طریقے اور اس کے اسرار

مجلس شریف میں افعال حج کے اسرار کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس گروہ صوفیا کے نزدیک حج کے ہر ایک فعل میں ایک عظیم راز ہے اور وہ سرا نہیں حاصل ہے ایک دفعہ ایک حاجی حضرت جنید بغدادیؒ کے حضور میں آئے حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ نے ان سے پوچھا کہاں سے تشریف لائے ہیں عرض کیا خانہء کعبہ سے پوچھا حج ادا کیا کہا جی! ہاں ارشاد ہوا کیا تم گھر سے نکلے اور وطن سے رحلت کی تو تمام گناہوں سے تم نے رحلت کی یا نہیں؟ کہا کہ نہیں خواجہ جنیدؒ نے فرمایا رحلت نہ ہوئی پھر ارشاد ہوا جب گھر سے چلے اور ایک منزل میں مقام کیا تو اللہ کی راہ سے کوئی مقام اس مقام میں طے کیا کہ نہیں؟ کہا نہیں، ارشاد ہوا تو تم نے منازل طئے نہیں کئے پھر پوچھا میقات میں محرم ہوئے تو صفات بشریت سے جدا ہوئے کہ نہیں؟ جیسے کپڑے اور تمام عادات کو بدلا؟ جواب دیا نہیں، فرمان ہوا تو محرم نہ ہوئے۔ پھر ارشاد ہوا جب عرفات میں وقوف کیا تو کشف میں مشاہدہٴ وقت دیکھنے میں آیا کہ نہیں؟ کہا نہیں فرمان ہوا عرفات میں نہیں کھڑے ہوئے پھر فرمایا کہ جب مزدلفہ میں پہنچے اور تمہاری مراد حاصل ہوئی تو تمام مراد کو ترک کیا کہ نہیں؟ کہا نہیں فرمایا مزدلفہ نہیں پہنچے پھر ارشاد ہوا کہ جب طواف کیا تو خانہٴ سر کو مقام تنزیہہ میں طواف کرتا ہوا جمال حق کے حضور میں دیکھا کہ نہیں؟ کہا نہیں فرمان ہوا طواف نہیں کیا پھر ارشاد ہوا صفا اور مروہ میں جب سعی کی تو صفا کا مقام اور مروہ کا درجہ دیکھا کہ نہیں؟ کہا نہیں، فرمان ہوا ابھی تک سعی بھی نہیں کی پھر ارشاد ہوا جب منیٰ میں پہنچے تو کیا تمہاری جملہ تمنائیں ختم ہو گئیں؟ کہا نہیں، فرمان ہوا کہ منیٰ میں بھی تم نہیں پہنچے۔ پھر ارشاد ہوا کہ جب قربان گاہ میں پہنچے تو خواہشات نفسانی کو قربان کیا؟ کہا نہیں، ارشاد ہوا قربانی بھی تم نے نہیں کی پھر پوچھا گیا کہ جب کنکریاں پھینکیں تو اپنی تمام نفسانی کیفیات کو اپنے اندر سے نکال پھینکا؟ کہا نہیں، ارشاد ہوا کنکریاں بھی نہیں پھینکیں اور حج بھی نہیں کیا پھر جاؤ اور اس طریقہ سے حج کرو تا کہ مقام

ابراہیم تک پہنچ جاؤ۔

اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے ایک مثنوی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی ؎

تا دریں خطۂ تگا پوئی باہمہ خاک باہمہ روئی

مرد کہ خلق زندگی دیں است ہرچہ گفتند مغزاں این ست

جانور کی قربانی کے بجائے جان کی قربانی

اور یہ حکایت بیان فرمائی کہ خواجہ ذوالنون مصری سے منقول ہے فرمایا کہ ایک جوان کو دیکھا کہ چپ چاپ بیٹھا تھا تمام لوگ قربانی میں مشغول تھے میں اس کی طرف دیکھتا رہا کہ کیا کرتا ہے اس نے دعا کی کہ بار خدایا تمام لوگ قربانی میں مشغول ہیں میں چاہتا ہوں کہ اپنے کو تیری درگاہ میں قربان کروں تو میری اس قربانی کو قبول فرما یہ کہا اور چھ انگلیوں سے اشارہ کیا اسی وقت گرا اب جو دیکھتے ہیں تو مردہ تھا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر یہ بیت پڑھی ؎

خوب رویاں چو پردہ برگیرند عاشقاں پیش شاں چنیں میرند

(جب حسین چہرے والے اپنے رخ سے پردہ ہٹا دیتے ہیں تو ان کے عشاق ان کے حسن پر اپنے کو یوں قربان کر دیتے ہیں۔)

حج معذوروں کا جہاد ہے

اس کے بعد مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جس دم مؤمنوں پر جہاد فرض ہوا حضور رسول مقبول ﷺ جہاد کے درجات اور اس کی فضیلت وثواب بیان فرمانے لگے۔ تمام لوگوں پر جہاد کی تمناؤں اور آرزو کا غلبہ ہوا یہاں تک کہ وہ لوگ جو مجبور ومعذور تھے اور جہاد کی قوت وصلاحیت نہیں رکھتے تھے ان کو بھی آرزو پیدا ہوئی کہ کاش ہمیں بھی ایسی قوت واستعداد ہوتی کہ ہم بھی جہاد کرتے اور اس کی فضیلت اور ثواب سے بہرہ ور ہوتے جنہیں جہاد کی طاقت وصلاحیت ہے وہ سب جہاد کریں گے اور اس کے ثواب و درجات اللہ جل شانہٗ سے

پائیں گےاس کے بعد ایک دن تمام معذورین جمع ہوئے اور اکٹھا ہوکر پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہملوگ مجبور و معذور ہیں اپنی جسمانی کمزوریوں اور مجبوریوں کی وجہ کر جہاد میں نہیں جا سکتے (اور اس سبب سے) جہاد کے ثواب اور اس کے درجات سے محروم رہیں گے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جولوگ جہاد کی شرکت سے معذور ہیں وہ حج ادا کریں ان کا حج ان کا جہاد ہے اس فرمان سے سب خوش ہوگئے کہ جہاد کے ثواب سے ہم لوگ بھی محروم نہیں رہے ہمارے لئے ہمارا حج جہاد کی جگہ ہوگیا حج بجالاؤں گا اور اس سے جہاد کا ثواب حاصل کروں گا۔

جمعہ غریبوں کا حج

اس کے بعد معذورین کا ایک دوسرا گروہ جو حج میں جانے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتا تھا وہ غمگین ہوگیا کہ ہم لوگ تو جہاد کے ثواب سے محروم رہے اور حج جو بجائے جہاد ہوگیا ہم اس سے بھی محروم رہ گئے کیونکہ اسکی بھی صلاحیت نہیں ایسے لوگ بھی جمع ہوکر رسول مقبول علیہ السلام کے حضور میں حاضر ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! وہ لوگ جہاد کی طاقت نہیں رکھتے ان کے حق میں حج بجائے جہاد ہوگیا وہ لوگ جہاد کا ثواب حج کے ذریعہ پائیں گے ہم لوگ حج کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے ہمارا حال کیا ہوگا؟ رسول علیہ السلام نے فرمایا "الجمعة حج المساکین" (جمعہ غریبوں کا حج ہے)۔ جو حج میں جانے کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ جمعہ کی نماز ادا کرے اس کا حج یہی ہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی یہ حدیث اسی موقع کی ہے۔

حج اور جہاد کے حقیقی و حکمی فضائل

خاکسار نے عرض کیا کہ حج جو معذوروں کے حق میں جہاد کی جگہ ہوا تو کیا حج کا ثواب جہاد کے ثواب کے برابر ہوگا کہ نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جب حج جہاد کی جگہ پر ہوا اور اسی طرح

جمعہ جو حج کی جگہ پر ہوا تو یہاں ہلکا سا فرق ہوگا اس بنا پر کے حج حقیقتاً جہاد نہیں ہے بلکہ حکماً جہاد ہے تو یہاں پر وہ چیز جو حکماً جہاد ہے اس چیز کے برابر نہ ہوگی جو حقیقی ہے اور حقیقی و حکمی جہاد میں ہوسکتا ہے فرق نہ بھی ہو، یہ اس لئے کہ معذوروں کا یہ ترک جہاد و حج قصداً نہیں ہے بلکہ عذر کے طور پر ہے اور اسی عذر کی بنا پر صاحب شرع حضور اکرم ﷺ نے ان کے حق میں اسے قائم فرمایا کیونکہ عذر کی وجہ سے یہ شرکت جہاد اور ادائے حج اس کے اختیار میں نہیں ہے اور معذور شرکت جہاد و حج کا قصد و ارادہ رکھتا ہے چنانچہ اس قصد کی بناء پر ہوسکتا ہے کہ فرق نہ بھی ہو جیسا کہ جنگ تبوک میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی تھی جو مدینہ میں رہ گئی تھی حالانکہ وہ لوگ جہاد کا قصد رکھتے تھے مگر معذوری کے سبب حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ سے نہ جاسکے اور اپنی اس عدم شرکت پر حسرت و ندامت اور غم کا اظہار کرتے تھے اس پر رسول علیہ السلام نے فرمایا "ما قطعنا و ادیا وما اصابنا شدة الا وهم معنا" یعنی کوئی ایسی وادی نہیں جس سے میں گذرا ہوں اور کوئی ایسی شدت و پریشانی نہیں جو میں نے اٹھائی ہو اس میں یہ لوگ میرے ساتھ میرے شریک نہ ہوں؟ اس حدیث کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اپنے قصد و ارادہ کے حکم کے ماتحت یہ لوگ حضور ﷺ کے ساتھ حضور کی معیت میں رہے اگر چہ معذور تھے لیکن وہ قصد و ارادہ حضور ﷺ کے ساتھ جہاد میں جانے کا رکھتے تھے تو رسول علیہ السلام نے ان معذوروں کو (ان کی نیت کے سبب) راہ طئے کرنے اور دشواری و مشقت اٹھانے کے ثواب و درجات میں اپنے برابر فرمالیا۔

مرد و عورت کے ثواب کا یکساں معیار

اور اسی طرح آیت کریمہ "ان المسلمين والمسلمات الیٰ آخرہٖ" کا معنی بیان کرتے ہوئے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس آیت شریفہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ مومن عورتیں ایک گھر میں جمع ہوئیں اور کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اوامر و نواھی اور دوسرے احکام میں ہم لوگوں کو مردوں کا تابع بنایا ہے جیسے کہ "اقيموا الصلوٰة واتوا الزكوٰة. فاغسلوا وجوهكم. وان كنتم جنبا فاطهروا. فلا تاكلوا الربوا ولا تحرموا طيبات ما احل الله لكم" اور اسی طرح کی دوسری آیتیں۔ اور وہ تمام عورتیں

کہنے لگیں اس سے تو ہم ایسا سمجھتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی جناب میں ہم لوگوں کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے ان میں سے ایک عورت نے کہا کہ تم لوگوں کی جانب سے میں رسول علیہ السلام کی خدمت میں جاتی ہوں۔ اس کے بعد رسول علیہ السلام کی خدمت میں وہ گئیں اور کہا اے اللہ کے رسول میں آپ کی امت کی عورتوں کی جانب سے آپ کی خدمت میں بھیجی گئی ہوں، ایسے احوال کے معاملے میں کہ اس کے بعد قیامت تک اس کے متعلق جو بھی جواب سنے گا خوش ہوگا، اور میری تعریف کرے گا، یارسول اللہ عورتیں پوچھتی ہیں' اللہ کیا عورتوں کا بھی ہے؟ جیسے مردوں کا اللہ ہے، رسول ﷺ کا ارشاد ہوا' بے شک ہے۔ پھر انہوں نے کہا۔ آپ ہم عورتوں کے لئے بھی رسول ہیں، ویسے ہی جیسے مردوں کے لئے ہیں، حضور نے فرمایا۔ ہاں! پھر اس عورت نے کہا۔ لیکن ہم لوگوں کا اللہ کے نزدیک کوئی حصہ نہیں ہے، کیونکہ تمام احکام میں مردوں کو یاد کیا ہے اور ہمیں ان کا تابع بنا کر شامل کیا جاتا ہے رسول خدا خاموش رہے۔ یہاں تک کہ جناب جبرئیل علیہ السلام مؤمن خواتین کی مدح و تعریف لے کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور فرمایا "ان المسلمین و المسلمات الی آخرہ" یعنی سچ ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں اور اسی طرح "والقانتین والقانتات" اطاعت گذار مرد اور اطاعت گذار عورتیں اور اسی طرح "والصادقین والصادقات" سچ کہنے والے مرد اور سچ کہنے والی عورتیں، سلسلے کے آخر تک، پھر کہا گیا "اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما" یعنی عورتوں کو مردوں کا تابع بنا کر جو پہلے ذکر کیا گیا تھا وہ تمام عورتیں طاعت و مغفرت اور تمام شرعی امور میں مردوں کے برابر شمار ہیں۔

اس موقع پر بے شک عورتوں کو کوئی خلل نہ ہو وہ اپنی طاعت میں عذر کے باوجود طاعت کا ثواب ملنے میں مردوں کے برابر شمار کی گئیں۔



پندرہواں باب

اورادووظائف اوردعائیں، نمازنفل اوران کے اوقات کے ذکر میں

وظیفہ پڑھنے اورچھوڑنے پرلعنت کی عالمانہ تاویل

مجلس شریف میں قاضی صدرالدین نے عرض کیا کہ صاحب الورد ملعون کا اطلاق کیسے ہوگا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کو اس طرح محمول کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ رسول علیہ السلام کے عہد مبارک میں ایک جہود تھا جو بہت زیادہ ورد کیا کرتا تھا یہ خبر لوگوں نے رسول علیہ السلام تک پہنچائی اس پر حضور ﷺ نے فرمایا **صاحب الورد ملعون** (ورد کرنے والا خدا کی رحمت سے دور ہے) تو اس میں اشارہ اس جہود کی طرف ہوا' جو ذہن مبارک میں تھا اور دوسری حدیث جو یہ ہے کہ **"تارک الورد ملعون"** (ورد کو جو اس نے ترک کیا وہ بھی ملعون ہے) یہ بھی اسی جہود پر عائد کی گئی ہے کہ جب یہ خبر اس جہود کو پہنچی کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ صاحب الورد ملعون تو جو وردوہ کیا کرتا تھا اسے اس نے ترک کردیا تاکہ اس وعید کے تحت وہ نہ آئے اس کے بعد پھر یہ خبر بھی رسول اللہ ﷺ تک لوگوں نے پہنچائی اس پر ارشاد ہوا تارک الورد ملعون تو یہ اشارہ بھی اسی جھود کی طرف ہوا اور دوسرے اس طور پر محمول کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ لوگ اس کے محتاج ہیں حاجت مندوں کی توجہ اس کی طرف لگی ہوئی ہے اور لوگوں کا کام اسی پر موقوف ہے اور وہ وردوظیفہ میں لگا ہوا ہے لوگ ہیں کہ اس کے انتظار میں پڑے ہیں تو صاحب الورد ملعون کا اشارہ ایسے شخص کی طرف ہوگا اور تارک الورد ملعون کا محمول یوں ہوگا کہ کسی شخص کا وردوظیفہ معمول ہے اور وہ ان اوراد کو بلا عذر ترک کردے تارک الورد ملعون یہاں پر نافذ ہوگا۔

شیخ معزالدین نے عرض کیا کہ اس لعنت سے مراد لعنت مطلق ہے یا لعنت مقید؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ لعنت مطلق مؤمن کے حق میں خود نہیں ہے، لعنت مطلق کفار کے لئے مخصوص ہے، یہاں لعنت مقید مراد ہے، یعنی جو بلا عذر ورد اور وظائف ترک کرتا ہے وہ رحمت سے دور ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر کسی سے ظاہری طور پر ورد یا کوئی عبادت چھوٹ جائے تو اسے چاہئے کہ دل سے مشغول رہے اور اس کے چھوٹ جانے پر حسرت وندامت ہو تو امید ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ اس مشغولی اور حسرت وندامت کی برکت سے اسے بخش دے۔

وردووظائف کے طریقے

قاضی منہاج الدین درون حصاری نے عرض کیا کہ اگر ایسا شخص جس کا معمول ورد ہے اور موقع ایسا ہو کہ لوگوں کی موجودگی میں نہ پڑھ سکے یہاں تک چھوٹ جائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کی موجودگی میں اس لئے نہیں پڑھتا ہے کہ ظاہر ہو جائے گا تو دل سے اللہ کے ساتھ مشغول ہو یعنی دل سے پڑھے، یہ اس لئے کہ جو عبادت پوشیدگی کے ساتھ کی جاتی ہے وہ اس عبادت پر جو ظاہر کر کے کی جاتی ہے فضیلت

رکھتی ہے اس کے بعد خود ہی فرمایا کہ اگر اتنی بھی فرصت نہیں کہ آہستگی سے ادا کرے تو اپنے دل کو حق تعالیٰ کی طرف کرلے یعنی اللہ کی یاد میں رہے اور پھر دوسرے وقت قضا کرلے، کیوں کہ کہا گیا ہے کہ اگر کسی کے رات کا ورد ادا نہ ہوسکا' تو وہ دن کو ادا کرلے رات دن کی اور دن رات کی نیابت کرتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے" وھو الذی جعل الیل و النھار خلیفته لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا" یعنی وہ ایسا خدا ہے کہ رات اور دن کو ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا، یہ اس شخص کے لئے ہے جو چاہے کہ ذکر و ورد اور عمل کے ذریعہ اس کا شکر ادا کرے ذاکر اگر جانے کہ میں پڑھوں گا تو دوسرے لوگ مجھے دیکھ کر میری ہی طرح پڑھیں گے اور ان میں بھی ذکر کی رغبت پیدا ہوگی، تو ایسے موقع پر لوگوں کے درمیان پڑھے، تاکہ لوگ بھی رغبت پاکر پڑھیں۔

ترغیب کے لئے وظیفہ ریا نہیں ہے

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ اگر کسی وظیفہ کے پڑھنے کے بعد یا کسی نماز یا عبادت کے بعد دل میں یہ خیال گزرے کہ لوگ مجھے اچھا خیال کریں گے اور میری تحسین کریں گے' تو یہ صورت کیسی ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر حالت مشغولی تک یہ خطرات پیدا ہوئے ہیں تو اس وقت ان کا اعتبار ہے (یعنی اس کا خیال کیا جائے گا) لیکن مشغولی کے بعد اگر یہ خیال پیدا ہوا ہو تو کوئی خوف کی بات نہیں ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ فرضوں کی ادائیگی میں ریا کا سوال نہیں پیدا ہوتا ہے' لیکن نفلوں میں شروع کرنے کے وقت اور ادائیگی کے اندر اگر ریا کا قصد ہے تو ریا ہوگا لیکن ادائیگی کے بعد اگر اس طرح کی بات پیدا ہو تو سوال ہوتا ہے کہ ریا ہوگا یا نہیں؟ زیادہ لوگوں کا اتفاق اسی پر ہے کہ ریا نہیں ہوگا۔

پابند وظیفہ کو اس کے ناغہ پر بھی ثواب ملتا ہے

مجلس شریف میں ورد و وظیفہ کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ورد اور وظیفے میں یہ فضیلت ہے کہ اگر ورد کرنے والا بیمار ہو جائے یا سفر میں چلا جائے اور وہ اس سے ناغہ ہو جائے تو فرشتہ اس کے

نامۂ اعمال میں ورد کا ثواب اسی طرح لکھتا ہے جس طرح کہ عالم صحت میں اور حالت قیام اور مسکن میں انجام دیتا تھا، یہ اس لئے کہ وہ ورد کا قصد اور اس سے رغبت رکھتا ہے کہ اسے بجا لائے لیکن بیماری کے سبب اور سفر کی زحمتوں کے باعث وہ نہیں ادا کر سکتا ہے قصور قصداً اس کی طرف سے نہیں ہوا۔ ورد و وظیفہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ نہ کرنے پر بھی وہ مستحق ثواب ہے۔

بلا عذر وظیفہ کی پابندی کو ترک کرنے کی وعید

اور خطرہ یہ ہے کہ کسی وظیفے کو اختیار کر لیا اگر بلا کسی عذر کے ترک کرتا ہے تو تارک الورد ملعون کی وعید کے تحت میں آجائے گا، اس کی ایک تاویل یہ بھی ہے کہ اوراد میں ہمیشگی اور استقلال مومنوں کے اخلاق اور عابدوں کے طور طریقہ میں داخل ہے، حدیث شریف میں مرقوم ہے کہ "احب الاعمال الی اللّٰہ ادومھا و ان قل" (سب میں محبوب عمل خدا کی نظر میں وہ ہے جس پر دوام ہو اگر چہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو)۔

حسب استطاعت وظیفہ اختیار کرے

لیکن آدمی کو چاہئے کہ اپنے آپ کو اتنے ہی وظیفہ کا پابند بنائے جتنا کہ اس کی طاقت میں ہو کہ وہ اس کو پابندی کے ساتھ وقت پر ادا کر سکے، ایسا نہ ہو کہ ایک مدت تک کرے پھر گھبرا کر چھوڑ دے یہ تو اچھا نہیں ہوگا، ورنہ اس وعید کے تحت میں آجائے گا "من عبداللّٰہ عبادۃ فترکھا ملالۃ مقتہ اللّٰہ" (جس نے اللہ کی کوئی عبادت کی پھر ملول ہو کر اسے چھوڑ دیا تو گویا اللہ اس سے ناراض ہو گیا) لیکن عارفین نے اوراد کسی مخصوص وقت میں نہیں بلکہ تمام اوقات میں ایک ورد کو خاص کر لیا ہے، اپنے مولا کے لئے اور دنیاوی ضرورتوں کے لئے دنیا میں بہ ضرورت واپس پلٹے ہیں تو گویا اپنے تمام وقت کو انہوں نے خدا ہی کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔

ورد کا نہایت وسیع معنی و مفہوم

اس موقع پر شیخ معزالدین نے عرض کیا کہ ورد کے معنی کیا ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ورد نام ہے دن و رات میں سے کسی مخصوص وقت کا جو بندے پر بار بار گزرتا ہے اور بندہ وہ وقت اللہ کی قربت میں گذارتا ہے۔

اب وہ وقت فرض میں ہو یا نفل میں، تو جب بندہ دن رات میں سے اس وقت میں کوئی خاص عمل کرے، اور اس پر دوام اختیار کرے تو اسی کو ورد کہیں گے اور کہا ہے کہ آسان ترین ورد چار رکعت نماز ادا کرنا، یا تیسوں پارے کی تلاوت کرنا، ہفت سورہ میں سے کسی سورہ کا پڑھنا یا نیک کاموں میں مسلمانوں کی مدد کرنا ہے خلاصہ یہ کہ وقت مقررہ پر عبادت یا کسی چیز کے پڑھنے کو ورد کہتے ہیں۔

مصیبت سے بچنے کی دعاء کب کی جائے؟

مجلس شریف میں دعا کا ذکر آ گیا کہ بلا کے نازل ہونے کے قبل دعا کرنی چاہئے یا بعد میں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اگر بلا نازل ہونے کے بعد دعاء کی جائے تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ اس مصیبت میں آسانی پیدا ہو جائے گی لیکن وہ دعاء بلا کو رد کیسے کرے گی یعنی جو بلا پہنچ چکی وہ نارسیدہ کیسے ہوگی؟

یوں سمجھو کہ ڈھال کا کام اس وقت تک ہے جب تک تیر نہیں لگا ہے اور جب تیر جسم میں آ کر لگ گیا اس وقت روکنے کے لئے کوئی ڈھال اٹھائے تو کیا فائدہ۔ اس مناسبت سے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک وقت بادشاہ نے ایک بزرگ سے کہلا بھیجا کہ فلاں مصیبت نازل ہوئی ہے دعاء کیجئے انہوں نے جواب دیا کہ دعاء کا وقت گذر گیا ہے اب تو صبر و برداشت کی گھڑی ہے کیونکہ دعا بلا اور مصیبت کے آنے سے قبل ہے جب مصیبت آ چکی تو بجز صبر کے کیا چارہ ہے؟

دنیا میں دعاء کی قبولیت سے متعلق حدیث کی تشریح

مجلس شریف میں اس حدیث شریف کا ذکر آ گیا " العبد یدعو والرب یفعل ما یشآء" (بندہ دعاء کرے رب جو چاہے گا کرے گا)۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں! ایسا ہی ہے کہ بندہ دعا کرے مگر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ دعا ضرور قبول ہو ہی جائے جو اللہ چاہتا ہے کرتا ہے اگر کوئی یہاں پر یہ وارد کرے

کہ یہ نص قرآنی کے مخالف ہے کیونکہ نص اسی طرح ہے "ادعونی استجب لکم" (تم ہم سے مانگو ہم قبول کرینگے) اس نص سے یہ ظاہر ہے کہ دعا کرے تو دعاء ضرور قبول ہوگی کیوں کہ قبولیت کا وعدہ ہے اور وعدہ میں خلاف ورزی نہیں ہوتی اس لئے کہ وعدہ کی بنا پر اجابت لازم آتی ہے اس کے بعد خود جواب ارشاد فرمایا کہ اس آیت شریف میں بعضوں کے قول کے مطابق مشیت پوشیدہ ہے یعنی "استجب لکم ان شئتُ" (ہم تمہاری دعاء قبول کریں گے اگر ہم چاہیں) تو یہ آیت جو نازل ہوئی حدیث شریف اس آیت کے موافق ہے لیکن اس قول کی بنا پر جو لوگ استجب کو مطلق مانتے ہیں مشیت کو اس میں مضمر نہیں مانتے ہیں کہتے ہیں کہ اجمالاً اجابت مراد ہے ان مطالب میں سے جو مانگنے والا چاہتا ہے حق تعالیٰ یا تو اسی وقت دے دیتا ہے یا اس کے عوض اس کے حق میں ذخیرہ بناتا ہے یہاں تک کہ منقول ہے کہ کل روز قیامت اللہ تبارک وتعالیٰ ایک شخص کو درجات کرامت عطا کرے گا۔ حالانکہ اس بندے کا ویسا عمل نہ ہوگا وہ کہے گا اے میرے اللہ میں نے دنیا میں کوئی ایسا عمل نہیں کیا ہے جس کے عوض میں انعام پاؤں فرمان رب ہوگا تو نے دعا کی تھی اس کو میں نے تیرے لئے جمع کر رکھا تھا۔

قاضی خان نے عرض کیا کہ اگر کوئی اس پر اصرار کرے کہ مشیت کی اس حدیث کو مطلق قول پر منطبق کیا جائے، تو اس کا کیا جواب ہوگا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث میں مشیت کا تذکرہ نفس اجابت کے سلسلے میں نہیں ہے بلکہ یوں کہا جائے گا کہ اللہ چاہے تو اسے دنیا میں عطا کردے یا وہ چاہے تو کل قیامت کے روز کے لئے ذخیرہ بنادے "عملا تقدیر لامکان" (عملی طور پر امکان کو مقدر ماننے کی صورت یہی ہوگی)

دعاء کی قبولیت کا علٰحدہ علٰحدہ معیار

اس کے بعد فرمایا ارباب طریقت دعا کے باب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں عوام الناس کی دعا اقوال کے ذریعہ ہے اور زاہدوں کی دعا افعال سے ہے، عارفوں کی دعا احوال سے ہے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ دعا کے لئے مبتدیوں کی زبان کھلی ہوئی ہے مگر

محققوں کی زبان دعا سے گنگ ہوتی ہے یہ اس لئے کہ محققین صاحب مشاہدہ ہیں اور وہ مشاہدہ میں فنا ہیں اور جو فانی ہوتا ہے اس کے پاس زبان کہاں کہ دعا کرے بعضوں کی دعا ان کے احوال کے ذریعہ ہوتی ہے اور اس کے بعد یہ نظم زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمائی۔ بیت ؎

قائل او پس تو گنگ باش و مگوئے　　　طالب او پس تو گنگ باش و مجوئے

(تو اس کا ذاکر ہے تو تیری زبان گنگ ہونی چاہئے اس کے علاوہ کچھ اور مت کہہ' تو اس کا طالب ہے تو پھر تو گونگا ہو کر رہ اس کے علاوہ کچھ اور مت تلاش کر۔)

اور فرمایا کہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ دعا کا فائدہ اپنی ضرورت کو اپنے خدا کے سامنے رکھنا ہے، ورنہ خدا تو وہی کرتا ہے جو بندے کو چاہئے۔

دعاء اور اس کی قبولیت کے متعدد نکات و واقعات

ایک بزرگ نے کہا ہے کہ دعا کرنے کی توفیق دینا گویا اللہ تعالےٰ کی بخشش کا ایک جزو ہے، جیسا کہ خواجہ کنانیؒ نے فرمایا ہے اللہ جلّ شانہٗ مؤمن کی زبان عذر خواہی کے لئے اسی وقت کھلواتا ہے جبکہ اس کے لئے مغفرت کا در کھول دیتا ہے اور عرفا میں سے ایک عارف نے فرمایا ہے کہ دعا اللہ جلّ شانہٗ کے در پر حاضری کا موجب ہوتا ہے اور بخشش و عطا اس کے در سے ہٹ جانے کا سبب ہوتا ہے تو دعا کے ذریعہ اس کے در پر پڑا رہنا عطا کے ذریعہ اس کے در سے ہٹ جانے سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور امام شبلیؒ سے منقول ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ سے زبان کھول کر دعا کرنا ترک ادب ہے اس کی تاویل کی گئی ہے کہا گیا ہے کہ ایسا مطلقاً نہیں ہے یہ قول بعض حالتوں اور بعض چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے دعا کرنے کا حکم فرمایا ہے مگر دعا کے لئے زبان کو بند رکھنا جیسا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے دنیاوی حاجتوں میں زبان کھولنے سے اپنے کو روک رکھا تھا تو اس کے متعلق یہ جاننا چاہئے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو مقام قرب عطا فرمایا اور ان کو خصوصی طور پر مانگنے کا اذن دیا "وقال اطلب منی و لو ملحا لعجینک" یعنی اے موسیٰ اگر تم کو آٹا کے لئے نمک درکار ہو تو وہ ہم سے مانگو تو جب شوخ کیا تو شوخ ہو گئے کہا "رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر

(یعنی اے اللہ آپ نے جو بھی خیر مجھ پر نازل فرمایا ہے بیشک میں اس کا سب سے زیادہ محتاج ہوں) یعنی جب موسیٰ علیہ السلام جناب شعیب علیہ السلام کے بھیڑوں کو پانی پلا کر فارغ ہوئے تو ایک درخت کے سایہ میں آ کر زمین پر لیٹ گئے بھوک اور پیاس سے تنگ آ کر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یہ پرسوز جملہ بطور دعا فرمایا تھا یہ اس لئے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام اس سے قبل رب کی حشمت کو اختیار کئے ہوئے تھے اس رب العزت سے آخروی حاجت چاہتے تھے اور دنیوی حاجتوں کی کمتری کے سبب اللہ جلّ شانہٗ کو اس سے کہیں بزرگ و برتر جانتے تھے کہ ایسے جلیل القدر با حشمت سے حقیر حاجتیں مانگی جائیں اور وہ حقیر چیزوں کے سوال سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حشمت کے حجاب میں تھے اور اس کی مثال دنیاوی مشاہدات میں بھی ملتی ہے جیسا کہ بڑے بادشاہوں سے بڑی چیزیں مانگی جاتی ہیں حقیر چیزوں کی طلب اس کی حشمت (مرتبہ) کے سبب اس سے نہیں کرتے اور جس وقت بساط حشمت اٹھا دیتے ہیں تو اس کو مقام خاص میں لے آتے ہیں اور اس وقت حقیر بھی اس کے لئے ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسے بڑی چیز اور پھر حقیر چیزیں بھی اسی طرح مانگتے ہیں جیسے بڑی چیزیں۔

دعاء کرنے کے مسئلہ میں بزرگوں کا اختلاف

اس کے بعد فرمایا کہ دعا کے مسئلہ میں بزرگوں میں اختلاف ہے یعنی دعا کرنا افضل ہے یا خاموش رہنا، بعض کہتے ہیں کہ اپنے لئے دعا کرنا عبادت ہے تو دعا کرنا افضل ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ خاموش رہنا افضل ہے اور اس حکم کے تحت ہے جو جاری ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اختیار سے جو پہلے مقدر ہو چکا ہے اس پر راضی رہنا دعا کرنے سے اولیٰ تر ہے اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دونوں کے محل مختلف ہیں۔ بعض احوال میں خاموش رہنے سے دعا کرنا افضل ہے اور بعض احوال میں خاموش رہنا دعا کرنے سے افضل ہے اور اس میں ان لوگوں نے فرق بھی کیا ہے کہتے ہیں کہ اگر دعا کے لئے دل میں انبساطی کیفیت پائے تو دعا کرنا ایسے حال میں اولیٰ تر ہے اور اگر اپنے دل میں زجر کی کیفیت یا انقباضی کیفیت پائے تو دعا کا ترک بہتر ہے اور اگر ان دونوں میں کوئی نہ ہو تو دعا اور ترک دونوں برابر ہے یہاں پر کہتے ہیں کہ

ایسے وقت میں ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اگر اس وقت علم اور منقول (قرآن وحدیث) غالب ہے تو دعا کرنا اولیٰ ہے یہ اس لئے کہ دعا کرنا عبادت ہے اور اگر اس وقت معرفت اور حال کا غلبہ ہے تو خاموش رہنا بہتر ہے۔

کسی بلا کے مقدر ہونے کے بعد دعاء کا کیا فائدہ؟

اس موقع پر ایک عزیز نے عرض کیا کہ جب تقدیر میں جو مقدر ہو چکا ہے وہ ٹل نہیں سکتا تو پھر دعا کا کیا فائدہ ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ دعاء سے بلا کا ٹل جانا یہ بھی تو قضا ہی ہے یعنی یہ بھی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور دعا رد بلا کا سبب ہوئی اور حصول رحمت کا ذریعہ، جیسے ڈھال تیر کے روکنے کا سبب ہے اور تیر کا ڈھال کے سبب سے رکنا یہ بھی پہلے ہی مقدر ہو چکا ہے تو بندہ کی بندگی کی جو شان ہے وہ کرنا چاہئے بندگی کا ترک جائز نہیں ہے اور شریعت پر عمل کرنا بندگی ہے اور شرع یہ ہے کہ جو تمہیں حکم دیا گیا ہے اسے بجالاؤ لیکن ہوگا وہی جو تقدیر میں ہے۔

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ جب تک مکہ میں تھے اصحاب رسول اللہ ﷺ حضور کی نگہداشت اور حفاظت کا خیال رکھتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی **واللہ یعصمک من الناس** یعنی حق تعالیٰ آپ کی نگرانی اور حفاظت کرے گا کوئی شخص آپ کو قتل نہیں کر سکے گا اس وقت آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ آپ لوگ میری حفاظت نہ کریں کیونکہ خداوند تعالیٰ نے دشمنوں سے میری حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے جب مدینہ میں ہجرت فرما کر تشریف فرما تھے آیت قتال نازل ہوئی کفار سے جنگ کے لئے تشریف لے گئے تو زرہ زیب تن فرمائی صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ جلّ شانہٗ نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کو کوئی قتل نہیں کر سکے گا یہ دو زرہ پہننا کس غرض سے ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ہے وہی لیکن یہ ادائے بندگی ہے۔ اسی موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ مثنوی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی ؎

یوسفے تو ہنوز در چاہ است   کشتہ ہنگام افسردہ کاہ است

قعرنا دیدہ ماہ کئے شود او بندہ نا بود شاہ کئے بود او

(تیرا یوسف ابھی تک کنویں میں ہے وقت کا مارا ہوا ہے سوکھی گھانس ہے جس نے ابھی قعر نہیں دیکھا ہے وہ ماہ تاباں کب ہوسکتا ہے جب تک بندہ نہ ہو شاہ کیسے ہوگا۔)

دعاء کے سلیقے اور آداب

مجلس شریف میں آداب دعا کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ دعا میں آداب یہ ہے کہ جب کوئی حاجت اللہ سے طلب کرے اور اس کی قبولیت میں دیر ہو تو اللہ پر اتہام نہ رکھے اور یہ سمجھے کہ بھلائی اسی میں ہے اور جب سوال کرے تو واجب ہے کہ عجلت نہ کرے اور اس پر وثوق رکھے کہ مقسوم (قسمت) میں جو ہے وہ ہو کر رہے گا اور دوسرے یہ بھی سمجھے کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ نے جو اختیار فرمایا ہے وہ میرے چاہنے سے بہتر ہے۔

قبولیتِ دعاء کے اوقات

بزرگوں نے کہا ہے کہ یہ چار اوقات قبولیت دعا کے لئے زیادہ امیدوار رہنے کے ہیں ایک صبح کے وقت دوسرے غروب آفتاب کے وقت تیسرے اذان اور اقامت کے درمیان اور مواسم کی راتوں اور اس کی سحر میں جیسے شب قدر اور شب برأت اور اسی طرح متبرک دنوں میں جیسے جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن اور عاشورہ کے دن وغیرہ

عاشورہ کا مقبول بارگاہ وظیفہ اور نماز

عاشورہ کا دن تھا بہت کافی لوگ قدمبوسی کے لئے آئے ہوئے تھے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے حاضرین مجلس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آج کے دن ایک ہزار بار "قل ھو اللہ احد" (سورہء اخلاص) پڑھنا چاہئے اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے وہ جو طلب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجتوں کو پورا کرے گا اور آج کے دن چار رکعت نماز برائے خوشنودیٔ خصمان (یعنی دعویداروں کو خوش کرنے کے لئے) پڑھنا چاہئے اس ترکیب سے کہ پہلی رکعت میں بعد سورہء فاتحہ گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص اور دوسری رکعت بعد سورہء فاتحہ سورۂ

کافرون تین مرتبہ اور سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ اور تیسری رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ الھکم التکاثر ایک بار اور سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ اور چوتھی رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ آیۃ الکرسی تین بار اور سورۂ اخلاص پچیس مرتبہ جو شخص اس نماز کو ادا کرے گا اللہ جل شانہٗ قبر کی سختیوں سے اسے نجات دے گا اور اس کے دعویداروں اور حق داروں کو خوشنود فرمائے گا۔

عاشورہ والی نماز کی اہمیت

یہ نماز حضور رسالت پناہ ﷺ سے مروی ہے کہ سال میں چھ روز اسے ادا کیا کرتے عاشورہ کے دن ترویہ کے دن عرفہ کے دن عید الضحیٰ کے دن ماہ شعبان کی پندرہویں تاریخ اور ماہ رمضان کے آخری جمعہ کو اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص خسرپورہ کے کٹرہ میں ملک صفدر نامی اپنے بھانجے کے ساتھ رہتے تھے وہ ہر رات کو یہ خواب دیکھتے کہ گویا قیامت قائم ہے اور خلائق کا ہجوم ہے اور اس کے تمام دعویداران اس پر دعویٰ کرتے ہیں اور اسی طرح جملہ احوال قیامت خواب میں دیکھتے یہاں تک کہ ایک زمانہ گذر گیا ایک عرصہ بعد وہ ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان خوابوں کو ان کے روبرو بیان کیا ان بزرگ نے فرمایا کہ چار رکعت نماز برائے خوشنودئ خصمان ادا کرو انہوں نے ایسا ہی کیا یعنی اسی طرح چار رکعت ادا کی اس کے بعد انہیں پھر اس قسم کے خواب نظر نہ آئے۔

انتقال شدہ ناراض لوگوں کی خوشنودی کے طریقے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا سالک کے لئے دعویداران اس کے دامن کے کانٹے ہیں اور اگر کسی کے ماں باپ ناخوشنود رہے ہوں اور اسی ناخوشی کی حالت میں انتقال کر گئے ہوں تو ان کو خوشنود کرنے کے لئے اس چیز کو جن سے وہ ناراض ہوتے تھے ترک کردے تاکہ اس سے وہ راضی ہو جائیں اگر کسی کی برائی بیان کی ہے اور اس شخص کا انتقال ہو گیا ہے تو اتنا ہی اس کی نیکیوں کا تذکرہ کرے۔

اگر اللہ تعالیٰ ناخوش ہو تو انبیاء کی سفارش ناکافی ہے

اس کے بعد فرمایا کہ اہل معرفت کے نزدیک یہی ایک بات ہے ان کا قول ہے کہ

اگر سارا عالم تجھ سے خوشنود ہے اور اللہ جلّ شانہٗ ناراض ہے تو تجھے کیا فائدہ اور یہ شعر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ؎

اگر خدائی نباشد ز بندہ خوشنود   شفاعت ہمہ پیغمبراں ندارد سود

(اگر بندہ سے خدا خوش نہ ہو تمام پیغمبروں کی شفاعت کوئی فائدہ نہ بخشے۔)

اور دوسری عبارت میں یوں بیان فرمائی "من له المولیٰ فله الكل" (جس کا مولیٰ ہے اس کا سب کچھ ہے) تیسری بات یہ بیان فرمائی "من فاتهٗ المولیٰ فاتهٗ الكل" اور جس کا مولیٰ چھوٹ گیا اس کا سب کچھ جاتا رہا اور یہ نظم زبان گوہر فشاں سے سنائی گئی ؎ بیت:-

اگرم ہیچ نہ باشد نہ بدنیا نہ بعقبیٰ   چوں تو دارم ہمہ دارم وگرم ہیچ نہ باید

(اگر مجھ کو کچھ نہیں ہو نہ دنیا میں نہ عقبیٰ میں تجھ کو اگر میں رکھتا ہوں مجھے سب کچھ ہے مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔)   دیگر:- ؎

گر ہر دوجہاں دہند مارا   چوں وصل تو نیست بے نوائیم

(دونوں عالم مجھ کو اگر دیدیں تیرا وصال اگر نہیں ہے میں بے مایہ (بے پونجی) ہوں۔)

گنہگاروں کے لئے بڑی امید کی بات

اس کے بعد فرمایا یہ دو اصل شریعت میں ہے جس میں گنہ گاروں کے لئے بڑی امید کی باتیں ہیں اس میں سے ایک اصل یہ ہے کہ "جناية العبد على مولاه" یعنی غلام کا خوں بہا اس کے مالک پر ہے نہ کہ غلام پر کیونکہ یہاں پر یہ حکم ہے کہ مالک غلام کا بوجھ اٹھائے اگر اٹھانے کا اہل ہے اور دوسری اصل یہ ہے کہ اگر اٹھانے کا اہل ملک نہیں تو غلام کو قصاص لینے والے کے حوالے کر دے۔ بہر حال اگر غلام کا خون بہا مالک کے مال پر ہے تو وہ خود دھد رہے یعنی اس غلام کے لئے خون کے معافی کا موجب ہے تو شرعاً غلام ماخوذ نہیں چنانچہ جبکہ اس عالم (دنیا) میں یہ حکم ہے تو کل قیامت کے دن سبھی معاملہ دو حال سے خالی نہیں کہ بندہ کے خوں بہا کا حق اللہ جلّ شانہٗ کے ذمہ ہوگا یا دوسرے کے ذمہ۔ اگر غیر کے ذمہ ہے تو وہاں پر امید فدیہ ہے (یعنی کوئی فدیہ دے کر اس کو چھوڑا لے گا) اور اگر اللہ کے ذمہ ہے تو وہاں پر امید

ھدر رہے یعنی خون کی معافی کی امید ہے اس کو بار بار فرماتے رہے کہ الحمدللہ یہ دواصل شریعت میں آ گئی ہے، ان دواصلوں سے گنہ گاروں کو بڑی امید ہے۔

لیلۃ الرغائب کا وجہ تسمیہ

مجلس شریف میں لیلۃ الرغائب اور دعاء استفتاح کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہی دو چیزیں ان دونوں کتابوں یعنی قوت القلوب اور عوارف میں نہیں ہیں اور دوسری وہ تمام عبادات جو مواسم سے متعلق ہیں سب کی سب ان دو کتابوں میں درج ہیں۔

اس موقع پر قاضی صدرالدین نے عرض کیا کہ کس سبب سے یہ دونوں مسائل ان دونوں کتابوں میں لکھی ہوئی نہیں ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کو ہم نے دو تین آدمیوں سے پوچھا تھا ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ نماز اور یہ دعا دونوں عرب میں مشہور نہیں ہیں اس کی عجم میں شہرت ہے اسی لئے ان دونوں کتابوں میں نہیں ہے۔ قاضی خاں نے عرض کیا کہ لیلۃ الرغائب کس سبب سے کہتے ہیں؟ فرمایا کہ یہ رغبہ کی جمع ہے اور رغبہ خیر کثیر کو کہتے ہیں لیلۃ الرغائب اس سبب سے کہتے ہیں کہ اس شب میں خیر بہت زیادہ ہے۔

ماہ رجب کو ماہ اصم کیوں کہتے ہیں؟

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ ماہ رجب کو ماہ اصم (بہرا مہینہ) کہاں سے کہتے ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس لئے کہتے ہیں کہ اس ماہ میں قتال حرام ہے، قتال کی آواز اس ماہ میں عرب نہیں سنتے اس لئے اس ماہ کو اصم کہتے ہیں فقیہ ابولیث کی بوستان میں ایسا ہی درج ہے پھر عرض کیا کہ اصم حدیث میں مذکور ہے اور وہ ''ریا حین'' میں ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ''ریا حین'' میں خوب چیزیں جمع کی گئی ہیں۔

مسبعات عشر کا تذکرہ

مجلس شریف میں مسبعات عشر کا تذکرہ آ گیا خاکسار نے عرض کیا کہ اوراد میں مسبعات پڑھنے کی یہ ترتیب لکھی ہے کہ پہلے الحمد للہ سات مرتبہ پڑھے اس کے بعد قل اعوذ برب الناس (سات بار)، پھر قل اعوذ برب الفلق (سات بار)، پھر قل ھو اللّٰہ احد (سات بار)، پھر قل یا ایھا الکافرون (سات بار)، اس کے بعد آیۃ الکرسی (سات بار) اور یہ قرأت بغیر ترتیب ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے میں تقدیم و تاخیر جائز ہے جیسا کہ نفل نمازوں کی قرأت میں تقدیم و تاخیر آئی ہے تو نفل کے حکم کے تحت پڑھیں تو ہو سکتا ہے اور ایسی نفل قوت القلوب میں بھی آئی ہے اس کے بعد فرمایا کہ مسبعات عشر خواجہ خضر کا تحفہ ہے جو انہوں نے خواجہ ابراہیم تمیمیؒ کو دیا تھا اور وصیت کی تھی کہ ہر صبح کی نماز کے بعد اور ظہر کی نماز کے بعد پڑھا کیجئے اور یہ بھی کہا تھا کہ یہ وہ تحفہ ہے جو مجھے محمد رسول اللہ ﷺ نے عنایت فرمایا ہے تو خواجہ تمیمی نے خواجہ خضر سے پوچھا کہ اس کا ثواب بتا دیجئے۔ خواجہ خضر نے جواب دیا کہ جب محمد ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونا تو اس کا ثواب پوچھ لینا حضور ﷺ ارشاد فرما دیں گے۔ پھر خواجہ تمیمی کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ فرشتے آئے ہیں اور مجھے اٹھایا اور بہشت میں لے گئے تو ہم نے وہ ساری چیزیں جو بہشت میں ہیں دیکھیں ہم نے فرشتوں سے پوچھا "لمن ھذا کلہ"؟ یہ سب کس کے لئے ہیں فرشتوں نے کہا کہ یہ سب اس شخص کے لئے ہیں جو اس عمل کو کرے جو تو نے کیا، تمیمیؒ کہتے ہیں کہ ہم نے بہشت کے میوے کھائے اور بہشت کا پانی پیا پھر میں نے دیکھا کہ پیغمبر ﷺ تشریف لائے۔ حضور ﷺ کے ساتھ ستر اور دوسرے پیغمبران علیہم السلام تھے اور ستر ایسی صفیں فرشتوں کی تھیں کہ ہر صف کے لوگوں نے مشرق سے مغرب تک مجھے سلام کیا اور میرا ہاتھ پکڑا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ خواجہ خضر نے مجھ سے کہا ہے کہ میں نے مسبعات عشر کو رسول اللہ ﷺ سے پایا ہے "فقال صدق الخضر ثلث مرات" (چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اور تین مرتبہ

فرمایا) جو کچھ خضر نے تم سے حکایت کی وہ حق ہے) وہ اہل زمین کے عالم ہیں وہ ابدالوں کے سردار ہیں وہ زمین میں خدا کے لشکر ہیں، پھر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ جو شخص مسبعات عشر پڑھے گا وہ اس منظر کو خواب میں دیکھ سکے گا جیسا کہ میں نے دیکھا ہے اور کہا یہ چیزیں اس کے پڑھنے والوں کو ملیں گی جیسا کہ مجھے عنایت ہوئی ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس اللہ رب العزت کی جس نے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے ضرور ملیں گی اسے جو تمہیں عنایت کی گئی ہیں اگر چہ اسے میری زیارت نہ ہوا اور وہ خضر کو نہ دیکھے اور اس کے جملہ گناہ کبیرہ کو اللہ جل شانہ بخش دے گا جو اس سے سرزد ہوئے ہوں اور اس بندے پر سے حق سبحانہ تعالی اپنے غضب کو اٹھا لے گا اور حکم دے گا کراما کاتبین کو کہ وہ ایک سال تک اس کے گناہوں کو نامۂ اعمال میں نہ لکھیں اور قسم ہے اس خدا کی جس نے مجھے سچا رسول بنا کر بھیجا ہے وہی اس کو پڑھے گا جس کو حق سبحانہ تعالی نے خوش بخت بنا کر بھیجا ہے اور وہی اس کو ترک کرے گا جس کو اللہ تعالی نے بدبخت پیدا کیا ہے۔



سولھواں باب

خدائے بزرگ و برتر کے ذکر کے بیان میں

قیامت کے دن تمام لوگوں کو حسرت کیوں ہوگی؟

مجلس شریف میں قاضی منہاج الدین درون حصاری "وصیت شیخ الشیوخ" پڑھ رہے تھے جب اس جملہ پر پہنچے کہ مومن کا ہر وہ لمحہ جو رب تعالیٰ کے ذکر سے خالی گذرتا ہے وہ روز قیامت کے لئے حسرت کا سامان ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اسی طرح کہا ہے کہ کل قیامت کے دن تمام لوگوں کو حسرت ہوگی گنہگاروں کو بھی اور اطاعت گذاروں کو بھی۔ گنہگاروں کو اپنے گناہوں پر اور اطاعت گذاروں کو اپنے ان گذری ہوئی گھڑیوں پر حسرت ہوگی جو یہاں (یعنی دنیا میں) اللہ کی عبادت اور ذکر سے خالی گذری اور یہ حسرت اس وقت ہوگی جب کہ وہ (قیامت میں) ان دوسروں کے مقام و منزل کا معائنہ کریں گے جن کے تمام اوقات عبادت میں گذرے ہیں

اس وقت انہیں حسرت ہوگی کہ میں نے اپنے ان اوقات کو کیوں خالی چھوڑا اے کاش! میں بھی اپنے تمام اوقات کو ذکر حق میں مشغول رکھتا۔

اس کے بعد فرمایا شیخ نوری سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ "ان لکل شیئ عقوبة و عقوبة العارف انقطاعته عن الذکر" یعنی ہر شئے کی ایک عقوبت (سزا) ہے اور عارف کی عقوبت (سزا) اس کا ذکر سے منقطع ہو جانا ہے۔

ذکر کی قسمیں

اس موقع پر ذکر کی تقسیم کا بیان شروع ہوا، فرمایا ذکر کی چار قسمیں ہیں:

(۱) اول یہ کہ ذکر زبان پر جاری ہو اور دل میں نہ ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ زبان سے بھی جاری ہو اور دل میں بھی ہو مگر دل کسی نہ کسی وقت اس سے غافل ہو جائے اور دوسری چیز کی طرف مشغول ہو جائے لیکن زبان ان تمام حالات میں ہر وقت جاری رہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ زبان پر بھی ذکر ہو اور دل میں بھی ہو۔

(۴) چوتھے یہ کہ دل ذاکر ہو اور زبان خاموش ہو۔

ذکر کی حقیقت کیا ہے

اور ذکر کی حقیقت یہی ہے کہ دل ہمیشہ ذکر میں مشغول ہو۔ ذکر اور حقیقت ذکر میں مقام کی انتہا یہی ہے اگرچہ زبان دوسری چیز کی طرف مشغول ہو لیکن دل ذکر کے غلبے سے (مغلوب ہو کر) منہمک و مشغول رہے اور اس مقام میں دل کے ذکر کی آواز سنی جاتی ہے جس طرح زبان ذکر کرتی تھی اور کان اس کو سنتا تھا اور دل اس سے غافل تھا۔ اسی طرح دل ذکر کرتا ہے اور کان سنتا ہے مگر زبان غافل ہوتی ہے۔ کام بالکل برعکس ہے۔ پہلے دل غافل تھا اور زبان ذکر میں مشغول تھی۔ اس مقام میں دل زبان ہو جاتا ہے اور زبان دل بن جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ اس مقام میں پہنچ گئے تھے کہ ان کے دل سے ذکر کی آواز ایسی آنے لگی کہ وہ اس آواز کو اپنے کان سے سننے لگے۔ اس کے بعد آبادی سے نکل

گئے اور خلق سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ انہیں یہ خیال ہوا کہ جس طرح ہم سنتے ہیں لوگ بھی سنیں گے۔ ایک فتنہ کھڑا ہوگا اس سبب سے انہوں نے آبادی میں رہنا ترک کردیا۔

اس موقع پر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ عام لوگ بھی سنتے ہیں یا صرف ذاکر سنتے ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا سنتا تو ذاکر ہی ہے۔ ہاں! خیال گذرتا ہے کہ ایسا نہ ہو جیسے میں سنتا ہوں لوگ بھی سنتے ہوں گے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے کہ تمام لوگ سن سکیں، جو صاحب ذکر ہیں ممکن ہے کہ وہ سنیں یا جو اس مقام میں ہیں' غیروں کو اس کی کیا خبر؟

اہمیت ذکر

مجلس شریف میں بہترین اعمال کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا حضرت رسالت پناہ ﷺ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "الا انبئکم بخیر اعمالکم وا زکٰها عند مليككم وارفعهافی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذهب والورق خیرلکم من أن تلقوا عدو کم فتضربوا اعناقهم ویضربوا اعناقکم قالوا وماذالک یارسو ل الله فقال ذکر اللّٰه۔ (یعنی کیا میں تمہیں یہ بات نہ بتادوں جو تمہارے پروردگار کے نزدیک تمہارے لئے بہترین اور پاک ترین اعمال ہوں اور جو تمہارے لئے بہت بڑے مرتبے کا سبب ہو اور جو سونا اور چاندی خیرات کرنے سے زیادہ بہتر ہو اور جو دشمن سے جہاد میں قتال کرنے سے بھی بہتر ہو اور جو بہتر ہو اس بات سے کہ تم دشمنوں کے مقابل میں ہو تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون سی چیز ہے؟ فرمایا کہ اللہ عز وجل کا ذکر اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک روئے زمین پر اللہ اللہ کہنے والا رہے گا اور استاد ابو علی دقاقؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "الذکر منشورالو لایة ومن وفق الذکر فقد اعطی المنشور ومن سلب الذکر فقد عزل. (یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر ولی ہونے کا دستاویز ہے تو جس کسی کو ذکر کی توفیق

عطا ہوئی ہے اسے ولی ہونے کی سند عطا مل گئی اور جب کسی سے ذکر چھین لیا گیا تو اس سے ولایت کا دستاویز بھی چھین کر معذول کر دیا گیا۔)

بہشت عبادت نہیں حضوری کی جگہ ہے

اس موقع پر مولانا نجم الدین شاعر نے عرض کیا کہ بہشت میں عبادت کی جائے گی یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ عبادت غائبانہ میں ہوتی ہے اور وہاں حضوری ہوگی اس لئے وہاں عبادت نہیں ہے صرف ذکر رہ جائے گا اس کے بعد فرمایا کہ مشہور حدیث میں رسالت پناہ ﷺ سے منقول ہے فرمایا"اذا رأ یتھم ریاض الجنة فارتعوا فیھا فقیل لہ فما ریاض الجنة فقال مجالس الذکر" (یعنی جب تم جنت کے باغوں کو دیکھو گے تو اس میں چرنے لگو گے لوگوں نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ جنت کے باغ کون ہیں، فرمایا ذکر کے مجالس)

نعمت ذکر بھی عطیہ ہے

اس موقع پر ایک عزیز نے عرض کیا کہ ایک شخص اللہ جل شانہ کا ذکر کرتا ہے مگر دل میں کوئی حلاوت نہیں پاتا ہے ایسی صورت میں کیا کرے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خواجہ ابوعثمانی مغربیؒ سے یہی سوال کسی نے کیا کہ اللہ جل شانہ کا ذکر کرتا ہوں لیکن اپنے دل میں کوئی حلاوت نہیں پاتا تو انہوں نے ارشاد فرمایا"اِحْمَدِ اللّٰہ علی أن اتزنَ جارحة من جوارحکم بطاعته" (یعنی تم اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اس بات کی خاطر کرو کہ اس نے تمہارے اعضاء میں سے ایک عضو کو بھی اپنی طاعت سے آراستہ فرما دیا۔)۔

ذکر قلبی کی اہمیت

مجلس شریف میں ذکر دل کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہا گیا ہے"ذِکْرُ اللّٰہِ فِیْ القَلْبِ سَیْفُ الْمُرِیْدِیْنَ وَبِہٖ یُقَاتِلُوْنَ اَعْدائَھُمْ وَبِہ یَدْفَعُوْنَ الآفَاتِ التی تَقْصُدُھُمْ" یعنی دل میں

خدا کا ذکر جو کیا جاتا ہے وہ مریدیوں کی تلوار ہے جس سے مریدین اپنے دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور اس سے ان آفتوں کو دفع کرتے ہیں جو انہیں درپیش ہوتے ہیں۔ جب خواجہ واسطیؒ سے ذکر کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا ذکر کرنا میدان غفلت سے نکل کر صحرائے مشاہدہ میں داخل ہونا ہے' محبت کی شدت اور خوف کے غلبے کی کیفیت کے ساتھ اور بعض کتابوں میں جناب موسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے انہوں نے عرض کیا''یا رب این تسکن ''اے رب تیرا مسکن کہاں ہے؟ تو اللہ جل شانہ نے ان کو بذریعہ وحی جواب دیا 'عند قلب عبدی المؤمن ' بندہ ءمؤمن کے دل میں اور اس معنی کی شرح اس طرح کی ہے ''سیکون الذکر فی القلب فان الحق سبحانه وتعالی منزه من کل سکون وحللول وانماهو اثبات الذکر و التحصیل '' اللہ تعالیٰ کا قلب میں ساکن ہونے کا مطلب ذکر کا ساکن ہونا ہے کیونکہ اللہ جل سبحانہ تعالیٰ پاک ہے ہر طرح کے سکون وحلول سے تو بے شک اس سے مراد ذکر ہی ثابت اور حاصل ہوتا ہے اور اس طرح کہا ہے کہ مومن کو اللہ کے ذکر سے پیہم یہ چھ چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔

مومن کو اللہ کے ذکر سے چھ چیزیں حاصل ہوتی ہیں

اول یہ کہ ذکر سے بہت زیادہ مشاہدہ کا ظہور ہوتا ہے اور ذاکر کا دل حاضر ہو جاتا ہے ایسا کہ اسی واسطے سے خداوند عز وجل کو دیکھنے لگتا ہے دوسرے یہ کہ ذاکر کو ذکر گناہوں سے باز رکھتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ یاد نہیں رکھتا اس کی علامت یہ ہے کہ اس کو اللہ جل شانہٗ سے دوری ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس حالت سے اپنی پناہ میں رکھے اور یہ عموماً غفلت سے ہوا کرتا ہے اور بزرگوں نے اس طرح کہا ہے کہ جو شخص اللہ جل شانہٗ کا ذکر زبان سے کرتا ہے اور وہ اس ذکر سے غافل رہتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس سے غائب رہتا ہے غائب بہ معنی نادیدن (نہ دیکھنا) اور یہ بھی ہے کہ ذکر الغائب غیبة (ذکر الٰہی حاضری وحضوری کے ساتھ ہونی چاہئے ورنہ بغیر دل کے ذکر کی حیثیت غافل کے مانند ہے) اور یہ مثنوی پڑھی گئی ؎

ذکر اگر بسیار باشد بر زبان   چونکہ دل غافل بود غیبت بداں

(باوجودیکہ زبان پر بہت زیادہ ذکر ہو جب دل اس سے غافل ہے تو اس ذکر کو غفلت یعنی بغیر حاضری وحضوری والا سمجھو۔)

اور یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک وقت ایک بزرگ کہیں جارہے تھے مؤذن نے آذان شروع کی انہوں نے اذان کا جواب نہیں دیا اور جب ایک کتے نے آواز دی جواب میں لبیک کہا۔ ان سے لوگوں نے پوچھا کہ ایک مؤذن نے آذان دی تو جناب نے کوئی جواب نہیں دیا اور جب کتے کی آواز آئی تو آپ نے لبیک کہا۔ انہوں نے کہا مؤذن اللہ تعالیٰ کا ذکر غفلت کے ساتھ کررہا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم بھی غفلت میں پڑ گئے اور جب کتے نے آواز دی تو ہم نے محسوس کیا کہ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کو یاد کررہا ہے کتے کی وہ یاد جو بلا غفلت ہوئی ہو آدمی کی اس یاد سے جو غفلت کے ساتھ ہو بہتر ہے اس موقع پر یہ شعر زبان گوہر فشاں سے ارشاد ہوا ؎

سگ کہ یاد تو کند بے غفلت آں سگ مردم است
در کند یاد تو مردم از سر غفلت سگ است

(کتا اگر تیری یاد بغیر غفلت کے کرتا ہے تو آدمی وہی ہے اور اگر تیری یاد غفلت کے ساتھ آدمی کرتا ہے تو وہ آدمی کتے کی طرح ہے۔)

ہاں سچ ہے کتا بے شک خدائے تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اسی موقع پر یہ کہا گیا ہے کہ ”وان من شئی الایسبح بحمد ربہ“ دنیا کی تمام چیزیں اپنے رب کی تسبیح پڑھتی ہیں) تیسرے اللہ کا ذکر ہمہ وقت زبان سے کرتا ہے تو آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ چوتھے:- اللہ کا ذکر ہمیشہ زباں پر رہنا دوستی کا سبب ہوتا ہے، کیونکہ دوستی کی علامت دوست کی بہت زیادہ یاد ہوگی نہ کہ دشمنی کی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے من احب شیئاً اکثر ذکرہ جو شخص جس چیز کو بہت زیادہ پسند رکھتا ہے اس کا ذکر بہت زیادہ کیا کرتا ہے۔ کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ زلیخا جناب یوسف علیہ السلام کو اس درجہ دوست رکھتی تھیں کہ وہ تمام چیزوں کو ان ہی کے نام سے یاد کرتی تھیں یہاں تک کہ ایک دن اسی حال میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ درزی ان کے سامنے سلائی

کررہا تھا ان کے پیراہن کا تکمہ (بٹن) ٹوٹ گیا تھا چاہا کہ درزی سے کہیں کہ اے درزی پیراہن میں تکمہ ٹانک دے چنانچہ ان کی زبان سے یہ نکلا کہ اے یوسف پیراہن کو سی دو، محبت میں زلیخا کی مانند ہونا چاہیئے تاکہ مقصود کو پالے جیسا کہ انہوں نے پالیا۔

پانچویں:- یہ کہ جو شخص اللہ جل شانہ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے **ذکر اللّٰہ مطورۃ الشیطان** (اللہ کی یاد شیطان کو اڑا دیتی ہے)۔

چھٹے:- یہ کہ ذاکر کی قبر میں ذکر اس کا مونس ہوتا ہے اور قبر کے عذاب سے بچ جاتا ہے۔

افضل الذکر وافضل الدعاء

خاکسار نے عرض کیا کہ اذکار میں کون سا ذکر افضل ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا" **افضل الذکر لا الہ الا اللّٰہ** " جیسا کہ حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ "**افضل الدعا الحمد للّٰہ او افضل الذکر لا الہ الا اللّٰہ**"۔ مخدوم زادہ سراج العارفین پڑھ رہے تھے جب اس مقام پر پہنچے کہ حاجت براری کے لئے تکبیر کہے یہاں تک کہ حاجت پوری ہو جائے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اسی سے ظاہر ہے کہ فقراء اور درویش حضرات تکبیر کہتے ہیں اسی موقع پر فرمایا کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا بھی آیا ہے تلاوت بآواز بلند نہ کی جائے۔

آداب، تلاوت، نماز اور ذکر

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض صحابہ کرام قرآن اس شان سے پڑھتے تھے کہ خود ہی سنتے تھے دوسروں کو پتہ بھی نہیں چلتا تھا ان کو اس وقت خبر ہوتی تھی جب وہ سجدۂ تلاوت کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بارہا ان احمقوں کو سمجھایا ہے کہ ذکر اور تلاوت آہستہ کرو تاکہ دوسروں کو حرج نہ ہو۔ ہاں! یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص سننے کے لئے منتظر بیٹھا ہے اور دوسرا شخص تلاوت کر رہا ہے تو اسے بلند آواز سے پڑھنا چاہئے لیکن

ایک شخص مشغولی میں ہے اور یہ دوسرا بلند آواز سے تلاوت اور ذکر کر رہا ہے تو یہ تشویش میں ڈالنے کے مصداق ہوگا اور شیطان اس وقت اس کے ساتھ لگ جائے گا اور ایسا ہی نماز میں بھی کرنا چاہئے کہ نماز اس طرح پڑھے کہ جو اس کے بغل میں ہو وہ بھی نہ سنے اور کوئی تسبیح و تکبیر اس کے کان میں نہ آئے ایسا کہ وہ شخص یہ محسوس کرے کہ اس کے بغل میں کوئی نہیں ہے اگر ایسا نہ ہوگا تو شیطان اس کے ساتھ لگ جائے گا اور وہ یہ گھمنڈ پیدا کر دے گا کہ میں اچھا کام کر رہا ہوں نماز پڑھ رہا ہوں اور یہ نہیں جانتا کہ شیطان اپنا کام کر رہا ہے۔

نماز، ذکر اور تلاوت میں حلاوت

اس کے بعد فرمایا خواجہ حسنؒ سے منقول ہے کہ کہا "تفقدوا الحلاوة فی ثلثة اشیاء فی الصلواة والذکر وقرأة القرآن فان وجد تم والافاعلموا ان الباب مغلق" (تین چیزوں میں شیرینی اور مٹھاس تلاش کرو۔ نماز میں، ذکر میں اور تلاوت قرآن میں اگر مٹھاس حاصل ہو جائے تو فبہا نہیں تو سمجھ لو کہ اللہ رب العزت دروازہ بند کئے ہوئے ہے۔) ایک راہب سے سوال ہوا "انت صائم فقال أنا صائم بذکره واذا ذکرت غیره افطرت" (یعنی تم روزہ رکھے ہوئے ہو اس نے کہا ہاں اس کے ذکر کے ساتھ روزہ سے ہوں اور جب غیر کی یاد آ جاتی ہے تو روزہ توڑ دیتا ہوں۔)

خصائص ذکر

مجلس شریف میں ذکر کی خصوصیتوں کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ذکر کی خصوصیت میں سے ایک یہ ہے کہ ذکر کے لئے وقت کا تعین نہیں بلکہ جملہ اوقات میں سے کوئی ایسا وقت نہیں ہے کہ جس میں بندے کو اللہ جلّ شانہٗ کے ذکر کا حکم نہ ہو لیکن بطور فرض یا بطور استحباب، انتہا یہ ہے کہ نماز تمام عبادتوں میں اشرف ہے لیکن بعض اوقات میں اس کا پڑھنا درست نہیں ہے اور ذکر کی خصوصیت یہ ہے کہ ذکر دل سے ہر وقت اور ہر آن ہمیشہ عام حالتوں میں ہو سکتا ہے چنانچہ اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا ہے "الذین یذکرون قیاماو قعوداو علی جنوبهم" (مؤمن وہ ہیں جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے

کھڑے بیٹھے بیٹھے اور اپنے ہر پہلو پر) ایک بزرگ نے اس کے متعلق کہا ہے کہ میں نے شیخ فورکؒ سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا" قیاما با لذکر قعودا عن الدعوی فیه " (یعنی کھڑے رہوتو ذکر کی حالت میں اور بیٹھوتو اسی کی تیاری میں)۔ذکر کے خصوصی فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے ذکر کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے "فاذکرونی اذکرکم" (تم مجھے یاد کروتو میں تم کو یاد کروں گا)اور حدیث شریف میں جبرئیل علیہ السلام سے یہ نقل ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے پیغمبر علیہ السلام سے کہا کہ آپ کی امت کو میں نے وہ چیز دی ہے جو اگلی امتوں میں سے کسی امت کو نہیں ملی ۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے بھائی جبرئیل وہ چیز کیا ہے؟ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے" فاذکرونی اذکرکم لم یقل هذالاحد غیر هذه الأمة" (چنانچہ فاذکرونی اذکرکم کا یہ جملہ اللہ تعالی نے اس امت کے سوا کسی امت کے لئے نہیں فرمایا۔)

مجلس شریف میں اس کا تذکرہ آ گیا کہ تکمیل ذکر میں ہے یا فکر میں یا دونوں میں کوئی فرق نہیں؟

تکمیل ذکر میں ہے یا فکر میں

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک بزرگ سے استاد ابا علی دقاقؒ نے سوال کیا"الذکر أتم أم الفکر" (تکمیل ذکر میں ہے یا فکر میں) تو انہوں نے کہا کہ آپ کے نزدیک کیا ہے پوچھنے والے بزرگ نے کہا"عندی الذکر أتم من الفکر" میرے نزدیک ذکر زیادہ مکمل ہے فکر سے۔ کہا یہ کہاں سے ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا"لان الحق سبحانه و تعالیٰ یوصف بالذکر ولا یوصف با لفکر و ما یوصف به الحق فهو اتم " (اللہ تعالیٰ اپنی صفت ذکر کے ساتھ بیان کرتا ہے فکر کے ساتھ نہیں اور جو صفت اپنی اللہ تعالی بیان کرے وہ زیادہ مکمل ہے۔ فاستحسنه الشیخ ابو علی رحمة الله علیه (شیخ ابوعلی رحمتہ اللہ علیہ نے اس جواب کی تحسین فرمائی۔)



سترھواں باب

پیری اور مریدی اور اس کے مناسبات کے بیان میں

ولایت کی تشریح

مجلس شریف میں پیری مریدی کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کتابوں میں ولایت کے واؤ کو زیر کے ساتھ اور زبر کے ساتھ لکھا ہے اور دونوں طرح سے قرآن میں آیا ہے مفسروں نے اس کی تشریح کی ہے وہ ولایت جو زیر کے ساتھ ہے اس کے معنی مُلک اور امارت کے ہیں اور جو ولایت زبر کے ساتھ ہے اس کے معنی نصرت اور فتح کے ہیں۔ بعض اہل سلوک کہتے ہیں ولایت زیر کے ساتھ ہے اس کے معنی ملک اور امارت کے ہیں اور جو ولایت زبر کے ساتھ ہے اس کے معنی نصرت اور فتح کے ہیں۔

ولایت کا مطلب اہل سلوک کے نزدیک

بعض اہل سلوک کہتے ہیں ولایت زیر کے ساتھ عام ہے اور زبر کے ساتھ خاص ہے ولایت عام ظاہر ہے جس کو سب جانتے ہیں ولایت خاص اس کو کہتے ہیں کہ پیر مرید کو اللہ تک پہنچا دے، اور بعض کہتے ہیں کہ اگرچہ ولایت خاص ہے مگر یہ کہ مرید کا اللہ تک پہنچنا یہ اس کی مشیّت پر موقوف ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا "ویختص برحمته من یشاء" (وہ مخصوص کرتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہے جیسا کہ پیغمبر علیہ السلام مردود ازلی کو مقبول نہ بنا سکے اسی طرح پیر مہجور ازلی کو واصل بحق نہیں کر سکتے لیکن جب کسی کی قسمت میں قبولیت کی دولت رکھی گئی ہے تو وہ پیغمبروں کی دعوت کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے اسی طرح اگر کسی کو وصول وقرب اور کرامت کی دولت ازل میں ملی ہے تو وہ پیر کی خدمت وصحبت سے ظاہر ہوتی اہے کیونکہ اللہ جل شانہٗ کی سنت اسی طرح سے جاری ہے حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے جب یہ جملہ فرمایا تو یہ بیت زبان مبارک سے ارشاد ہوئی۔

ہدیہ ہر کہ داری اے درویش　　ہدیہ حق شمر نہ کدیۂ خویش

(ہدایت کا جو رتبہ بھی تو رکھتا ہے اے فقیر اللہ کی جانب سے شمار کر، اپنی کوشش سے نہیں۔)

پیر کی کیا ذمہ داری ہے

پیر کے لئے اس سے زیادہ نہیں ہے کہ مرید کو اللہ کے احکام بتائے اور ریاضت کا حکم دے اور وہ ساری چیزیں جو اس راہ کی آفتیں ہیں ان سے خبردار کرے اور یہ کہے کہ ایسا کرو اور ایسا نہ کرو یہ پیر کا کام ہے پیر پر اس سے زیادہ ذمہ داری نہیں ہے ہاں اللہ تک پہنچانا خاص اللہ کا کام ہے تو پہلے قول کا ماحصل مرید کو اللہ تک پہنچانا ولایت خاص میں داخل اور اس کا حصہ ہوا اور دوسرے قول کے مطابق یہ بات ولایت خاص میں داخل نہیں ہے۔

حضرت شبلیؒ کے مرید ہونے کا واقعہ

اس کے بعد یہ حکایت حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خواجہ شبلیؒ وزیر زادہ

تھے اپنے شہر میں فرمانروائی کرتے اور اسی شہر میں خواجہ جنید بغدادیؒ بھی رہتے تھے ایک مدت کے بعد خواجہ شبلیؒ خواجہ جنید بغدادیؒ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے منسلک ہو جاؤں خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم وزیر زادہ ہو اس شہر کے حاکم ہو جو ہم حکم دیں گے تم سے اس کی تعمیل نہیں ہوگی پھر بیعت کیا لوں؟ خواجہ شبلیؒ نے کہا جو آپ کا حکم ہوگا بجالاؤں گا۔ خواجہ جنید بغدادیؒ نے فرمایا نہ کرسکو گے یہاں تک کہ تین بار اس کی تکرار ہوتی رہی کہ تم سے نہ ہو سکے گا۔ خواجہ شبلیؒ ہر بار قبول کرتے رہے کہ جو حکم ہوگا بجالاؤں گا اس کے بعد خواجہ جنید بغدادیؒ نے فرمایا میرا کام سر منڈوانا اور گدڑی پہنانا ہے یہ تم سے نہیں ہوگا عرض کیا کہ جی ہاں تعمیل حکم کروں گا پھر خواجہ شبلی نے حاکمیت و منصب ترک کر دی۔ خواجہ جنید بغدادیؒ نے سر مونڈ وادیا اور گدڑی پہننے کا حکم دیا ارشاد ہوا کہ ایک جھولی ہاتھ میں لیجئے اور جہاں* جہاں حاکم رہے ہیں جس جس مقام کے لوگ آپ کو بڑا آدمی جانتے ہیں اور قدر کرتے ہیں وہاں جائے اور گداگری کیجئے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر یہ مثنوی پڑھی ؎

عقل مردیست خواجی آموز   مشق در ویست بادشاهی سوز
عشق را جاں بو العجب داند   زاں کہ تفصیل شهد لب داند
بنہ از ہیچ عشق آں داری   درمیاں انچہ بر میاں داری

(مرد کی عقل اسے سرداری سکھاتی ہے عشق ایک درد ہے جس سے جذبہ بادشاہی جلتا ہے، عشق کو ایک عجیب جان دی گئی ہے ساتھ ہی لبوں پر شہد کی فضیلت دی گئی ہے عشق کا جتنا حصہ رکھتا ہے سامنے رکھ تو اپنے تمام سامانوں سے انتخاب کر کے۔)

اس کے بعد خواجہ شبلیؒ نے ویسا ہی کیا جھولی ہاتھ میں لیکر گداگری شروع کر دی پہلے دن کسی نے سونا دیا کسی نے چاندی اسی طرح کچھ روز لوگ دیتے رہے۔ روزانہ جو کچھ مانگ کر لاتے خواجہ جنید بغدادیؒ کے حضور میں پیش کرتے یہاں تک روز بروز گھٹتے گھٹتے کسی نے دمڑی دی کسی نے چھدام کسی نے کچھ نہ دیا آخر لوگ تنگ آکر کہنے لگے کہ پاگل ہو گئے ہیں ایک دن ایسا آیا کہ کسی نے ایک خرمہرہ بھی نہ دیا خالی جھولی لے کر خواجہ جنید کے حضور میں حاضر ہوئے۔

جھولی پیش کردی خواجہ جنید نے دیکھا جھولی خالی تھی۔ پوچھا آج خالی ہاتھ کیوں آئے عرض کیا کہ آج مجھ کو کسی نے نہیں خریدا خواجہ نے فرمایا یہاں تک میرا کام تھا ہم نے اپنا کام کردیا اب آگے اللہ کی مرضی اور آخر میں اوراد و اشغال کے ساتھ چلہ کشی کا حکم دیا پھر حضرت مخدومؒ نے فرمایا مقصود اس حکایت سے یہ ہے کہ مریدوں کے حق میں پیر کا کام جہاں تک کرنے کا تھا کردیا اس کے بعد فرمایا کہ مریدوں کے لئے ایک بلا یہ بھی ہے کہ پیر مغرور ہوتے ہیں اگر ایسا ہی ہے لیکن اس کے باوجود مرید کو چاہئے کہ اس کی جانب سے ارادت کامل اور سچی ہو پہلے یہ چاہئے کہ پیر کو بھلا دے اس قول کی مناسبت سے ایک حکایت بیان کی گئی۔

پیر کا مقام اور حیثیت

ایک مرید نے اپنے پیر سے اپنے گھر جانے کی اجازت چاہی تو پیر نے مرید کو وصیت کی جس میں پہلی وصیت یہ تھی کہ مرید کو یہ چاہئے کہ پیر کو بھول جائے یعنی اللہ تک پہنچنے کی علت اس کی مشیت و مرضی ہے پیر تو صرف سبب ہوتا ہے اصل میں تعلق کلیتہً علت (مشیت اور مرضی مولیٰ) کے ساتھ ہونا چاہئے نہ کہ سبب کے ساتھ اگر تعلق کلیتہً سبب کے ساتھ ہوگا تو علت سے محجوب (پردہ میں) رہے گا صرف سبب سے بغیر علت کے مقصود تک نہیں پہنچ سکتا یہ ایک نکتہ ہے جس پر دھیان رکھنا چاہئے اس موقع پر یہ مثنوی ارشاد ہوئی ؎

رہبرت اول را چہ یاد بود   رسد انجا کہ یاد باد بود

(تجھے راستہ لے جانے والا اول گرچہ تیری یاد میں ہو وہ لے جائے گا وہاں تک جو اسے یاد ہے) سارے واسطوں اور سلسلوں میں یہی حکم ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

چوں در آمد وصال را حالہ   سر دشد گفتگوئے دلالہ

(جب وصال کی حالت آئی تو اس وقت مقصود کی رہنمائی کرنے والے کی گفتگو سرد ہوگئی ہے۔)

مریدی اور مرید کسے کہتے ہیں

مجلس شریف میں مریدی کا تذکرہ آگیا کہ مریدی کسے کہتے ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا مرید اس کو کہتے ہیں جو پیر کی متابعت قولاً فعلاً قلباً قالباً کرے اور ان میں سے ہر ایک حکم کی تشریح فرمائی۔

قولاً:- یعنی دین کے اصول وفروع میں اس کا قول وہی ہو جو اس کے پیر کا ہے۔

فعلاً:- دینی یا دنیوی کوئی فعل ہو پیر کے ارشاد کے خلاف نہ ہو۔

قلباً:- یعنی دل کو جملہ صفات مذمومہ سے پاک بنائے جیسا کہ اس کے پیر نے اپنے دل کو بنایا ہے۔

قالباً:- یعنی اعضاء وحواس کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کرے جیسا کہ پیر نے کیا ہے۔

جب ان ساری باتوں میں متابعت اختیار کرے گا تب کہیں گے کہ ہاں! یہ مرید ہے۔ اکثر مرید ایسے ہیں جو پیر پر ہر وقت نظر رکھتے ہیں جملہ حرکات وسکنات میں پیر کے تابع ہیں اور کسی علم کے سیکھنے کے لئے کسی دوسرے کے محتاج نہیں ہوتے ہیں ایسے لوگوں کو جو چیز پیر کی متابعت سے ایک لمحہ میں حاصل ہوتی ہے اگر ہزار سال تک اپنے طور پر کوشش کرتا ہے تو حاصل نہیں ہوسکتی۔

اس موقع پر ایک عزیز نے عرض کیا کہ مرید کی مشغولی کے لئے ترتیب قائم کی گئی ہے کہ پہلے اس چیز میں مشغول ہو پھر فلاں چیز میں؟

مرید کی مشغولیت کے آسان طریقے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ مشائخ رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ مرید کو چاہئے کہ ہمہ وقت اپنے کو مشغول رکھے اور مشغولیت کی ترتیب اس طور پر کی ہے کہ اوّل نماز میں مشغول ہو جب نماز سے گھبرا جائے تو تلاوت قرآن میں مشغول ہو کیونکہ تلاوت نماز سے آسان ہے اگر تلاوت میں بھی اکتا جائے تو پھر ذکر میں لگ جائے کیونکہ ذکر تلاوت سے آسان ہے اور اگر ذکر سے بھی ملول ہو تو مراقبہ وتفکر کرے کہ نسبتاً یہ ذکر سے سہل ہے کیونکہ اس میں زبان ہلانے کی حاجت ہوتی ہے اور اس میں اس کی بھی نہیں۔



اٹھارہواں باب

مرید کی اصلاح کے بیان میں

اپنی اصلاح کے طریقے

مجلس شریف میں مرید کے آراستہ کرنے کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنے طور پر دین کا کام کرنا چاہے اور چاہے کہ اپنی اصلاح آپ کرے تو قرینہ غالب ہے کہ ایسا نہیں کرسکتا۔ خواہ متعلم ہو یا علم حاصل کر چکا ہو۔ اگر چہ اس کا بھی امکان ہے کہ خود کو درست کرلے اور دین کا کام انجام دے سکے لیکن ایسا کم ہی ہے جو کوئی یہ چاہے کہ دین کا کام پورا کرے اسے دو چیزوں کی ضرورت ہوگی (۱) پیغمبر کی ضرورت جو اسے دین کی تلقین کریں اور اسے دین کی تمام راہ بتلائیں۔ (۲) کوئی پیر کی ضرورت ہوگی جنہیں وہ تلاش کرے کیونکہ پیر پیغمبروں کے خلیفہ

ہوتے ہیں اور مریدان کے آگے اپنے آپ کو ڈال دے جو وہ بتائیں اس پر عمل کرے مسائل نحوی اور علل قال یقول اور فرض و واجب جانے بغیر بھی پیر اسے صراط مستقیم کی جانب سچی رہنمائی کرے گا مرید کو چاہئے کہ پیر جو حکم دے اس پر عمل کرے اور خود کو اسی کے مناسب اور لائق بنائے مرید کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ فرض یا واجب جاننے کی پیر سے علحدہ کوشش کرے یہ اس لئے کہ کسی امر دین کا جاننا اس پر عمل کرنے کے لئے ہے اور یہ چیز مرید کو پیر کی پیروی میں حاصل ہو رہی ہے۔ واجب اور فرض اور اس جیسی اور باتیں جیسے مفسدات اعمال اور راہ کی آفتیں اور ان کے علاج اور اسی طرح کی تمام باتیں یہ پیر کے ذمہ ہیں کہ اسے تلقین کرے ہاں اگر پیر چاہتا ہے کہ مرید بھی استاد ہو تا کہ دوسروں کی اصلاح کرے تو اس غرض سے جو پیر ہیں وہ مریدوں کو حکم دیتے ہیں کہ تعلیم و تعلم میں مشغول ہوں تا کہ واجب اور فرض اور اس کے علاوہ احکام کو جانیں معنوی نوعیت پر بہت زور دے کر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ فرماتے رہے کہ مرید اپنی اصلاح اپنے طور پر نہیں کر سکتا مگر یہ بات پیر کی تلقین ہی سے ہو سکتی ہے اور خود اللہ جل شانہ اپنی رحمت خاص سے کسی ایک کو ابتدا ہی میں یہ بات عنایت فرمادے تو وہ فیض محض ہے اور ایسا شاذ و نادر ہے کہتے ہیں کہ اسکے لئے انبیا اور صدیقین مخصوص ہیں یہ رحمت خاص ہے اور یقیناً رحمت کیلئے خواص حضرات ہی مخصوص ہیں۔

فیض کیا ہے

شیخ معز الدین نے عرض کیا فیض کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا فیض وہ ہے کہ اللہ جل شانہ بندے کو اپنے فضل و کرم سے کسی طلب و مجاہدہ کی تھکن اور سختی اٹھائے بغیر اپنی خاص نعمت و دولت کے ساتھ مخصوص فرمالے تو ایسا فیض تا قیامت منقطع نہیں ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے کہتے ہیں کہ فیض منقطع نہیں ہے۔

شغل اور پیر

خاکسار نے عرض کیا کہ مرید شغل اور مشغولیت اس کی درخواست پر بتایا جائے یا پیر

اپنی طرف سے بغیر اس کی درخواست کے بتائے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر پیر صاحب کشف ونظر ہو تو یہ دیکھے اور جانے کہ مرید کا کام کہاں تک پہنچا ہے اور کس حد تک اس نے ترقی کی ہے اور کہاں تک کام کر سکا ہے۔ ایسی صورت میں اس کی کیا حاجت ہے کہ اس کے حالات باطنی پر توجہ دے اور اگر مرید درخواست کرے تو اس میں کوئی نقصان نہیں اور اگر درخواست نہ کرے تب بھی کام ترک نہ ہوگا یہ اس لئے کہ پیر بتانا نہیں چھوڑے گا۔

پیر کی ذمہ داری

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیر حکم نہ دے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ پیروں سے ہرگز ممکن نہیں کیونکہ ان پر مقتدا اور امام ہونے کی حیثیت سے واجب ہے کہ اپنے مرید یا مقتدی کو دین کی راہ میں جن باتوں کی ضرورت ہے بتلائیں کیونکہ مرید کو قبول کر کے انہوں نے اپنے اوپر اس کام کو لازم کر لیا ہے۔

مرید کی ذمہ داری

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ بعض جگہ ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ نہ مرید درخواست کرتا ہے اور نہ پیر اس کو خود سے بتاتے ہیں جب مرید درخواست نہیں کرتا ہے تو پھر پیر خود کیوں نہیں طریقت کے امور پوچھنے کا حکم دیتے ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بے مائیگی سعادت کی کمی اور قبولیت کی بے استعدادی مرید کی ہے جس کی بناء پر ارشاد شیخ کا اسے حصہ حاصل نہیں ہوتا ہے اسی بناء پر شیخ حکم نہیں دیتے ہیں اس زمانہ میں ایسا درد کہاں ہے کہ خود کو (پیر کے) زیر اثر ڈال دے اور دامن گرفتہ بنالے تاکہ جس حال میں بھی ہے اس کی دوا کا طالب ہو اور جو ملے اسے اندھا بن کر عمل میں لائے دراصل صحیح معنوں میں بیمار اور دردمند ہونا چاہئے تاکہ علاج طلب کرے حال یہ ہے کہ ہوس سے زیادہ مرید کے اندر کچھ نہیں ہے اور اس بے مائیگی پر قرار بھی اسی بناء پر

ہے آج کل کام ہوس پر ہو رہا ہے یہ خیال آیا کہ مرید ہونا چاہیے چلے اور سر کے بال ترش والئے اور مرید ہو گئے۔

پیروں سے بھی شکایت ہے

پیروں کا بھی یہی حال ہے وہ بھی ہوس میں مبتلا ہیں دل میں آیا کہ مرید کرنا نیک کام ہے یہ اچھا معلوم ہوا مرید کرنا شروع کر دیا اگر ان سے فقیری کا کوئی مسئلہ یا لفظ پوچھا جائے تو پریشان ہو جائیں گے جواب نہیں دے سکیں گے جو خود نہیں جانتا وہ دوسروں کو کیا بتا سکتا ہے پیر بھی بوالہوس اور مرید بھی، دونوں کا ایک حال ہے اگر چہ دنیا پیروں سے خالی نہیں پیر ہر زمانہ میں ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ایسا ہی ہے لیکن ان دنوں زیادہ تر ایسا ہی ہے کہ کام ہوس اور لالچ سے ہوتا ہے مریدی بھی اور پیری بھی۔

لہ اور علیہ کی تفسیر

مجلس شریف میں لہ اور علیہ کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا جس میں بندے کے لئے ثواب ہے اسے لہ کہتے ہیں اور جس میں بندے کے لئے عذاب ہے اس کو علیہ کہتے ہیں۔ مشائخ اور درویشان کہتے ہیں کہ مرید کو کم سے کم لہ اور علیہ کا علم ہونا چاہیے تا کہ راہ سلوک میں جو چیز اس کو پیش آئے اس کے بارے میں وہ یہ جان لے کہ یہ کس قبیل سے ہے اگر لہ سے ہے تو اس کو بجا لائے اور اگر علیہ سے ہے تو اس سے دور رہے۔ مشائخ کی اصطلاح میں اس کو مغز معانی کہتے ہیں یعنی ایک مختصر سا ایسا جامع کلمہ ارشاد فرما دیتے ہیں کہ جس کے تحت میں دنیا بھر کا نظم آ جاتا ہے اور بظاہر وہی ایک جامع کلمہ ارشاد ہوتا ہے چنانچہ نقل ہے کہ ایک پیر سے ایک شخص مرید ہوا مرید کرنے کے بعد پیر نے اسے حکم دیا۔

دوسروں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو

''ہر چہ بر خود پسندی بر دیگراں پسند'' دوسروں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہو ایک مدت کے بعد وہ مرید شیخ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں حضور کی غلامی میں داخل ہوا لیکن

مجھے کوئی عمل نہیں تلقین کیا گیا۔ شیخ نے کہا جب پہلی ہی تختی مشق نہیں کی تو دوسری تختی کا سبق کیسے دیا جائے مرید اس کو سمجھ نہ سکا عرض کیا کہ حضور سمجھا نہیں تختہ اول کیا ہے۔ شیخ نے کہا کیا پہلے دن ہم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ دوسروں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو تختہ اول یہی تھا۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا سبحان اللہ کیا تختہء اول ہے کہ جملہ احکام کو اسی دوکلمہ میں تمام کرو۔

تزکیہ وتصفیہ سے قبل مرید کی ذمہ داری

مجلس شریف میں تزکیہ اور تصفیہ کے قبل مرید کے عمل کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کسی مبتدی مرید کو تصفیہ وتزکیہ کے قبل اپنے نفس کے فرمان کے مطابق کوئی عمل اختیار نہیں کرنا چاہئے جو عمل اختیار کرے پیر کے ارشاد کے مطابق کرے یہ اس لئے کہ وہ ابھی تک اس راہ کے دقائق اور باریکیوں سے آگاہ نہیں ہے اور تزکیہ وتصفیہ کے قبل وہ وساوس شیطانی اور نفسانی سے بھرا ہوا ہے مثلاً جب اس کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا ہے تو کھانا اس کو اچھا معلوم ہوتا ہے وہ جو کھانا کھاتا ہے وہ نفس کی خوشی کیلئے اور عادات کے طور پر کھاتا ہے اور اس خیال سے نہیں کھاتا کہ کھانا کھانے کا حکم آیا ہے یا کسی نے کسی وقت کسی سے یہ سن لیا کہ خیل خانہ (اصطبل) کو چھوڑ کر مجرد ہو جانا بہت بڑا کام ہے اور اکثر لوگوں نے ایسا ہی کیا ہے اس درمیان میں اتفاق ہوا کہ گھر کے کاروبار سے تنگ آ کر پریشان ہو گیا اور خانہ داری کی سختیاں دشوار معلوم ہونے لگیں تو زن وفرزند وخیل خانہ کو چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کرلی کہنے لگا کہ میں مجرد ہو گیا ہوں اور تجرد اختیار کرلیا ہے حالاں کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خانہ داری کی دشواریاں نہیں اٹھانا چاہتا اس سے تنگ آ کر اس نے ایسا کیا ہے اور اس کو خود خبر نہیں کہ یہ نفس کا دھوکہ ہے اور اسی طرح سفر واقامت میں کسی کو لطف آتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ سفر اختیار کرنا چاہئے لہٰذا نفس کی خوشی کے لئے سفر اختیار کرلیا تو جب تک کسی صاحب دل کے حکم سے سفر اختیار نہیں کرتا ایسے سفر سے کیا فائدہ؟ اس کے بعد یہ

مثنویات زبان گوہرفشاں سے ارشادفرمائی گئیں ؎

ہر کہ فرمان برداز خذلان پرست	از ہمہ دشواری و آسان پرست
طاعتے در امر دریک ساعت است	بہتر از نے امر عمرے طاعت است
ہر کہ بے فرمان کشد سختی بسے	سگ بود در کوئے آنکس نہ کسے
سگ بے سختی کشد او را چہ سود	جز زیاں نبود کہ بر فرماں نبود
واں کہ فرماں کشد سختی دمے	از ثوابش پر بر آید عالمے
کار فرمان راست در فرماں گریز	بندۂ تو در تصرف بر مخیز

(جس نے نقصان کی پرستش کرنے والے نفس کا حکم مان لیا وہ تمام دشواریوں کے ساتھ آسانی کی پرستش کرتا ہے۔ اطاعت تو امر کے ماتحت ہی ہے اگر چہ ایک ہی ساعت کیوں نہ ہو بغیر امر کے عمر بھر کی اطاعت سے بہتر ہے۔ بغیر فرمان کے جو سختی اٹھاتا ہے اس کی مثال کتے کی ہے اس راہ میں وہ آدمی کے شمار میں نہیں ہے کتا سختی بہت اٹھاتا ہے اس کو اس کا کچھ فائدہ نہیں اور اس کو نقصان ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ کسی کے فرمان کے ماتحت میں نہیں ہے ایک سانس بھی جو فرماں برداری میں گذارتا ہے اس کے ثواب سے سارا عالم بھر جاتا ہے کام فرماں برداری میں بنتا ہے فرمانبرداری کی راہ کی طرف دوڑ تو غلام ہے نافرمانی کی طرف مت مائل ہو۔)

مرید کے لئے پیر کی اقتدا اور حکم کی بجا آوری ضروری

اس کے بعد فرمایا کہ اسی طرح ہر چیز میں عمل اور ترک اگر نفس کے فرمان کے مطابق کیا جائے تو کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے جس طرح پیر نے عمل کے لئے بتایا ہے اگر نہ کرے تو اس کا کیا فائدہ؟ مبتدی مرید کو لازم ہے کہ احکامات کو بغیر ارشاد پیر بجانہ لائے اگر چہ طاعت ہی ہو اس گفتگو پر ایک شبہ وارد کیا ہے کہ جب نوافل عبادت ہے تو جتنی عبادتیں ہیں وہ کرنے کی چیزیں ہیں اس میں حکم کی کیا حاجت ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تصفیہ اور تزکیہ کے قبل مرید رحمانی تحریک اور شیطانی ورغلاہٹ میں تمیز نہیں کرسکتا اور وہ اعمال کی نزاکت اور اس کے اسرار سے واقف نہیں تو وہ جو بھی کرے گا نفس کے اطمینان کے لئے اپنی

عادت کے طور پر کرے گا اس لئے پیر سے اس کو پوچھ لے کیونکہ پیر اعمال کی باریکیوں اور اس کے اسرار سے باخبر ہوتا ہے رحمانی تحریک اور شیطانی ورغلاہٹ کو جانتا ہے پیر سے عرض کرنے میں یہ ہوگا کہ پیر اس پر غور کرے گا کہ اس کام کا محرک کون ہے کس کی تحریک ہے جس نے اس کو اس کام میں لگایا ہے اس غور وفکر کے بعد اسے حکم دے گا تا کہ کوئی کام مرید سے بغیر صواب کے سرزد نہ ہو اور اس بات میں اصل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے "یا ایھا الذین آمنو الاتقدموا بین ید اللہ و رسولہ" (اے ایمان والو اللہ اور اللہ کے رسول کے سامنے سے آگے نہ گذر جاؤ) امام کلبیؒ نے اس کی تاویل کی ہے کہ "لا تسبقوا رسول اللہ بقول ولا بفعل حتی یکون ھو الذی یا مر کم بہ" (یعنی قول وفعل میں رسول اللہ ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو جب تک رسول ﷺ تمہیں حکم نہ دیں)۔

مرید ہونے کے آداب

پیر کے ساتھ مرید کے یہی آداب ہیں کہ مرید پیر کے نزدیک مسلوب الاختیار ہے جسے کوئی تصرف اپنی جان اور مال میں نہیں ہوتا وہ جو عمل کرے پیر کے اشارہ اور حکم کے مطابق کرے۔ فائدہ اس کا یہ بتلایا گیا ہے کہ شیخ مرید کے لئے امین ہے الہام کے معاملہ میں جس طرح جبرئیل علیہ السلام وحی کے معاملہ میں امین ہیں تو جس طرح جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں یہ خیال کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ وحی میں خیانت کرتے ہیں اسی طرح شیخ کے متعلق مرید کا یہ خیال کرنا کہ مرید کے لئے جو ان کو الہام ہوا ہے اس میں وہ خیانت کریں گے جائز نہیں ہے جس طرح پیغمبر علیہ السلام اپنی خواہش سے نہیں کہتے اسی طرح شیخ جو پیغمبروں کے قائم مقام ہیں وہ بھی 'لا یتکلم بھواء النفس' (شیخ اور خواہش نفسانی سے کوئی کام نہیں کرتے)۔

شیخ خود اپنے خطاب کا مخاطب ہوتا ہے

اسی مقام کی یہ بات ہے کہ شیخ جو بات اپنی زبان سے کہتا ہے اس کے سننے والوں میں سے وہ ایک سننے والا ہے چنانچہ روایت ہے کہ ایک دن خواجہ ابوسعید ابوالخیرؒ اپنے رفقا اور مریدوں کے درمیان باتیں کر رہے تھے کہ انہوں نے فرمایا میں اس گفتگو میں سننے والوں

میں سے ایک سننے والا ہوں یہ بات ان کے ایک مرید کی سمجھ میں نہ آئی اس نے سوچا کہ یقیناً کہنے والا جو کہتا ہے اس کو جانتا بھی ہے تو وہ مستمع یعنی سننے والوں میں سے ایک سننے والا کیونکر ہوسکتا ہے اسی سوچ میں وہ گھر چلے گئے رات کو خواب میں دیکھا کوئی کہہ رہا ہے اس میں تعجب کی کیا بات ہے کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ جب ایک غوطہ زن سمندر کی تہہ میں موتی اور جواہر نکالنے کے لئے غوطہ لگاتا ہے تو اپنی تھیلی میں سینکڑوں موتی اور جواہر بھر لیتا ہے لیکن وہاں اسے وہ دیکھتا نہیں ہے جب سمندر سے موتی بھر لاتا ہے تو ان زر و جواہر کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے وہ سب لوگ دیکھتے ہیں جو دریا کے کنارے پر ہوتے ہیں مرید کو شیخ کا یہ اشارہ خواب میں منکشف ہوا اور مشکل دور ہوئی۔

مرید کے احوال پیر پر منکشف ہوتے ہیں

اسی موقع پر خاکسار نے عرض کیا کہ مرید کے دل میں جو خطرے گذرتے ہیں پیر کو معلوم ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا معلوم ہو جاتا ہے اس انکشاف کی بدولت جو انہیں حاصل ہے اور ہوسکتا ہے کہ کسی وقت نہ بھی معلوم ہو بہ سبب اس شغل کے جس میں وہ مستغرق ہوتے ہیں اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ صاحب کشف المحجوب (حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ) نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں بیان فرمایا ہے کہ ایک وقت ہمارے پیر وضو کر رہے تھے اور ہم وضو کے لئے پانی دے رہے تھے یعنی وضو کرا رہے تھے ہمارے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اللہ جل شانہ نے بندے کی قسمت میں دولت و نعمت لکھی ہے یا نہیں۔ اگر قسمت میں نہیں ہے تو بندہ تک وہ دولت و نعمت نہیں پہنچے گی اور اگر نصیب میں ہے تو لامحالہ پہنچے گی پھر پیروں کی اس درجہ خدمت مریدوں کے لئے کیوں ہے؟ تو اس اشراق باطن کے ذریعہ جو ہمارے شیخ کو حاصل تھا ہمارے اس خطرے سے آگاہی ہوئی حضرت نے سر اٹھایا اور فرمایا ہاں! میاں ایسا ہی ہے جیسا کہ تمہارے دل (خیال) میں گذرا لیکن اللہ جل شانہ نے جب کسی کی تقدیر میں یہ دولت لکھی ہے تو اسی راہ سے یعنی اسی خدمت کے ذریعہ اس کو وہ

دولت ونعمت ملے گی سنت جاریہ یہی ہے پیراس کی دولت ونعمت کا نشان دینے والا ہوتا ہے۔

تصرفات شیخ خواب و بیداری میں

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ مرید کی بیداری کی حالت میں مرید کے احوال میں پیر کو جس طرح تصرف حاصل ہے اسی طرح مرید کے احوال میں خواب کی حالت میں بھی تصرف ہوتا ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں ہاں! دونوں حالتوں میں ہوسکتا ہے جبکہ پیراس مقام میں پہنچے ہوئے ہوتے ہیں کہ "کنت له سمعا و بصرا" (میں ان کے سننے اور دیکھنے کا ذریعہ ہوں) مرید کی نینداور بیداری دونوں حالتوں میں پیر کو تصرف ہوتا ہے یہ اس لئے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کو بندے کے احوال کا علم دونوں حالتوں میں ہوتا ہے نیند میں بھی اور بیداری میں بھی ہے تو جو شخص اللہ کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اللہ کے کان سے سنتا ہے اس کو بھی وہ بات حاصل ہے۔

اپنے پیر سے خوش اعتقادی ضروری

اس کے متعلق خاکسار نے عرض کیا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مرید اپنے پیر کو دوسرے پیروں سے بہتر سمجھے یہ بات کیسی ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ایسا نہیں آیا ہے اس کو اس سے کیا مطلب کہ ایک کو دوسرے سے بہتر جانے تمام مشائخ یکساں ہیں مرید کو اپنے پیر کے ساتھ بس یہی اعتقاد رکھنا چاہئے کہ میرے پیر کا قول وفعل برحق ہے اور کوئی بات نفس کی خواہش کے مطابق نہیں کہتے جو کچھ کہتے ہیں یا کرتے ہیں وہ حق ہوتا ہے اگر میں اس پر چلوں تو حق کو پالوں یعنی اگر ان کے قول وفعل پر پورے طور پر عمل کروں تو اللہ کو پالوں جیسا کہ انہوں نے پالیا۔



انیسواں باب

حلق، قصر، فرق، ارسال اور اس کے مناسبات کے ذکر میں

مجلس شریف میں قاضی صدرالدین نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے حلق کتنی مرتبہ ثابت ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا حلق ایک بار (یعنی ایک بار حضور ﷺ نے سر مونڈوایا ہے) اور باقی فرق تھا اور فرق اس طور سے ہے کہ سر کے پیچھے گدی کے پاس سے بالوں کو پیشانی پر لا کر جوڑنے کی طرح گرہ لگاتے ہیں لیکن صحابہ کرامؓ نے ارسال کیا ہے (یعنی بالوں کو پیچھے لٹکتا چھوڑ دیا ہے)۔

خاکسار نے عرض کیا کہ ارسال اس طریقے پر ہے کہ سر کے بالوں کو داہنے اور بائیں دونوں طرف کر دیتے ہیں لیکن علویوں کے یہاں جو دو گھونگھر بتاتے ہیں یہ آیا ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جعد کے متعلق دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ مولانا احمد آموں نے عرض کیا کہ اگر صورت یہ ہو کہ کوئی شخص بندگان مخدوم کے سلسلے میں داخل ہوتا ہے اور ارادت لاتا ہے اس کے التماس کو شرف قبولیت عنایت ہوتی ہے اس کے بعد وہ مرید ہو جاتا ہے اور قصر کر دیا جاتا ہے اس پر وہ عرض کرتا ہے کہ بندے کو ارادت حلق کی تھی لیکن والدہ کی خواہش قصر میں تھی۔

حلق کی فضیلت

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اگر چہ حلق افضل ہے مگر جب ماں کی رضا قصر میں ہے تو قصر بہتر ہے کیونکہ یہاں پر جمع ہے بین المحلقین۔ اس کے بعد فرمایا کہ رسول ﷺ نے حاجیوں کے حق میں رحم اللّٰہ محلقین ارشاد فرمایا ہے۔ اس کے بعد صحابہ نے عرض کیا کہ المقصرین اس پر رسول علیہم السلام نے فرمایا رحم اللّٰہ محلقین پھر صحابہ نے کہا المقصرین اس کے بعد چوتھی بار رسول ﷺ نے فرمایا رحم اللّٰہ محلقین والمقصرین تو اگر حلق کو قصر پر فضیلت نہ ہوتی تو رسول ﷺ تکرار نہ فرماتے اہل حلق پر رحمت ہے اور مقصرین کے حق میں جو ترحم ہے وہ بہ مقتضائے عطف ہے نہ کہ اصالتاً تو یقیناً حلق افضل ہوا نہ کہ قصر۔

بیعت وخرقہ کا رواج

اس کے بعد فرمایا کہ رسول ﷺ کے عہد پاک میں اور اگلوں کے زمانے میں بیعت و حلق نہیں تھا یعنی اس کا عام رواج نہیں تھا صحبت تھی اور خرقہ تھا اور اس جیسی دوسری چیزیں تھیں کیا یہ نہیں دیکھتے کہ رسول ﷺ نے اپنا خرقہ مبارک خواجہ اویس قرنیؒ کو بھیجا۔ ہاں! قصر حلق اور بیعت متأخرین کے زمانہ میں رائج ہوا ہے۔

طریقہ دست بدست بیعت کی ابتداء

خواجہ جنید بغدادی کے زمانہ سے پھر یہ جاری ہوا ہے کہ جب تک بیعت اس طور سے نہیں کریں کہ ہاتھ پر ہاتھ نہیں دھرتے پیری و مریدی نہیں ہوتی مریدی اسی وقت درست

ہوتی ہے جب ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں بعض جگہ یہ شبہہ وارد کیا گیا ہے کہ جب رسول ﷺ
کے عہد مبارک میں حلق وقصر و بیعت اس صورت سے نہ تھی تو خواجہ جنید بغدادی نے اپنی طرف
سے بدعت کی خواجہ جنید بغدادی اس کام کے مقتدا ہیں جب تک ان کو رسول ﷺ سے کوئی نقل
یا صحابہ کرام سے اس کی اصل ثابت نہ ہوئی ہوانہوں نے اپنی جانب سے شروع نہیں کیا ہے
کیونکہ ان کے متعلق کسی کو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے خود سے جاری کیا
ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اصل یا نقل ضرور پہنچی ہے۔

طاقیہ سے بیعت نہیں ہوگی

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ حکایت بیان فرمائی جس زمانہ میں شیخ نظام الدینؒ
(اولیاء) حیات تھے شیخ احمد آمون شیخ نظام الدینؒ کے یہاں حاضر ہوئے طاقیہ کے لئے عرض کیا
حضرت نے طاقیہ عنایت کیا بیعت اور قصر اس طاقیہ کے درمیان نہیں ہوا پھر شیخ نظام الدینؒ کے
وصال کے بعد شیخ احمد دہلی گئے شیخ محمود (یعنی نصیر الدین چراغ دہلوی) سے بیعت کے لئے
التماس کیا شیخ محمود نے فرمایا کہ ارادت کسی سے رکھتے ہیں؟ کہا کہ میں نے طاقیہ شیخ نظام الدینؒ
سے پایا ہے لیکن دست بیعت نہیں ہوئی تھی شیخ محمود نے کہا کہ آپ کو تو بیعت کی حاجت نہیں
ہے کیونکہ عنایت طاقیہ ہی بیعت ہے۔ صوفیوں میں سے چند لوگ اس جماعت میں حاضر تھے
آپس میں اس پر بحث کرنے لگے کہ وہ طاقیہ تبرک تھا اس سے بیعت کیوں کر ہو جائے گی آخر
اس مسئلہ میں شیخ محمود خود بھی شامل ہوئے اور شیخ احمد سے فرمایا کہ ہم اس مسئلہ کو دوسرے مشائخ
سے پوچھ لیں اور آپس میں گفتگو کرلیں اور مشائخ کی کتابوں سے اطمینان کرلیں کہ کیا فیصلہ
ہوتا ہے؟ ویسا ہی کیا جائے گا شیخ محمود نے کتابیں دیکھنا شروع کیں اور دوسرے مشائخ کے
پاس بطور استفتاء معلوم کیا کہ ایک واقعہ ایسا پیش آیا ہے اس مسئلہ میں کیا حکم ہوگا آخر جملہ مشائخ
اور درویشوں کا اس پر اتفاق ہوا کہ وہ بیعت نہیں ہوئی آپ بیعت لے لیں وہ طاقیہ تبرک تھا۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ مقصود اس حکایت سے یہ تھا کہ
چونکہ ہاتھ پر ہاتھ نہیں رکھا گیا اور مقراض نہیں چلائی گئی تھی اس لئے پیری اور مریدی کا حکم عائد نہیں ہوا۔

نگاہ مرد مومن

پھر دوسری حکایت اسی مناسبت سے بیان فرمائی کہ ابواسحاق طائفہ سفید باف کی اولاد میں سے ہیں ایک دیہات میں رہتے تھے ایک روز تانا تن رہے تھے یکا یک خواجہ عبداللہ خفیفؒ ان کے پاس پہنچ گئے نگاہ باطن کا جو کمال ان کو حاصل تھا اس سے انہوں نے کہا کہ اے ابواسحاق آؤ اور مجھ سے مرید ہو جاؤ خواجہ ابواسحاقؒ نہیں جانتے تھے کہ مرید کس طرح ہوا جاتا ہے انہوں نے کہا کہ کیسے مرید ہوں خواجہ عبداللہ خفیفؒ نے فرمایا آؤ اور میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھو اور یہ کہو کہ میں آپ کا مرید ہو گیا تو جب تک ہاتھ پر ہاتھ نہ رکھے مریدی ثابت نہیں اس کے بعد خواجہ ابواسحاقؒ نے عرض کیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے اور کس چیز میں مشغول ہونا چاہئے خواجہ عبداللہ خفیفؒ نے فرمایا کہ تم کچھ نہ کرو صرف یہ ایک کام کرلیا کرو کہ خود اس وقت تک کھانا نہ کھاؤ جب تک کہ کسی فقیر کو کھانا نہ کھلا لو پہلے کسی فقیر کو کھانا کھلاؤ اس کے بعد خود کھاؤ جب یہ حکم ہوا تو اس کے پابند ہو گئے۔ ایک زمانہ تک یہی کرتے رہے ایک مدت کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ ان کے گاؤں میں تین درویش پہنچے لیکن وہ ٹھہرے نہیں آگے نکل گئے۔ خواجہ ابواسحاقؒ نے کہا یہ لوگ اس گاؤں میں ٹھہرے نہیں کیا بہتر ہو کہ ان کے پاس کھانا لے جاؤں گھر آئے دیکھا کہ تین روٹیاں موجود ہیں تینوں روٹیاں اٹھائیں اور ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ ان سے جا ملے عرض کیا کہ کھانا لایا ہوں وہ لوگ اسی جگہ بیٹھ گئے خواجہ ابواسحاق نے تینوں روٹیاں نکالیں اور ایک ایک روٹی تینوں درویش کے آگے رکھی ان لوگوں نے تناول فرمایا اور آپس میں یہ گفتگو کی کہ اس مرد نے اپنا کام کیا اب ہم لوگوں کو بھی اپنا کام کرنا چاہئے چنانچہ ان میں سے ایک درویش نے کہا کہ ہم نے دنیا دیا۔ دوسرے نے کہا بیچارہ برباد ہو جائے گا ہم نے عقبی دیا تیسرے نے کہا فقراء جواں مرد ہوتے ہیں دونوں ہی دیتے ہیں اور ہم نے تم کو دونوں ہی دے دیا اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ عقبی کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے کہ عقبی میں ان کا رتبہ کتنا بلند ہے مال اسباب کی اس درجہ فراوانی ہوئی کہ پانچوں وقت نوبت ان کے در پر بجتی ہے اور آج تک ان کے انتقال کے بعد بھی پنج وقتہ نوبت بجا کرتی

ہے اور لنگر اور دستر خوان جس طرح ان کے وقت میں جاری تھا آج تک جاری ہے لاکھوں لاکھ روپیہ جہاز راں مقبرہ میں پہنچاتے ہیں اس علاقہ سے جو جہاز گزرتا ہے وہ یہ نذر مانتا ہوا جاتا ہے کہ اگر میں سلامتی کے ساتھ پہنچ گیا تو اتنا ہزار دینار خواجہ کے مقبرہ میں داخل کریں گے ہر سال اس طور سے لاکھوں لاکھ کی آمدنی ہوتی ہے اور خرچ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ مثنوی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی ؎

ہر کہ او ہست کل او را بود — ہفت دریا زیر پل او را بود

مرد ... در باش تا بکشایدت — سر متاب از راہ تا بنمادت

اور فرمایا کہ سبحان اللہ کیا نگاہ شیخ عبداللہ کی تھی اور کس درجہ کا کمال تھا اور یہ شعر زبان گوہر فشاں پر آیا ؎

روشن تر از آفتاب باید رائی — تا بشناسد مزاج ہر سودائی

بیعت میں سر کے بال تراشنے کی حکمت

مجلس شریف میں اس کا تذکرہ آ گیا کہ قینچی چلانے کے وقت مشائخ جو سر کے تین بال تراشتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ شیخ احمد بنگالی نے ہم سے یہی سوال کیا تھا کہ مشائخ کے صرف تین ہی بال کاٹنے کا کیا مطلب ہے اس سے زیادہ کیوں نہیں تراشتے؟ مجھے کسی کتاب میں اس کی وجہ نہیں ملی آخر دل میں یہ بات آئی کہ اللہ بہتر جانتا ہے تین بال اس معنی کے اعتبار سے لیتے ہوں جیسا کہ حجابات کے متعلق کتابوں میں مسطور ہے کہ حجابات تین ہیں۔ ایک حجاب مخلوقات ہیں جو طاعت و عبادت کے لئے حجاب ہیں۔ یہ اس لئے کہ آدمی کو اپنے میں لپٹائے رکھتے ہیں۔ دوسرے دنیا جو عقبیٰ کے لئے حجاب ہے۔ تیسرے عقبیٰ کہ وہ مولیٰ کے لئے حجاب ہے تو جس وقت یہ تین بال تراشتے جاتے ہیں تینوں حجابات کو قطع کر دیتے ہیں ہر بال ایک حجاب کے قطع ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور عقبیٰ کے لئے یہ چار بال تراشتے

ہیں ایک بال پیشانی سے ایک ایک بال دائیں اور بائیں سے اور ایک بال گدی یعنی سر کے پیچھے حصہ سے اللہ بہتر جانتا ہے اس میں شاید یہ معنی ہو جیسا کہ بعضوں نے کہا ہے کہ حجاب چار ہیں تین حجاب وہ جن کا تذکرہ اوپر ہوا اور چوتھا حجاب نفس ہے تو ہر بال کا قطع ہونا ہر حجاب کے قطع ہونے کی طرف اشارہ ہے لیکن یہاں پر ایک شبہ وارد ہوتا ہے کہ نفس خود خلق میں سے ہے اور مخلوق میں داخل ہے تو اس رو سے چوتھا حجاب نفس نہ ہوگا؟

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے خود ہی جواب ارشاد فرمایا کہ خلق بر طریق عام ہے اور نفس بر طریق خاص اور دوسری بات یہ بھی ہو سکتی ہے جسے اللہ بہتر جانتا ہے یہ معنی ہوں کہ عالم کے چار رکن ہیں تو سر کے چاروں طرف سے چار بال لے لیتے ہیں اس کا اشارہ عالم کے چار رکنوں سے منقطع کرنا ہے تو ہر بال کے قطع کرنے سے ہر رکن سے قطع تعلق کرنے کی طرف اشارہ ہو پھر اسی موقع پر یہ مثنوی زبان مبارک پر آئی ؎

خطۂ خاک لہو بازی راست   عالم پاک پاکبازی راست

اندریں راہ اگر چناں نہ کنی   دست و پائے بزن زباں نہ کنی

حلق کرانے کے فوائد

مجلس شریف میں حلق کے فوائد کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ شیخ نظام الدینؒ کے ملفوظ میں دیکھا ہے کہ یہ تین چیزیں خود کرنے کی ہیں دشمن کو نہیں بتانا چاہئے یہ انتہائی منفعت کی وجہ سے ہے۔ اور جو کہا گیا کہ دشمن کو نہیں بتانا چاہئے یہ منفعت کے مبالغہ کو ظاہر کرنے کے لئے ہے اس عمل پر دوسروں کو تحریص دلانے کے لئے ہے ان تین چیزوں میں ایک حلق ہے یعنی سر منڈانا دوسرے نہار منھ پانی پینا تیسرے پاؤں میں روغن کی مالش کرنا۔ حلق میں بہت زیادہ فائدہ ہے اس سے غسل جنابت میں بھی آسانی ہوتی ہے اگر جنابت کے غسل میں سر کا بال نہیں دھلتا تو جنابت کی نجاست باقی رہ جائے گی حلق کرانے سے گندگی کا یہ شبہہ بھی دور ہو جاتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ اگر سر کے بال بڑھے ہوئے ہوں تو کاہلی پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ نماز کے قضا ہونے

کی نوبت آجاتی ہے حلق کرانے سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ سر کے بالوں کی نگہداشت میں جو الجھن ہوتی ہے وہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔

اس موقع پر ایک عزیز نے شرف قدمبوسی حاصل کی اور ارادت پیش کی کہ بندہ کو غلامی کے سلسلے میں داخل کرلیا جائے عرض قبول ہوئی اور وہ شرف بیعت سے مشرف کردئے گئے ان کے مرید ہونے کے بعد قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ مشائخ مرید کرنے کے وقت سر کے چند بال تراشتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس طرح آیا ہے "**المرید لایکون مرید احتی لایاخذالشیخ شعر راسہ**" (کوئی شخص اس وقت تک مرید نہیں ہوسکتا جب تک شیخ اس کے سر کے بال نہ تراش لے) تو سر کے بال تراشنا مرید کی صحت کے لئے ہوتا ہے اور پورے سر کا مونڈانا اللہ بہتر جانتا ہے ایک بات ایسی یاد آتی ہے جو کتاب میں نظر آئی ہے یہ اشارہ اسی طرف ہے کہ جو کچھ سر میں شہوات اور لذات کی قسم سے ہے اور جتنے حجابات ہمارے مولیٰ کے درمیان ہیں ان سب کو سر سے نکال پھینکتا ہوں پھر مثنوی کے یہ دو اشعار زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ؎

تا بود ایں جہاں نباشد آں — از تو خواہی تا بداں منزل رسی
تا تو باشی نباشدت یزداں — تا کہ موئے ماندۂ مشکل رسی

(جب تک تم اس جہان میں لگے رہو گے اس (حق) سے تمہیں کوئی نسبت نہیں ہو سکتی جب تک تم اپنی خودی میں رہو گے خدا تمہیں نہیں مل سکتا۔ اگر تم اس منزل تک پہنچنا چاہتے ہو ایک بال برابر بھی اس دنیا میں لگے رہو گے تو نہیں پہنچ سکتے)

اور اسی وقت زبان گوہر فشاں سے فرمایا کہ وہ سر کے ساتھ ہے اور اس کا تعلق ہاتھ اور دل سے ہے اللہ کی رضا کی رحمت کی جستجو اس زمانے میں کسے نصیب ہے۔

بیعت میں خرقہ ومقراض کی حقیقت

پھر اسی موقع پر خرقہ اور مقراض کی حقیقت بھی بیان فرمائی ارشاد ہوا کہ مقراض کی اصل یہاں سے ہے منقول ہے کہ جناب آدم علیہ السلام کو جو اولاد ہوتی اسے کسی نہ کسی پیشہ یا کام

میں لگا دیتے جتنے فرزندان ہوئے ان سب کو جس جس کام کے لائق دیکھا اسی پیشہ یا اسی کام میں لگا دیا یہاں تک کہ حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت شیث کو ابتدا ہی سے خلوت نشینی محبوب تھی جناب آدم علیہ السلام سوچ میں پڑ گئے کہ آخر ان کی طبیعت کے موافق کون سا کام ہے جس میں ان کو لگایا جائے اسی فکر میں تھے کہ جناب جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا الشیث صوفی (شیث صوفی ہیں) اس کے بعد جناب شیث علیہ السلام خلوت نشینی میں مشغول ہو گئے پھر ایسا ہوا کہ لوگوں نے آپ سے تعلق پیدا کیا اور زیادہ تر لوگ آپ کے پاس حاضر ہونے لگے اس کے بعد پھر جبرئیل علیہ السلام آئے اور جناب شیث پیغمبر علیہ السلام کے لئے مقراض لائے اور کہا کہ جو آپ سے تعلق پیدا کرنا چاہے اس قینچی سے اس کے سر کے بال تراش لیا کیجئے تا کہ اس شخص اور آپ کے درمیان تعلق کامل ہو جائے مقراض کی اصلیت اور ابتداء یہیں سے ہوئی اور اس کو اختیار کیا گیا ہے۔

ہاں! خرقہ کی اصل میں اختلاف ہے بعض لوگ جناب ابراہیم خلیل اللہ سے لیتے ہیں اور وہ اس واقعہ کو بطور سند پیش کرتے ہیں کہ جب نمرود لعین نے جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو منجنیق میں رکھ کر آگ میں ڈلوا دیا جیسے ہی وہ آگ میں ڈالے گئے ٹھیک اسی وقت جناب جبرئیل علیہ السلام ایک پیراہن (خرقہ) بہشت سے لائے اور حضرت کو پہنایا جس سے وہ آگ گلزار خلیل بن گئی اور بعض ہمارے حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اصل قرار دیتے ہیں اور وہ اس طرح کہ شب معراج ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل شانہ سے خرقہ پایا تو اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سوال بتایا کہ اپنے اصحاب سے یہ سوال کیجئے اور اس کا جواب بھی فرمایا کہ جو یہ جواب دیں انہیں یہ خرقہ مبارک عنایت فرما دیجئے اس کے بعد رسول علیہ السلام نے اول امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سوال کیا کہ اگر تمہیں یہ خرقہ جو رب العزت سے ملا ہے دیا جائے تو تم اس خرقہ کو پہن کر کیا کرو گے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے جواب دیا کہ صدق وصفا اختیار کروں گا اس کے بعد امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے سوال فرمایا حضرت عمرؓ نے جواب دیا میں اسے پہن کر عدل و انصاف کروں گا پھر امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ سے سوال ہوا حضرت

عثمانؓ نے جواب دیا میں سخاوت و عطا اختیار کروں گا تمام حضرات نے اپنی اپنی صفت کے مطابق جواب دیا آخر میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہ سے پوچھا گیا کہ اگر یہ خرقہ تمہیں دیا جائے تو تم کیا کرو گے جناب علیؓ نے جواب دیا میں اس خرقہ کے ذریعہ لوگوں کی پردہ پوشی کروں گا اور خلق کے عیبوں کو چھپاؤں گا۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے خرقہ نکالا اور بڑھا دیا کہ لیجئے مجھے یہی فرمان ملا تھا کہ جو یہ جواب دے یعنی وہ جواب جو آپ نے دیا اسی کو یہ خرقہ دیا جائے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ اسی مقام کی بات ہے کہ صوفیاء لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتے ہیں اور اگر کسی میں ظاہری طور پر کوئی عیب دیکھتے ہیں تو حسن ظن کے اعتبار سے خیر پر محمول کرتے ہیں اور اس کو اس حد تک نظر انداز کر دیتے ہیں جہاں تک اس میں اجتہاد ہے اور جہاں تک اس میں خیر کا امکان ہے اس کے بعد مثنوی کے یہ اشعار زبان گوہر فشاں پر آئے ؎

ہر کہ او عیب گنہ گاراں کند　　خویشتن را دخیل جباراں کند
گر ہر کس جز نمازی نیستی　　حکمتش را عشق بازی نیستی
نے ہمہ زہد مسلم می خرند　　ہیچ ہر درگاہ او ہم می خرند

(جو شخص گنہ گاروں کے عیوب کو ظاہر کرتا ہے وہ خود کو ظالموں کا سردار بناتا ہے تمام کے تمام لوگ اگر نمازی ہوتے جب بھی سب کے سب عشق بازی کی حکمت سے آگاہ نہ ہوتے اگر اس کی جناب میں زہد و تقویٰ کی کوئی قیمت ہے تو کمترین بندوں کی کمتری بھی خریدی جاتی ہے۔)

اور فرمایا کہ "عوارف" میں یہ لکھا ہوا ہے ابوزرعہ نے اپنے والد سے اور ان کے والد کو ام خالدؓ سے یہ روایت منقول ہے کہ رسول علیہ السلام کے پاس کپڑے لائے گئے تھے ان کپڑوں میں ایک کپڑا سیاہ اور کوتاہ بھی تھا رسول علیہ السلام نے فرمایا کچھ جانتے ہو یہ کپڑا میں کس کو پہناؤں گا؟ صحابہ چپ کھڑے رہے پھر فرمایا ام خالد کو میرے پاس لاؤ ام خالد بیان کرتی ہیں کہ مجھ کو حاضر کیا گیا اور وہ کپڑا مجھ کو پہنایا گیا رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کو پرانا کردو اور

اس کو چھپا کر رکھو دو مرتبہ زبان مبارک سے یہی ارشاد ہوا۔ وہ گئیں اور علم میں وہ خرقہ جو زرد اور سرخ رنگ کا تھا اس کے نیچے کر دیا ارشاد ہوا کہ اے ام خالد یہ علم اچھا ہے۔

خرقہ تبرک اور خرقہ ارادت

الحاصل خرقہ دو طرح پر ہے خرقہ ارادت ہے اور خرقہ ءتبرک خرقہ ارادت مرید حقیقی کے لئے ہے اور خرقہ تبرک مشتبہ کے لئے "ومن تشبہ بقوم فھو منھم" (جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا۔) یہ بھی کم نہیں ہے بہت بڑی چیز ہے خرقہ پہننا پیر اور مرید کے درمیان رابطہ ہے اور مرید کا اپنے نفس پر شیخ کو حاکم تسلیم کرنا ہے اور اس سے علحدہ نہ ہونا اور امت کے لئے اپنے اوپر رسول اللہ ﷺ کی حاکمیت کو لازم کرنا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم ناطق ہے تو مرید کو اپنے اوپر شیخ کی حاکمیت کو لازم کرنا اس سنت کو زندہ کرنا ہے اور وہ حاکمیت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا "فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما" (قسم ہے آپ کے رب کی وہ اس وقت تک مؤمن نہ ہوں گے جب تک آپ کو اپنا حاکم نہ جان لیں اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان میں ہوا پھر وہ لوگ آپ کے فیصلے سے اپنے دل میں کوئی تنگی نہ پائیں اور آپ کے حکم کو بخوشی قبول کر لیں۔ اس آیت شریفہ کی شان نزول یہ تھی کہ حضرت زبیر بن عوام کو کھجور کے درختوں کے پانی پٹانے کے راستے کے بارے میں ایک شخص سے جھگڑا ہو گیا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فیصلہ یعنی حکم طلب کیا رسول ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام کو حکم دیا کہ پہلے تم اپنے کھجور کے درختوں کو سیراب کر لو پھر پانی اپنے ہمسایہ کے باغیچے کی طرف کھول دو، وہ شخص غصہ میں آ گیا کہ پیغمبر ﷺ نے اپنی پھوپھی کے لڑکے کے حق میں فیصلہ دے دیا تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اس آیت میں رسول خدا ﷺ کے ساتھ ادب کی تعلیم دی گئی اور رسول خدا ﷺ کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کی شرط اس آیت شریفہ میں کی گئی اور اثبات کرنا ظاہر میں اس کا برتنا ہے۔ اور نفی کرنا حرج ہے، حرج کا مطلب یہ ہے کہ باطن میں بھی دل کا جھکا دینا ہے اور یہی شرط ادب مرید

کے لئے شیخ کے ساتھ ہے جبکہ اس نے اپنے لئے شیخ کو حکم بنالیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ کے ہاتھ سے خرقہ پہننا گویا رسول خدا کے دست مبارک سے پہننا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ" (بے شک جو لوگ آپ سے بیعت ہوتے ہیں وہ اللہ سے بیعت ہوتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے پھر جو کوئی قول وقرار توڑتا ہے وہ اپنا ذاتی نقصان کرتا ہے۔)

خرقہ زیب تن کرنا خود سپردگی کی علامت

خرقہ پہننا اس کے تسلیم وتفویض کی علامت ہے اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی فرماں برداری کرنا ہے اور رسول ﷺ کی متابعت کی سنت کو زندہ کرنا ہے جیسا کہ ولید بن عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے جو آپ کہیں گے ہم لوگ عمل کریں گے دشواریوں میں اور آسانیوں میں رنج میں اور راحت میں جیسا کہ اس کے کرنے کا حق ہے اور خلاف نہ کریں گے جہاں بھی رہیں گے اور سچ بولیں گے اور بھلا برا کہنے والوں کی ملامت سے کبھی نہیں ڈریں گے۔ خرقہ کے معنی متابعت اختیار کرنے کے ہیں اور صحبت میں داخل ہونے کے ہیں اور صحبت ہی مقصود کل ہے کیونکہ مرید کے لئے تمام خیر کی امید صحبت ہی میں ہے جیسا کہ اکثر مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے کہ "من لم یر مصلحاً لم یصلح" (جس نے مصلح (پیر) کو نہیں دیکھا وہ مریدی اور اصلاح کا کام کبھی بھی نہیں کرسکتا۔) حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ اشعار ارشاد فرمایا ؎

صحبت زیرکاں چو بو از گل　　وعظ از ناصحاں چو طعم از مل
با رفیقاں سفر مقر باشد　　بے رفیقاں سفر سقر باشد
پس نکو گفتہ اند ہوشیاراں　　خانہ را یار و راہ را یاران

(دانشمندوں کی صحبت میں وہ فائدہ ہے جو پھول سے خوشبو میں، نصیحت کرنے والوں

کے واعظ میں گویا لذات شراب ملتی ہیں، سفر میں اگر ساتھی ہے تو منزل کا مزہ آتا ہے، سفر اگر بے ساتھی کے ہے تو گویا آدمی جہنم سے گذر رہا ہے، ہاں! ہوش مندوں نے کتنا اچھا کہا ہے، گھر کی لذت یار کے ساتھ ہے اور راستہ چلنے کی لذت ساتھیوں کے ساتھ ہے۔)

خاکسار نے عرض کیا کہ اگر کوئی فاسق اور گنہ گار یا وساوس شیطانی ونفسانی کا گرفتار مرید محلق ہونے کی نیت رکھتا ہو اور یہ کہے کہ ابھی گناہ میں مبتلا ہوں جب فسق ومعصیت اور وساوس سے چھٹکارا مل جائے گا اور پاک ہو جاؤں گا تو اس وقت مرید اور محلق ہو جاؤں گا، اس طرح کی باتیں کہنی کیسی ہیں؟

مریدی اور خرقہ کے فوائد

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی یہ کہے کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ کا صدق حاصل کرلوں گا تب نماز پڑھوں گا ہرگز ہرگز اس طرح کے خیالات دل میں نہیں آنا چاہئے فورا بیعت کرلینی چاہئے۔ بزرگوں نے ایسی باتوں سے منع فرمایا ہے کہ یہ سب باتیں شیطانی وسوسے ہیں اور کہا ہے جو بھی آئے اور جس حال میں بھی ہو اس کو مریدی کا جامہ پہنا دیں اور خرقہ عنایت کر دیں اس کے بعد فرمایا کہ کوشش کرنی چاہئے فسق وفجور کے باوجود خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے اگر چہ کچھ حاصل نہ ہو تو کم از کم درویشوں کی مشابہت تو حاصل ہوگی اور خواجگان چشت کے خاندان میں یہی طریقہ رائج ہے جو بھی آیا اس کو شرف بیعت سے مشرف فرمالیتے ہیں اور مریدی کا جامہ پہنا دیتے ہیں اگر چہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو یہ اس لئے کہ جب یہ خرقہ اس کے جسم پر ہوگا تو اس خرقہ کی شرم دامن گیر ہوگی اور اسے اس کا احساس ہوگا کہ یہ خرقہ متقیوں کا لباس ہے اس سبب سے وہ گناہ سے بچے گا اور شیخ کے پاس آئے گا اس وقت مثنوی کے یہ چند اشعار زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ؎

گر گنہ داری در توبہ است باز	توبہ کن کین در نخواہد شد فراز
ہست چوں دریائے فضلش بیدریغ	در برا و جرمہا یک اشک میغ
ہر کرا باشد چناں بخشایشے	کہ تغیر آرد از آلایشے

(اگر تم گناہوں میں لت پت ہو تو کیا ہوا جبکہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے توبہ کرلو اس لئے کہ یہ دروازہ کھلا ہوا نہیں رہے گا جب اس کے فضل کا دریا موجیں مار رہا ہے تو اس کے نزدیک تمام گناہوں کی مثال ایک قطرہ کی ہے جس کے یہاں بخشائش کی اتنی افراط ہے وہاں ذرا سا میل کچیل سے کیا رنگ بدل سکتا ہے۔)

اس کے بعد فرمایا کہ اس خرقہ کی برکت سے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کلیتہً گناہوں سے پاک وصاف ہو جائے اور وسواس اور خطرات کے دور کرنے کے لئے بہت زیادہ غلو فرمایا کہ اس طرح کے خطرات وساوس شیطانی ہیں جو آدمی کو اس نعمت سے پھیر دیتے ہیں اس کے بعد یہ اشعار ارشاد فرمایا ؎

پشم در کش ہر چہ موسیٰ کون را ریش گیر آنگاہ ایں فرعون را

در دو عالم شادی مرداں دروست زندگی گنبد گرداں بدوست

چیست از و بہتر بگوائے ہیچ کس تا براں تو شاد باشی یک نفس

(پہلے موسیٰ کی طرح اس دنیا کو ذلیل و رسوا سمجھ لو اس کے بعد نفس کے فرعون پر حملہ کرو دونوں عالم کی خوشی مردان راہ کے لئے اسی راہ میں ہے روز و شب کی زندگی اسی میں ہے اس سے بہتر اور کیا ہے تم ہی بتاؤ، ایسی چیز کہ ایک لمحہ تم خوش رہ سکو۔)



بیسواں باب

اولیائے حق کے بیان میں

مجلس شریف میں حدیث شریف اولیائی تحت قبائی کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ قباب جمع قبہ کی ہے اور قبہ بمعنی دامن کے ہیں یعنی میرے اولیاء میرے دامن کے نیچے ہیں میری عزت کے دامن میں ہیں مراد اس سے یہ ہے کہ وہ میری عزت ہیں اولیاؤں میں سے بعض اولیا لوگوں میں عام طور سے یہی مشہور ہے کہ جو چیز بہت زیادہ محبوب ہوتی ہے اسے دامن میں چھپا لیتے ہیں۔

حضرت خواجہ جنید رحمتہ اللہ علیہ کی ابلیس سے ملاقات

اس کے بعد فرمایا یہ حکایت اس مناسبت سے ہے کہ ایک رات خواجہ جنید بغدادیؒ اٹھے طہارت کی اور مسجد شونیزیہ جو بہت متبرک جگہ ہے گئے جب مسجد کے دروازے کے

سامنے پہنچے ایک ہولناک اور منکر صورت کو دیکھا کہ کھڑا ہے پوچھا تو کون ہے؟ کہ تجھ سے انکار پیدا ہوتا ہے (تو غیر مانوس لگتا ہے) اس نے کہا کہ میں وہ ہوں کہ جس کے دیکھنے کی آپ کے دل میں چند مرتبہ آرزو پیدا ہوئی تھی۔ شیخ نے پہچان لیا کہ یہ ابلیس ہے۔ ابلیس نے پوچھا میری ملاقات کی آرزو آپ کو کس لئے ہوئی؟ فرمایا تا کہ تجھ سے ایک سوال کروں پوچھا وہ سوال کیا ہے؟ فرمایا وہ سوال یہ ہے کہ کیا تجھے اولیاء اللہ پر دست رس ہوتا ہے؟ کہا نہیں۔ جب میں چاہتا ہوں کہ انہیں دنیا میں مبتلا کروں تو وہ آخرت کی طرف بڑھ جاتے ہیں اور جب میں چاہتا ہوں کہ انہیں آخرت میں مبتلا کروں تو وہ حضرت مولیٰ کی طرف پہنچ جاتے ہیں اور وہاں میری رسائی نہیں پھر شیخ نے سوال کیا کہ کیا تجھے ان لوگوں کے اسرار کی خبر ہوتی ہے؟ کہا نہیں مگر اس ایک وقت میں جبکہ سماع میں آپ لوگوں کو وجد ہوتا ہے تو اس وقت میں جان لیتا ہوں کہ انہیں کیا پیش آیا ہے یہ کہا اور غائب ہو گیا۔ شیخ متفکر ہو کر مسجد میں داخل ہوئے مسجد کے ایک گوشہ سے آواز آئی اے فرزند ہوشیار۔ اس دشمن کے فریب میں نہ آنا اس لئے کہ اللہ کے ولی اللہ کو اس درجہ پیارے ہیں کہ جناب جبرئیل کو بھی ان کے احوال سے مطلع نہیں کیا گیا ہے اس دشمن کو کب اطلاع دیں گے جب ادھر نگاہ کی تو دیکھا کہ حضرت کے پیر خواجہ سری سقطیؒ ہیں اس سے حضرت جنیدؒ کا وقت خوش ہوا۔

کرامت کا علم ولی کو ہوتا ہے یا نہیں؟

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ کیا ولی کرامت کے ظہور سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ میں ولی ہوں یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا بعض کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو اس کا علم ہوتا ہے اور اکثر کا قول ہے کہ نہیں ہوتا ہے یہ اس لئے کہ اس کی کرامتیں استدراج اور مکر سے خالی نہیں ہیں اگرچہ کرامت اور استدراج میں فرق بیان کیا ہے لیکن یہ لوگ اس میں بھی شاکر ہوتے ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ کرامت ہے اور یہ اس حقیقت کی بناء پر ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ سے ہر وقت بدگمان رہتے ہیں اور ہرگز اپنے آپ کو کرامت کے لائق نہیں جانتے اور نہیں

دیکھتے اور اس موقع پر یہ بیت زبان مبارک پر آئی ؎

بت پرستم من گمرہ کہ تو زاہد خوانی　　اینکہ تسبیح بدستم مکر زنار است

(میں ایک گمراہ بت پرست ہوں جسے تم زاہد جانتے ہو اور یہ تسبیح جو تم میرے ہاتھ میں دیکھتے ہو یہ تسبیح نہیں زنار ہے زنار۔)

لیکن کشف المحجوب میں لکھا ہے صاحب ولایت کا یہ نہیں جانتا کہ میں ولی ہوں بچوں کے جیسی باتیں ہیں یہ اس لئے کہ ولی اور حق سبحانہ تعالیٰ کے درمیان اتنے اسرار و معانی گزرتے ہیں کہ کسی غیر کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی اور ان ولیوں کو وہ قوت حاصل ہے کہ نور معرفت سے کرامت اور استدراج میں وہ تمیز کر لیتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ اکثر اسی پر ہیں کہ اطلاع نہیں ہوتی یہ اس لئے کہ کرامت' استدراج اور مکر شبہ سے خالی نہیں ہیں کچھ ایسے زاہد ہوتے ہیں جنہیں ابتداء میں کرامت حاصل تھی آخر میں نوبت اس کی پہنچی کہ وہ کرامت، استدراج اور مکر ہو گیا جیسے بلعم باعور اور برصیقا زاہد۔ دونوں کو اس درجہ معانی حاصل تھے کہ اس طرح کا علم کسی دوسرے کے اندر نہ تھا اور ان دونوں میں بیحد کرامت تھی آخر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ سب کا سب مکر و استدراج تھا جب حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ یہ فرمارہے تھے (اس وقت) انہوں نے بے انتہا اندوہ و تاسف ظاہر فرمایا اور جملہ حاضرین مجلس پر غم و اندوہ کی کیفیت طاری ہو گئی اور سب کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اور چند بار یہ کلمات زبان مبارک سے فرماتے رہے کہ کہاں جاؤں؟ کس سے کہوں کس کے در پر جاؤں اور بار بار یہ بیت زبان مبارک سے دہراتے رہے ؎

سالہا بر آستانہ بودہ ام برمن ندید　　عمر چندیں سالۂ من در غمش بیہودہ بود

(برسوں سے اس کے آستانہ پر پڑا ہوں میری طرف ایک پھوٹی نظر بھی نہیں کی اتنی بڑی عمر غم و اندوہ میں گذر گئی۔)

خود کے لئے خاتمہ بخیر کی دعا

اس بیت کے بعد فرمایا کہ اس عبارت پر خاتمہ بخیر ہونے کے لئے ہم لوگ فاتحہ پڑھیں چنانچہ خود بھی مخدوم نے فاتحہ پڑھی۔

مَردکامل کی قسمیں

مجلس شریف میں مَردکامل کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کامل دوطرح کے ہیں ایک کامل مجرد، دوسرے کامل آزاد۔ کامل مجرد وہ ہیں جوان چار چیزوں کے مالک ہوتے ہیں۔ شریعت مکمل، طریقت مکمل، معرفت مکمل اور حقیقت مکمل اور کامل آزاد آٹھ چیزوں کے مالک ہوتے ہیں۔ چار مندرجہ بالاخوبیاں ہوتی ہیں اور چار یہ دوسری خوبیاں (۱) استتار، گمنامی، (۲) ترک جاہ، (۳) عزلت وگوشہ نشینی اور (۴) قناعت۔ کامل مجرد (حضرات) دعوت اور مقتدائی میں مصروف ہوتے ہیں لیکن کامل آزاد دعوت ومقتدائی میں مشغول نہیں ہوتے اور یہ کہ کامل مجرد جو دعوت ومقتدائی میں مصروف ہوتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے اس راہ میں اپنے کام کے تمام وکمال حصول کے بعد غور وفکر کیا کہ اب اس کے بعد کون سا کام افضل اور مفید تر ہے تو انہوں نے کسی کام کو اس سے بڑھ کر افضل اور مفید تر نہیں پایا کہ کسی کو کفر سے ایمان میں لایا جائے اور معصیت سے نکال کر طاعت میں لگایا جائے اور اللہ کے سوا دوسری چیزوں کی مشغولیت سے باہر لاکر حق کے ساتھ مشغول کر دیا جائے اور نفس کافر کے پھندے سے نکال کر توحید کی حقیقت تک پہنچا دیا جائے اسی مطلب سے وہ مشغول ہوتے ہیں۔ "**العلماء ورثة الانبیاء**" حقیقتاً انہیں لوگوں کے حق میں ہے کامل کو عالم کہتے ہیں اور مرشد کہتے ہیں۔ ہادی، پیر، مقتداء، سلیمان، خضر اور عیسیٰ کہتے ہیں۔ سلیمان اس سبب سے کہتے ہیں کہ وہ پرندوں کی زبان جانتے ہیں ان کی گفتگو سمجھتے ہیں خضر اس لئے کہتے ہیں کہ حیات معنوی رکھتے ہیں (یعنی زندہ ہیں) عیسیٰ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ مردہ کو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے ذریعہ زندہ کرتے ہیں یعنی اس حکم کے تحت کہ کفر سے ایمان میں لانا اور معصیت سے طاعت میں داخل کرنا مردہ سے زندہ کرنا ہے اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ان دونوں میں افضل کون ہے تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر اس اعتبار سے غور کیا جائے کہ مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دینا رسول اللہ ﷺ کی نیابت ہے تو اس روسے کامل مجرد کو فضیلت ہوگی اور اگر اس اعتبار سے فکر کریں کہ کامل آزاد کو کلیتہً اللہ

کے ساتھ مشغولیت ہے تو یہاں پر اس حکم من انقطع عن الکل یصل الی الکل (جو تمام سے کٹ کر اپنے معشوق حقیقی سے کلی طور پر جاملا) کے تحت افضلیت کامل آزادی ہوگی۔ اسی مناسبت سے اصمعی کی یہ حکایت ہے کہ اصمعی ایک راہ سے گذر رہا تھا کہ اس کی نظر ایک حسینہ پر پڑی اور وہ اس پر عاشق ہوگیا۔ حسینہ نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ اصمعی نے کہا۔ "کلی بکلک مشغول" (میرا سراپا تیرے سراپا میں فدا ہے) اس نے کہا "لو کان کلک بکلی مشغولا فکلی لک مبذولا، کیف لو رأیت اختی، ھی اجمل منی، قال این ھی؟ قالت من ورائک فالتفت الی ورائہ فلمطتہُ لطمةً وقالت لو کان کلک بکلی مشغولا ما التفت الی غیری"۔ (اگر تو مجھ پر پورے طور پر فدا ہے تو میں بھی تجھ پر بالکل نثار ہوں مگر کیا حال ہوگا تیرا اس وقت جبکہ اے کاش تو میری بہن کو دیکھے گا جو مجھ سے زیادہ حسین و جمیل ہے؟ اصمعی نے کہا کہ وہ کہاں ہے؟ وہ بولی کہ وہ تیرے پیچھے ہے چنانچہ وہ پیچھے مڑا۔ تو اس حسینہ نے کہا کہ اگر تو مجھ پر فدا ہوتا تو میرے علاوہ دوسری کی طرف تو نا مڑتا۔)

مجلس شریف میں اولیاء کی شہرت اور ان کی گمنامی کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں نے فرمایا کہ اولیاء دو طرح کے ہیں ایک مشہور دوسرے مستور تو جو مشہور ہوتے ہیں انہیں مشہور کہا جاتا ہے اور جو خود کو چھپائے رکھتے ہیں انہیں مستور اولیاء کی قسم میں شمار کیا جاتا ہے اس موقع پر اولیاء کی توصیف میں یہ جملہ زبان مبارک سے ارشاد ہوا "اجسادھم فی الدنیا وقلوبھم فی الآخرة"، یعنی ان کے بدن دنیا میں ہیں اور دل عقبیٰ میں "ھو غَیبٌ حَاضِرٌ (وہ غائب بھی اور حاضر بھی)"۔ بعد اس کے فرمایا یہ چند اشعار اولیاء کی صفت میں ہیں ان کا یاد رکھنا بہتر ہے اگر یہ چند اشعار یاد ہوں تو پہچان لے کہ یہ ولی کی صفت ہے اور آدمی جیسے ہی ان کو دیکھے اسی وقت ان کو جان لے اور پہچان لے کہ یہ مرد اولیاء میں سے ہے اور حاضرین کی ترغیب کے لئے چند مرتبہ فرمایا کہ ان اشعار کو ضرور یاد کر لینا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ یاد ہو جائیں ان اشعار کو ایک بڑھیا نے لکھا ہے اور اس نے خواجہ ذوالنون مصری کے حضور میں سنایا ہے اس کا قصہ یوں ہوا کہ ایک دن خواجہ ذوالنون مصری

کے پاس ایک بڑھیا پہنچی خواجہ ذوالنون مصری نے پوچھا کہاں سے آتی ہو؟ اس نے کہا کہ ایک مرد کے پاس سے کہ "لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله" پھر پوچھا کہاں جاؤ گی؟ کہا اس مرد کے پاس کہ "تتجافی جنوبهم عن المضاجع" اس کے بعد خواجہ ذوالنون مصریؒ کو اشتیاق پیدا ہوا اس بڑھیا سے کہا کہ ان کی صفت بیان کرو اس کے بعد اس نے یہ چند اشعار پیش کیا ؎

قوم همو هم باالله قد علقت	فما لهم من همته تسمو الى احد
مطلب القوم مولا هم و سيدهم	باحسن مطلبهم للواحد الصمد
ما ان تناز عهم دنيا ولا شرف	من لمطاعهم واللذات والولد
فليس ثياب فايق انق	ولا سرور حل فی يلد
الامسارعة فی اثر منزلته	قد قارب الحظوفيها باعد الامد
وهم رها بن عيران و ادوية	وفی السوافتح تلقاهم مع العذاة

(ایک قوم نے ان لوگوں کے بارے میں یہ سمجھا کہ ان کا رشتہ و تعلق اللہ سے وابستہ ہے ان کے قبلہ مقصود کی بلندی اور رفعت خدائے واحد سے آگے نہیں ہے۔ قوم کے مقصود ان کے آقا و سردار ہیں۔ ان کے سب سے بہتر مقصود وہ بے نیاز مولی ہیں جو یکتا ہیں۔ نہ انہیں دنیا اور اس کی شرف و عزت سے جھگڑا ہے اور نہ لوگوں کے مقتدائی اور بال بچوں اور اس کی لذتوں سے تعلق ہے، نہ وہ لوگ اچھے نفیس کپڑے زیب تن کرتے ہیں اور نہ انہیں خوشی و مسرت اچھی لگتی مگر ہاں! وہ لوگ اللہ برحق کی منزل کے نشان کی تلاش کی سعی پیہم میں سرگرداں رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یقینی طور پر منزل مقصود نے خود اپنی دوری کے باوجود بڑھ کے قدم بوسی کرنا شروع کردیا ہے۔ اور وہ لوگ "رها بن عيران دادويه" کی اولاد ہیں جو اسو فتح میں مقیم ہیں تمہاری ان سے ملاقات صبح میں ہوگی۔)

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ حضرت ذوالنون مصریؒ کو اولیاء کے اوصاف معلوم تھے بڑھیا سے یہ سوال کرنا کہ صفت کیا ہے اس میں کیا فائدہ تھا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اگر چہ علم تھا لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ اپنے حال کی پردہ داری کے لئے پوچھا ہو۔ اس جماعت صوفیاء کی یہی روش ہے کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتے کہ کوئی شخص ان کے اسرار سے واقف ہو اور اسی روش میں خود کو گم کر دیتے ہیں اسی میں سلامتی ہے اور یہ شعر اس معنی کی عکاسی کرتا ہے ؎

دل سوئے تو ام دنبہ بجائے دیگر ستم — تا خلق نداند کہ ترامی نگرستم

(دل تیری طرف ہے گوشہ چشم سے دوسروں کی طرف دیکھ رہا ہوں تا کہ لوگ یہ نہ جانیں کہ میں تیرے ہی نظارہ میں مصروف ہوں) اس کے بعد ان عربی اشعار کے تحت لفظ و معنی بیان فرمایا اور معنی کے ذیل میں ان اشعار کی تشریح بھی فرماتے رہے اس میں سے جو یاد رہ گیا ہے لکھتا ہوں پہلے شعر کے معنی بیان فرمایا کہ وہ ایسی قوم ہیں کہ ان کی ہمتیں حق سے تعلق رکھتی ہیں ان کی ہمت حق کے سوا کسی دوسری چیز کی طرف نہیں جاتی یعنی اللہ کے سوا کسی کی طرف ان کی ہمت رخ نہیں کرتی اور اس شعر کے معنی کے ضمن میں حاضرین مجلس سے ارشاد ہوا کہ اس کو بھی خوب یاد رکھ لیجئے کہ اس سے بھی اولیاء کی شناخت ہوتی ہے مشائخ کہتے ہیں **الفقر من لایستغنی عن شیئی سوی اللّٰہ** اگر ہزاروں ہزار کونین ان کے آگے لے آئیں تو وہ اس کے پالینے سے خود کو غنی نہ جانیں جب تک وہ اللہ تک نہیں پہنچ جائیں اور اگر ان کی ہمت ذرہ برابر بھی کسی دوسری چیز کی طلب کی طرف ہو تو وہ اس گروہ مردان حق سے نہیں اور اس کو مثال کے طور پر یوں کہا ہے کہ روٹی کے بھوکے کو اگر پانی دیا جائے تو وہ پانی نہیں پیئے گا اور اگر پانی کے پیاسے کو روٹی دی جائے تو وہ روٹی نہیں کھائے گا اسی طرح اس گروہ صوفیاء کی طلب مولا ہی ہے تو دونوں جہاں بھی اگر اس کو مل جائے تو وہ اس کی طرف رخ نہیں کرے گا اس موقع پر یہ شعر فرمایا ؎

گر ہر دو جہاں دہند مارا — چوں وصل تو نیست بینوائیم

جب یہی معنی اس شعر 'ما ان تنازعھم دنیا و لا شرف' کے بیان فرمایا تو ارشاد ہوا خراباتی اور ملامتی جو ہو جاتے ہیں وہ اس سبب سے ہوتے ہیں کہ شرف جاہ مٹ جائے تا کہ

کوئی چیز انہیں اس راہ سے نہ روکے اور اس شعر 'الحظو فیھا باعد الامدٔ کے معنی بیان فرمایا حظوا کے معنی گام (قدم) کے ہیں اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر چہ منزل دور ہے لیکن اس دو قدم کے ذریعہ بہت نزدیک ہے پہلا قدم دنیا کا ترک کرنا اور دوسرا قدم عقبی کا ترک جب ان دو قدموں میں ان دونوں کو ترک کردے گا تو اللہ تک پہنچ جائے گا گرچہ راہ دور ہے مگر یہ حضرات اسے دو قدم میں طئے کرتے ہیں اور اس شعر کے یہ معنی ہیں جیسا کہ کہا ہے۔

صوفیا در دم دو عید کنند　　عنکبوتاں مگس قدید کنند

(حضرات صوفیاء ایک سانس میں دو خوشیاں سناتے ہیں' مکڑیاں' مکھی شکار کرتی ہیں) پھر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ اگر چہ یہ مرقوم ہے کہ فلاں درویش نے تین قدم میں حق کو پالیا یہ کیوں کر ہے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بہت خوب ہے یعنی دو قدموں میں ان دونوں کو ترک کیا اور تیسرے قدم میں حق تک پہنچ گئے اس موقع پر یہ مثنوی زبان گوہر فشاں پر آئیں ۔

صد ہزاراں مردگم گردد مدام　　تا یکہ اسرار بیں گردد تمام

گرندادی شادی از وصل یار　　خیز یاری ماتم ہجراں یدار

ان اشعار کے معنی بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ملفوظ شیخ نظام الدینؒ میں ہم نے دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ فرید الدینؒ (گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ) مسجد میں گئے ایک درویش کو اس مسجد میں بیٹھا ہوا دیکھا پہچانا کہ یہ مرد کامل ہے یہ پہچاننا انہیں صفات کے ذریعہ تھا نہ کہ صورت سے اور ان کے ہاتھ پاؤں سے پہچانا اس کے بعد شیخ فرید الدینؒ اسی وقت گھر واپس آئے تا کہ ان کے لئے کھانا پکائیں دیکھا تو گھر میں کوئی چیز موجود نہ تھی بجز تھوڑے سے جوار کے اسے اپنے دست مبارک سے اسی وقت پیس کر آٹا بنایا اور اپنے ہاتھوں سے روٹی پکا کر اس درویش کے پاس لے گئے اس کے بعد وہ فقیر مسکرائے اور کہا کہ کیا مطلوب ہے یعنی کس چیز کی خواہش ہے شیخ فریدؒ کا جو مطلوب تھا ان سے کہا وہ حاجت اس درویش سے پوری ہوگئی ۔ حضرت مخدوم جہاں جب یہ فرمارہے تھے یہ

ارشاد ہوا کہ اس طرح یہ لوگ پہنچانتے ہیں اگر شیخ فرید ان کو نہ پہنچانتے تو ان سے مطلوب کیوں کر حاصل ہوتا پھر مثنوی کے یہ دو شعر پڑھے ؎

اہل دل را جز اہل دل نہ گرید   دیدہ را جز بدیدہ نتواں دید
خاک اجزائے خاک را بیند   پاک باید کہ پاک را بیند

پھر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ وہ ہمت جوان کے اندر تھی اسے کس طرح شناحت کیا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا قول سے فعل سے اور اس کے حال پر جو اس کا حال دلالت کرتا ہے اس سے شناخت کرتے ہیں کہ یہ کس جماعت کے آدمی ہیں اور دلالت سے وہ چیز معلوم ہو جاتی ہے جو قول سے بھی ظاہر نہیں ہوتی لہٰذا یہیں کی وہ بات ہے جو کہا ہے "لسان الحال انطق من لسان القال"۔ (زبان حال زبان قال سے زیادہ بولنے والی ہوتی ہے۔) خاکسار نے عرض کیا کہ اولیاء جائز العصمۃ ہیں اور متقدمین کی کتابوں میں یہی لکھا ہے لیکن شیخ نظام الدینؒ کے ملفوظ میں اس طور پر آیا ہے کہ اولیاء معصوم ہیں فقہاء کہتے ہیں کہ انبیاء واجب العصمۃ ہیں اور اولیاء جائز العصمۃ تو یہ جو مرقوم ہے کہ اولیاء معصوم ہیں یہ معصوم مطلق کیوں کر ہوگا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہاں پر معصوم سے مراد محفوظ ہوگا اس لئے کہ معصوم و محفوظ مانند ایک ہی ہے لیکن اس میں فرق اس سے زیادہ نہیں ہے کہ مقام ولایت میں جائز ہوگا اور مقام نبوت میں واجب۔

مجلس شریف میں تذکرہ آ گیا کہ لوح محفوظ میں جو کچھ ہے اس پر اولیاء کو اطلاع کلی ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اولیاء کی نگاہ لوح محفوظ پر ہوتی ہے لیکن لوح محفوظ میں جو کچھ ہے اس پر اطلاع کلی یہ کہاں (ممکن) مگر اتنی مقدار میں جتنا کہ ان کو حق کی طرف سے اطلاع ملے یعنی جس مقدار میں ان کو اطلاع ہوگی وہ اللہ جل شانہ کی اطلاع

بخشنے اور اس کی عنایت سے ہوگی لیکن تمام امور میں کلیتا نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ جل شانہ کے اسرار وہ ہیں کہ جن کی انتہا نہیں ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اولیاء کو مقامات اور درجات کے مطابق اطلاع ہوتی ہے جیسے کہ ایک کو ایک سر کی اطلاع دی جاتی ہے دوسرے کو دوسر کی تیسرے کو تین اسرار کی اور چوتھے کو چار کی اسی طرح آخر تک بہ حیثیت درجات اطلاع دی جاتی ہے جس طرح حضرت اسرافیل علیہ السلام کو ایک سال کے معاملہ کی اطلاع ہوتی ہے نہ کہ لوح محفوظ میں جتنے امور ہیں ان سب کی لیکن بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اولیاء کا دل لوح محفوظ کا آئینہ ہوتا ہے یعنی لوح محفوظ میں جو کچھ درج ہے اس کا عکس اولیاء کے دل پر ظاہر ہو جاتا ہے اس کی مثال وہی ہے کہ جس طرح دو آئینے کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ دیں تو ایک آئینہ میں جو عکس ہوگا اسی کا عکس دوسرے آئینے میں بھی ظاہر ہوگا تو اسی طرح اولیاء کے دل کی مثال ہے کہ جو کچھ لوح محفوظ میں ہے اس کا بعض عکس ظاہر ہوتا ہے اور محمول ہوگا اولیا کے درجات و مقامات کے مطابق یعنی جس مقدار میں اللہ تعالیٰ اطلاع دیں گے اتنا ہی اطلاع ہوگی تا کہ دونوں میں موافقت پیدا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب، اور یہ نظم زبان گوہر فشاں پر آئی ۔

تا کہ تو می زنی ہم دم نئی　　　تا کہ موئے ماندۂ محرم نئی
از و خواہی نا بداں منزل رسی　　　تا کہ سوئے ماندۂ شکل رسی

اس کے بعد ارشاد ہوا یہ بھی ہے کہ اللہ جل شانہ اولیاء کے دل میں جو کچھ القا فرماتا ہے وہ صحیح ہوتا ہے غلط نہیں ہوتا اور اس کی اصل یہ ہے کہ یہ اس کو جائز نہیں رکھتے کہ ان کے ظاہر میں جو چیز بھی ہو وہ خلاف حق ہو اور جو چیز باطن میں آئے وہ ایسی ہو کہ اس میں اس کی رضا نہ ہو اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے یہ پسند نہیں فرماتا کہ اولیاء کے باطن میں کوئی ایسی چیز گذرے جس میں اس کی رضا نہ ہو اس کا یہی دستور ہے۔

وحی ختم ہوئی مگر الہام باقی ہے

مجلس شریف میں اس کا تذکرہ آگیا کہ اولیاء اللہ کا سینہ انبیاء کی دعوت کا قائم مقام ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اکثر جگہ یہ لکھا ہے کہ اگرچہ نبوت ختم ہوگئی لیکن حدیث وروش باقی ہے اور اس جملہ کی تشریح فرمائی کہ انبیاء کا سینہ مقام وحی ہے اور اولیاء کا سینہ مقام الہام ہے اگرچہ وحی منقطع ہوگئی ہے لیکن الہام اس کی جگہ باقی ہے اگرچہ انبیاء نہیں ہیں (لیکن) اولیاء انبیاء کے نائب ہیں تو یہ جو کہا کہ حدیث (روش) باقی ہے وہ یہی ہے اگرچہ وحی منقطع ہوگئی مگر الہام اس کی جگہ باقی ہے۔

عین القضاۃ کے جلنے کی آہ

مجلس شریف میں عین القضاۃؒ ہمدانی کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے ان کو کمسن ہی میں بہت زیادہ معانی عطا فرمایا تھا اپنے مکتوب میں حضرت نے جو لکھا ہے وہ سب کا سب اپنے حال کے مشاہدہ سے ارقام فرمایا ہے اور اپنے ذوق یافت سے ظاہر کیا ہے اکثر خطوط میں لکھا ہے کہ تم یہ نہیں جانتے کہ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ کسی سے سنی سنائی نہیں ہے یا کتابوں سے نقل کر کے نہیں لکھا ہے بلکہ جو بھی لکھتا ہوں وہ اپنے حال سے لکھتا ہوں اور ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ ہزاروں ہزار مخلوق بہشت کی طالب ہے مولیٰ کا طالب کوئی نہیں۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا ایک وقت عین القضاۃؒ کو ایک حال پیدا ہوا۔ اسی غلبۂ حال میں مناجات کی کہ الٰہی میری درخواست یہ ہے کہ مجھے لوگ جلائیں اور تو دیکھے ایسا ہی ہوا کہ لوگوں نے ان کو جلانا شروع کیا ٹھیک جلنے کے وقت ایک آہ زبان مبارک سے نکلی اسی وقت ایک باخبر نے طعن کیا کہ آپ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ لوگ مجھے جلائیں اب جبکہ جلائے جا رہے ہیں تو یہ آہ کیسی؟ ارشاد ہوا کہ میں اس لئے آہ نہیں کرتا کہ مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے بلکہ اس لئے آہ کر رہا ہوں کہ جلدی جلا جا رہا ہوں۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ جب یہ فرما رہے تھے تو یہ بیت ارشاد فرمایا ؎

او برسر قتل و من در و حیرانم　　　کان راندن تیغش چہ نکو می آید

تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی کا مقام

اس کے بعد فرمایا گرچہ ہر شخص نے علم معرفت میں کچھ نہ کچھ لکھا ہے لیکن جیسا عین القضاۃ نے تمہیدات میں قانون واصول دین لکھا ہے کم ویسا کسی نے لکھا ہے اس سے بہت سارے مشکلات حل ہوتے ہیں لیکن ان کے مفہومات وکلمات کو سمجھنا اس گروہ کے اصول و قانون پر آگاہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے وگرنہ دین کے قواعد پر بعض کلمات کو بیان کرنا مشکل ہے۔

عوارف کا مقام ومرتبہ

حاضرین میں سے ایک شخص نے اس موقع پر ''عوارف'' کا تذکرہ کردیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا عوارف اگرچہ ایک معتبر کتاب ہے اس سے تصوف کے احکام طریقت اور گروہ صوفیاء کے مذہب کی پورے طور پر تحقیق ہوتی ہے لیکن اس کے مصنف اس سے کہیں برتر اور بزرگ ہیں کہ وہ چاہتے تو اس سے کہیں افضل و اعلیٰ کتاب تصنیف فرما سکتے تھے لیکن حضرت نے اپنے مقام سے نزول فرما کر مریدوں اور مبتدیوں کی سمجھ کے مطابق ارقام فرمایا ہے ان کا وفور علم اور کثرت معانی مشہور ومعروف ہے جیسا کہ حضرت نظام الدینؒ اپنے ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر وہ نعمت و دولت جو ایک بشر کے لئے ممکن ہوسکتی ہے وہ حق سبحانہ تعالیٰ نے شیخ الشیوخ کو عنایت فرمایا ہے مگر ذوق سماع یہی ایک چیز نہ تھی۔

خواجہ بایزید کی قوت ولایت کا واقعہ

مجلس شریف میں خواجہ بایزید بسطامیؒ کے مناقب کا تذکرہ آگیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جاڑے کی ایک رات تھی احتلام کے سبب غسل کی حاجت ہوئی چاہا کہ غسل کرلیں نفس نے کاہلی کی، سونچا کہ ابھی آدھی رات ہوئی ہے کچھ رات اور گذر جائے تو غسل کیا جائے کڑاکے کی سردی تھی حضرت نے دیکھا کہ نفس کاہلی کررہا ہے اسی وقت اٹھے اور اسی ٹھنڈک میں اپنے کپڑوں کے ساتھ پانی میں اتر گئے کہتے ہیں کہ کچھ دیر میں وہ ملبوسات جسم ہی پر خشک ہوگئے۔

اس کے بعد مخدوم جہاں نے فرمایا یہ قوت ولایت کی قوت ہے ورنہ یہ بشری قوت سے باہر ہے اور یہ نظم ارشاد فرمایا ۔

ہر کہ ایں سگ را کند بندگراں — خاک او بہتر ز خون دیگراں

کافرست ایں نفس نافرماں چنیں — کشتن او کے بود آسان چنیں

وانکہ ایں سگ راز بونی خویش کرد — گرد گفتش در نیاید ہیچ مرد

حضرت جنید مقبول ترین بزرگ ہیں

مجلس شریف میں خواہ جنید بغدادیؒ کے مناقب کا بیان آ گیا قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ خواجہ جنید بغدادی اپنی موت سے انتقال فرمائے یا آپ سے موجب قتل کلمات کا صدور ہوا جس کے سبب قتل کیئے گئے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا انہیں قتل نہیں کیا گیا اور نہ ان سے وہ کلمات صادر ہوئے جو موجب قتل ہوتے ہیں یہ طریقت کے پیشوا ہیں اور تمام مشائخ کا ان پر اتفاق ہے اور یہ ہر گروہ صوفیاء میں مقبول ہیں اور اہل صحو (بیدار) میں سے ہیں اگر چہ ہزاروں ہزار معانی وحال ان کو پیدا ہوا ہو جب بھی ان سے ویسے کلمات کا صدور نہیں ہوسکتا جس طرح انبیاء صلواۃ اللہ علیہ تمام کے تمام اہل صحو ہوئے ہیں گرچہ ہزارِوں ہزار معنی ابتدائے حال میں پیدا ہوئے ہیں وہ حال سکر کی تنگی میں صحرائے صحو میں آنے کے قبل جیسے بعضوں سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا تھا ''من تحت السماء مثلی'' (یعنی آسمان کے نیچے مجھ جیسا کون ہے؟ اور بعض کا قول بیان کیا ''قدمی علی رقبة جمیع الاولیاء'' یعنی میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے اور کسی کا قول بیان کرتے ہیں کہ ''اسرحت والجمت واطفت فی اقطار الارض و قلت ھل من مبارز فلم یخرج الی احد'' (یعنی میں نے اپنے گھوڑے کو زین اور لگام سے کسا زمین پر گھوڑا ڈال کر پوری سرزمین کا چکر لگایا اور کہا کہ کوئی مرد میدان جو میرے مقابلہ میں آجائے تو ایک بھی میری طرف نہ نکلا) اور اسی طرح کی بہت ساری باتیں ہیں لیکن مشائخ ارباب تمکین ہیں سکر کی تنگی سے نکل کر صحرائے صحو میں قدم رکھا ہے تو اہل سکر

اہل صحو کی طرح کب ہو سکتے ہیں اور یہ چند مثنویات اس معنی کی خوب کہی ہے اس کے بعد مثنوی کے یہ دو شعر پڑھے گئے ؎

چوں تنک مغز آمدی بیدل شدی　　کز شراب مست لا یعقل شدی

نے مثوغرہ بیک می مست نیز　　می طلب چوں بی نہایت ہست نیز

منصور حلاج کامل الحال بزرگ ہیں

اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ منصور حلاجؒ کو قتل کر دیا گیا پھر ارشاد ہوا کہ جو کامل الحال ہیں ان میں کوئی تغیر نہیں یعنی ایسی کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی اور جو ان میں ایسا ہوتا ہے اس سے نقصان ہوتا ہے اگر چہ نفس متغیر ہی ہو بشریت کی رو سے اور یہ صفت لازمۂ بشریت ہے تمکین اس سے ختم نہیں ہوتی اور ارباب تمکین کو اس سے نقصان نہیں ہوتا اور وہ کلمات جو ضعف حال میں کہتے ہیں کہ ظاہر میں لوگوں کو خلاف شرع معلوم ہوتے ہیں وہ کیا ہیں وہ یہ ہیں کہ جب ان پر معانی منکشف ہوتا ہے تو بعض برداشت نہیں کر سکتے ایسے میں قذف اور سنگسار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ آدمی کی فطرت ہے کہ جس چیز کو ان کا حوصلہ پچا نہیں سکتا ان کو باہر کر دیتا ہے۔

شیخ زادہ چشت کی روحانی ترقی کیسے ہوئی

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ زادہ چشت سلمہ اللہ جب یہاں آئے تھے تو ان سے ہم نے پوچھا تھا کہ اس زمانے میں بھی ایسے لوگ اس طرف ہیں کہ اگر کوئی اس طرح کے شطح بولے تو اسی وقت اس کو قتل کر دیں اور دیر نہ لگائیں اور یہ بھی پوچھا تھا کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو عین القضاۃؒ کے کلمات کی شرح لکھیں۔

انہوں نے کہا کہ جی ہیں ہمدان میں بھی ایک سید بزرگ ہیں کہ عین القضاۃؒ کے ایک ایک کلمہ کی تفسیر کی ہے کوئی جگہ چھوڑی نہیں اور ہاں ان کا کلام ایسا ہے کہ اس وقت تک کسی نے اعتراض نہیں کیا ہے۔ اگر کسی نے کوئی اعتراض کرنا چاہا تو وہ اسی وقت سکتہ میں آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ جب اس عبارت پر پہنچے تو ارشاد ہوا کہ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ

بزرگوں کے کلمات پر اعتراض ادب کے خلاف ہے۔

اسی موقع پر شیخ زادہ بزرگوار سلمہ کے مناقب بھی بیان فرمایا کہ شیخ زادہ پچیس سال سے زیادہ سفر اختیار کئے ہوئے ہیں جس وقت یہاں آئے تھے اس وقت چالیس سال سے زیادہ عمر تھی اور معانی بہت حاصل کئے ہوئے تھے انہوں نے بارہا یہ کہا ہے کہ مجھے خواجہ عطار کے اشعار نے سفر کرایا ہے اور اس کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا تو میرے والد ہر رات کو قرآن پڑھتے اور مجھ کو پہلو میں بٹھا لیتے جب قرأن کی تلاوت سے تھک جاتے تو دیوان خواجہ عطارؒ نکال لیتے اور پڑھنے لگتے اس کے پڑھنے میں بہت روتے اور ہر بار مجھ پر ہاتھ پھیرتے اور جس جگہ دیوان کے پڑھنے میں انہیں ذوق پیدا ہوتا اس کو ہم الگ کر لیتے اور بعد میں دیکھا کرتے کسی کسی وقت ان کی نظر مجھ پر پڑ جاتی تو فرماتے تم اس کتاب کا کیا مطالعہ کرتے ہو؟ انشاءاللہ جب تمہارا وقت آئے گا اس وقت اسے پڑھ لینا ابھی تم کیا سمجھ سکو گے؟

اس کے بعد شیخ زادہ کے پدر بزرگوار کے مناقب مخدوم نے بیان فرمائے اور یہ بھی شیخ زادہ سے سنا ہے کہ ان کے والد نے ایک ہزار قرآن ختم فرمایا ہے سات سو بار نماز میں اور تین سو بار نماز کے علاوہ اور تمام خواجگان چشت رحمہم اللہ کا معمول یہی ہے بعض ختم قرآن نماز میں کرتے ہیں اور بعض نماز کے علاوہ اور تمام خواجگان چشت کے ملفوظ میں یہ مسطور ہے۔

شیخ نظام الدینؒ کی بزرگی دلیل

مجلس شریف میں شیخ نظام الدین کے مناقب کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ شیخ نظام الدینؒ کی بزرگی میں کوئی شبہہ نہیں وہ بزرگ ہیں اور ان کے ملفوظ میں ہم نے دیکھا ہے کہ ایک دن امیر حسن نے عرض کیا کہ مجھ کو بڑی بڑی دعاؤں میں کچھ رغبت نہیں ہوتی، شیخ نظام الدینؒ نے فرمایا سبحان اللہ دعاؤں میں بس اس قدر کافی ہے کہ یہ دعا پڑھیں ''اللھم انی اسئلک ان لا اسئلک سواک'' (اے اللہ میں تجھ سے اس بات کی گذارش کرتا ہوں کہ میں تیرے علاوہ کسی کے سامنے دست سوال نہ دراز کروں) ان کی یہ بات ان کی ہمت کی بزرگی کی دلیل ہے اگر ان کی

ہمت حق باری تعالیٰ کے علاوہ اور کسی طرف ہوتی تو اس دعا کے علاوہ اور کوئی دوسری دعا زبان مبارک پر آتی۔

روایت ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ معراج کی شب مقام قاب قوسین میں پہنچے تو کہا "اللّٰھم انی اعوذبک منک"۔ (اے اللہ بیشک میں تجھ سے تیری ذات عالی کی پناہ چاہتا ہوں۔)

اور کہا ہے کہ اگر حضور ﷺ کے خیال میں سوائے حق تعالیٰ کے کوئی دوسری چیز ہوتی تو کہتے "اللھم انی اعوذبک من کذا" (اے اللہ بیشک میں ایسی ایسی باتوں سے تیری ذات عالی کی پناہ چاہتا ہوں۔) جب منک کہا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے خیال پاک میں اور آپ کی ہمت عالی میں سوائے حق کے دوسرے کا گذر نہیں اس موقع پر یہ نظم زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ۔

نقطۂ ملک جہاں را ہمت است　　پر و بال مرغ جانہا ہمت است

مرغ ہمت شاں بحضرت شد قریں　　ہم ز دنیا در گشت وہم ز دیں

گرد تو مرد ایں چنیں ہمت نۂ　　دور شو کاہل ولی نعمت نۂ

ہر ولی کو ہمت عالی نیافت　　مملکت بے انتہا حالی نیافت



اکیسواں باب

بزرگوں کی نگاہ باطن کے بیان میں

مقام سعادت وشقاوت

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہا گیا ہے کہ بزرگان دین یہ جانتے ہیں کہ فلاں شخص کا کیا مقام ہے اور اس کا کیا درجہ ہے؟ ایسی نگاہ ان بزرگوں کو حاصل ہے اور اسی نگاہ سے یہ کہتے ہیں کہ سعید و شقی، آج ہی معلوم ہے کہ کون سعید ہے اور کون شقی، لیکن یہ اہل نظر ہی پر ظاہر ہے اور وہ یہی بزرگان دین ہیں مولانا نظام الدینؒ مخدوم عظمہ اللہ کے ماموں زاد بھائی نے عرض کیا کہ یہ کس طرح جان لیتے ہیں؟ مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا اس اطلاع کے ذریعہ جو انہیں سعادت وشقاوت کی خاصیتوں میں حاصل ہے اور سعادت وشقاوت کی ان جلی و خفی کیفیتوں سے جو اس کے تابع اور اس سے ملحق ہیں یہی طریقۂ کار ہے اسی سے سمجھ لیتے ہیں برخلاف اس

کے اگر یہ قدرت اس سے کہیں آگے ہے بعد اس کے یہ مثنوی زبان مبارک سے پڑھی ؎

دیبا دانیم بر دراز می دانیم　　　ما عشق حقیقی ز مجازی دانیم

(ہم ریشمی کپڑوں کو جانتے ہیں رازی کی چادر کو بھی ہم عشق حقیقی کو عشق مجازی سے پہچانتے ہیں)

شیخ کی نگاہ کس درجہ دور رس ہوتی ہے

پھر اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ اپنے لڑکے کو پڑھنے کے لئے بھیجتے تھے وہ لڑکا پڑھنے کے لئے جاتا بھی تھا لیکن پڑھنے میں ذرا بھی دل نہ لگا تا کہ کچھ بھی تعلیم حاصل کرے ایک دن ان بزرگ نے فرمایا کہ آج جو کوئی مجھے کسی مسافر کے آنے کی خوشخبری دے گا وہ ہم سے جو مانگے گا ہم دیں گے اتفاقاً اسی لڑکے نے یہ دیکھا کہ ایک مسافر آرہا ہے باپ کے پاس آیا اور اس نے کہا میں ایک مسافر کے آنے کی خوشخبری دیتا ہوں ابھی ابھی ایک مسافر تشریف لائے ہیں آپ نے فرمایا تھا کہ جو کوئی مجھے کسی مسافر کے آنے کی خوشخبری دے گا وہ جو چاہے گا میں اسے دوں گا باپ نے کہا مانگئے کیا مانگتے ہیں لڑکے نے کہا میں یہی چاہتا ہوں کہ آج سے مجھے پڑھنے کے لئے نہ بھیجا کیجئے وہ بزرگ سن کر سوچ میں پڑ گئے اگر نہیں بھیجتے ہیں تو لڑکا جاہل رہ جاتا ہے اور بھیجتے ہیں تو وعدہ شکنی ہوتی ہے تھوڑی دیر کے تامل کے بعد فرمایا ٹھیک ہے پڑھنے نہ جائے لیکن اس شرط پر کہ سورہ فتح (یعنی) انا فتحنا الی اخرہ زبانی یاد کر لیجئے۔ لڑکے نے قبول کر لیا اور سورہ الفتح (یعنی) انا فتحنا الی اخرہ یاد کر کے پڑھنے کے لئے جانا چھوڑ دیا کچھ دنوں کے بعد ان بزرگ نے انتقال فرمایا مریدان جمع ہوئے کہ سجادہ نشیں کون ہو سب لوگوں نے اسی پر اتفاق کیا کہ جب صاحبزادہ موجود ہیں تو پھر دوسروں کو سجادہ بننے کا کیا حق ہے آخر اسی لڑکے کو سجادہ نشیں بنایا جب وہ صاحب زادے گدی پر بیٹھے تو روز بروز ان کی شہرت بڑھتی گئی اور مشہور ہوتے گئے خیال ہوا کہ مریدوں کے ساتھ کسی شہر کا سفر کیا جائے چند مریدوں کو ساتھ لے کر سفر کیا یہاں تک کہ ایسے شہر میں پہنچے جہاں ان کے والد کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جب وہاں کے مریدوں کو خبر ہوئی کہ ہمارے مخدوم

زادہ تشریف لا رہے ہیں تو ان لوگوں نے استقبال کیا اور اس شہر کے بادشاہ کو بھی خبر کی بادشاہ نے بھی استقبال کیا آخر وہ شہر میں داخل ہوئے یہاں بھی بہت مشہور ہوئے ہر شخص تعظیم کرنے لگا مگر پڑھے لکھوں کی جماعت نے تعظیم نہ کی اور ملاقات کو بھی نہ آئے ان کا یہ کہنا تھا کہ جس نے قرآن بھی نہیں پڑھا ہے علم سے بالکل بے بہرہ ہے وہ اس راہ شیخی میں کیوں کر آسکتا ہے اور ایسے شخص کو کس چیز کی فضیلت ہے۔ یہ خبر لوگوں نے بادشاہ تک پہنچائی کہ علماء ان سے ملنے بھی نہ آئے اور ان کی تعظیم بھی نہیں کرتے بلکہ تحقیر کرتے ہیں کہ یہ پڑھے لکھے نہیں ہیں بادشاہ نے ان تمام اہل علم کو طلب کیا اور اس خبر کی تصدیق کی ان لوگوں نے کہا جی ہاں ان پڑھ ہیں ایک حرف بھی نہیں پڑھا ہے بالکل جاہل ہیں بادشاہ نے کہا کہ آپ لوگوں نے کیوں کر جانا کہ ایک حرف بھی نہیں پڑھے ہوئے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان کا امتحان لینا چاہئے۔ آپ لوگ جتنے اہل علم ہیں سب حاضر ہوں اور وہ بزرگ زادہ بھی بلالئے جائیں امتحان لیا جائے ان سے آپ لوگ کوئی سوال کریں اگر جواب نہ دے سکیں تو بات مان لی جائے گی کہ آپ لوگ اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا بادشاہ نے سبھوں کو طلب کیا تمام علماء اور وہ شیخ زادہ جملہ مریدوں کے ساتھ حاضر ہوئے شیخ زادہ کی طرف متوجہ ہو کر بادشاہ نے کہا کہ ان لوگوں کا دعوی ہے کہ آپ نے ایک حرف بھی نہیں پڑھا ہے ہم یہ کیسے سمجھیں کہ آپ تعلیم یافتہ ہیں یا نہیں؟ مریدوں نے عرض کیا کہ ان کا امتحان لیا جائے ان سے کچھ پوچھا جائے جس سے یہ پتہ چل جائے گا کہ تعلیم یافتہ ہیں یا نہیں؟ علماء نے کہا کہ اول تو انہوں نے قرآن ہی نہیں پڑھا ہے اور اگر پڑھا ہے تو قرآن کی کوئی سورۃ پڑھ کر سنائیں مریدوں نے کہا کہ کون سی سورۃ پڑھیں کوئی سورۃ متعین کیجئے کہ فلاں سورۃ پڑھیں؟ تب علماء نے مشورہ کر کے اس پر اکتفا کیا کہ وہ سورہ الفتح (یعنی) انا فتحنا الی آخرہ پڑھیں شیخ زادہ نے اپنے والد کی وصیت کے مطابق اسے بہت خوب یاد کر لیا تھا انہوں نے اس کو پڑھنا شروع کیا آخر تک اس خوبی سے پڑھا کہ سب کے سب نادم و شرمندہ اور ملزم ہو کر واپس گئے بادشاہ نے کہا کہ ان کی بزرگی میں کیا شبہہ ہے اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حکایت سے مقصود شیخ کی نگاہ باطن

ہے کہ انہیں کس درجہ کشف حاصل تھا جس کے ذریعہ انہوں نے جان لیا تھا کہ ایک دن یہ واقعہ پیش آئے گا اور اس واقعہ کے پیش آنے سے بیٹے کو پریشانی کا سامنا ہوگا تو وہی سورۃ یاد کرنے کا حکم دیا جو امتحان میں آنے والی تھی۔

پھر اس کی مناسبت سے ایک دوسری حکایت بیان فرمائی ایک عزیز سے یہ واقعہ سنا ہے کہ حضرت شیخ رکن الدینؒ (خواجہ زکریا ملتانیؒ کے پوتے) جب پہلی مرتبہ ملتان سے دہلی تشریف لائے تو چند علماء جو آئمہ کا درجہ رکھتے تھے انہوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ شیخ رکن الدینؒ کا امتحان لینا چاہئے اور چلنے کے وقت آپس میں یہ طے کر لیا کہ ''بزودی'' (کتاب) میں سے پانچ مسئلوں کا سوال کرنا چاہئے اس مشورہ کے تحت وہ سب شیخ رکن الدینؒ کے یہاں امتحان کے لئے آئے اور پنج مسئلہ ''بزودی'' کا پوچھا شیخ رکن الدین نے ہر ایک مسئلہ کو دو دو تین تین طریقہ پر بیان فرمایا یہاں تک کہ پانچوں مسئلہ کا جواب حضرت نے نہایت عمدگی سے دے دیا ان میں سے بعض عالم تو اسی وقت مرید ہو گئے اور بعضوں نے مرید ہونے سے انکار کر دیا اور چلے آئے جس وقت یہ واقعہ پیش آیا حضرت شیخ رکن الدین رونے لگے حاضرین مجلس نے رونے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ تیس سال سے زیادہ ہوئے کہ اس دن کے ہم منتظر تھے آخر آج یہ دن آ ہی گیا لوگوں نے کہا کہ صاف صاف بیان فرمایا جائے تا کہ ہم لوگ بھی سنیں فرمایا کہ جس وقت ہم ''بزودی'' پڑھتے تھے اور میرا سبق ان پانچ مسئلوں پر پہنچا تو استاد مختلف طور سے بیان کر کے سمجھانے کی کوشش کرتے تھے مگر میری سمجھ میں نہیں آتا تھا حضرت والد ماجد صدر الدین (عارفؒ) کو ہم نے دیکھا کہ میرے پیچھے کھڑے ہیں فرمایا کہ اے میاں میرے ساتھ آؤ ہم تم کو یہ پنج مسئلہ سمجھا دیتے ہیں ہم اٹھے اور حضرت کے پیچھے پیچھے گھر آئے ان پانچ مسئلوں کو ایک ایک کر کے حضرت نے مجھے سمجھا دیا اور ایسا سمجھایا کہ پورے طور پر سمجھ میں آ گیا اس وقت ارشاد ہوا کہ ان پانچ مسئلوں کو اچھی طرح یاد رکھنا اس لئے کہ یہ تمہیں ایک وقت پر کام دے گا چنانچہ میں اس وقت سے اس کا منتظر تھا کہ آخر مجھ کو اس سے کیا سابقہ پڑے گا آج تیس (۳۰) سال کے بعد وہ راز ظاہر ہوا اور مجھے اس سے سابقہ پڑا۔

قلندر سے نہ مصافحہ کرنے کا راز

ملک زین الدین مجد الملک سلمہ اللہ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کی خدمت میں آئے تھے اس وقت یہ حکایت بیان ہورہی تھی کہ ایک قلندر اجودھن میں شیخ علاء الدین کے یہاں آئے شیخ نے اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا اس پر اس قلندر نے کہا کہ میں چشت میں پیران چشت سے ملا ہوں اور ان کی خدمت کی ہے وہ سب مجھے ہاتھ دیتے تھے جناب نے کیوں ہاتھ نہیں دیا؟ شیخ علاء الدین نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں دل دیا ہے ہاتھ دینے کی کیا ضرورت ہے اس موقع پر مجد الملک نے یہ سوال کیا کہ مصافحہ سنت ہے کیونکہ رسول علیہ السلام نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا ہے شیخ علاء الدین نے کیوں نہیں ہاتھ بڑھایا؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ میں اس کا جواب اس طور پر دیتا ہوں کہ اہل طریقت کے لئے ان کے حال کے اعتبار سے یہ جائز ہے کہ اگر کسی عمل کے بجالانے میں یہ دیکھیں کہ نفس کو رعونت حاصل ہوتی ہے تو اسے ترک کردیں تو ہوسکتا ہے کہ شیخ علاء الدین کو نفس کی رعونت کے پیدا ہونے کا خیال ہوا ہو، اس سبب سے انہوں نے ہاتھ نہیں بڑھایا قاضی معین الدین بھی مجد الملک کے ساتھ آئے تھے انہوں نے یہ سوال اٹھایا کہ اس عمل سے ترک سنت لازم آتا ہے جبکہ رسول علیہ السلام نے مصافحہ کیا ہے انہوں نے نہیں کیا تو ترک سنت ہوا پھر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے جواب دیا کہ ترک سنت باعتبار ظاہر ہوا معناً ترک سنت نہیں ہے یہ اس لئے کہ سنت پر عمل دین کا کمال حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے اور جب یہاں پر ان کا مقصد دین کا کمال حاصل کرنا تھا تو یہ صورتاً خلاف سنت معلوم ہوتا ہے مگر معناً موافق ہے اور اس صورت میں کوئی نقصان نہیں ہے شرعی مسئلہ میں اس کی مثال بھی کو موجود ہے مثلاً اگر کوئی شخص صبح کی نماز میں دوسری رکعت میں شریک ہوا اور شریک ہونے والے یعنی مسبوق کو یہ خوف ہو کہ طلوع آفتاب قریب ہے اور وہ تشہد میں بیٹھا ہے اور امام نے ابھی تک سلام نہیں پھیرا ہے تو امام کے سلام پھیرنے کے قبل چھوٹی ہوئی رکعت کی ادائیگی کے لئے اٹھ کھڑا ہو تو یہ فرض کے پورا کرنے کے لئے کیا ہے تو یہ معناً موافق ہے اس کو ترک نہیں کہیں گے لہٰذا حضرت نے جو

مصافحہ میں ہاتھ نہیں بڑھایا ترک سنت کیا تو یہ ترک سنت اپنے دین میں کمال حاصل کرنے کے لئے فرمایا تو اس اعتبار سے ظاہراً ترک ہوا معناً ترک نہیں ہے۔

اس کے بعد قاضی معین الدین نے یہ اشکال پیش کیا کہ مؤمن کے دل کی شکستگی لازم آتی ہے اور کیا یہ بھی برا ہے؟ یہ اس لئے کہ وہ ہاتھ چومنا چاہتا ہے اگر اس کو ہاتھ چومنے نہ دیا جائے تو شکستگی خاطر پیدا ہوتی ہے؟ اس کا جواب یہ ارشاد ہوا کہ مومن کا دل توڑنے کا ارادہ نہیں ہے اس کی نیت اپنی انکساری سے اپنے دین کی تکمیل مراد ہے اگر اس ضمنی طور پر کسی کی شکستگی خاطر ہو تو کوئی خوف نہیں اور اس پر مواخذہ نہ ہوگا جیسے کسی مؤمن پر آپ حد شرعی جاری کریں (یعنی اس کو سزا شرع کے مطابق دیں تو آپ کا مقصود حد شرعی قائم کرنا ہے تو اس سے مومن کی شکستگی دل ضروری ہے لیکن چونکہ یہ شکستگی ضمنی ہے اس لئے کوئی خوف نہیں پکڑ اس وقت ہوگی جبکہ یہ شکستگی قصداً اور ارادتاً ظاہر ہوئی ہو لان المرء ماخوذ بقصده (اگر کوئی فعل کسی سے قصداً ہو تو وہ ماخوذ ہوگا) ایک مسلمان کا دل توڑنے کی ان کی نیت نہیں ہے بلکہ ان کی نیت دین میں کمال حاصل کرنا ہے۔

راہ سلوک میں ترک فرض حالی ہے شرعی نہیں

اس کے بعد فرمایا کہ سالک کو راہ سلوک میں ایک ایسا مقام آتا ہے کہ روزہ، نماز اور نوافل چھوٹ جاتے ہیں اس طریقہ پر کہ اگر وہ یہ سمجھیں کہ میرا کام بھٹی میں جانے سے نکلے گا اور یہ روزہ اور نماز میرے لئے حجاب راہ ہو گئے ہیں اس وقت روزہ و نماز کو ترک کر کے وہ خرابات میں چلے جائیں گے لیکن یہ طالب صادق کے حق میں جائز ہے کیونکہ روزہ اور نماز مقصود کے حصول کے لئے ہیں اور یہ طالبان صادق ہی جانتے ہیں کہ میرا مقصود خرابات میں جانے سے حاصل ہوگا تو ایسی حالت میں ان لوگوں کے لئے ترک صوم وصلوۃ فرض ہو جاتا ہے لیکن یہ فرض فرض حالی سے فرض شرعی نہیں۔ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ یہ گروہ اپنے سلوک میں بیقرار ہو جاتے ہیں۔

درمیان ترک فرض حالی نہ کہ فرض شرعی اور درمیان اتیان بدعت یہاں ترک فرض سے بدعت کا صدور اولیٰ (بہتر) ہوتا ہے اور اس کی شرع میں مثال موجود ہے اس مجلس میں

حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا کہ شریعت کے مسئلہ میں ان کی کون سی مثال ہے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ نماز میں یہ سوچے کہ یہ چوتھی رکعت ہے یا تیسری۔

فرض حالی کے ترک کی فقہی دلیل

ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ اسی رکعت میں بیٹھ جائیں اس کے بعد پھر کھڑے ہو جائیں تا کہ دوسری رکعت ادا کریں اس میں غور کریں تو یہ ہوسکتا ہے کہ یہ تیسری رکعت ہو اور تیسری رکعت میں بیٹھنا بدعت ہے اور اگر اس تیسری رکعت کو یہ خیال کریں کہ یہ چوتھی رکعت ہے اور بیٹھ جائیں تو ایک رکعت فرض کا ترک لازم آتا ہے یہاں پر یہی حکم ہے کہ بیٹھ جائیں اگر چہ تیسری رکعت کی حالت میں بیٹھنا بدعت ہے تیسری رکعت کی حالت میں یا کہ چوتھی رکعت کے ہونے کی حالت میں ترک فرض نہ ہو اور اسی طرح سالک اپنے دین کی تکمیل کے لئے مضطرب رہتا ہے کسی وجہ سے ترک سنت اور کسی وجہ سے بدعت کا ارتکاب کرتا ہے تو یہاں بھی اس کو بدعت کی ضرورت ہوتی ہے اگر چہ سنت کا ترک لازم آتا ہے ایسی صورت میں کوئی نقصان نہیں اور اس کی بھی شرع میں مثال موجود ہے اس موقع پر شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ شرع میں اس کی کون سی نظیر ہے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ نماز شروع کرنے کے بعد تحریمہ توڑنا بدعت ہے بلکہ منع ہے اس کے باوجود بعض حالت میں نماز توڑنا جائز ہے۔
اس کی نظیر یوں سمجھو کہ جیسے ہی ایک شخص نے صبح کی سنت شروع کی ویسے ہی فرض کی ادائیگی کے لئے امام آگے بڑھ گئے اب اس نے یہ خیال کیا کہ اگر ہم سنت میں مشغول رہتے ہیں تو امام کے ساتھ پہلی رکعت کا بہت زیادہ حصہ چھوٹ جائے گا تو ایسی صورت میں وہ سنت کو چھوڑ کر امام کے ساتھ ملے گا یہ ترک صورتاً ہوا نہ کہ معناً یہاں اس ترک سے کوئی نقصان نہیں پہنچا یہ اس لئے کہ یہ ترک نماز کی تکمیل کے لئے واقع ہوا شریعت میں ترک سنت کے معنی یہی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ بزرگوں میں سے اگر کسی کو یہ دیکھیں کہ ان سے کسی بدعت کا صدور یا صورتاً سنت کا ترک وجود میں آتا ہے تو قطعاً یہ جان لیں کہ انہیں ایسی ہی کوئی بات پیش آئی ہے جس کے سبب انہوں نے ایسا کیا ہے ان بزرگوں کے حق میں ایسا ہی عقیدہ رکھنا

چاہئے اور یہ ان کے لئے جائز ہے جو کہ اصول وقانون کے پابند ہیں، طالب صادق ہیں، ارباب معانی اوراہل بصیرت ہیں لیکن ہر مدعی اور ہر بوالہوس کے لئے یہ بات مسلم نہیں ہے اور ایسوں کے حق میں یہ کھلی گمراہی ہے۔

کسی بزرگ کے علاقہ میں کسی بزرگ کے قیام کے متعلق حکایات

مجلس شریف میں اس کا ذکر آ گیا کہ اگر کوئی بزرگ کسی بزرگ کی جائے سکونت (یعنی اس مقام ولایت میں) اس ارادہ سے جائے کہ وہاں سکونت اختیار کرے تو جب وہاں پہنچ جائے تو پھر وہاں سے نہ اٹھے زکریا غریب نے عرض کیا کہ مولانا فرید الدین کے ولایت میں ایک بزرگ پہنچے تا کہ وہیں سکونت اختیار کریں لیکن چند ہی یوم میں انتقال کر گئے اسی طرح شیخ خضر پارہ دوز کے شہر میں ایک درویش آئے شیخ خضر سے انہوں نے کہا کہ تم اتنی مدت سے یہاں قیام کئے ہوئے ہو اب یہاں سے اٹھو جاؤ ہم اس شہر میں رہیں گے۔ شیخ خضر نے اپنا مصلیٰ لپیٹا اور وہاں سے نکل آئے اس درویش نے وہاں سکونت اختیار کی چند ہی روز گذرے تھے کہ انتقال کر گیا یہ ولایت ان کو راس نہ آئی اور اس طرح کا واقعہ بہت سے بزرگوں کے ساتھ پیش آیا ہے جو بھی ہو لیکن ان بزرگوں میں بذات خود عداوت نہیں ہوتی۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خصومت اگر چہ نہیں ہوتی لیکن بشریت باقی ہے اور جب بشریت باقی ہے تو اس کے توابع اور لواحق (یعنی جو اس کا خاصہ ہے یہ واقع ہوگا اور یہ جائزات میں سے ہے) دوسری بات یہ کہ ظالم کے ظلم کا انصاف طلب کرنا خود عدل ہے اور یہاں فضل میں تجاوز عدل کی طرف کارفرما ہے اور اس سے کوئی چیز لازم نہیں آتی شاید کہ یہ تصرف اور (عمل) ان کا اپنی طرف سے نہ ہو بلکہ اللہ کی طرف سے ہو یعنی غیرت الٰہی کام کر گئی ہو اور ایسا بہت ہوا ہے اس کے بعد فرمایا کہ کتابوں میں بعض جگہ ایسا آتا ہے کہ فلاں فقیر کا وقت فلاں فقیر کے وقت پر غالب آیا اور اس فقیر کا مقام اس فقیر کے مقام سے علاوہ (سوا) ہے اور بلا شبہ بشریت یہاں پر کارفرما ہوتی ہے جو کبھی ایک فقیر کا وقت دوسرے فقیر پر غالب آتا ہے اور دوسرے کا وقت مغلوب ہوتا ہے اور یہی سبب ہوتا ہے جو اس طرح کی باتیں ظہور میں آتی ہیں اور

درویشوں کے درمیان اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں اس معنی کی ایک حکایت بیان فرمائی کہ شیخ علی زادہ نے ایک مرید کو حکم دیا کہ لاہور جاؤ اور وہاں سکونت اختیار کرو اس وقت لاہور میں شیخ زنجان تھے شیخ زنجان اور وہ مرید دونوں شیخ علی زادہ کے مرید تھے تو اس مرید کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شیخ زنجان اس وقت لاہور میں ہیں اور حضرت وہاں مجھے بھیجتے ہیں غالباً شیخ کو ان کا خیال نہیں رہا ہے اس سے اس مرید کے دل میں ملال ہوا عرض کیا کہ حضرت اس وقت شیخ زنجان لاہور میں فائز ہیں میں کیسے جاؤں شیخ علی نے فرمایا تمہیں اس سے کیا مطلب تم جاؤ اس کے بعد وہ روانہ ہو گئے جس رات وہ لاہور پہنچے۔ شیخ زنجان کا اسی شب میں انتقال ہو گیا صبح کو انہوں نے دیکھا کہ شیخ زنجان کا جنازہ شہر سے باہر آرہا ہے اور دوسری حکایت بھی اسی مناسبت سے بیان فرمائی کہ شیخ حیدر زادہ ایک شہر میں تھے ایک دن اپنے مریدوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اچانک شیخ حیدر نے مریدوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا اٹھو چلو کہیں سفر میں چلیں مریدان حیران ہوئے کہنے لگے حضور کیا ہے کہ اچانک حضرت نے ارادہء سفر کیا شیخ نے کہا کہ چنگیز خاں اس شہر میں پہنچنے والا ہے اور ایک فقیر اس کے ساتھ ہے وہ اس فقیر کی حمایت (پناہ) میں آرہا ہے اس فقیر سے باطن میں ہم سے کشتی ہوئی اس فقیر نے مجھ کو زیر کر دیا اب میں اس شہر کو محفوظ نہیں رکھ سکتا جو لوگ ان سے عقیدت رکھتے تھے وہ سب ان کے ساتھ ہو لئے تھوڑے ہی دنوں کے اندر چنگیز خاں اس شہر میں پہنچ گیا شہر کو فتح کر کے تمام لوگوں کو اسیر بنا لیا۔



بائیسواں باب

شجرۂ پیران اور حاجات میں ان کے شفیع لانے کے ذکر میں

مجلس شریف میں پیران رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے شجرہ کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ پیروں کے شجرہ کو یاد کر لینا چاہئے اور اسے ہر فرض نماز کے بعد پڑھنا چاہئے اس کے بے حد برکات ہیں۔

مجلس شریف میں اس وقت جتنے حاضرین تھے انہیں لکھ لینے کا اشارہ فرمایا گیا اور خود اس ترتیب سے حضرت مخدوم جہاں نے املا کرایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بحرمت خواجہ نجیب الدین فردوسی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت خواجہ رکن الدین فردوسی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت خواجہ بدر الدین سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت خواجہ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت خواجہ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت خواجہ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت خواجہ وجہ الدین ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بعمویہ رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت خواجہ احمد سیاہ دینوری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت خواجہ ممشاد علو دینوری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت خواجہ ابوالقاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت خواجہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت خواجہ امام علی رضا رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمت امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمت امیر المومنین علی ابن طالب رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمت سید المرسلین وخاتم النبین محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب القریشی صلی اللہ علیہ وسلم میرے جملہ حاجتوں کو پورا کردے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے غلاموں کی جانب جو اس وقت حاضر تھے متوجہ ہو کر فرمایا کہ روزانہ ہر فرض نماز کے بعد اسے پڑھ لینا چاہئے اور اگر کسی کو کوئی مہم پیش آجائے دینی ہو یا دنیوی تو وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھ کر اس شجرہ کو پڑھے اور ان پیروں کو شفیع لائے تو اللہ تعالیٰ اس مہم کو سر کردے گا اور اس کی حاجتو کو پورا فرمائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔



تیئسواں باب

مجاہدہ اور ریاضت کے تذکرہ میں

کیا مجاہدہ وصول حق کی علامت ہے

مجلس شریف میں قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ سننے میں آیا ہے کہ ایک دفعہ آپ (حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ) نے فرمایا کہ مجاہدہ وصول (الی اللہ) کی علت ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے جواباً فرمایا یہ بعضوں کا قول ہے لیکن اکثر اس پر متفق ہیں کہ علت نہیں ہے اور یہ اس لئے کہ علت اسے کہتے ہیں کہ علت اور معلول کے درمیان فصل نہ ہو اور بہت سے (لوگ) ایسے ہیں جنہوں نے مجاہدہ کئے ہیں اور مقصود کو نہیں پایا ہے اس موقع پر مولانا ابوالقاسم نے عرض کیا کہ اس آیت "والذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا" میں مشیت کو مضمر کہتے ہیں۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک قول یہی ہے جس میں مشیت مضمر ہے مگر وہ لوگ جو مجاہدہ کو وصول کی علت قرار دیتے ہیں وہ اسی آیت سے علت قرار دیتے ہیں

لیکن اسی مجاہدہ کو علت جانتے ہیں جو مجاہدے پوری شرائط کے ساتھ کئے گئے ہوں اگر کوئی طلب و مجاہدہ کرتا ہے اور مقصود حاصل نہیں ہوتا تو ایسا اس سبب سے ہے کہ مجاہدہ کے جو شرائط ہیں وہ بجا نہیں لایا اور اس میں خلل اسی کی جانب سے واقع ہوا ہے اور ایسا ہی اس آیت کریمہ ''ادعونی استجب لکم'' (مجھ سے مانگو میں تمہاری مانگ (دعاء) قبول کروں گا۔) میں ایک قول کے مطابق مشیت مضمر ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر دعا اپنی شرائط کے ساتھ (یعنی دعا کرنے کا جو حق ہے) کی جائے تو ضرور قبول ہوگی اور اتنے سارے لوگ جو دعا کرتے ہیں اور دعا قبول نہیں ہوتی وہ اس بنا پر ہے کہ دعا کرنے کی جو شرائط ہیں وہ پوری نہیں کی جاتیں) یعنی دعاء جس طرح مانگنی چاہئے مانگی نہیں جاتی اس موقع پر شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ اگر کوئی کہنے والا ان لوگوں کے قول پر جو مشیت کو مضمر نہیں جانتے ہیں یہ کہے کہ جہاں طلب و مجاہدے ہیں مگر یافت (کامیابی) نہیں ہے یہ اس سبب سے نہیں ہے کہ علت نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ طلب و مجاہدے جیسا کہ اس کی شرائط ہیں ادا نہیں کئے گئے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہوتا تو مشیت کے ساتھ خصوصیت معلق ہوگی جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ''ویختص برحمته من یشاء'' اور مثل اس کے دوسری آیتوں کا فائدہ نہیں ہوتا اور دوسری بات یہ ہے کہ مجاہدہ اور طلب وقتی ہے اور سابق ازلی ہے تو وقتی ازلی کی علت نہیں ہوسکتا اس سے معلوم ہوا کہ طلب و مجاہدہ علت نہیں ہے اور اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ تعلیق اختصاص شاید کہ نبوت کے حق میں ہو یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہے نبوّت عطا فرمائے پھر خود ہی جواب ارشاد فرمایا یہ تاویل سلف کی تاویل کے خلاف ہے اور جب ایسا ہے تو خطا ہے اس کے بعد فرمایا کہ جو کچھ بھی ہے اللہ جلّ شانہٗ نے اس کو اپنی مشیت سے متعلق رکھا ہے ''یختص برحمته من یشاء'' اپنی مشیت کے ساتھ مقید کر لیا ہے اس کو کسی کی جان و مال اور دوسری چیزوں کے ساتھ مقید نہیں فرمایا کہ آدمی اپنی جان قربان کرے تو مقصود حاصل کرے بلکہ اس کو مقید اس جانب کر دے کہ کسی آدمی کو اس کی خبر نہیں۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ مثنویات ارشاد فرمایا ؎

چہ بود خوب زشت مشتے خاک　　باقبول تو اے زعلت پاک

اے یکے خدمت استانت را　　گرگ یوسف شکار جانت را

حاضرین مجلس کو اس گفتگو میں ایک اندوہ پیدا ہوا اور آبدیدہ ہوئے اس موقع پر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ جب اللہ جل شانہ نے اپنی مشیت کی قید لگادی تو طلب ومجاہدہ کرے یا نہ کرے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہرگز ہرگز کوشش ومجاہدہ ترک نہ کرے مشائخ اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ضرور کرے اور جہاں تک کرنے کا حق ہے اس کو انتہا تک پہنچائے لیکن اس کی کوئی وقعت نظر میں نہ لائے اور اس کو علت نہ سمجھے۔

دین کے دو بنیادی حقوق

اور چند بار اس بات کی تکرار فرمایا کہ کردنی ہے نہ دیدنی اور یہ اس بنیاد پر ہے کہ دین کے جملہ احکام کی بازگشت دو بنیادی اصولوں کی طرف ہوتی ہے ایک دانستنی دوسرا کردنی۔ دانستنی جیسے ایمان، کفر، طاعت اور معصیت۔ یہ تقدیر خداوندی ہے اور اس کو جاننا چاہئے اس میں دلیل وبحث کی ضرورت نہیں اور کردنی (عمل) جیسا کہ فرمان ہے کہ ایمان لاؤ، بندگی کرو اور کفر سے بچو اور گناہ سے دور رہو میں جیسے وہاں دلیل وبحث درست نہیں ہے ویسے ہی یہاں ترک جائز نہیں ہے اس موقع پر یہ مثنویات زبان مبارک سے پڑھی گئیں۔ مثنویات ؎

عقل و فرماں کشیدنی باشد　　عشق و ایماں چشیدنی باشد

عاشقاں سوئے حضرتش سرمست　　عقل در آستین وجاں در دست

جس طرح وہاں دانستنی کو نہ جانے اور اس پر اعتقاد نہ رکھے تو کافر ہوگا اسی طرح یہاں کردنی کو ترک کرے اور یہ جانے کہ یہ گناہ ہے تو خود گنہ گار ہوگا اور اگر اس کو معصیت نہ سمجھے اور اگر کسی شخص پر ایسا حال اور وقت گذرا ہے کہ جس کیفیت اور حال میں انہوں نے زہد و نماز پڑھنے وغیرہ کی مذمت میں کوئی شعر کہہ دیا ہے تو ان احمق لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ انہوں نے ایسا کیا ہے اسی کو دلیل بنا کر ایک دم نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور زہد ترک کر دیا۔ نعوذ باللہ منہا (اس سے اللہ پناہ میں رکھے) کیونکہ اس سے نفس نماز اور زہد کی مذمت ہوتی ہے اور جو انہوں

نے اس طرح کے اشعار اپنی کیفیت میں کہے ہیں اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اس نماز اور مجاہدہ کے ادا کرنے میں کوئی حقیقت نگاہ میں نہ آئے اور اس کے کرنے سے جو کبر غرور اور دوسری آفتیں پیدا ہوتی ہیں اس پر ان کی نگاہ ہے اور یہی ان کا مقصود ہوتا ہے اور ہر اس شعر میں جس میں کہ ان چیزوں کی مذمت کی گئی ہے۔ اس سے نفس چیز کی مذمت مراد نہیں ہے بلکہ نادیدن مراد ہے (یعنی اس کی کوئی حقیقت نہیں) اور نگاہ میں جو اس زہد اور عبادت کی وقعت ہوتی ہے اس کے آفات مراد ہیں جیسا کہ امام شبلیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "لیس الذهد فی الدنیا فی الحقیقته" یعنی در حقیقت دنیا میں زہد ہے ہی نہیں یہ انکار نفس زہد کا انکار نہیں کیونکہ کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے اور یہ کسی صورت میں جائز نہیں بلکہ یہ نادیدن زہد (یعنی میرے اس زہد کی کوئی حقیقت نہیں) اور اپنے زہد کے وقعت کی جو آفتیں ہیں ان پر نگاہ کرتے ہیں تاکہ عُجب سے محفوظ رہیں۔

اہل طریقت کے لئے ایک بنیادی اصول

اہل طریقت کے لئے ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ سالک اپنے عیوب اور اپنے اعمال کے عیبوں پر نگاہ رکھے اور اپنے ہنر اور اپنی عبادت کو تعریف کی نظر سے نہ دیکھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ باتیں ان لوگوں کی ہیں جن کی ہمت سوائے حق تعالیٰ کے اور کسی طرف نہیں رکتی اگرچہ طلب ومجاہدہ فائدہ سے خالی نہیں ہے اور اس میں بہت بڑے بڑے فوائد ہیں لیکن ان کی ہمت کا مقصود اس سے کہیں بلند ہے اسی سبب سے یہ چیزیں ان کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں اور ان کی یہ دلیل کتنی عمدہ ہے کہ اگر طلب ومجاہدہ منظور ومقصود ہو جائے تو ترقی نہیں ہو سکتی آدمی اس میں اٹک کر رہ جائے گا (کیونکہ اس کا مقصود ومنظور وہی ہے)

نفس کشی کی شرعی حد کیا ہے

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص نفس کشی کے لئے اپنے عضو کو کاٹ ڈالے یا اپنے جسم پر اسی طرح کی کوئی دوسری بات کر گذرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس طریقہ پر نفس کو مارنا کہ کسی عضو کو کاٹ

ڈالے جائز نہیں اگر ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر وہ جسم جو طالب کو راہ حق میں سلوک طے کرنے سے تکلیف دے اس عضو کو ایک سوئی کی نوک سے بھی اگر کوئی تکلیف دے گا تو گنہگار ہوگا لیکن طالب پر اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اگر اس کا نفس اس کو راہ حق سے ہٹا کر ادھر ادھر مائل کرے تو اس کو مجاہدہ و ریاضت کے اس کوڑے سے جو شریعت کے مطابق ہے سیدھا کرے پھر عرض کیا کہ جسم پر کوئی ایسا کپڑا آجائے جس سے نفس کو مضرت حاصل ہوتی ہو اگر اس کو برداشت کرے تو یہ کیسا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ مستحسن ہے ایسی چیزوں سے رضا حاصل ہوتی ہے اور اس جیسی چیزیں خوب ہیں۔

پھر عرض کیا کہ اگر نیند کو ختم کرنے کے لئے ایک ڈوری کو گردن میں ڈال کر اس میں اپنے آپ کو لٹکائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد پاک میں ایک صالحہ عورت نیند ختم کرنے کے لئے یا اپنے مجاہدہ کے لئے اپنے گلے میں تسمہ ڈال کر اپنے کو لٹکا لیا کرتی یہ خبر حضور رسول علیہ السلام تک پہنچی حضور ﷺ نے اس عورت کو اس سے منع فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ایسی چیزیں اپنے اوپر اختیار کرنی چاہئے کہ جس پر ہمیشہ وہ قائم رہ سکے ایسا کرنا کیا کہ صرف دس دن کر سکا اور بس جیسے دس دن روزہ رکھا اور پھر بھوک سے بیتاب ہو کر روزہ ترک کر کے اپنے پرانے حال پر لوٹ آیا تو یہ بے فائدہ ہے تھوڑا تھوڑا کر کے عادت ڈالے اور یہاں تک پہنچائے کہ جس پر استقامت ہو سکے۔ اس کے بعد فرمایا کہ دن اور رات کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ مشائخ نے اس کو تقسیم کر دیا ہے کہ چند گھنٹے عبادت میں مشغول رہیں اور چند گھنٹے آرام کریں۔

اپنے وقتوں کو کس طرح استعمال کریں

ان چوبیس گھنٹوں میں آٹھ گھنٹے نیند کے لئے علحدہ کر دئے ہیں اور ان آٹھ گھنٹوں کو

بھی تقسیم کیا ہے اس کی بھی تعین کردی ہے کہ چاشت سے فارغ ہوکر زوال کے قبل اٹھ جائے تاکہ ظہر کے لئے پہلے سے تیار ہو جائے اور ظہر کی ادائیگی کے لئے بیٹھ جائے یہ اس لئے کہ مشائخ کرام قبل از وقت مستعد ہو جاتے ہیں تاکہ زوال کا وقت جتنا گذرا وہ بھی ضائع نہ جائے اور وہ جو چھ گھنٹے رات میں سونے کے ہیں اس کی بھی تعین کردی ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد چھ گھنٹے رات کو سو رہے اگر اس سے زیادہ سو رہے گا تو وقت کا اتنا حصہ ضائع جائے گا اس کے بعد فرمایا کہ اسی سے مشائخ کہتے ہیں کہ دو صبحیں ہیں۔

ایک صبح وہ جو رات کو سو کر اٹھتے ہیں اور دوسری صبح وہ جو دن کو سونے کے بعد بیدار ہوتے ہیں بزرگوں کا قول ہے کہ جب دن کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ظہر کے لئے تیار ہو جائے، ظہر کی ادائیگی کے بعد جو ورد ظہر کے بعد معمول میں ہے اسے پڑھیں پھر اس کے بعد وہ اوراد جو صبح کی نماز کے بعد معمول میں ہے اسے آخر تک پڑھے (اسی کو دو صبح کہتے ہیں)

نوافل میں مناجات والی آیتوں کا انتخاب کریں

اس کے بعد جو لوگ حاضر تھے ان کی طرف اشارہ فرمایا گیا کہ اگر ظہر کے بعد نوافل ادا کرتے ہیں تو چاہئے کہ ان نفل نمازوں میں ان آیات کو پڑھیں جو مناجات کے طور پر ہیں مثلاً یہ آیت "ربنا و لا تحملنا ما لا طاقة لنا به" اور وہ آیت جو اس کے آخر میں ہے اور "وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخٰسرین" اور اسی طرح کی دوسری آیتیں یہ اس لئے کہ ان آیات میں بہت ذوق حاصل ہوتا ہے اور اگر ان آیات کی طرح دوسری آیتوں کو پڑھنے میں مزہ ملے تو ان آیات کو بھی مکرر پڑھیں اگرچہ ایک ہی رکعت میں ہو یہ اس لئے کہ بزرگ (اہم و پاک) وقت مل جاتا ہے اور ایسا وقت بڑی تمناؤں کے بعد حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح نماز عشاء کے بعد بھی نوافل ادا کرتا ہے تو انہیں آیات کی مثل پڑھا کرے۔

معمولات وقت پر ادا کی جائیں

اس موقع پر قاضی صدر الدین نے عرض کیا کہ اگر چھ گھنٹے رات میں اور دو گھنٹے دن میں جس وقت چاہے سو رہے ایسا ہو کہ وقت کا تعین قائم نہ رہے یہ کیسا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ مشائخ نے بھی وقت متعین فرمایا ہے مطلق وقت یعنی جس وقت چاہے ایسا نہیں آیا ہے

وظیفہ مرید کے اہلیت کے اعتبار سے دیا جاتا ہے

خاکسار نے عرض کیا کہ مشائخ نے مجاہدہ کے لئے ترتیب بھی قائم کی ہے کہ پہلے اس سے شروع کرے پھر اس سے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں! مشائخ یہ دیکھتے ہیں کہ کون شخص کس چیز کے لائق ہے اسی کے مطابق حکم دیتے ہیں اور اس کام کی اصل تجرید ہے۔ یعنی اگر مجرد (تنہا) ہے تو اس کو اس کے تجرید کے بقدر حکم دیتے ہیں اور اگر متاہل (بال بچوں والا) ہے تو اس کو اسی کے مطابق بتلاتے ہیں پہلی چیز جو بتاتے ہیں وہ چلہ میں بیٹھنے کے لئے بتاتے ہیں اگر چلّے میں کچھ درست ہوتے دیکھتے ہیں تو دوسرے چلہ کا پھر حکم دیتے ہیں اور چلہ میں دیکھتے ہیں کہ اس کی رغبت خدا کے ساتھ ہے تو اس میں تعین کرتے ہیں اور اگر رغبت کھانے کی طرف دیکھتے ہیں تو اس کے اندازے کے مطابق حکم دیتے ہیں۔

اداب وظیفہ اور فوائد ذکر

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ پیر مرید کو مشغولی کا حکم دے تو مرید کے التماس پر یا خود سے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اگر مرید التماس کرے تو اس کے عرض کرنے پر اور اگر خود ضرورت سمجھے تو خود سے بھی مرید کو مشغولی کا حکم دے اس موقع پر خواجہ حافظ جلال الدین ملتانی حاضر تھے انہوں نے کہنا شروع کیا کہ مرید کو پہلے ذکر کرنا چاہئے کیونکہ اس سے دل کا صیقل (یعنی دل کی گندگی دور ہوتی ہے اور دل صاف) ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ چلہ میں ذکر ہی کرنے کو کہا جاتا ہے یہ [illegible] ہے کہ وہ ساری باتیں جو اس سے قبل کی ہیں اور دیکھی ہیں وہ سب اس کے دل میں آتی رہتی ہیں تو ذکر کرنے کو بتلاتے ہیں تاکہ ذکر ان سبھوں کو دل سے نکال دے مثلاً جیسے ابھی اپ لوگ میرے سامنے باتیں کر رہے ہیں جب یہاں سے باہر جائیں گے تو پھر یہ ساری

باتیں آپ کے دل میں آئیں گی تو وہ وقت اللہ کے سوا مشغولی کا ہوگا اسی کے دفیعہ کے لئے ذکر کرے اور ذکر میں ایسا مشغول ہو کہ اگر نیند آجائے اور گہری نیند میں ڈوب جائے تو چاہئے کہ ایسے حال میں بھی زبان ذکر میں مشغول رہے۔ اس معنی کی مناسبت سے ایک حکایت بیان فرمائی کہ شیخ رکن الدینؒ کی خانقاہ میں قلندروں کی ایک جماعت پہنچی، شیخ نے ان لوگوں کو ذکر کرنے کا حکم دیا جب رات ہوئی یہ سب کے سب ذکر میں مشغول ہوئے رات بھر تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد شور و غوغا کرتے حضرت کے رفقاء (مرید و خلیفہ) اپنے اپنے حجروں میں نماز و ذکر میں مشغول تھے ان سب کو اس غوغا سے تشویش ہونے لگی ایک مرید حجرہ سے باہر آئے ان قلندروں کو ڈانٹا اور کہا کہ خاموش رہو اور اگر ذکر ہی کرتے ہو تو ایسا کرو کہ تمہارے اعضاء ذکر کریں اور خود تم ہی سنو، نہ یہ کہ اتنا شور و غل کرو کہ تمام مخلوق سنے ان قلندروں نے اسی وقت ذکر کرنا بند کر دیا جب دن ہوا سب شیخ کے حضور میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضور نے ہم لوگوں کو ذکر کرنے کا حکم دیا تھا ہم لوگ رات میں ذکر کرنے میں مشغول تھے کہ حضور کے ایک مرید آئے اور انہوں نے ڈانٹا اور ذکر کرنے سے روک دیا شیخ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنے جیسا سمجھا ہے اس کے بعد اس مرید کو طلب کیا اور کہا کہ ان لوگوں کو کیوں منع کیا انہیں اس ساعت میں وہ حاصل ہوتا جو تمہیں ہے، خود ہی ایسا کرنے لگتے کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس موقع پر جلال الدین مذکور نے کہا کہ ہندوی زبان میں جس نے کہا ہے باٹ بھلی پر سانگرے (بمعنی تنگ یعنی اچھی راہ اگر چہ تنگ ہو) اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے زبان مبارک سے گوہر افشانی فرمائی دیس بھلا پر دور۔

نفس ریاضت میں مؤمن و کافر دونوں برابر ہیں

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ نفس ریاضت میں مومن و کافر دونوں برابر ہیں جیسا کہ بعض کتابوں میں ہے کہ ریاضت سے راہبوں کو اشراق بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس مناسبت سے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک راہب تھا ساٹھ ستر سال سے ریاضت میں بیٹھا ہوا ایک صومعہ میں مشغول تھا اس زمانہ میں چالیس سال کی مدت

رہبانیت کی تکمیل کے لئے تھی چالیس سال کے بعد کشود کار ہو جاتا تھا۔ یہ خبر خواجہ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی کہ فلاں راہب کو ساٹھ ستر سال کی مدت ہو گئی ہے۔ خواجہ ابراہیم نے کہا کہ چالیس سال ان لوگوں کے یہاں متعین ہے اس کو مدت مقررہ سے زیادہ وقت لگ گیا یہ بے معنی نہیں ہے چلوں اور اس سے پوچھوں کہ کیا بات ہے؟ اور اس پر کیا معنی کھلا ہے اس کے بعد اس کی ملاقات کا ارادہ کر کے اس کے صومعہ تک پہنچے راہب صومعہ میں مشغول تھا جب خواجہ ابراہیم وہاں پہنچے تو قبل اس کے کہ خواجہ ابراہیم اس سے سوال کریں راہب نے حجرہ سے سر باہر نکالا اور کہا کہ مجھے کوئی معنی (حاصل) نہیں ہے۔ خواجہ ابراہیم نے کہا کہ پھر کیوں اتنے زیادہ سال بیٹھے ہو اس نے کہا کہ اس نفس کے کتّے کو قید کیا ہے اسی کی نگہبانی میں بیٹھا ہوں۔ اس کے بعد خواجہ ابراہیم نے جب یہ سنا تو دل میں مناجات کی۔ ''اے اللہ تو نے اپنے بیگانے کو اس درجہ کی بات عطا کی ہے تو اگر چاہے تو اسے آشنا بنالے''

جب خواجہ ابراہیم خواصؒ نے دل میں یہ دعاء کی تو اس راہب نے کہنا شروع کیا کہ کیا بیکار فضول مناجات کر رہے ہو۔ جاؤ اپنی معرفت حاصل کرو یا اپنے لئے یہ دعا کرو۔

پھر ایک دوسری حکایت اسی مناسبت سے بیان فرمائی کہ ایک راہب تھا۔ جب اس نے حضرت ابراہیم خواص کا شہرہ سنا تو آپ سے ملاقات کا ارادہ کیا خواجہ ابراہیم خواص ہمیشہ سفر میں رہتے کہیں ٹھہرتے نہیں تھے۔ حضرت کو مقام توکل حاصل تھا اسی توکل کی قوت سے بغیر توشہ و زاد راہ کے سفر کرتے تھے الغرض وہ راہب پوچھتے پوچھتے آپ تک پہنچ گیا اور اس نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ سفر کروں گا خواجہ نے کہا کہ تم ہمارے ساتھ سفر نہیں کر سکتے اس لئے کہ ہم کو تو توکل ہے اس راہب نے کہا کہ ابھی تک پیٹ کا دھندا ہے؟ خواجہ ابراہیم خواص نے جب یہ بات سنی تو کہا کہ بڑی بات بول گیا الحاصل دونوں سفر میں گئے یہاں تک کہ تین شبانہ روز گذر گئے کہ کوئی چیز غیب سے نہیں پہنچی پانی بھی نہ ملا تین دن کے بعد اس راہب نے حضرت سے کہا اے شیخ تمام ملک میں آپ کی شہرت کا ڈنکا بج رہا ہے اور جھنڈا لہرا رہا ہے کچھ منگوائیے دیکھیں کہ آپ کیا قدرت رکھتے ہیں شیخ نے دو رکعت نفل ادا کی اور سجدے میں جا کر

عرض کیا کہ بارخدایا اس بیگانہ کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کیجئے اس کے بعد سر اٹھایا تو دیکھا کہ مصلی پر دو روٹی اور دو پیالہ پانی رکھا ہے۔ایک پیالہ پانی اور ایک روٹی آپ نے اس کو دی اور ایک سے خود افطار کیا اس کے بعد پھر تین رات اور تین دن گذر گئے کچھ نہ ملا۔شیخ نے کہا پہلے اس نے مجھ سے کہا تھا اب ہم اس سے کہیں چنانچہ شیخ نے کہا اب تمہاری باری ہے۔منگواؤ۔ دیکھیں کیا منگوا سکتے ہو۔اس راہب نے جیسا کہ اس کے دین میں ہے دوگانہ ادا کیا اور سر سجدہ میں رکھ کر کہا۔الٰہی اگر ان بزرگ کی تیری بارگاہ میں آبرو ہے تو کوئی چیز بھیج دے۔یہ کہتے ہی چار روٹیاں اور چار پیالے پانی کے غیب سے آ گئے۔خواجہ ابراہیم خواصؒ اور اس راہب نے اس سے افطار کیا پھر خواجہ ابراہیم نے اس راہب سے پوچھا کہ تم نے کیا مناجات کی اس نے کہا مجھ میں کوئی طاقت نہ تھی میں نے آپ کو شفیع لایا اور دعا کی کہ الٰہی اگر ان بزرگ کی تیرے دربار میں کوئی آبرو ہے تو ان کے طفیل کچھ بھیج دے اس کے بعد اس نے عرض کیا کہ مجھے جو آپ کے دین میں شبہہ تھا وہ دور ہو گیا اب مجھے اسلام کی تلقین کیجئے خواجہ ابراہیم نے کلمہ پڑھایا اور وہ اسی وقت بحمد للہ مسلمان ہو گیا۔

اس کے بعد ایک دوسری حکایت بھی بیان فرمائی کہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں ایک راہب اپنے صومعہ میں مشغول تھا ایک دن حضور ﷺ کا گذر اس صومعہ کے سامنے سے ہوا حضور ﷺ نے اس سے پوچھا اپنے کو تو نے کہاں تک پہنچایا اس نے جواب دیا کہ ایسی قوت حاصل کی ہے کہ اللہ کے عرش کو دیکھتا ہوں۔رسول علیہ السلام نے فرمایا "ذالک عرش الشیطان" (وہ عرش شیطان کا ہے)۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ جب اس جملہ پر پہنچے تو فرمایا کہ بیشک جو ریاضت کہ خارج از اسلام ہے وہ سب شیطانی نمائش ہے۔واللہ اعلم۔



چوبیسواں باب

نفس سے بیزاری ظاہر کرنے اور اس کے مکر وفریب اور تھوڑا احجاب نفس کے بارے میں

مکاشفہ کے حجابات کیا کیا ہیں

مجلس شریف میں اس کا تذکرہ آ گیا کہ جب تک طالب ومطلوب مطالبات نفس سے انکار نہیں کرتے مکاشفہ حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کتابوں میں حجابات کے بیان میں مشائخ رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ حجاب چار ہیں۔ (۱) خلق (۲) دنیا (۳) شیطان (۴) نفس اور خلق طاعت وعبادت کی رکاوٹ ہے دنیا آخرت کا حجاب ہے۔ شیطان دین میں حائل ہے۔ اللہ اور بندہ کے درمیان نفس حجاب ہوتا ہے شمار میں یہ چار آتے ہیں لیکن حقیقت کے لحاظ سے اصل حجاب نفس ہی ہے یہ اس لئے کہ لوگوں کی صحبت اور اختلاط نفس ہی کے لئے ہے اور دنیا میں مشغول ہونا یہ بھی نفس کے لئے ہوتا ہے اور شیطان کے کہنے پر چلنا یہ بھی نفس ہی کے لئے ہے تو اس سے معلوم ہو گیا کہ دراصل حجاب نفس ہی ہے اور

اسی موقع پر ''النفس ھی الصنم الا کبر ''(یہ نفس ہی بہت بڑا بت ہے) کہا گیا ہے تو جو نفس سے بیزار ہوا وہ سب سے چھوٹا اور نجات پایا اور یہ مثنوی پڑھی گئی بیت ؎

زیر پائے آر گوہر کانت تا بدست آید آب حیوانت

(اپنے وجود کے موتیوں کو پیروں سے دباؤ، تا کہ توحید کا آب حیات تمہارے ہاتھ آئے)

اللہ کی راہ میں اصل حجاب نفس ہے

تم نے دیکھا نہیں؟ خواجہ بایزید بسطامیؒ کی اس نقل کو جس میں انہوں نے ایک رات اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا تو یہ سوال کیا'' الھٰی کیف الطریق الیک ''(اے اللہ تجھ تک پہنچنے کی کون سی راہ ہے) جواب ملا'' دع نفسک و تعال ''(نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ) یہ نہیں فرمایا کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، رات بھر نفل کے لئے کھڑے رہو اور نہ یہ کہا کہ دنیا ترک کر دو، مخلوق سے ملنا چھوڑ دو، اگر فرمایا تو نفس کو چھوڑ دینے کا حکم دیا، تو یہ صاف ظاہر ہے کہ تمام حجابات کی جڑ نفس ہی ہے اگر نفس سے بڑا کوئی حجاب ہوتا تو حکم اس حجاب کے ترک کرنے کا دیا جاتا۔ سالکان طریقت خود کو دشوار راہ میں ڈال دیتے ہیں اور ملامت و ذلت کی راہ اختیار کرتے ہیں تا کہ نفس جلد مٹ جائے اللہ بہتر جانتا ہے۔ قاضی عمدہ نے یہی راہ اختیار کی تھی۔

صفات محمودہ کے حصول کا اصل ذریعہ

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جب نفس اٹھ گیا تو جملہ صفات محمودہ مثلاً رضا و توکل تفویض صبر و شکر اور اس جیسی دوسری تمام چیزیں ظاہر ہونے لگتی ہیں بلکہ ایسا ہونے لگتا ہے کہ صفات محمودہ اس کی طبیعت ہو جاتی ہے یعنی بے تکلف اس سے صادر ہونے لگتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے تواضع، جب آدمی کی ایسی طبیعت ہو جاتی ہے تو تواضع کے موقع پر اگر وہ کوشش نہ بھی کرے جب بھی خود بخود اس سے تواضع کا صدور ہوگا جیسے دوسری عادتیں مثلاً بھوک اور پیاس۔ اگر چہ آدمی بھوک اور پیاس لانے کی کوشش نہیں کرتا، لیکن یہ اس کی طبیعت کا تقاضہ ہے کہ وقت پر وہ ظاہر ہو جاتی ہے ایسے ہی موقع پر کہتے ہیں ''العادۃ طبعیۃ خامسۃ ''(عادت پانچواں مزاج ہے) لیکن انسان کے اندر وہ مزاج جواز روئے بناوٹ ہے، اور وہ مزاج جواز روئے عادت ہے

دونوں میں فرق ہے جو انسان کی تخلیق میں شامل ہے اس پر اختیار نہیں بہ خلاف اس کے جواز روئے عادت ہے اختیار کا حصہ اس میں باقی رہتا ہے عادت ہونے میں یہی بات پیدا ہوتی ہے کہ اس عمل کی دشواری ہٹ جاتی ہے۔ اس حد تک کہ وہ دشواری مفید اور محمود نظر آنے لگتی ہے۔

ایک عجیب وغریب واقعہ

قاضی عمدہ پر عجیب حالتیں طاری ہوا کرتی تھیں' ایک وقت انہوں نے ہاتھ میں مہندی لگائی ایک طوائف کی گردن پکڑے ہوئے بازار میں گھومنے لگے اسی حال میں ایک دن مولانا شیخ نصیر الدین کے پاس پہنچ گئے۔ کہا اگر آپ ایسے ہی شیخ ہیں تو ایک کشتی بازار میں لڑ لیجئے اور اگر کشتی نہیں لڑ سکتے تو دستار اس طوائف کو دے دیجئے۔

اسرار کے معنی کھلتے ہیں تو کیا ہوتا ہے

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ بعضوں کو ایک معنی پیش آتا ہے کہ اس معنی کے اعتبار سے اس طرح کی چیزیں ان سے صادر ہوتی ہیں، اور اسی بناء پر وہ رسوم وعادات سے آگے گذر جاتے ہیں اور بڑی امید کی بات ہے۔ راہ سلوک میں ان پر اس طرح کی چیزیں (یعنی انکشافات وشہرت) بت وزنار بن کر سامنے آتی ہیں جو اس سے پہلے نہ تھیں۔ جب وہ اس پر غور کرتے ہیں تو اسی وقت اس طرح کی باتیں اس کے دفیعہ کے لئے کرنے لگتے ہیں اور اہل سلوک جب کسی کے متعلق سنتے ہیں کہ انہوں نے اپنا یہ حال بنالیا ہے تو وہ اسی وقت یہ سمجھ لیتے ہیں کہ انہیں اس طرح کا معنی پیدا ہوا ہے جس کو دور کرنے کے لئے یہ حالت بنائی ہے تو قاضی عمدہ عام عادات ورسوم سے اس وقت آزاد ہوئے جب ان پر یہ معنی کھلے تھے اور یہ جو مہندی ہاتھوں میں لگائی واللہ اعلم اس طور سے ذہن میں آیا ہو کہ ان کے باطنی بت وزنار جو غائب تھے وہ سامنے آئے انہوں نے سمجھا کہ مردوں میں جو باتیں ہونی چاہئے وہ مجھ میں نہیں۔ میں باطن میں مرد نہیں ہوں ظاہری صورت میں مرد ہوں تو عورت بھی ہوں اور مرد بھی ہوں اس رو سے خود کو مخنث سمجھا جیسے اتنے سارے مخنثان ہیں ان میں ایک میں بھی مخنث ہوں چونکہ جو ان کے باطن میں تھا اسے کھلے بند اظہار کیا' اور یہ بہت بڑا کام ہے ہر شخص

سے ایسا نہیں ہوسکتا اس موقع پر مخدوم جہاں نے یہ نظم پڑھی جب ؎

پیش آنکس کہ عشق رہبر اوست   کفر و دین بین کہ ہر دو بردر اوست

نیست کن ہرچہ را و رائے بود   تا دلت خانۂ خدائی بود

(عشق جس کا راہبر ہوتا ہے دین و کفر دونوں اس کے سامنے ہوتے ہیں راہ کی باتیں اور اپنے مشوروں کو گم کر دو تا کہ تمہارے دل میں خدا ہی خدا رہے۔)

باطن کی درستگی سے نفاق ختم ہو جاتا ہے

خاکسار نے عرض کیا کہ باطنی کیفیات کو جب ظاہر کیا تو اس سے اس کا دفیعہ کیسے لازم آتا ہے اس سے تو شائبہ اس کی تو کید کا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کے معاملات کے فہم کی یہ ایک راہ ہے۔ معاملہ دوسرا بھی اس کے علاوہ ہوسکتا ہے۔ واقعہ کیا ہے یہ تو جو اس تجربہ میں ہیں ان کو معلوم ہوگا اتنی بات تو ضرور ہوتی ہے کہ نفاق ختم ہو جاتا ہے اور عجب وریا باقی نہیں رہتا۔

طالب کی تین قسمیں

اس کے بعد فرمایا کہ ظاہر و باطن کا معاملہ یوں ہے کہ طالب تین طرح کے ہیں۔ ایک طالب دنیا ہے دوسرے طالب عقبیٰ تیسرے طالب مولا۔ اس میں جو طالب دنیا ہے اسباب کے ذریعہ دنیا حاصل کرتا ہے اور جو طالب عقبیٰ ہے شریعت کے احکام کی پابندی کر کے اس عقبیٰ کے حاصل کرنے کی فکر کرتا ہے۔ ظاہر میں اس پر عمل کرتا ہے اسی میں وہ عقبیٰ بھی پاتا ہے لیکن جو طالب مولا ہے اس کا معاملہ صرف باطن سے ہے جب تک اسے درست نہیں کرتا مقصود تک نہیں پہنچتا ہے اس موقع پر یہ نظم پڑھی ؎

پاک شو تا از اہل دیں گردی   آنچناں باش تا چنیں گردی

گرچہ پاک است ہرچہ نیست تست   ہما در جنب حق جنابت تست

ہرچہ جز حق بسوز و غارت کن   ہرچہ جز دیں از و طہارت کن

(اصول دین کے لئے تجھے تو پاک ہونا ہے پاک ہو جا دین حاصل ہوگا میں نے مانا کہ

تمہاری نیت پاک ہے حق کے علاوہ اس کے ساتھ اس کے غیر کا تصور یہی تو تمہاری نجاست ہے فکرِ حق کے سوا جو کچھ ہے اسے ختم کردو دین کے علاوہ تمام فکر و خیال سے طہارت حاصل کرلو۔)

اپنے باطن کو سنوارا جائے

اس کے بعد فرمایا کہ یہ مردان راہ اوّل اپنے باطن کو درست کرتے ہیں اور اصل کام یہی ہے اور دوسرے اعمال کو (صرف) کر لینا ہے اور بس اصل کام مشاہدہ ءحق میں وقت گذارنا ہے اور حاصل کا خیال رکھنا ہے اور اس سلسلہ میں بڑا کام یہ ہے کہ اپنے باطن کو درست کیا جائے۔ یہاں پر یہ اشعار زبان مبارک پر آئے ؂

طالب او ز غسل در گیرد　　از جنب حق نماز نپذیرد
تا بجا روب لا یزوبی راہ　　نہ رسی در سرائے الا اللہ
نشوی در نہاد خود سالار　　بہ نماز و بروزہ بسیار
ز انکہ ہر چند گرد برگردی　　تو کہ زیں ورطہ خواجہ تر گردی

(محبوب حقیقی کا طالب غسل ظاہری کر لیتا ہے لیکن ایسی نماز جس میں ماسوا بھی ہو اسے قبول نہیں کرتا جب تک کہ لا الہ کے جھاڑو سے راہ الٰہی کو صاف نہ کردے، الا اللّٰہ کے محل میں نہیں پہنچ سکتا، تیری طبیعت سربراہ نہیں بن سکتی محض کثرت نماز و کثرت روزہ سے تم اگر مشاہدۂ حق میں رقص کرنے لگے، ابھی جو مقام ہے اس سے بہت اونچے ہو جاؤ گے۔)

معیار عبادت کیا ہے

مجلس شریف میں نفس کی مخالفت کرنے کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خواجہ سہیل تستریؒ کا قول ہے ''ما عبَدَ اللّٰہَ بشئِیٍ اکثر من مخالفۃ الھواء والنفس ''(اس نے اللہ جلّ شانہٗ کی عبادت نفس اور خواہشات نفسانی کی مخالفت سے بڑھ کر نہیں ہے۔)

مرض کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

ایک موقع پر ایک درویش نے ایک عارف سے سوال کیا ''متی یصیر داء النفس

دواء ھا فقال اذا خالفت النفس صارت واء ھا "۔یعنی کب نفس کی بیماری اس کی دوا ہو جاتی ہے۔فرمایا کہ جب تم نے نفس کی مخالفت کی تو اس کی بیماری ہی اس کی دوا ہو جاتی ہے۔)

اسی موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ مثنوی پڑھی ؎

چند گوئی رسیدگی چہ بود　　دررہ دیں گزیدگی چہ بود

بند بر بد نہی گزیدہ شوی　　پائے بر خود نہی رسیدہ شوی

(کب تک یہ سوال کرو گے کہ اس تک پہنچنے کی کیا حقیقت ہے؟ راہ دین میں قبولیت کا کون مقام ہے؟ تم جو کچھ ہو اس کی نفی کر دو قبول ہو جاؤ گے اپنے ہونے کے تصور پر قدم رکھ دو مقصود کو پہنچ جاؤ گے۔)

معنی یہ ہوئے کہ جو کچھ بھی نفس کے لئے درد کی حیثیت رکھتا ہے اس کی دوا یہی ہے اور یوں ہے کہ جو چیز ابتدائے حال میں اس کے لئے نقصان کی تھی وہی اس کے لئے کام کی انتہا میں فائدہ مند ہو جاتی ہے مثلاً مرید کا ابتداء میں رخصت کی راہ اختیار کرنا نقصان دہ ہے اور اس میں اس کو تکلیف بھی ہوتی ہے پھر یہی صورت انتہا میں رخصت کے لئے ہو جاتی ہے اور اس وقت رخصت کی راہ اختیار کرتے ہیں اس میں فائدہ ہوتا ہے نقصان نہیں۔ بزرگوں کا رخصت پر عمل کرنا یہیں سے ہے۔اس معنی کی ایک حکایت حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے بیان فرمائی۔

مرید کی تربیت کا انوکھا واقعہ

ایک بیوہ کا لڑکا ایک بزرگ کا مرید ہوا اور ان بزرگ نے اس مرید کو خلوت یعنی گوشہ نشینی کا حکم دیا اور غذا کم کر دی یہاں تک کہ وہ لاغر اور کمزور ہو گیا اس کا یہ حال لوگوں نے اس کی ماں سے کہا اس کی ماں رونے لگی اور اس نے کہا کہ یہ کیا پیری ہے کہ خود جب کھانے بیٹھتے ہیں تو دستر خوان پر طرح طرح کی نعمتیں کھاتے ہیں اور میرے لڑکے کو بھوکا پیاسا رکھتے ہیں۔ چادر سر پر ڈالی اور ان بزرگ کی خانقاہ میں پہنچ گئیں۔ اتفاقاً وہ اس وقت دستر خوان پر تھے طرح طرح کی نعمتیں چنیں ہوئی تھیں اس نے کہا کہ یہ کیسی پیری ہے کہ آپ تو ایسی ایسی

نعمتیں کھاتے ہیں اور میرے بچے کو بھوکا مارتے ہیں۔ شیخ نے خیال کیا کہ اگر اس عورت کو زبانی باتوں سے جواب دیتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ یہ سمجھے یا نہ سمجھے۔ لہٰذا اس کو عملی طور پر جواب دیا جائے۔ آسمان کی طرف رخ کیا عرض کی خداوندا اگر میرا یہ کھانا تیرے لئے ہے تو اس ضعیفہ کو دکھلا دے تاکہ اس کے دل کو سکون ہو جائے۔ جس وقت دل میں یہ مناجات کی اسی وقت ہر کبوتر اور مرغ وغیرہ جو دستر خوان پر تھے سب زندہ ہو گئے اور اڑنا شروع کر دیا، (ان بزرگ نے) کہا اے مائی تیرے لڑکے کو اسی لئے نفس کشی کراتا ہوں تاکہ جب وہ ایسا ہو جائے تو وہ بھی میری طرح کھائے۔ اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر پڑھے ؎

گر ہمیں لعل بایدت کاں کن　　　در ہمیں عشق بایدت جاں کن

سرد و گرم زمانہ نا خوردہ　　　نہ رسی بر در سرا پردہ

(ایسا ہی پیرا گر تجھ کو بننا ہے تو مجاہدہ کر، عشق کا یہی مقام اگر چاہے تو جان کی بازی لگا۔ ابھی تم نے زمانے کی سردی اور گرمی آزمائی نہیں ہے، پردۂ خاص تک کیسے پہنچیں گے۔)

بتا تیری رضا کیا ہے

مبارک قصوری قدمبوسی کے لئے حاضر تھے۔ انہوں نے کہنا شروع کیا کہ جب میں اپنے پیر سے مرید ہوا تو پیر نے مجھ سے پوچھا کہ اب آپ کے دل کی خواہش کیا ہے۔ آپ ملک زادہ ہیں کسی ملازمت کی خواہش ہے یا کسی دوسری مشغولی کی۔ میں نے عرض کیا کہ اب میں حضور کی غلامی میں آیا ہوں جس چیز کا حکم ہو ویسا ہی کروں۔ اس بات کے بعد فرمایا کہ جب اس راہ میں داخل ہوئے ہیں تو تمام چیزوں کا ترک کرنا بہتر ہے اور کہا کہ میری دلی تمنا بھی یہی ہے۔

مرید کے لئے پابندی اور استقامت ضروری

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں شبہ نہیں کہ تمام چیزوں کا ترک کرنا بہتر ہے اگر اس پر استقامت ہو سکے لیکن کچھ دنوں تک اگر ساری چیزوں کو چھوڑ دیا اور پھر اس میں مبتلا ہو گئے یا ترک کی ہوئی چیزوں کی طرف التفات ہوا اور اس میں پریشانی نظر آنے لگی تو ایسا ترک کیا کام آسکتا ہے ترک اس مقدار میں ہو جس پر عمل ہو سکے اور اس چیز کے

حاجت کے ساتھ ہو سکے آپ بادشاہ زادہ ہیں مجلس میں دوستوں کے اجتماع میں اور ساتھیوں کی صحبت میں رہ چکے ہیں اگر ملک زادوں کی مجلس میں جائیں گے یا اقرباء اور احباب کی جماعت میں بیٹھیں گے اور ان لوگوں کو امیرانہ ٹھاٹھ باٹ کے ساتھ دیکھیں گے تو ایسے میں تغیر اور ناخوشی کس حد تک ہوگی معلوم ہے تو اس کا کیا فائدہ پہلے تو سبھی لوگ کہتے ہیں کہ ہم تارک ہیں زاہد ہیں اور عابد ہیں لیکن جب وقت آپڑتا ہے تو اس وقت کام سست ہو جاتا ہے۔ افسوس و رنج کا احساس پیدا ہوتا ہے تو یہ کذب ہوگا اور نفس ایسے بھیس میں آکر اس طرح کا دعویٰ کراتا ہے بغیر امتحان کے اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

نفس کی کیفیت کا تجزیہ اور اس کا عرفان

اس موقع پر مبارک قصوری نے عرض کیا کہ مخدوم میرے دل میں کسی چیز کی آرزو نہیں ہے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ سب نفس کا جال اور فریب ہے وہ ایسا بھیس اختیار کر کے سامنے آتا ہے کہ میں نے سب ترک کر دیا ہے اور آخرت اختیار کی ہے۔ جو اس کے مکر سے واقف ہیں وہی جانتے ہیں کہ یہ صدق ہے یا کذب، یہ اس لئے کہ نفس کی تمام صفت کذب ہے اور دل کی تمام صفت صدق ہے نفس جو کچھ کہتا ہے وہ جھوٹ ہی ہوتا ہے لیکن دل سچ کے سوا کچھ نہیں کہتا یہاں پر ایک شبہہ وارد ہوتا ہے کہ جتنے کام وجود میں آتے ہیں ان کا حکم دہندہ دل ہوتا ہے دل جو حکم دیتا ہے اعضاء اس کو عمل میں لاتے ہیں پھر جب دل کی کیفیت صدق ہی صدق ہے تو ایک بات وہ کہتا ہے اور عمل اس کے خلاف کرتا ہے جسے کذب کہتے ہیں اور دل کی کیفیت صدق ہی صدق ہے تو یہ کہاں باقی رہی اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ جو عمل صدق کے خلاف ظاہر ہوتا ہے اس کا حکم دہندہ نفس ہے کہ جو دل کے تخت پر قابض ہو گیا ہے اور اس تخت پر دل کی جگہ بیٹھا ہے اور دل سے تھوڑا تھوڑا ایسا کراتا ہے گویا یہ ایک الزام ہے جس کو دل کی طرف وہ لگا دیتا ہے درحقیقت یہاں پر اس کی نسبت جو دل کی جانب ہے وہ اسی وجہ کر ہے مشاہدہ میں اس کی مثال بھی ہے جیسے جناب سلیمان علیہ السلام کے تخت پر دیو قابض ہو گیا تھا اور احکام جاری کر رہا تھا اپنا بھیس حضرت سلیمان کے مانند بنا لیا تھا ایسا

کہ جس طرح کہ تمام لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آتے تھے ان کی اطاعت کرتے تھے ان کا حکم مانتے تھے اسی طرح اس (دیو) کے حکم پر چلتے تھے اور اس دیو کی اطاعت کرتے تھے کسی نے یہ نہیں سمجھا کہ پیغمبر ہیں یا دیو ہیں اور وہ خود سلیمان علیہ السلام کا روپ اختیار کر کے تخت پر بیٹھا ہوا حکومت کر رہا تھا نفس کی مثال اسی دیو کی طرح ہے اس موقع پر یہ مثنوی پڑھی ؎

ترا ہر مملکت زاں نیست فرماں   کہ دیوت ہست بر جائے سلیماں
اگر آری بدست انگشتری باز   بفرماں آیدت دیو و پری باز

(تجھے جسم کی حکومت پر اس لئے فرمارِوائی نہیں حاصل ہے کہ تیرا نفس دیو بن کر تیری جگہ پر تیرے دل کی جگہ حکومت کرتا ہے تو اگر گم کردہ انگوٹھی ہاتھ میں لے لے تو پھر یہ جن اور بھوت تیری فرماں برداری میں آجائیں گے۔)

اس کے مکر وفریب کو اہل عرفان ہی خوب پہچانتے ہیں۔عرفاء کے سوا دوسروں کو یہ نگاہ حاصل نہیں ہے اگر وہ کسی چیز کو چاہتے ہیں اور وہ چیز ان کو نہیں ملتی ہے تو اسے غیر کی حرکت کا نتیجہ کہتے ہیں۔اس کا نام قبض رکھ دیا ہے اور اسی قسم کی دلی خواہش اگر ان کو ہوگئی اس میں انہیں مسرت ہوتی ہے کہتے ہیں کہ بسط کا نتیجہ ہے باوجودیکہ یہ دونوں چیزیں دل کے احوال میں سے ہیں اور یہاں پر نفس دل کے احوال کی صورت میں اسے دکھلا رہا ہے جو درحقیقت نفس کی جانب سے ہے دل کی جانب سے نہیں نفس ہی مراد کے نہ پانے سے ناخوشی میں آرہا ہے اور مراد کے پانے سے مسرت میں آرہا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ارباب ترک وتجرید جو کہ ساری چیزوں کو ترک کرتے ہیں اور وہ اگلی ساری چیزیں جو تھیں اس کو (بھی) خراب کرتے ہیں اگر کسی وقت اتفاقی طور پر کسی چیز کی طرف ان کا التفات ہوجاتا ہے تو معلوم ہوا کہ (انہوں نے) اس التفات میں دل کو خراب اور تباہ کیا کیونکہ اس سے قبل یہ دعویٰ تھا کہ میں نے سب چیزوں کو ترک کردیا تو ان کے ترک و خراب کرنے کی صفت نے نفس کو خراب کیا تھا لیکن اس وقت جبکہ ان ترک کی ہوئی چیزوں میں سے کسی چیز کی طرف (انہوں نے) التفات کی تو نفس نے دل کو تباہ کیا، تو گویا نفس بھی دل

کوخراب کر کے اس کی نمائندگی کرتا ہے۔

نفس کا مکروفریب

شیخ معزالدین نے عرض کیا کہ نفس کا مکروفریب ہر مقام میں چلتا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یقیناً ہوسکتا ہے جب تک کہ نفس مغلوب نہیں ہوا ہے اس کو ہر مقام میں دسترس ہوسکتا ہے اور ارباب بصیرت کسی مقام میں بھی نفس کے فریب سے مطمئن نہیں ہوئے ہیں باوجودیکہ نفس ان کا تابع اور فرماں بردار ہو گیا ہو۔

نفس کا عیب

مجلس شریف میں نفس کے عیوب کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خواجہ عثمان مغربیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب تک کوئی شخص اپنے کو اچھا جانتا ہے اور اپنے متعلق اچھا گمان کرتا ہے تو اس وقت تک اس کی نگاہ اپنے عیب پر نہیں اپنے نفس کے عیوب پر بہت زیادہ نگاہ رکھنی چاہئے یہاں تک کہ ہر مقام میں اور ہر احوال میں اپنے نفس کو ملزم قرار دیا کرے جیسا کہ کہتے ہیں کہ ابلیس اپنے کو اچھا ہی نہ سمجھتا تو ''انا خیرٌ منه'' (میں ان سے اچھا ہوں) نہ کہتا اور بدبخت نہ ہوتا اور اس موقع پر یہ بیت پڑھی گئی ؎

زیرکاں را چوں روز معلوم است   کہ شب و روز غافلاں شوم است

(ذہین لوگوں پر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ غافلوں کے دن رات نحوست میں مبتلا ہیں۔)

اپنی نسبت کیا گمان کریں

اور یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ ایک شخص ایک بزرگ کے قریب سے گذرا ان بزرگ نے اپنے کپڑوں کو اس کی جانب سے سمیٹ لیا اس شخص نے کہا اے شیخ آپ نے کیوں دامن سمیٹ لیا میرا کپڑا نجس نہیں ہے پاک ہے۔ شیخ نے کہا مجھے یہ خیال ہوا کہ میرا کپڑا نجس ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے کپڑے سے مس ہو جائے اور اس کی نجاست تمہارے کپڑوں میں لگ جائے۔

بزرگوں کو اپنی نسبت کیا گمان ہوتا تھا

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے جب یہ حکایت بیان کی تو فرمایا کہ بزرگوں کو اپنی نسبت ایسا گمان ہوتا ہے اور یہ ارباب بصیرت ہی کا خاصہ ہے کہ اپنی اسی طہارت کے باوجود اپنے کو گندہ سمجھتے ہیں اور اسی مناسبت سے ان لوگوں کا فرمودہ ہے کہ عمل کی دنیا میں کوئی شخص حضور ﷺ سے زیادہ پاک نہیں ہوسکتا، اس کے باوجود بھی حضور ﷺ نے فرمایا کہ **"اللھم ھذہ یدی التی جنیت بھا علی نفسی فغفر للذنب العظیم انہ لا یغفر الذنب العظیم الاالرب العظیم"** (یعنی خداوندا یہ میرے ہاتھ ہیں جس سے میں نے جنایت کی ہے اپنی جان پر پس بخش دے میرے بڑے بڑے گناہوں کو اس لئے کہ کوئی بڑے بڑے گناہوں کو نہیں بخشا مگر وہی جو پروردگار اور بزرگ ہے۔) ہم جانتے ہیں کہ جنایتیں حضور سے نہ ہوئی تھیں لیکن جب اپنے کو قصوروار جانا اور خود کو حق کے آگے ڈال دیا تو اپنے کو گنہگار کہا اور میرے بزرگوں نے کہا ہے کہ موحدوں کو چاہئے کہ خود کو پاکوں میں شمار نہ کریں تا کہ ایسا نہ ہو کہ خود کو درست سمجھیں اور پھر اپنی راہ گم کر جائیں ہاں چاہئے کہ اپنے کو راہ راست اختیار کرنے والوں میں سمجھے تا کہ خود بھی راہ راست پر چلنے کی کوشش کرے۔ آدمی اپنے عیب سے نابینا ہوتا ہے (اس لئے) اپنے عیب کو بزرگوں اور پاکبازوں سے پوچھنا چاہئے اور ان سے تذکرہ کرنا چاہئے تا کہ وہ لوگ تمہیں تمہارا عیب دیکھا دیں اس موقع پر یہ شعر زبان مبارک پر آیا ۔

ایں ہمہ علم جسم مختصر است   علم رفتن برائے حق دگر است

(یہ جسم مختصر علوم ہیں اللہ کی راہ چلنے کا علم دوسرا ہے۔)

اللہ تک پہنچنے کی راہ میں حجاب کیا کیا ہے

مجلس شریف میں حجاب کا ذکر آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حجاب دو ہیں ایک ظلماتی اور دوسرا نورانی۔ حجاب ظلماتی برے اوصاف ہیں جیسے ریا، عجب، حسد اور بغض۔ مثل اس کے دوسری چیزیں ہیں اور حجاب نورانی سارے اچھے اوصاف ہیں مثلاً روزہ، نماز، توکل، رضا، اخلاص اور اس جیسی دوسری چیزیں، ظلماتی حجاب کا دور ہونا برے

صفات کوترک کرنا ہے اورنورانی حجاب کا اٹھنا ان اوصاف حمیدہ کی طرف سے نگاہ پھیر لینا ہے کہ ان سب کو بجالائے لیکن اس کی ادائیگی وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔

حجاب اعظم کون ہے؟

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ ابو بکر طمسانیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ''النعمة العظمیٰ الخروج من النفس لان النفس اعظم حجابا بینک و بین اللّٰہ عزوجل'' (یعنی سب سے بڑی نعمت نفس سے نکل آنا ہے یہ اس لئے کہ نفس تمہارے اور خداعزوجل کے درمیان حجاب اعظم ہے۔)

منتھی ومبتدی کے حجاب الگ الگ ہیں

مولانا نظام الدین درون حصاری نے عرض کیا کہ مبتدی اور منتہی دونوں کے لئے یہی نفس حجاب ہے یا منتہی کے حق میں نفس کے علاوہ کوئی دوسرا حجاب ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ منتہی کے حق میں مقامات واحوال کو نگاہ سے دیکھنا حجاب ہے مثلاً کوئی بلند مقام ان کو حاصل ہوا تو اس میں خوش ہوئے اور اس سے موافقت پیدا ہوئی اور اس مقام میں انس پیدا ہوا اور اس میں رک گئے تو یہ ان کے لئے حجاب ہے اور اس جیسی دوسری چیزیں منتہیوں کے لئے حجاب ہیں کیونکہ یہ تو نفس سے آگے بڑھ چکے ہیں یہاں پر نفس کا کیا سوال ہے۔

عوام اور خواص کے حجابات علاحدہ علاحدہ ہیں

پھر اسی مناسبت سے یہ حکایت بیان ہوئی کہ ایک دفعہ خواجہ جنید بغدادیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حجاب تین ہیں خلق، دنیا اور نفس۔ ارشاد ہوا یہ عوام کا حجاب ہے خواص کے لئے حجاب تین دوسری چیزیں ہیں۔ عابدوں کے لئے اپنی عبادتوں کو دیکھنا اس کے اور معبود کے درمیان حجاب ہے۔ اور زاہدوں کے لئے کرامت پر نظر کرنا اس کے اور مکرم کے درمیان حجاب ہے اور عارفوں کے لئے غیر حق کا خیال بھی اس کے اور حق کے درمیان حجاب ہے۔

اس کے بعد مولانا نظام الدین اور شمس الدین ثمر نے عرض کیا کہ مقامات کا اچھا

معلوم ہونا اور اس مقام کے ساتھ قرار وانس اختیار کرنا وہ نفس کی قسموں میں سے ہے کہ نہیں؟
حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سالک کے باقیات سے ہوگا یعنی ہنوز کچھ باقی ہے تو اس کے معاملہ میں جس میں یہ بھی نہیں ہے اس شخص کی یہ کمی سمجھی جائے گی اس کو یوں سمجھئے کہ مبتدی ہے متوسط ہے اور منتہی ہے جو مبتدی ہے ابتداء کرنے کے لحاظ سے تو سبھی ابتدا کرنے والے برابر ہیں لیکن ان میں بھی مدارج کا فرق ہے ایسے ہی جو متوسط ہیں وسط میں ہونے کے لحاظ سے تو سبھی متوسط برابر ہیں ہاں ان میں بھی باہم درجے کا فرق ہے انتہا ایک ہی مقام ہے لیکن درجات کے اعتبار سے ان کے درمیان بھی فرق ہوتا ہے۔ پھر مولانا نظام الدین مذکور نے عرض کیا کہ وہ مقام جو انہیں درپیش ہے لیکن اب تک اس مقام میں نہیں پہنچے ہیں اور وہ مقام جو انہیں حاصل ہے اس میں پہنچے ہوئے ہیں ان دونوں کے درمیان کوئی پردہ ہے کہ نہیں؟

ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ''من رضی بمقامہ حجب عن امامہ'' (یعنی جو کسی مقام پر پہنچا اور اسی پر راضی رہ گیا اور قناعت کرلیا تو یہی رضا و قناعت اس کے آگے کے مقام کے درمیان پردہ ہو جاتا ہے) اور یہ چیز تو عالم محسوس اور عالم مشاہدہ کی منزلوں سے بھی ہوتی ہے اگر کوئی اپنے ظاہری سیر وسفر میں کسی منزل میں اترا اور قناعت کر کے ٹھہر گیا تو یقیناً اپنے اس سفر کے آگے کی منزل میں جو سفر کے بعد آنے والی ہے رک جائے گا اس موقع پر یہ شعر ارشاد ہوا۔

قدم پیش نہہ کہ ملک بگذری اگر باز مانی زد و کمتری

(قدم نکالتے چلو کہ ملک کی راہ طئے ہوتی رہے اور اگر رک گئے تو سفر کرنے میں کمتر رہو گے۔)

محتجب اور محجوب کا مطلب

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ محتجب اور محجوب کا یہ مطلب کہ دیکھا نہیں جاتا لیکن دوسری حیثیت سے دونوں میں فرق ہے اور اس لحاظ سے خداوند تعالیٰ کو محتجب کہنا تو درست ہے لیکن محجوب کہنا درست نہیں۔ اس لئے کہ اس میں حجاب اس کے دیکھے جانے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے اور ایسی صورت میں حجاب کا جبر ماننا پڑے گا اور دیکھی جانے والی چیز اس

کی مقہور اور مجبور ہو جائے گی بخلاف اس کے محتجب کے معنی یہ ہیں کہ خود سے خود کسی کو نہ دیکھائے اس صورت میں جو حجاب میں ہے خود اس کا جبر وقہر ماننا پڑے گا ہاں یہ صفت خدا کی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کسی مخلوق کی نگاہ سے کسی اور نے خدا کو حجاب میں نہیں ڈالا ہے بلکہ مخلوق اپنے نفس کی وجہ سے خدا سے محجوب ہے اور خدا نے ہی نے انہیں حجاب میں ڈال دیا ہے یعنی وہ خود سے حجاب میں آ گیا ہے اس کے بعد یہ دوشعر زبان مبارک پر آئے ؎

ہر کہ اندر حجاب جاوید است   مثل او ہمچو بوم خورشید است

جنبش نور سوئے نور بود   نور کے ز آفتاب دور بود

(جو بھی دائمی حجاب میں ہے اس کی مثال الّو اور آفتاب کی ہے ظاہر ہے جب نگاہ میں روشنی ہو تبھی تو روشنی اس کی طرف بڑھے گی روشنی اور آفتاب دونوں کی یگانگت ہے دوری کیسی (فرمایا کہ اس سلسلہ میں احیاء العلوم میں یوں ہے کہ عقلیں ہماری نہایت کمزور ہیں اور اللہ تعالیٰ کا جمال انتہائی حد تک تابناک، تابناکی اس کی انتہائی حد تک گہری ہے اتنی کہ خود اس کا ظہور اس کے لئے کمزور عقلوں کے مقابلہ میں حجاب بن گیا جیسے کہ چمگادڑ رات میں دیکھتا ہے دن میں نہیں دیکھتا یہ اس کا نہ دیکھنا اس لئے نہیں کہ دن چھپا ہوا ہے ظاہر نہیں ہے بلکہ معاملہ بر عکس ہے دن کو وہ اس لئے نہیں دیکھتا کہ دن بہت ہی روشن ہے بہت ظاہر ہے چمگادڑ کی آنکھ کے لئے دن کے وقت آفتاب کی تابناکی اور ظہور خود چمگادڑ کی کمزور آنکھ کے لئے پردہ بن گئی اس کی آنکھ کی کمزوری آفتاب کے ظہور کی بناء پر خود اس کا پردہ بن جاتی ہے یہاں پردہ ظہور کی کمزوری نہیں ہے بلکہ آنکھوں کی بصارت کی کمزوری ہے اور چمگادڑ کی آنکھ کے لئے آفتاب کا انتہائی ظہور پردہ بن گیا ہے حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی عجز سے پاک ہے بلکہ وہ خود اپنے کو نور کی چمک سے پردہ اختیار کئے ہوئے ہے اور یہ جو ہماری آنکھوں کے سامنے پردہ اور چھپا ہوا نظر آتا ہے یہ اس کا بے انتہا ظہور ہے المختصر لوگ اس کی معرفت کی طلب میں ایک بے ہوش آدمی کی طرح ہیں ان کی مثال ویسی ہی ہے کہ جیسے مثل مارتے ہیں "اذا کان راکبا بحمارة وهو یطلب حمارہ" یعنی ایک شخص جو گدھے پر سوار ہوا اور پھر اسی گدھے کو وہ تلاش کر رہا

ہو جی ہاں! ایسا ہی ہوتا ہے ہر اس چیز میں جو بے انتہا ظاہر ہوتی ہے جب آدمی اسے ٹٹولتا ہے تو یافت اس کی مشکل ہو جاتی ہے ہاں عرفاء کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ

لقد ظهرت فما تخفی علی احد　　الا علی الممه لا یعرف القمرا

لکن بطلت لما اظهرفتحیا　　فکیف یعرف من بالعرف الستترا

(تو تو ظاہر ہے کسی ایک سے پوشیدہ نہیں ہاں! مگر رتوندھی والا جو چاند کو نہیں دیکھتا ہے البتہ تو چھپا معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ تو نے اپنا ظہور اپنا پردہ بنالیا ہے پھر کیوں اس کو پہچانا جائے جس کا معروف ہونا اس کے لئے پردہ بن گیا ہے۔)

اور عارفوں پر جو امور خدائی ظاہر ہوئے ہیں اگر چہ یہ بھی حد درجہ کی تجلی ہے گویا کہ باریک ترین پردہ بھی نہیں ہے تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ اس کے ظہور کی انتہا ظاہر ہو جائے اس کے ظہور کی انتہا اور کامل اشراق کی تجلی نہیں ہوگی مگر آخرت میں اور انوار الٰہی کی انتہا نہیں ہے اس کے بندوں میں سے ہر بندہ پر بلکہ بعض پر انکشاف ہے۔

عارفوں میں سے ایک عارف نے کہا کہ میں یارب، یااللہ اس وقت کہتا ہوں جبکہ یہ کہنا میرے دل میں پہاڑ سے زیادہ وزنی گذرتا ہے یہ اس لئے کہ پکارنا تو پردہ کے پیچھے سے ہوتا ہے مطلوب جب سامنے ہو تو پکارا نہیں جاتا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ بیان فرماتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

فاختہ غائب است گوید کو　　تو کہ کر حاضری چہ گوئی ہو

(فاختہ چونکہ محبوب سے اوٹ میں ہے کو کہہ کر تلاش کرتی ہے۔ تیرا گمان ہے کہ تو حاضر ہے پھر ہو کہہ کر کیوں تلاش کرتا ہے۔)

اور فرمایا کہ اس آیت "الذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ" کی تفسیر میں کہا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ حجاب اٹھا دے گا تو اس کو نہ دیکھیں گے تو اس کا کیا جواب ہوگا؟

ارشاد ہوا تاویلات مولینا فخر الدین رازیؒ میں آیا ہے حقیقت یہ ہے کہ حجاب کی نسبت اللہ کی طرف کرنا محال ہے کیونکہ حجاب کا مطلب یہ ہے کہ ایک جسم دو جسموں کے بیچ میں ہو

اور یہ خدا کے لئے محال ہے کیونکہ وہ جسم نہیں۔ ہاں! میرے نزدیک لفظ حجاب کا مطلب یہ ہے "علی ان لا یخلق اللہ فی العین رویۃ متعلقۃ" (یعنی حق سبحانہٗ تعالیٰ نے بندہ کی آنکھ میں وہ نظر نہیں پیدا کی ہے کہ جس کے ذریعہ اس کو دیکھ سکے) اور یہی عدم صلاحیت حجاب ہے۔

حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ کتابوں میں مشہور ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فرمایا ہے "ان للّٰہ سبعین حجابا من نور لو کشف لا حرقت سبحات وجھہ کل ما ادرک البصرہٗ" (بے شک اللہ کے لئے نور کے ستر پردے ہیں اگر وہ اس کو اٹھا دے تو اس کے چہرے کی تابناکی جلا ڈالیں ہر اس چیز کو جو بصارت میں آتی ہے۔)

اور دوسری حدیث میں آیا ہے حجابہ نور (خود اس کا نور اس کے لئے پردہ ہے۔)

اس حدیث کی کیا تاویل ہوگی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بھی تاویلات کے سلسلے میں ہے کہ ہر وہ چیز جو موثر فرض کی گئی ہے دوسری چیز میں ہوگی تو ہر کمال جو کہ موثر میں حاصل ہے اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ وہ فائدہ حاصل کی ہوئی ہے موثر سے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کمال کا ثبوت اس موثر کے لئے زیادہ اولیٰ ہے اس اثر میں اس کا ثبوت تسلیم کرنا۔ پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان کمالات کا دینے والا اور اس کا فیضان خدا کی جانب سے ہے تو اس کے علاوہ جتنے بھی کمالات ہیں اللہ کے مقابلہ میں عدم محض ہیں اب اس موقع پر لازماً یہ چیز سامنے آئے گی کہ کوئی ایک آدمی اللہ کے مقابلہ میں اس سے بھی کمتر درجہ میں ہوگا کہ اس کو معدوم کہیں پھر اس درجہ کی معدومیت کے باوجود اس میں کیا شبہہ ہے کہ روح انسانی اور جسم انسانی میں ذات الٰہی کے کمال کی مقبولیت بے انتہا معدوم کے درجہ میں ہے اور اس کے کمال کے مطالعہ کا کوئی امکان ہی نہیں بلکہ اس سے بھی آگے روح بشری اپنے ہر سمت سے کمال الٰہی کے مقابلہ میں بالکل مضمحل اور ناچیز ہو جائے گی اس کے کمال کے ادنیٰ مرتبہ میں حدیث مذکور "لو کشف لا حرقت سجات وجھہ کل ما ادرک البصرہ" میں انسان کے اس اضمحلال اور معدومیت کو بتایا گیا۔

﴿تمت ترجمہ جلد اول﴾

پچیسواں باب

خلق اور اپنے آپ سے علاحدہ ہو جانے اور اس کے مناسبات کی بیان میں

مجلس شریف میں خلق اور اپنے آپ سے علاحدہ ہو جانے کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں متع اللّٰہ المسلمین بافا داتہ نے فرمایا یہ جو قول ہے کہ دو قدم میں خدا تک رسائی ہو جاتی ہے اس کے بہت سارے معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ان سب میں یہ ایک معنی بہت ہی خوب ہے یعنی ایک قدم یہ ہے کہ خلق سے علاحدہ ہو جائے اور ان سے کلیتاً منقطع ہو جائے یہاں تک کہ اپنی ذات تک پہنچ جائے اور دوسرے قدم سے یہ مراد ہے کہ جب اپنے آپ تک پہنچا اور جب تک اپنے آپ سے علاحدہ نہیں ہوتا حق تعالیٰ تک نہیں پہنچا اور جب اپنے سے نکل آیا تو حق تعالیٰ تک پہنچ گیا۔ جیسے خلق سے علاحدہ ہونے کے قبل تک

اپنے آپ سے حجاب میں تھا اسی طرح اپنے آپ سے علاحدہ ہونے کے قبل تک حق سبحانہٗ تعالیٰ سے حجاب میں تھا اس موقع پر زبان گوہرفشاں سے یہ اشعار پڑھے گئے ؎

ہر کہ وے زیں گشت مستغرق بود　　حاشا للہ گر تو گوئی حق بود
گر تو گشتی آنچہ گفتم نہ حقی　　لیک در حق دائیما مستغرقی
مرد مستغرق حلولی کے بود　　ایں سخن کار فضولی کہ بود

اور فرمایا دوقدم کے معنی یہ بھی کہے گئے ہیں کہ ایک قدم ترک دنیا ہے اور دوسرا قدم ترک عقبیٰ ۔یعنی راہ اگر چہ لمبی ہے لیکن اسی دوقدم میں حق تک پہنچتے ہیں۔اور اس شعر کے معنی بھی یہی ہے ؎

صوفیاں در دمے ددعید کنند　　عنکبوتاں مگس قدید کنند

زکریا غریب نے عرض کیا کہ مخدوم! گر چہ شہر میں اس وقت بہت سارے بزرگان ہیں لیکن یہ روش اور یہ طریقہ جو مخدوم کا ہے دوسروں کے یہاں کم ہے جو بزرگان بھی ہیں وہ خلق کے ساتھ کسی نہ کسی طرح اختلاط رکھتے ہیں اور اس سبب سے ان کو رسم نباہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ان کی اس بات پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہاں کے لوگوں کو صوفیاء کے بارے میں اعتقاد ہے اور اچھے معتقد ہیں اسی سبب سے ان بزرگوں کو لوگوں کے آنے جانے سے اختلاط ہوتا ہے۔ایسے ہی حال کے لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ جب لوگوں کی بھیڑ کسی کے پاس زیادہ ہو جائے تو ایسی حرکت کرے جو بظاہر شرع کے مخالف معلوم ہو لیکن وہ فعل اپنی ذات سے شرع کے موافق ہوتا کہ خلق کی نگاہ سے گر جائیں اور فراغت کے ساتھ سلوک کے کام میں مشغول ہو جائیں "والزھد فی الزھد" اسی کو کہتے ہیں یعنی جب کسی نے دنیا ترک کی اس کو مقام زہد حاصل ہوا اور خلق کے درمیان اسی صفت کے ساتھ وہ ظاہر ہوگا اور جب یہ چاہے کہ اس زہد سے نکل آئے تو ایسا کام حیلہ کے ساتھ اختیار کرے کہ خلق کی نظر سے گر جائے اور جب خلق کی نگاہ سے باہر آ گیا تو وہ پہلے والا زہد سے نکل آیا اور یہ مقام سخت دشوار ہے اس لئے کہ یہاں جاہ ومرتبہ کا ترک کرنا ہوتا ہے اور جاہ ومرتبہ کا ترک کرنا دنیا ترک کرنے

سے زیادہ مشکل ہے اور یہ وہی بات ہے کہ بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ آہنی زنار ہے اور یقیناً لوہے کا زنار توڑنا ایک مشکل کام ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہاں پر مثنوی کے چند اشعار ارشاد فرمائے ؎

کار تو جز خدائے نکشاید | بخدا گر ز خلق ہیچ آید
کہ خدائے غم و ہوس است | کدرہا کن ترا خدے بس است

بزرگان دین کشف سے صوفی کی ہمت جان لیتے ہیں

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بزرگان دین اس جماعت صوفیہ میں سے اگر کسی کو اس حال میں دیکھتے ہیں تو اسی وقت یہ کشف سے جان لیتے ہیں کہ ان کی ہمت کیسی ہے اگر ان کی ہمت کلیتاً حق کے ساتھ ہے اور اگر ذرّہ برابر خلق کے ساتھ اختلاط تعلق دیکھتے ہیں تو اسی وقت کہہ دیتے ہیں کہ بڑے تعجب کی بات ہے اگر یہ منزل مقصود تک پہنچ جائے اور مثنوی کے یہ اشعار پڑھے گئے ؎

عشق را با کفر و با ایماں چہ کار | عاشقاں را لحظہ باجاں چہ کار
ہر کرا در عشق محکم شد قدم | در گذشت از کفر از اسلام ہم
منکرے گوید کہ ایں بس منکر است | عشق او از کفر و ایماں برتر است

خلق سے منقطع ہونے کا مطلب

خاکسار نے عرض کیا کہ خلق سے منقطع ہونے کی صورت کیا ہوتی ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس میں بہت سے اقوال ہیں لیکن شرح ''تعرف'' میں بہت خوب قول ہے خلق سے منقطع ہونا یہ ہوتا ہے کہ خلق کی مضرت اور منفعت کو خلق کی جانب سے نہ جانے اور لوگوں کی تعریف تحقیر کو یکساں جانے جب ایسا ہو جاتا ہے تو گر چہ خلق کے درمیان ہوتا ہے لیکن خلق سے نکل آتا ہے اسی کو عارفوں میں سے کسی نے کہا ہے'' **قال كائن وبائن** ''یعنی'' **كائن مع الخلق با لظاهر وبائن من الخلق بالسر** ''(یعنی ان کا ظاہر خلق کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کا باطن خلق سے علاحدہ ان کے اسرار کے ساتھ) لیکن

اگر جسم صورتاً خلق سے دور ہے اور ایک غار میں ہے بلکہ زمین کے ساتویں طبق میں سب سے علاحدہ ہو کر بیٹھا ہے لیکن نفع اور نقصان کو خلق کی جانب سے جانتا ہے اور ان کی تعریف وستائش سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اس کی مذمت اور تذلیل سے ڈرتا ہے تو گرچہ خلق سے صورتاً باہر اور علاحدہ ہے لیکن معناً وہ خلق کے درمیان ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ عثمان مغربیؒ سے منقول ہے کہ جو شخص مخلوق کی صحبت سے علاحدہ ہو کر تنہائی اختیار کرتا ہے اسے چاہئے کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ تمام تذکروں سے اور اس کی رضا و خوشنودی کے علاوہ تمام ارادوں سے اور ہر صورت و جملہ اسباب سے وہ نفس کے تمامی مطالبات سے جدا علاحدہ اور خالی ہو۔ اگر ان اوصاف پر قائم نہ ہوگا تو یہ تنہائی اور گوشہ نشینی اس کو فتنہ میں ڈال دے گی اور بلا میں مبتلا کر دے گی۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی ممدوح خلائق ہو گیا یعنی مخلوق کے درمیان قابل تعریف ہو گیا اور وہ خدا کے ساتھ نہیں ہے تو اس کا کیا فائدہ اور اگر مخلوق کے نزدیک نہایت ہی ذلیل و حقیر ہے مگر وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ ہے تو اسے اس سے کیا نقصان ہوتا ہے؟ اگر کل فرشتے اور تمام آسمان اور جملہ جہان اس کو مسلمان کہتے ہوں لیکن وہ معاملات جو اس کے اور اس کے حق تعالیٰ کے درمیان ہیں وہ درست نہیں ہیں تو اس سے کیا فائدہ اور اگر تمام عالم کے لوگ اس کو کافر و مرتد کہتے ہوں لیکن جو کچھ اس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان ہے وہ سب درست ہے تو اس سے کیا نقصان ہوتا ہے؟ اور یہ شعر ارشاد ہوا ۔

چو راضی شد از بندہ یزداں پاک گر اینہا نہ گردند راضی چہ باک

خلق سے علاحدہ اور منقطع ہو جانا یہی نہیں ہے کہ تنہائی اختیار کرے اور گوشہ نشین ہو جائے اگر کسی نے گوشہ نشینی اختیار کر لی لیکن اس کا دل لوگوں کے ساتھ مائل ہے اور جاہ و منزلت (کی آرزو) میں ہے تو ایسی گوشہ نشینی کوئی خاص فائدہ نہیں دے گی اور اگر مخلوق کے ساتھ ہے اور اس کا دل حق سبحانہٗ تعالیٰ سے لگا ہوا ہے تو اس سے کوئی نقصان نہیں اس موقع پر یہ شعر ارشاد ہوا ۔

اے سنائی کم ثنائی گیر بر رہ سنت آشنائی گیر

تنہا نہیں رہنا چاہئے

خاکسار نے عرض کیا کہ کوئی ایسا شخص ہے جس نے خلق سے کنارہ کشی اختیار کی لیکن اس کے پاس علم نہیں ہے ایسا شخص اپنی حقیقت جان سکتا ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کچھ تو علم ہونا چاہئے تا کہ وہ علم اس کی رہنمائی کر سکے یا کوئی ایسا راہبر ہونا چاہئے جو اس راہ کے نیک و بد اسے بتائے اور اس کی اصلاح کر سکے وگرنہ اس وعید کے تحت آجائے گا کہ **الشیطان مع الواحد** (جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے) کمزور و ناتواں شخص کو کسی وجہ سے بھی تنہا راہ چلنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے اس راہ میں بغیر ساتھی یعنی راہبر کے کوئی نہیں چل سکتا اگر چہ عالم ہی کیوں نہ ہو جب تک اس کے ساتھ کوئی راہبر نہ ہو وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی کا قرینہ غالب ہے اور اکثر یہی ہوتا ہے اور زبان گوہر فشاں سے اشعار ارشاد ہوئے ؎

کار بے علم بارو برندہد تخم بے مغز ہم ثمر ندہد
دردمندی بگرد عیسی گرد دار وے رہ نشیں چہ خواہد کرد

مجلس شریف میں قاضی منہاج الدین درون حصاری وصیت شیخ الشیوخ پڑھ رہے تھے جب اس جملہ پر پہنچے ''**ویسعک بیتک**'' حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تیرا گھر کشادہ ہونا چاہئے اور یہ اشارہ خلوت یعنی گوشہ نشینی ہی کے جانب ہے یعنی سارے عالم کو اپنا گھر جانے جب مقصود دوسرا ہے تو اپنے ہر گھر کو سارا عالم جانے تا کہ پھر وہ اسی جگہ پہنچ جائے یعنی اس کے لئے وحدت و تنہائی لازم ہو جائے۔

تنہائی میں خطرے ہیں

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ مرید کو اتنا جاننا چاہئے کہ کون سی چیز اس کے لئے بہتر ہے تنہائی اختیار کرنا یا صالحین کی صحبت و قربت۔ اگر یہ سمجھے کہ مجھے تنہائی میں معنی کی زیادتی ہوگی تو تنہائی اختیار کرے اور اگر یہ سمجھے کہ صحبت میں (فائدہ) ہے تو صحبت اختیار

کرے لیکن تنہائی میں خطرے بہت ہیں یہ ہر شخص کے لئے صحیح و درست نہیں ہے یا تو کوئی پیر کامل ہونا چاہئے یا وافر علم رکھتا ہو۔ صاحب شرع ﷺ کا اشارہ اسی کی طرف ہے۔ ''الشیطان مع الواحد و من الا ثنین ابد ''تو اگر بغیر پیر صادق یا بغیر علم وافر کے تنہائی اختیار کرے گا تو وہ الشیطان مع الواحد کی وعید کے تحت آ جائے گا۔

ہم جنسوں سے کنارہ کشی

کہا گیا ہے کہ ابتدائے حال میں مرید کو اپنے ہم جنسوں سے کنارہ کشی کے بغیر چارہ نہیں ہے اور آخر حال میں مخلوق سے علاحدگی و گوشہ نشینی اور خلوت حق سبحانہ تعالیٰ کے انس کے ساتھ متحقق ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا حق بندہ یہ ہے کہ جب وہ چاہے کہ گوشہ نشینی اختیار کرے تو اس کی نیت یہ ہونی چاہئے کہ مخلوق میرے شر سے محفوظ و مامون ہو جائے نہ یہ کہ اس کی نیت یہ ہو کہ میں خلق کے شر سے مامون و محفوظ ہو جاؤں۔ اس میں پہلی نیت اپنے نفس کو ذلیل وخوار کرنے کی ہے اور دوسری نیت میں اپنے مرتبے کو خلق پر (برتر) دیکھنا ہے اور جس نے اپنے نفس کو ذلیل وحقیر دیکھا وہ اہل تواضع اور انکسار والا ہے اور جس نے اپنے نفس کو کسی دوسرے پر برتر جانا وہ متکبر اور مغرور ہے۔ اس کے بعد یہ حکایت فرمائی۔

نفس کی مثال

حکایت:- ایک دفعہ کسی عارف نے ایک راہب کو دیکھا اس سے کہا تم رہبان ہو؟ اس نے کہا نہیں بلکہ میں اس کتے کا نگہبان ہوں میرا نفس کٹکھنا کتا ہے اگر آزاد رہے گا تو لوگوں کو کاٹ کھائے گا اسی سبب سے میں لوگوں کے درمیان سے اسے نکال لایا ہوں تا کہ لوگ اس کی شرارت سے محفوظ رہیں اور یہ شعر ارشاد ہوا ؎

نفس کافر را بکش مومن بباش چوں بکشتی نفس را ایمن بباس

اور پھر یہ شعر پڑھے گئے ؎

آدمی زاد تا نشد مردم گہہ پری گاہ دیو گہہ کژدم
دشمنت نفس تست خاکش دار کعبۂ حق دلست پاکش دار

خلوت بہتر ہے یا جلوت

اس کے بعد فرمایا مشائخ رحمہم اللہ کا اس میں اختلاف ہے کہ تنہائی صحبت سے افضل ہے یا صحبت تنہائی سے افضل ہے۔ بعضوں کا قول ہے کہ صحبت کو تنہائی پر زیادہ فضیلت ہے یہ اس لئے کہ تنہائی سے گناہ میں مبتلا ہونے کا احتمال ہے کیونکہ تنہائی میں اگر گناہ کی کوئی بات سامنے آئی تو اس کا احتمال ہے کہ کسی رکاوٹ کے نہ ہونے کے سبب فوراً گناہ اس سے وجود میں آجائے، بخلاف اس کے صحبت میں کہ یہاں گناہ کا دخل نہیں ہے یہ اس لئے کہ صحبت کی وجہ سے ایک دوسرے لوگ مانع ہیں لوگوں کی شرم کی وجہ سے مبتلائے گناہ نہ ہوگا۔

تنہائی ہر ایک کے لئے نہیں ہے

اور خواجہ یحییٰ معاذ رازیؒ فرماتے ہیں **الوحدة جليس الصديقين** (تنہائی اختیار کرنے والے صدیقوں کی صحبت میں ہوتے ہیں)

اور ایک بزرگ سے نقل ہے کہ انہوں نے کہا ہے ''تنہائی پر قدرت نہیں ہوتی ہے مگر اہل قوت کو'' اور مجھ جیسوں کے لئے مجمع میں ہونا ہی زیادہ مفید ہے کہ '**يعمل بعضهم روية بعضهم**' ایک دوسرے کے دیکھا دیکھی طاعت وعبادت کی جاتی ہے۔

تنہائی کے فوائد

لیکن وہ لوگ جو تنہائی کو صحبت پر فضیلت دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ تنہائی اختیار کرنے میں بہت ساری چیزوں سے آدمی بچتا ہے۔ اوّل یہ کہ آنکھیں حرام چیزوں کے دیکھنے سے باز رہتی ہیں، زباں حرام باتوں کے بولنے اور غیبت سے اور پاؤں حرام جگہ جانے سے باز رہتے ہیں اور اسی طرح کے بہت سارے دوسرے معانی حاصل ہوتے ہیں بخلاف اس کے اگر صحبت خلق میں رہے گا تو اس کا احتمال ہے کہ جب دو شخص ایک جگہ جمع ہوں گے غیبت میں مبتلا ہو جائیں گے کیونکہ غیبت اسی طرح شروع ہوتی ہے کہ دو شخص ایک جگہ جمع ہوئے بات پر بات نکلی قصہ پر قصہ شروع ہوا آخر غیبت میں مبتلا ہو گئے۔

چنانچہ خواجہ جنید بغدادیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس

کا دین اس کے لئے سلامت رہے اور اس کا دل اور اس کا جسم مطمئن و محفوظ رہے تو اس سے کہدو کہ وہ لوگوں سے کنارہ کش اور گوشہ نشیں ہو جائے " فان هذا الزمان وحشة والعاقل من اختار فيه الوحدة " (چونکہ یہ انتشار کا دور ہے اور عقلمند وہ ہے جو ایسے دور میں تنہائی اختیار کرے۔

اور شیخ بوعلی سے نقل ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ میں نے شبلیؒ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے "الافلاس هو الانس بالناس" لوگوں نے ان سے پوچھا اے ابا بکر افلاس کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا افلاس کی علامتوں میں سے ایک علامت لوگوں کے ساتھ موانست اختیار کرنا ہے یعنی کوئی اس وقت تک مفلس نہیں ہوتا جب تک خلق کے ساتھ اسے انس نہیں ہو یہاں تک کہ اس جملہ تک پہنچے "اِجتَنِبوا البطالة"۔ (پرہیز کرو بیکار باتوں سے)

خلوت میں کیا کرے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ بطالت کے لغوی معنی بیکار باتوں کے ہیں یعنی خلوت تنہائی ایسی ہونی چاہئے کہ بطالت سے خود کو محفوظ رکھے اور بیکار نہ رہے اور گناہوں میں مرتکب نہ ہو اگر ایسا ہے تو خلوت یعنی تنہائی ایسے شخص کے حق میں افضل ہے پھر جب اس جملہ پر پہنچے "فانها تميت القلب ولذالک تكون او قاته معمورة بمايتوب به الى الله سبحانه تعالى" (چنانچہ زیادہ بکواس اور بے کار گفتگو دل کو مردہ کر دیتی ہے اسی لئے اپنے اوقات توبہ وانانیت کی چیزوں سے معمور رکھے۔)

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خلوت اور تنہائی میں بطالت سے پرہیز کرے اس لئے کہ بیکاری دل کو مردہ کر دیتی ہے بلکہ اپنے وقتوں کو معمور رکھے یعنی نماز، روزہ، ذکر، تلاوت قرآن سے لگا رہے۔ ہر رات اور ہر دن میں اپنے وقت کو تقسیم کرے اور اسی طور پر معمول و وظیفہ بنالے۔

وظیفہ میں جی نہ لگے تو کیا کرے

اس موقع پر خاکسار نے عرض کیا کہ اگر ان وظیفوں میں جی اکتا جائے اور دل گھبرا

جائے تو اس حال میں کیا کرے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ صلحا جو اس کے مشرب کے ہوں ان کی خدمت میں بیٹھے تو اسے چاہئے کہ اسی کے متعلق باتیں کرے اس لئے جس قسم کی گفتگو ہوگی اور قصے ہونگے وہ اسی قصہ کے اندر ہوگا۔

صلحا کی صحبت کی اہمیت

مخدوم زادہ 'سراج العارفین' پڑھ رہے تھے جب سبق یہاں پہنچا کہ ایسا شخص جس نے عزلت و گوشہ نشینی نہیں اختیار کی ہے اور بدنی عبادت میں مشغول ہے اس کے لئے لوگوں کے ساتھ میل جول افضل ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا! ہاں اس اختلاط سے مراد صلحا کے ساتھ میل جول رکھنا ہے یعنی ان کی صحبت بدنی عبادت سے افضل ہے یہ اس لئے کہ اگر کسی نے تنہائی اختیار کی اور اپنے باطن کے درست کرنے میں لگا ہوا ہے اور باطن کے کام میں مصروف ہے تو مقصود حاصل ہو جاتا ہے لیکن صرف بدنی عبادت سے مقصود حاصل نہیں ہوتا تو جب بدنی عبادت میں مشغول ہو تو اس سے افضل یہ ہے کہ صلحاء کی صحبت میں رہے کیونکہ ان کی صحبت میں اس کے باطن کے کام بنیں گے اور اس کا باطن سنور جائے گا اور اسی سے مقصود بھی حاصل ہو جائے گا اس معنی کے اعتبار سے صالحین کے ساتھ اختلاط میل جول افضل ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ باطن کے کام کا ایک ذرہ بدنی عبادت کے سوز دروں پر شرف رکھتا ہے اور یہ شعر ارشاد ہوا ؎

آفتاب نتابد انجم سوز   بچراغ تو شب نگردو روز



چھبیسواں باب

زہد وتقویٰ اور پرہیزگاری کے بیان میں

مجلس شریف میں شیخ معزالدین ''تعرف'' پڑھ رہے تھے۔ سبق زہد کے باب میں چل رہا تھا جب اس جملہ پر پہنچے کہ ایک بزرگ سے پوچھا گیا زہد کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا تمہیں اس کی فکر نہ ہو کہ دنیا کس کے قبضہ وتصرف میں ہے کافر کے یا مومن کے؟ اس موقع پر حضرت مخدوم متع اللّٰہ المسلمین بطول افادته نے فرمایا کہ ہاں جب کہ اس کو دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں تو جو بھی ہے تصرف کرے۔ دنیا کو خواہ مؤمن قبضہ کرے خواہ کافر اس کے نزدیک دونوں ایک ہے اور یہ اشعار ارشاد ہوئے ؎

ہست دنیا آستان حرص و از   مانده از نمرود و از فرعون باز

حق تعالیٰ گفت لاشئ نام او   تو چنیں آویختہ در دام او

کار دنیا چیست بیکاری ہمہ　　　چیست بیکاری گرفتاری ہمہ

ہر کہ در یک ذرہ لاشئی گم بود　　　کے بود ممکن کہ او مردم بود

پھر سبق اس جملہ پر پہنچا کہ خواجہ شبلیؒ سے سوال کیا گیا کہ زہد ہے کیا؟ فرمایا افسوس! تم لوگوں پر زہد یعنی ترک اصل میں اس چیز سے ہے جو جو کوئی چیز ہو لیکن جس چیز کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے اس سے زہد کیا؟ زہد تو (دراصل) اس چیز سے ہے کہ جس کو کوئی چیز کہہ سکیں اور دنیا خود کوئی چیز ہے ہی نہیں۔

دنیا کوئی چیز نہیں ہے کا اصل معنی

اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا دنیا کو جو یہ کہتے ہیں کہ کوئی شئے ہے ہی نہیں اس کی اصل یہ ہے کہ حکایتاً اللہ تعالی سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب دنیا کو مخاطب فرمایا تو کہا لاشئی (اے وہ کہ کوئی چیز ہے ہی نہیں) اگر یہاں پر کوئی یہ شبہ وارد کرے کہ دنیا جس کے ذریعہ محسوس کی جاتی ہے کہ وہ شئے ہے پھر دنیا کو لا شئے کہتے ہیں تو لاشئی سے خطاب کے کیا معنی ہیں؟ اس شبہ کا جواب بھی خود ہی ارشاد فرمایا دنیا اپنی ذات سے مستحق عدم ہے اگر چہ موجود ہے اس لئے کہ اس کا وجود ہی دوسرے کی ایجاد سے ہے تو جس چیز کا وجود غیر کی ایجاد سے ہو تو وہ از روئے حقیقت کلیۃً لا وجود ہے۔

الوجود بین العدمین کی مدلل تشریح

اسی درمیان قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ ''الوجود بین العدمین'' میں عدم کے کیا معنی ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس وجود سے وجود خالی مراد ہے کہ اس کا اوّل عدم ہے تو اس کا آخر بھی عدم ہی ہوگا تو ایسا وجود دو عدم کے بیچ ہوا اور لبید نامی ایک شاعر رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تھا اس نے یہ شعر کہا ہے۔

الا کل شئی ما خلا اللّٰہ باطل　　　و کل نعیم لا محالۃ زائل

(خدا کے سوا ہر چیز باطل ہے یعنی عدم ہے)

رسول اللہ ﷺ نے جب یہ شعر سنا تو فرمایا **اصدق ماقالت العرب قول لبید** (عربوں کے بہترین اقوال میں سے لبید کا قول سچا ہے) تو یہاں پر یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ جتنی چیزیں حق تعالیٰ کے سوا ہیں وہ سب بھی موجود ہیں تو اس کو باطل یعنی معدوم کیونکر کہہ سکتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی ہے تو اس کے معنی اس طور پر ہیں کہ حقیقی وجود، وجود حق تعالیٰ ہے کہ وہ اپنی ذات سے موجود ہے لیکن اللہ کے سوا جو موجود ہے وہ خود موجود نہیں ہوا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے موجود کرنے سے وجود میں آیا ہے اور اپنی خودی کے اعتبار سے عدم ہے پس اللہ کے سوا کا وجود حق تعالیٰ کے وجود سے قائم ہے اور حق تعالیٰ کا وجود اپنی ذات سے موجود ہے اور غیر کا وجود اپنی ذات سے مستحق عدم ہے تو اس وجود کو جو وجود کہتے ہیں وہ مجازاً کہتے ہیں اور یہ اصل الاصول ہے کہ مجاز حقیقت کے مقابلہ میں باطل ہے یعنی دیکھنے میں آتا تو ہے لیکن ہے نہیں تو غیر اللہ کا وجود دیکھا تو جاتا ہے مگر حقیقتاً نہیں ہے اس لئے کہ یہ عارضی ہے معدوم ہو جائے گا اور دوسرے خواجہ نظامیؒ کا یہ شعر ارشاد ہوا۔

پناہ بلند و پستی توئی　　ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

اس شعر کے معنی بھی اسی طور پر بیان کرتے ہیں کہ اگر چہ یہ سب موجود ہیں لیکن سب کے سب نیست ہیں اور جس نے بھی کہا اسی طریقہ پر معنی کہا ہے اور وہ دعاء کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے مناجات کی ہے کہ **ارنی الاشیاء کما ھی** (دیکھا دیجئے مجھے اشیاء کی حقیقت جیسی کہ ہے) اس دیکھانے کے سوال سے اسی حقیقت کا دکھانا مراد ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ عرفا جس چیز میں بھی نگاہ کرتے ہیں تو پہلی نگاہ میں اس کی حقیقت کو دیکھتے ہیں تو جس چیز کو بھی دیکھتے ہیں تو اسے معدوم پاتے ہیں اسی سبب سے ان لوگوں کو کسی چیز کے ساتھ سکون وقرار نہیں ہوتا جب وہ ساری چیز ہی کو معدوم دیکھتے ہیں تو اس کے ساتھ کیا قرار پکڑیں گے اسی سبب سے ان لوگوں کو ہر وقت سفر ہی ہے کہیں پر ٹھہراؤ نہیں ہے اس موقع پر مثنوی کے یہ اشعار پڑھے گئے۔

دل بدست آور جلال او بہ بیں　　آئینہ کن جاں جمال او بہ بیں

گر ترا پیدا شود یک فتح یاب　　تو دروں سایہ بینی آفتاب

سدرۂ جانست جاں ایثار کن　　پس بیفگن دیدہ را دیدار کن

لیکن عوام جس چیز کو دیکھتے ہیں ان کی پہلی نظر ہی اس کے وجود ظاہری پر پڑتی ہے اور اسی سبب سے ان لوگوں کو اس سے محبت والفت پیدا ہو جاتی ہے۔اس کے بعد فرمایا کہ امام شبلیؒ کے قول پر زہد کی نفی ہوتی ہے تو یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زہد کے ثبوت پر قرآن و حدیث ناطق ہے تو خواجہ شبلیؒ نے اس کی نفی کیسے کی؟ اس اعتراض کا جواب اس طور پر دیں گے کہ امام شبلیؒ کی مراد اس زہد سے نفس زہد کی نفی نہیں ہے بلکہ زہد کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کی نفی ہے یعنی زہد اختیار کرے لیکن اس زہد کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھے اور اسی کے مانند ہر وہ چیز جس کی بزرگوں نے نفی کی ہے اس سے ان کی مراد اس چیز کو قدر سے دیکھنا ہے۔

زہد کیا ہے

اس کے بعد اس جملہ پر پہنچے کہ ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا زہد کیا ہے؟ انہوں نے کہا زہد اس چیز سے جو پائخانہ اور لاشئی ہے؟ زہد پائخانہ اور لاشئی سے کیونکر ہوگا۔اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا دنیا کو پائخانہ یعنی کنیف کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب آدم علیہ السلام جب بہشت میں تھے وہاں جب دانۂ گندم کھالیا دانہ کھانے کے بعد ان کو حاجت بشری ہوئی اور بہشت اس کی جگہ نہیں کہ جہاں قضائے حاجت کی جائے ان سے کہا گیا کہ انسان کے قضائے حاجت کی جگہ وہی دنیا ہے جناب آدم علیہ السلام کے بہشت سے اس دنیا میں آنے کا یہی سبب ہوا اسی لئے دنیا کو کنیف یعنی بیت الخلا کہتے ہیں۔

پھر اس جملہ پر پہنچے کہ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا زہد کیا ہے؟ انہوں نے کہا زہد حقیقتاً ہے ہی نہیں اس لئے کہ یہ دو حال سے خالی نہیں، زہد اس چیز سے کہ جو ازل ہی میں اس کے مقدر میں ہو چکا ہے یا اس چیز سے جو ازل میں اس کے نصیب میں نہیں ہوا ہے اگر اس چیز سے کہ جو اس کے مقدر میں ہو چکا ہے یہ خود ممکن ہی نہیں کہ اس سے زہد کرے اور اگر ایسی چیز جو اس کے نصیب ہی میں نہیں ہے اس سے زہد کیا کیا جائے اور اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔

شیخ معزالدین نے اس قول پر یہ سوال پیدا کیا کہ زہد جب کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہو چکا تو پھر اس قول کو کس پر محمول کریں گے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا لیکن ہاں! اس کے ترک کا قصد ہونا چاہئے اس ترک کرنے کے قصد کے باوجود اگر اس کے سامنے اسے لائیں تو یہ اور چیز ہے تو چاہئے کہ زہد یعنی ترک کرنے کا قصد رہے۔

اس کے بعد جب اس جملہ پر پہنچے کہ ایک بزرگ سے سوال کیا گیا کہ زہد کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا زہد، بد (ضروری) کا ترک ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا دو چیز ہے بد اور لابد (ضروری اور غیر ضروری) ''ترک اس کا جس کے بغیر اسے چارہ نہیں'' یہی زہد ہے (یعنی بد کا ترک) لیکن لابد میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ لابد وہ ہے کہ قیام نفس جس کے بغیر نہیں ہے لیکن عارفوں کے نزدیک لابد منہ حق تعالیٰ ہے اس لئے کہ بے بد بندہ کو تمام چیزیں پہنچتی ہیں لیکن اگر خدا اس کا نہ ہو تو کوئی چیز بھی اس کے لئے نہ ہوگی لیکن اگر اس کو چارہ نہ ہو اور حق تعالیٰ اس کا ہو تو تمام چیزیں اس کی ہوگئیں۔ حضرت مخدوم جب اس جملہ پر پہنچے تو یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

اگرم ہیچ نباشد نہ بدنیا نہ بعقبی   چو تو دارم ہمہ دارم وگرم ہیچ نباید

تقویٰ کی تشریح

قاضی منہاج الدین دروں حصاری نے وصیت شیخ الشیوخ پڑھنا شروع کیا وصیت یہ تھی کہ ''یابنی اوصیک بتقوی اللّٰہ''۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ تقویٰ کی دو قسم ہے ایک تقویٰ اصل اور دوسرا تقویٰ فرع۔ تقویٰ اصل یہ ہے کہ کفر سے بیزار ہو اور ایمان میں داخل ہو جائے اور تقویٰ فرع یہ ہے کہ تمام اوامر کی بجا آوری کرے اور تمام نواہی سے پرہیز۔

قاضی اشرف الدین نے عرض کی بتقوی اللّٰہ میں تقویٰ کی یہ اضافت حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ اس کے کیا معنی دیں گے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا تقویٰ کے لغوی معنی خوف کے ہیں تو یہ اضافت خوف الی اللہ اضافت مصدری ہے مفعول کی جانب اور تقدیر ایسی ہی تھی کہ اوصیک بخوف اللّٰہ اور از روئے اصلاح صوفیہ تقویٰ کے معنی ہر اس چیز سے پرہیز کرنا ہے خالصاً للہ (صرف اللہ کے لئے) کہ جس چیز سے دین کا نقصان ہو اور قرآن میں بھی آیا ہے واتقو اللّٰہ ڈرو اللہ سے اس تقویٰ سے خوف مراد ہے اور ایسی روایت آئی ہے کہ ایک دفعہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب قرآن تلاوت کرنے والا واتقو اللّٰہ پڑھے تو سننے والے کو چاہئے کہ اسی وقت لا الہ الا اللّٰہ کہے۔ چنانچہ یہ حکایت ہے کہ ایک دفعہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے ایک شخص نے کہا اتق اللّٰہ یا امیر المومنین اے امیر المومنین اللہ سے ڈرئے اسی وقت گھوڑے سے اتر آئے اور زمین پر لوٹنے لگے۔

اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر ارشاد فرمایا۔

ماہ ویاں چہ تیز ہو شانند   جاہ جویاں چہ دین فروشانند

ایک آیت کی دلنشیں تشریح

مجلس شریف میں حق تقویٰ کا تذکرہ آگیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تفسیر میں یہ قول آیا ہے "اتقو اللّٰہ حق تقاتہ" یعنی "ان یطاع فلا یعصی و یذکر فلا ینسی ویشکر فلایکفر" یعنی حق تقاہ یعنی اطاعت بغیر معصیت کے اور ذکر بلا غفلت اور شکر بے کفر (یعنی شکر ایسا ہو کہ پھر اس کی نعمتوں کا انکار نہ ہو) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا یہی حق ہے۔

کشف کے لئے تقویٰ ضروری ہے

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا نقل ہے کہ خواجہ ہریریؒ نے فرمایا من لم یحکم بینہ وبین اللّٰہ تعالی بالتقوی والمراقبہ لم یصل الی الکشف والمشاھدۃ جو شخص اپنے اور خداوند تعالیٰ کے درمیان تقویٰ اور مراقبہ کا حکم نہ کرے وہ کشف اور مشاہدہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

قاضی صدر الدین نے عرض کیا اپنے اور حق تعالیٰ کے درمیان حکم نہ کرے اس کے معنی کیا ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا معاملہ اس کے اور خداوند تعالیٰ کے درمیان ہے اس میں تقویٰ اور مراقبہ کا حکم کرے (لگا رہے) یعنی تقویٰ اور مراقبہ فتویٰ ظاہری اور تاویلات کی رو سے کیا کرے۔

پھر فرمایا خواجہ نصیر آبادیؒ نے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا **من الزم التقوی اشتاق الی مفارقتہ من الدنیا لان اللہ تعالی قال "والدار الاخرۃ خیر للذین اتقوا** یعنی کہ جو شخص تقویٰ کو لازم کرلے اور اس بات کا مشتاق ہو کہ دنیا سے نکل آئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور بعضوں کا قول ہے کہ تقویٰ چند طرح پر ہے عوام کا تقویٰ شرک سے ہے خواص کا تقویٰ گناہوں سے اولیاء کا تقویٰ اپنے افعال کے وسیلہ سے انبیاء کا تقویٰ اسی سے اسی کی طرف، یہ یہیں کی بات ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے معراج میں اپنی مناجات میں کہا **اعوذ بعفوک عن عقابک** تیری پکڑ سے تیرے عفو وکرم کی پناہ چاہتا ہوں۔ پھر یہاں سے ترقی فرمائی صفات تک پہنچے فرمایا **اعوذ برضاک** اس سے ترقی فرمائی ذات تک پہنچے کہا **اعوذبک منک** میں تجھ سے تیری ذات کی پناہ چاہتا ہوں۔



ستائیسواں باب

خوف ورجا کے بیان میں

رجاوتمنا میں فرق

مجلس شریف میں خوف ورجا کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ دوطرح پر ہے۔ ایک رجا ہے اور ایک تمنا اور بعض لوگوں نے تمنا کو حمق (بیوقوفی) لکھا ہے۔ رجا (یعنی امید) یہ ہے کہ یہ عبودیت کے قیام کے بعد ہو۔ جیسا کہ عبودیت کی شرائط کے متعلق آیا ہے کہ اوامر کی بجا آوری کرے اور نواہی سے خود کو محفوظ رکھے۔ رجا کی اصل اسی پر ہے اور تمنا اس کو کہتے ہیں کہ کوئی طاعت وعبادت بجانہیں لاتا اور خود کو منہیات سے محفوظ نہیں رکھتا اور یہ کہے کہ مجھے امید ہے کہ خدا بخشنے والا ہے مجھے بخش دے گا یہ تمنا ہے اور ان دونوں کی مثال بھی دی گئی ہے کہ ایک شخص ایک زمین کا مالک ہے اس نے اس زمین کو گھاس وغیرہ سے

پاک وصاف کیا، ہل چلایا اور کھیتی کے جتنے شرائط ہیں وہ سب بجالایا تخم ریزی کی پانی ڈالا اس کے بعد امید رکھتا ہے کہ پھل کھاؤں گا یہ رجا ہے۔ لیکن اگر ایسا ہے کہ زمین تو رکھتا ہے اور وہ جھاڑ جنگل سے بھری ہوئی ہے ذرہ برابر بھی اس کو صاف نہیں کیا بیج بھی نہیں بویا اور کہتا ہے کہ مجھے امید ہے کہ اس زمین سے اناج کھاؤں گا یہ تمنا ہے کیمیائے سعادت میں ایسے شخص کو احمق اور ایسی تمنا کو حمق (بیوقوفی) لکھا ہے عام لوگوں کے درمیان بھی یہ حماقت ہی ہے۔

اسی درمیان قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ خراباتیوں کا باطن آراستہ ہوتا ہے اور ظاہر خراب ! ان لوگوں کے حق میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان لوگوں کے اندر خوف و رجا موجود ہے؟ کیونکہ خوف و رجا عبودیت کی اقامت کے بعد ہی ہوتا ہے تو جب کہ بظاہر ان کا ظاہر خراب ہوتا ہے اور اقامتِ عبودیت ان سے غائب ہوتی ہے تو پھر ان کا باطن آراستہ کیوں کر ہوگا؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کی خرابی شریعت کے جملہ اصول سے من کل وجہ (پورے طور پر) ہوتی ہے یا بعض صورت میں دیکھنے والوں کو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اگر ان کی ظاہری خرابی و پراگندگی شریعت کے اعتبار سے من کل وجہ ہے تو اس میں کوئی کلام ہی نہیں ہے کیونکہ خود عین گمراہی اور بطالت (بکواس) ہے تو یہ ان کے حق میں محض تمنا ہی ہوگی اور اگر پراگندگی و خرابی ظاہری طور پر بعض صورت میں ہے اور وہ اپنے حال کو چھپانے کے لئے ہے اور وہ شخص اہل دل میں سے ہے اور اس سے ان کا مقصود اپنے دین کی تکمیل ہے تو ان کی یہ خرابی دیکھنے والوں کی نگاہ میں خرابی ہے، حالانکہ بذات خود وہ عین آراستگی و آبادکاری ہے تو یہاں پر ان کی رجا خود حقیقی ہوگی یعنی عبودیت کے اقامت کے بعد ہوگی نہ کہ عبودیت کے قیام سے پہلے۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ دو طریقہ پر ہے ایک یہ کہ ظاہر آراستہ ہو اور باطن پراگندہ و خراب ہو اور یہ جائز نہیں ہے ایسے تو منافقین ہوتے ہیں کیونکہ انکا ظاہر شریعت کے بعض اعتبار سے آراستہ ہوتا ہے اور ان کا باطن پراگندہ ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ ظاہر خراب ہو اور باطن آراستہ یہ جائز ہے۔ اگر کسی کا باطن آراستہ ہے تو اس کا ظاہر یقیناً اسی قدر آراستہ ہوگا جس قدر اس کا باطن آراستہ ہے یہاں تک کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ روایت آئی ہے کہ ان

کے باطن میں خوف غالب تھا اس باطنی خوف کا اثر ان کے ظاہر سے نمایاں ہوتا تھا دیو و شیاطین اگر ان کو دیکھتے تھے تو ان سے کانپ اٹھتے تھے اور ڈر جاتے تھے۔ لوگ دیو وشیطان سے ڈر جاتے ہیں لیکن ان کے باطنی خوف کا اثر ان کے ظاہر سے ایسا نمایاں ہوتا تھا کہ دیو و شیاطین ان سے لرز اٹھتے تھے اور ان کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔

خوف ورجا کی علامت

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہاں پر خوف و رجا کی علامت کا بیان شروع فرمایا، خوف کی علامت یہ ہے کہ منہیات سے پرہیز کرے اور رجا کی علامت یہ ہے کہ اوامر کی بجا آوری کرتا رہے ایسا کہ کوئی خوف کا دعویٰ کرے اور یہ کہے کہ میں خدا کا خوف رکھتا ہوں تو یہ دیکھیں کہ وہ منہیات سے پرہیز کرتا ہے یا نہیں، اگر منہیات سے بچتا ہے تو سمجھ لیں کہ اس کو خوف خدا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو جھوٹا ہے کہ کل قول لا یصدقہ الفعل فَھُوَ کَذِبٌ (ہر وہ بات جس کی تصدیق فعل سے نہ ہو وہ جھوٹ ہے پھر اس کے بعد فرمایا الصادق من یصدق فعلہ والکاذب یکذب فعلہ قولہ (سچا وہ ہے جس کا فعل وعمل اس کے قول کی تصدیق کرے اور جھوٹا وہ ہے جس کا عمل وفعل اس کے قول کی تکذیب کرے) یہ اس لئے کہ اگر اس کو خوف ہوتا تو وہ منہیات کا ارتکاب نہیں کرتا اور ایسا ہی اگر کوئی یہ کہے کہ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور میری امید اللہ ہی سے ہے تو اس وقت یہ دیکھیں کہ وہ احکام کی بجا آوری کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی تعمیل میں لگا رہتا ہے یا نہیں؟ اگر تعمیل کرتا ہے تو جان لیں کہ اس میں رجا کی کیفیت ہے اور اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے اور اگر اوامر یعنی فرمان خدائے تعالیٰ کی تکمیل نہیں کرتا ہے اور منہیات یعنی گناہ کے کاموں میں مبتلا ہے تو سمجھ لیں کہ جھوٹا ہے اس لئے کہ رجا عبودیت کی شرائط کی ادائیگی کے بعد ہی ہے، بندگی کی شرطوں کو پورا کرنے کے بعد ہی رجا ہوگا۔

خوف الٰہی عمل سے ہونا چاہئے

قاضی اشرف الدین نے عرض کی کہ اگر کوئی شخص معناً دل میں یہ خیال کرتا ہے کہ جتنی چیزیں اور اسرار مجھ سے وجود میں آتے ہیں اور آئیں گے وہ سب کے سب اللہ کی طرف

سے ہیں اس معنی کے اعتبار سے سلامتی ہوگی؟ اس لئے کہ اس نے سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کو سونپ دیا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ صرف اسی معنی کے اعتبار سے امن و سلامتی نہیں ہوتی ہے اپنے عمل سے خوف ہونا چاہئے یہ دونوں چیزیں اپنی جگہ پر ہیں مگر ہاں! اس معنی کے اعتبار سے اس سے زیادہ نہیں ہے کہ سلامتی ہوگی اس لئے کہ خیر و شر دونوں کو اس نے حق سبحانہٗ تعالیٰ ہی کی جانب سے دیکھا ہے ایسے شخص کو کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا اور دشمنی نہیں رہے گی کیونکہ سب کچھ اللہ ہی کی جانب سونپ دینے سے سلامتی ہے اس لئے کہ یہ ہم سب پر روشن ہے کہ اگر کسی سے ہزار ہا طاعت وجود میں آتی ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس کے لئے اللہ کی قربت اور اس کا وصل نہ ہو اور اگر ہزاروں ہزار گناہ اور اللہ سے دوری کے اسباب اس سے پیدا ہوں تو ہوسکتا ہے کہ اس کو اپنی قربت اور اپنے وصل ولقا سے مشرف فرمادے اور اس کو اپنے واصلین و مقربین میں شمار کرلے۔ طاعت نزدیکی کا سبب تو ہے مگر اس سے زیادہ نہیں۔ معصیت اور گناہ اللہ سے دوری کا سبب ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ علت اور اس کا لگاؤ یعنی اللہ سے قربت اور اس سے دوری یہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی مشیت و منشا پر ہے یہاں تک کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ "دوزخ دوست کی وصال کے ساتھ بہشت ہے" جب حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ اس جملہ پر پہنچے تو یہ شعر ارشاد ہوا ؎

گر سلسلۂ زلفش بر دوز خیال بندد　　　در پنج نماز خود دوزخ بدعا خواہم

مقصد بہشت نہیں ہے

یہاں قاضی اشرف الدین نے سوال کیا کہ دوزخ جب کہ وصال کی جگہ نہیں ہے تو یہ قول کیونکر درست ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اگرچہ دوزخ وصال کی جگہ نہیں ہے لیکن ان کی ہمت اس درجہ بلند ہوتی ہے کہ اگر دوزخ میں وصال جائز ہوتا تو دوزخ (بھی ان کے لئے) بہشت بن جاتی اس کے بعد فرمایا کہ ان کا مقصود بہشت نہیں ہے بلکہ مقصود وصال ہے

اور وہ وصال بہشت ہی میں ہوگا، بہشت تو ضمناً مقصود ہے اس سے زیادہ نہیں جیسا کہ اس آیت ویدعون ربھم خوفا و طمعا اہل ظواہر میں سے بعضوں نے یہ تاویل کی ہے کہ یدعون ربھم خوفا و طمعا یعنی عذاب دوزخ کے خوف اور بہشت کی چاہت وطلب میں وہ لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں، لیکن مشائخ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ خوف دوری کی قطعیت سے اور طمع اس کے وصال سے تو دونوں (اہل ظواہر اور مشائخ کی) تاویلیں درست ہوں گی ایک عوام کے حق میں اور یہ دوسری خواص کے حق میں۔ یہاں پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے مثنوی کے یہ اشعار پڑھے ؎

خانۂ نفس است خلد پر ہوس　　خانۂ دل مقعد صدق است وبس

ہر کہ جز جاناں بچیزے زندہ شد　　گر ہمہ آدم بود افگندہ شد

اولیاء کو نہ خوف ہوگا اور نہ غم

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ ''اَلا اِن اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون'' (خبردار! بیشک اللہ کے دوستوں کو موجودہ حالات میں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ آئندہ کوئی غم) یہ کیونکر ہے کہ اولیاء کو خوف اور حزن نہیں ہوگا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خوف کی اس نفی سے خوف مطلق کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ خوف مقید مراد ہے یعنی جو خوف دوسروں کو ہے وہ اولیا اللہ کو نہ ہوگا اور دوسروں کو خوف اس سے پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کی نگاہ اپنے گناہوں پر جاتی ہے تو اپنی اس گنہگاری سے ان کو عذاب اور سزا کا خوف ہوتا ہے اور اولیاء سے جب یہ گناہ ہی نہیں ہوتا تو یہ خوف بھی نہیں ہوگا لیکن ان کو خوف حق سبحانہٗ تعالیٰ کی عظمت وجلالت اور اس کی بے نیازی سے خوف ہوتا ہے۔

پھر گذارش کی کہ اولیاء اللہ کے علاوہ دوسروں کو عذاب وسزا کا جو خوف ہوگا وہ حشر میں ہوگا یا دنیا میں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا دنیا میں بھی اور حشر میں بھی خوف ہوگا اس لئے کہ حق تعالیٰ نے بعض اعمال کا بدلہ دنیا میں رکھا ہے اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کی جزا اس

دنیا میں ملے گی، اولیاء کے علاوہ اور دوسرے لوگ جو کوئی گناہ کرتے ہیں تو ان کو اس کا خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے اس گناہ کی نحوست سے کوئی بلا نازل ہو جائے، اور اس دنیا میں اس کا بدلہ مل جائے کیونکہ یہ دنیا بھی مکافات (بدلہ) کی جگہ ہے اور آخرت کا گھر تو جزا و سزا کی جگہ ہی ہے، وہاں بھی عذاب اور سزا کا ڈر اور خوف لگا رہے گا لیکن اولیاء اللہ کو یہ دونوں خوف نہیں ہوگا ہاں! خدائے تعالیٰ کی عظمت، جلال و بے نیازی کا خوف لگا رہے گا۔ عام لوگ جب بہشت میں داخل ہو جائیں گے تو ان کو وہاں عذاب وعقوبت اور اللہ سے دوری کا خوف نہ رہے گا لیکن اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا خوف رہے گا اور خوف کے بارے میں ہم سب جانتے ہیں کہ وہ نعمت کو مکدر کرنے والا ہوتا ہے اور بہشت تکدر کی جگہ نہیں ہے اس کا جواب بھی حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے خود ہی دیا کہ جلال وعظمت کا خوف تو ہوگا مگر ایسا ہوگا کہ جس سے تکدر اور رنجیدگی (پیدا) نہیں ہوگی۔

اس کے بعد فرمایا کہ اولیاء کو حق تعالیٰ کی بے نیازی سے خوف پیدا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بات سے بے پرواہ ہے۔ اگر ہزار طاعت بجالائیں اس کی بارگاہ میں کچھ فائدہ نہیں اور اگر ہزاروں گناہ کرتے رہیں تو اس کی جناب میں کوئی نقصان نہیں یہ لوگ اس کی قربت و وصال اور اس کی دوری اور علاحدگی سب کو اس کی منشا اور مشیت سے متعلق جانتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہزاروں طاعت وعبادت کے باوجود (وہ) کسی کو راندۂ درگاہ بنادے اور دوسرے کو ہزاروں ہزار گناہ ونافرمانی کے باوجود اپنے وصال کی نعمت سے مالا مال فرمادے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ جب اس جملہ پر پہنچے تو زبان مبارک پر یہ شعر آیا ؎

ملک صمدیت راشہ چہ سود وزیاں دارد   گر حافظ قرآنی ور عابد صنامی

جب ان اولیاء اللہ کی نظر حق تعالیٰ کی مشیت پر رہتی ہے تو دنیا میں بھی ان کو اس سے دوری اور جدائی کا خوف رہتا ہے کیونکہ ان کی منشا اور مشیت سے کوئی آگاہ نہیں ہوتا اسی لئے جدائی کا خوف لگا رہتا ہے۔



اٹھائیسواں باب

مراقبہ اور تفکر کے بیان میں

مراقبہ کیا ہے

مجلس شریف میں مراقبہ کا تذکرہ آ گیا۔ قاضی اشرف الدین نے عرض کیا مراقبہ کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا مراقبہ دل کی نگہبانی کرتا ہے اس مقصود کے ساتھ کہ خدائے تعالیٰ ناظر ہے وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور مخلوق سے میرا دل جن باتوں کو چھپائے ہوئے ہے اس سے وہ تبارک وتعالیٰ آگاہ ہے اور بعض بزرگوں کی یہ روش رہی ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو مراقبہ کی ہدایت کرتے رہے ہیں یہ اس۔ لئے کہ اگر ہمیشہ ہمیشہ مراقبہ میں رہے گا اس خیال کے ساتھ کہ خدائے تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے وہ مجھ پر ناظر ہے اور میرے ڈھکے چھپے بھیدوں کو خوب جانتا ہے تو ایسی صورت میں اگر کوئی گناہ سامنے آئے گا تو اسی وقت وہ اس گناہ سے منہ موڑ لے گا اور بیشک جب یہ جانے گا کہ اللہ جل شانہٗ مجھے دیکھ رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ

فلاں گناہ سامنے آیا ہے تو اس مراقبہ کے ذریعہ اسے کشود اور چھٹکارا ہوگا۔

مراقبہ کی مثال

مشائخ میں سے ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے بہت سے مرید تھے ایک مرید کے ساتھ شیخ کی کافی توجہ اور نوازش خاص تھی اوروں کی نسبت اس مرید پر نگاہ کرم بہت زیادہ تھی دوسرے مریدوں نے اس لطف خاص کا سبب پوچھا تو شیخ نے کہا کہ تمہیں دکھاتا ہوں چنانچہ انہوں نے ہر مرید کو ایک چھری دی اور ایک مرغ اور کہا ''اذبحه حیث لا یراه احد'' یعنی اس کو ایسی جگہ ذبح کرو جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھے اور اس مرید کو بھی دیا جس پر نگاہ کرم اور لطف خاص تھا اسے بھی یہی ہدایت کی سبھوں نے (چھوری اور مرغ) لے لیا اور ذبح کر کے آگئے مگر اس چہیتے مرید نے ذبح نہیں کیا اور زندہ ہی لے آیا شیخ نے اس سے پوچھا تم نے کیوں حلال نہیں کیا اس مرید نے عرض کیا کہ آپ کا حکم تھا کہ ایسی جگہ ذبح کروں جہاں تجھے کوئی نہ دیکھے میں جہاں کہیں لے گیا مجھے ہر جگہ خدائے تعالیٰ دیکھ رہا تھا تو میں کیسے ذبح کرتا۔ شیخ دوسرے مریدوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ''بهذا خَصَّصْتُهٗ باقبالی'' میں نے اس پر جو نوازش کی ہے اور اپنے اقبال خصوصی سے نوازا ہے اس کا سبب یہی ہے اس حکایت کے خاتمہ پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ مثنوی پڑھی ؎

تو دریں رہ مرد عقد و حل نہ ای　　چند بینی غیر اگر احول نہ ای

ایمان، اسلام اور احسان کیا ہے

اور فرمایا اسناد صحیحہ ''ثقة عن ثقة'' کہ ایک دن جبرئیل علیہ السلام ایک آدمی کی شکل میں حضرت رسالت مآب ﷺ کے حضور میں حاضر ہوئے اور پوچھا یا محمد ما الا ایمان (یا محمد ﷺ ایمان کیا ہے) پیغامبر ﷺ نے جواب دیا ''ان نومن باللّٰه و ملائکته و کتبه وَرُسُلِهٖ والیوم الاخر و القدر خیرهٖ و خیره من اللّٰه تعالیٰ'' کہ تو ایمان لائے خدائے تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور روز قیامت پر اور تقدیر پر کہ نیکی اور بدی جو کچھ ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے۔ جبرئیل نے کہا صدقت یعنی آپ نے سچ

کہایارسول اللہ ﷺ پھر عرض کیا مــا الا سـلام (اسلام کیا ہے) پیغمبر ﷺ نے جواب دیا اسلام یہ ہے کہ قائم کرو نماز کو، زکوٰۃ ادا کرو اور حج کرو خانۂ کعبہ کا اور ماہ رمضان کا روزہ رکھو۔ صـدقت (سچ ارشاد فرمایا یارسول اللہ ﷺ) اس کے بعد پوچھا مــا الاحسـان (احسان کیا ہے یارسول اللہ ﷺ) پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو یہ دیکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ کہا صـدقت سچ ارشاد فرمایا یارسول اللہ ﷺ اس موقع پر زبان مبارک سے یہ مثنوی ارشاد ہوئی ؎

ہیچ کس را دیدہ درما کے رسد چشم مورے بر ثریا کے رسد
تاکہ تودم میزنی ہمدم نہ ای تاکہ موئے ماندۂ محرم نہ ای

احسان میں مراقبہ ہے

اور یہ جو حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو یہ دیکھو کہ وہ اللہ تبارک تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ اشارہ مراقبہ ہی کے جانب ہے اس لئے کہ مراقبہ بندہ کا یہ جاننا ہے کہ خداوند تعالیٰ خود مجھ پر اور میرے اعمال و افعال پر مطلع اور آگاہ ہے اور تمام چیزوں کی اصل جڑ یہی علم ہے۔ بندہ اس مرتبہ کو نہیں پا سکتا (لیکن ہاں) محاسبۂ نفس سے فراغت کے بعد اس درجہ پر پہنچ سکتا ہے بندہ جب اپنے گذشتہ اعمال کا محاسبہ کرے اور جائزہ لے اور موجودہ حالات میں اپنی بداعمالیوں کی اصلاح کرے، صلاح وتقویٰ کی طرف راغب ہو اور حق کا طریقہ اختیار کرلے پھر یہ جان لے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اس پر نگاہ رکھے ہوئے ہے ایسا کہ اس کے احوال کو جانتا ہے اور اس کے کارستانیوں کو دیکھ رہا ہے اور اس کی باتوں کو سن رہا ہے اور جوان تمام امور سے غافل رہا تو ایسا شخص جو خود اپنے ہی ابتدائی منزل کو نہیں پہنچا ہے وہ مراقبہ کے حقائق کو پہنچے یہ کیسے ممکن ہے اور یہ مثنویات ارشاد ہوئی ؎

عاقلاں خفتہ زاہداں نالاں جز بنالش سزا تر از پالان
آدمی بہر بیغمی را نیست پائے درگل جز آدمی را نیست

اس کے بعد یہ شعر ارشاد ہوا ؎

خار می بینم بسے در رہ ترا　　خواب چوں آید ائے ابلہ ترا

اور یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ نے اس قصہ کو بیان کیا ہے۔

توجہ الی اللہ کا نام احسان یا مراقبہ ہے

ایک بادشاہ تھا جس کی نوازش اپنے ایک غلام پر بہت زیادہ تھی اور دوسروں کے مقابلہ اس غلام پر خاص عنایت رہتی تھی (یعنی) وہ مقبول بارگاہ سلطانی تھا اس میں کوئی خاص بات نہ تھی خوبصورت بھی نہ تھا ایک دفعہ بادشاہ سے لوگوں نے اس سلسلہ میں دریافت کیا تو بادشاہ نے چاہا کہ اوروں پر اس غلام کی فضیلت کے سبب کو ظاہر کرے چنانچہ بادشاہ اپنے خدم وحشم کے ساتھ سیر کو نکلا سیر گاہ کے سامنے ایک پہاڑ تھا پہاڑ کے اوپر برف جمی ہوئی تھی بادشاہ نے پہاڑ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا پھر نظر نیچی کر لی اور کچھ نہ کہا غلام نے اپنے گھوڑے کو پہاڑ کی طرف چمکایا اور اس پہاڑ کی طرف گھوڑا دوڑایا کسی نے بھی یہ نہ سمجھا کہ یہ کس لئے پہاڑ کی طرف جارہا ہے تھوڑی ہی دیر میں برف کا ایک ٹکڑا لے کر واپس آ گیا اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا بادشاہ نے اس غلام سے پوچھا کہ تم نے یہ کیسے جانا کہ مجھے برف کی خواہش ہو رہی ہے اس غلام نے عرض کیا ''لانت نظرت الیه ونظر السلطان الی الشئ لایکون من غیر قصدٍ'' اس سبب سے کہ آپ نے پہاڑ کی طرف نگاہ کی برف کو دیکھا اور بادشاہوں کی نگاہ کسی چیز پر بلا ارادہ نہیں جمتی ہے تو بادشاہ نے امراء، وزرا اور لشکریوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ جو مقبول بارگاہ ہے اور اس پر جو لطف خاص ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ ہر شخص کی ایک مشغولیت ہے اور وہ اپنے خیال اور شغل میں منہمک ہے میری دلی خواہشات و کیفیات اور میرے احوال پر نگاہ رکھنا اور اسی خیال و کام میں ہمہ دم غرق رہنا اور میری ہر بات کا دھیان رکھنا اور اسی میں مراقب رہنا اس غلام کا کام ہے۔

اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ مثنوی پڑھی ؎

مردم باید تمام ایں راہ را　　جاں فشاندن باید ایں درگاہ را

ہر کہ داند گفت با خورشید راز　　کے تواند ماند از یک ذرہ باز

مراقبہ ومحاسبہ کیا ہے

اور مراقبہ اور محاسبہ قریب قریب ہم معنی ہے پہلے محاسبہ ہے اس کے بعد مراقبہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا محاسبہ خود اپنے حال کی تفتیش اور تلاش ہے اپنے احوال کو اپنی نگاہوں کے سامنے لائے کہ میں نے کون کون سے کام کئے ہیں اور کون سی عبادت مجھ سے وجود میں آئی کس کس طرح کے گناہ مجھ سے سرزد ہوئے اور اپنے اندر غور کرے کہ کیا درست ہے اور کیا نا درست؟ اور اسی گھڑی خود اپنا حساب اپنے آپ سے لے گویا اپنا نامۂ اعمال خود پڑھ رہا ہے اور اس وقت محشر میں ہے۔ یہ حدیث "حاسبوا قبل ان تحاسبوا" (محاسبہ کے قبل اپنا محاسبہ کرو) محاسبہ کے بارے میں ہے۔

مراقبہ وتفکر میں فرق

اس کے بعد قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ مراقبہ اور تفکر میں کیا فرق ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا مراقبہ (اصل میں) دل کی نگاہبانی ہے اس طریقہ پر جیسا کہ پہلے میں کہہ چکا ہوں یعنی "**المراقبة علم ما لعبد باطلاع اللّٰہ تعالی علیہ**" (مراقبہ بندہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو بہ فیض الٰہی اسے مراقبہ کے وقت حاصل ہوتا ہے۔) اور تفکر کے لغوی معنی غور کرنے کے ہیں لیکن اس گروہ صوفیاء کے اعتبار سے چند طرح پر ہے کہا گیا ہے کہ اگر مرید شمار کرنا چاہے کہ تفکر کس چیز میں کیا جائے تو نہیں کرسکتا ہے اور بعضوں کا قول ہے ازل اور ابد میں تفکر کیا جائے سالک وقت نکال کر ازل میں غور وفکر کرے وہ اس طور پر کہ معلوم نہیں قسام ازل نے میرے لئے قربت لکھی ہے یا دوری اور علاحدگی، یہاں پر اپنے اعمال اور افعال کا جائزہ لے اور دیکھے کہ مقربین بارگاہ کے اوصاف مجھ میں ہیں یا جو اس سے کٹے ہوئے ہیں ان کی صفتیں میرے اندر ہیں اور واصلین بحق کے اوصاف وہ چیزیں ہیں جن پر عمل کے صلہ میں خوشخبریاں دی گئی ہیں اور جو حق تعالیٰ سے منقطع ہے ان کے اوصاف وہ چیزیں ہیں جس کے اعتبار کرنے سے دھمکایا گیا ہے اگر وہ اپنے اندر راندۂ درگاہ کی صفتیں دیکھے تو کوشش کرے کہ اپنی قطعیت کی ان صفتوں کو بدل ڈالے اور خود میں اہل قربت یعنی

صالحین کے اوصاف پیدا کرے اب یعنی اس تفکر کے بعد جو بھی عبادت کرے گا وہ عبادت خاص اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہوگی اور یہ عبادت بہشت کی طمع اور دوزخ کے خوف سے نہ ہوگی اور (اس کے دماغ سے) ان دونوں چیزوں کا خیال ہی ختم ہو جائے گا اور چاہئے کہ طمع بہشت اور خوف دوزخ دونوں ہی کے طرف سے نگاہ پھیر لے وگرنہ تفکر سے قبل عبادت کرنے والا طمع بہشت اور خوف دوزخ میں مبتلا رہے گا اور اس گھڑی دائمی عبادت محبت سے منقطع رہے گا۔

ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم کی تشریح

اس آیتہ میں کہ "وادعوہ خوفا وطمعاً" (اللہ کو ڈر اور اچھی امید کے ساتھ پکارو) علمائے ظاہر اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ "خوفا من الجھنم وطمعا الی الجنة" (اس کو پکارو جہنم کے خوف اور جنت کے شوق وطمع کے ساتھ اس کو)

لیکن مشائخ طریقت کہتے ہیں "وادعوہ خوفا من القطیعة وطمعاً الی المحبة" (تعلق کے ٹوٹ جانے کے خوف اور محبت کی طمع اور لالچ کے ساتھ اللہ کو پکارو۔) اور اس کے بعد فرمایا کہ تفکر ساعة خیر من عبادة سنة بغیر تفکر کے چند رکعت نماز ادا کر لینا بہت آسان ہے ایسی نماز سے کیا کشود کار ہوگا برعکس اس کے اگر تفکر ہے تو وہی نماز ایسی نماز ہو جائیگی اور ایسا کشود ہوگا کہ جس کی کوئی حد نہیں اور اس ظاہری عبادت سے جو راہ ایک سال میں طئے کرے گا اگر تفکر کے ساتھ ہوگی تو ایک ساعت میں طئے کر لے گا یعنی تفکر کے قبل جو عبادت تھی وہ جہنم کے خوف اور جنت کے لالچ سے تھی بعد تفکر جو عبادت ہوئی وہ حق تعالیٰ کی محبت کے طمع میں اور اس کے راندۂ درگاہ ہونے کے خوف سے ہوئی تو یہ ایک پل کی عبادت ایک سال سے کم ہوئی؟ اور اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز قرآن پاک میں بے شمار (جگہ) تفکر کا ذکر فرمایا ہے اور تفکر کرنے والوں کی ستائش کی ہے جیسا کہ کہا ہے "الذین یذکرون اللّٰہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا" یعنی اور وہ لوگ جو خدائے تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہو کر بیٹھ کر اور کروٹ کروٹ لیٹے ہوئے اور تفکر کرتے ہیں زمین و آسمان کے پیدائش

میں تا کہ ان کی بصیرت زیادہ ہو اور کہتے ہیں اے مرے پروردگار ان چیزوں کو تو نے بیکار نہیں پیدا کیا اور یہ تیرے کمال قدرت اور حکمت کی دلیل ہے۔

تلاوت قرآن پاک کی اہمیت

حضور رسالت پناہ ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا ''اعطوا اعینکم حظا من العبادۃ '' یعنی اپنی آنکھوں کو اپنی عبادت سے حصہ دو عرض کیا یا رسول اللہ عبادت میں آنکھوں کا حصہ کیا ہے؟ فرمایا ''النظر فی المصحف و التفکر فیہ و الاعتبار بہ عند عجائبہ ''یعنی قرآن کو آنکھوں سے پڑھنا اور غور و فکر کرنا اس میں اور قرآن کے عجائب کے بیان کرنے کے وقت عبرت حاصل کرنا۔

اللہ کی ذات میں تفکر کی ممانعت

حضرت رسالت پناہ ﷺ نے تفکر کا فرمان خداوند تعالیٰ کے افعال میں کیا ہے فرمان ہے کہ ''فکروا فی الاء اللہ ولا تفکر و افی اللہ ''(اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرو اور اللہ کی ذات میں فکر و غور مت کرو) جو شخص خدا کی ذات و کنہ میں فکر کرے گا فوراً کفر میں مبتلا ہو جائے گا اس حکم کے اعتبار سے یا تو تعلیل دلائل یا تشبیہ میں مبتلا ہوگا یہ اس لئے تفکر کا مرجع یا تو محدود ہوگا یا محصور تا کہ اسی ایک حد اور حصار کے اندر تفکر یعنی غور و خوض کی جولا نگاہ ہو اور ذات پاک باری تعالیٰ چونکہ محدود و محصور نہیں ہے تفکر کی وہاں گنجائش کیسے ہوگی۔ چنانچہ ضرور وہ دلائل یا تشبیہ میں مبتلا ہو جائے گا اس کے بعد یہ رباعی ارشاد ہوئی ۔

در آئینہ گر عکس جمالت بیند — یا ناز و کرشمہ و دلالت بیند
گوید کہ بدور سیدم آں ہست محال — کے ذرہ بخود نور جلالت بیند

اور یہ شعر ارشاد ہوا ۔

انچہ نزد تو بیش از اں رہ نیست — غایت و ہم نست اللہ نیست

تفکر کے فوائد

مجلس شریف میں تفکر کے ثمرات کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا تفکر کا بہت سارا عالم ہے اور بہت سارا حال، ہے بہت سارا عمل ہے لیکن (تفکر کے لئے) علم ما حصل اور خاص ہے، جب علم دل میں حاصل ہوا وہی علم حال دل ہو گیا اور جب حال ہو گیا تو اعضاء یعنی دست و پا کا عمل بھی بن گیا، اور جب گردش میں آیا تو روش میں آ گیا اور کشش میں آ گیا۔ کہا گیا ہے "**جذبة من جذبات الحق توازی عمل الثقلین**" جذبہ حق تعالیٰ کی کششوں میں سے ایک کشش ہے جو تمام جن وانسان کے عمل کو چھپا دیتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا بزرگوں نے سفر دو طرح کے بیان کئے ہیں، کہتے ہیں کہ مقصد دو قسم کے ہوتے ہیں اس لئے سفر بھی دو قسم کے ہوں گے ایک سفر بدن کا سفر ہے جو عالم اسفل میں ہوتا ہے اور مقصد اس کا اجسام اشخاص اور عبادات اور موجودات ظاہر کا حصول اور ملاقات ہے۔ اور یہ سفر حرکت میں آنا اور ذریعہ اس کا حرکت پر قدم بڑھانا ہے اور دوسرا سفر سفر قلب ہے جو عالم اعلیٰ میں ہوتا ہے اور اس سفر کا مقصد آثار قدرت و حکمت و صناعت اور مکونات غیبی کی تلاش و جستجو ہے اور یہ سفر تفکر سے طئے کیا جاتا ہے اور اس کا سامان و ذریعہ بصیرت ہے۔ جس طرح ہر سفر کے لئے زادراہ خرچ و اخراجات اور سامان خورد ونوش کی ضرورت ہے تا کہ منزل مقصود تک پہنچے اسی طرح اس تفکر کا کرنا جو سفر باطن ہے اس کے لئے علم شریعت وطریقت درکار ہے تا کہ اس تفکر کے ذریعہ مقام مقصود حاصل کر سکے اور آدمی جس چیز کو برسہا برس میں عمل و عبادت کے ذریعہ حاصل کرتا ہے وہ چیز اور وہ مقصد تھوڑی سی مدت میں تفکر کے ذریعہ فکر کرنے والوں کو حاصل ہو جاتا ہے جب رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک گھنٹہ کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے اور یہ تفکر دین میں اور مخلوقات کی آفرینش (و پیدائش) کے احوال اور اس کی صنعت و حکمت میں غور وخوض، تلاش و جستجو کا استفادہ کرنا ہے بلاشبہہ ایسا تفکر ساٹھ سالہ عبادت کے برابر ہوگا یہ اس لئے کہ اور اعمال بدن کی حرکت سے متعلق ہیں اور تفکر دل کی حرکت ہے دل چونکہ لطیف اور نازک ہے اس لئے تیز رفتار ہے بدن اپنی حرکت اور عمل سے جس راہ کو ساٹھ سال میں طئے کرتا ہے دل اپنی لطافت اور تیز رفتاری کے باعث اسے ایک

پل میں طئے کر لیتا ہے۔

اس موقع پر یہ اشعار ارشاد ہوئے ؎

جاں پلیدی داشت تن پستی زخاک — مجتمع شد خاک پست و جان پاک

چوں بلند و پست باہم یا رشد — آدمی عجوبہ اسرار شد

لیک کس واقف نہ شد ز اسرار او — نیست کارے ہر گدائے کار او

اس کے بعد ارشاد ہوا۔ سالک اس تفکر میں ایسا ہوتا ہے کہ حرکت میں آنے کی قوت ختم ہو جاتی ہے ایسی کہ وہ نماز بھی بے تکلف ادا کرتا ہے اور یہ قرآن میں موجود ہے کہ ''**یوم تبلی السرایر فماله من قوة ولا ناصرای یوم تظهر السرایر**'' قیامت میں وہ گھڑی کہ جس وقت پوشیدہ اور پنہاں کو ظاہر کریں گے تو اس وقت نہ قوت باقی رہے گی اور نہ کوئی مددگار ہوگا تو سالک جس وقت تفکر میں ہوتا ہے وہ چیزیں جو اس کے باطن میں چھپی ہوتی ہیں وہ سب اس پر کھل جاتی ہیں اور اس حال میں وہ اس حد کو پہنچ جاتا ہے کہ جنبش اور حرکت میں آنے کی قوت اس میں نہیں رہتی تو گویا کہ یہ سب کچھ عرصہ محشر میں ہے۔

اس موقع پر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ اگر تفکر کی اس حالت میں وہ نفل نمازیں جو اس نے اپنے لئے مقرر کر لی ہیں چھوٹ جائیں تو ان نمازوں کی قضاء کرے یا نہ کرے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر چاہے تو قضا کرے یا نہ کرے دونوں برابر ہے۔ یہ اس لئے کہ تفکر ان مقرر کردہ نمازوں اور اوراد سے بہت ہی اعلیٰ ہے تو یہ قوت ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوگی۔

شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ اگر یہاں پر پیر کا فرمان اور ان کی بتائی ہوئی چیزیں فوت ہو جائیں تو کیا کرے؟

ارشاد ہوا کہ یہاں پر بھی وہی حکم ہے اور پیر مرید کو جن باتوں کا حکم دیتا ہے وہ مرید کی اصلاح اور درستگی کے لئے ہوتا ہے تو مرید اگر خود کو کسی دوسری چیز میں دیکھے کہ اس میں

میری اصلاح اور درستگی ہے تو فرمان پیر کے ترک کرنے میں کوئی ڈر نہیں ہے اور پیر اس وقت حکم دیا کرتے ہیں جس وقت تک وہ دیکھتے ہیں کہ مرید مبتدی ہے اور جب وہ ابتدائی منزل سے گذر جاتا ہے تو اس کے بعد وہ خود اپنے کو جس چیز میں درست دیکھے گا وہی اختیار کرے گا لیکن یہ ضروری ہے کہ دن بدن اپنے آپ کو مخلوق کے رسم و عادت سے پاک کرے اور خلق کے رسم و عادت سے باہر آنے (اور دور ہونے) سے وہ خلق کی نظر سے گرے گا اور خلق اس کی نظر سے گر جائیں گی تو اس وقت (دراصل) جو معنی اُسے پیش آئے گا وہ مقصود تک لے جائے گا اور اگر ایسا نہیں ہوا تو خلق کے ساتھ راہ و رسم رکھے کیونکہ جو معنی پیدا ہوا اسے اس مقام مقصود تک نہیں لے جا سکتا۔

محاسبہ کا وقت

خاکسار نے عرض کیا کہ مراقبہ اور تفکر کے لئے کوئی اوقات معین کئے گئے ہیں یا جس وقت بھی چاہے مراقبہ اور تفکر میں رہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا جس وقت بھی چاہے کرے اور مراقبہ بھی اسی طور پر ہے اس کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں لیکن محاسبہ مغرب کی نماز کے بعد کیا کرتے ہیں۔

مراقبہ کا طریقہ

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ شیخ نظام الدینؒ کے ملفوظ میں مراقبہ کے بیان میں مذکور ہے کہ سر کو زانو میں ڈال کر ٹیک لگا کر بیٹھے اور مراقبہ کرے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ مراقبہ کے مختلف طریقے ہیں ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ سر کو زانو میں رکھے اور رسول اللہ ﷺ نے مراقبہ اس طور پر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مراقبہ کے وقت سر کو زانو میں رکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



انتیسواں باب

بندگی کرنے اور بندہ ہونے کے بیان میں

بندگی کرنا اور بندہ ہونا کیا ہے؟

مجلس شریف میں بندہ ہونے اور بندگی کرنے کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ بندگی کرنا یہ ہے کہ جو احکام ہیں ان کو بجالائے اور بندہ ہونا یہ ہے کہ جو ذمہ داری بھی تم پر ڈالی گئی ہے تم اس پر قائم رہو اور اس کے لئے مستعد و آمادہ رہو۔ بزرگان دین کہتے ہیں کہ شیطان نے ایک مدت تک بندگی کی لیکن ایک لمحہ کے لئے بھی بندہ نہ بن سکا۔

مقام عبودیت

استاد بوعلی دقاق سے منقول ہے انہوں نے کہا "**العبودیة اتم من العبادة فا لاول عبادتہٗ ثم عبودیتہٗ فالعبادة للعوام من المومنین والعبودیة للخاص من**

الخواص" یعنی بندہ ہونا عبادت ہی سے عبارت ہے اور اسی سے اس کی تکمیل ہے تو اوّل عبادت ہوئی اس کے بعد بندگی ہوئی اس کے بعد بندہ ہونا عبادت ہوا عبادت عامۃ المومنین کے لئے ہے اور بندگی خاص الخواص کے لئے ہے اور اس کی تشریح اس عبارت سے کی گئی ہے "العبادۃ لمن له علم الیقین والعبودیة لمن له عین الیقین" عبادت صاحبان حق الیقین کے لئے ہے اور عبودیت ارباب عین الیقین کے لئے۔ ایک دوسرے بزرگ نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عبادت اہل مجاہدہ کے لئے ہے اور عبودیت ارباب عظیمت ہی کے لئے ہے اور عبودیت صاحبان مکاشفہ کا حصہ ہے۔ اسی موقع پر یہ شعر ارشاد ہوا ؎

نیست ممکن درمیان خاص و عام　　از مقام بندگی برتر مقام

عبودیت کب مکمل ہوتی ہے

اور خواجہ محمد بن خفیف علیہ رحمۃ سے پوچھا گیا عبودیت کب درست ہوتی ہے تو انہوں نے فرمایا " اذا طرح کله علی مولاہ وصبر معه علی بلواہ" یعنی جب وہ اپنے تمام کاموں کو اللہ پر چھوڑ دے اور اس کی بلاؤں پر صبر کرے۔

مردان آزاد کون؟

مولانا نصیر الدین ملخص احیاء العلوم پڑھ رہے تھے جب اس جملہ پر پہنچے " قلوب الاحرار قبور الاسرار" (احرار کے قلوب اسرار کی قبریں ہیں) یہ جملہ مشائخ کے حق میں استعمال ہوا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مردان آزاد یہی حضرات ہیں ہم لوگ ہر طرح پر (اور ہر اعتبار سے) بندے ہی نہیں ہیں بلکہ خواہشات کے بندے ہیں۔

عبد کے دعویٰ کی دلیل آسان نہیں

مجلس شریف میں اس کا ذکر آ گیا کہ کل قیامت کے دن انا عبداللّٰہ (ہم لوگ اللہ کے بندہ ہیں) اس دعویٰ میں صدق کا مطالبہ ہوا تو اس مطالبہ کو پورا کرنا آسان نہیں ہوگا۔

طالبین حق تعالیٰ کے خاص بندے ہیں

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا جب تک کسی شخص کا تعلق کسی چیز کے ساتھ

ہے وہ اس میں مقید ہے اور اسی چیز کا بندہ ہے یہ اس لئے کہ بندگی کے معنی ہی یہی ہیں کہ آدمی کسی چیز کا مقید ہو اور اس کی اصل خود صاحب شرع علیہ السلام نے فرمادی ہے ارشاد ہے "تعس عبد الدنیا و تعس عبد الدرھم" حضور ﷺ نے جب دینار و درہم کی محبت میں لوگوں کو مقید دیکھا تو ارشاد ہوا "تعس عبد الدنیا و تعس عبد الدرھم" دینار و درہم کے بندوں کی ہلاکت ہو اور پیغمبر ﷺ کی بات غلط نہیں ہوسکتی تعس یعنی ہلاک ہونے کے معنی میں ہے اور اس ہلاکت سے مراد مرنا یا ختم ہو جانا نہیں ہے بلکہ اس سے ہلاکت آخرت مراد ہے یعنی وہ بدبختوں میں سے ہے اور دوزخ میں جائے گا تو جو شخص جس شئے کا طالب ہے وہ اسی کا بندہ ہے اور وہی اس کا قبلہ و مطلوب ہے خواہ دس مطلوب ہو خواہ بیس مطلوب، جس مقدار میں جس چیز کی طلب اس کو ہے وہ اسی مقدار میں اس کا بندہ ہے۔ اس حکم کے تحت جو نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا یعنی عبد الدینار و عبدالدرھم (یعنی دینار و درہم کے خواہش مند و طلب گار کو) بندۂ درہم و دینار یعنی بندۂ زر فرمایا گیا ہے اور اسی باعث ارباب معرفت اور اصحاب سلوک خود کو کسی چیز کے ساتھ مقید نہیں کرتے جس چیز سے ان کو ذرہ برابر بھی تعلق اور لگاؤ پیدا ہوا اس کو فوراً اپنے پاس سے دور کر دیتے ہیں اور اس کی قید سے باہر آجاتے ہیں اور یہ ان کی ایک ہمت ہو جاتی ہے اور یہ حق تعالیٰ کے محبین اور طالبین ہی کا خاصہ ہے اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

باغ فردوس میارائے کہ ما رندانیم   سر آں نیست کہ در دامن خود آویزم

اور کہا ہے انت عبد من انت فی رقه و اسره یعنی تم اس چیز کے بندہ ہو جس کی غلامی اور گرفتاری میں ہو۔ اگر تم اپنے نفس و خودی کے اسیر ہو تو تم خودی کے بندہ ہو اور اگر دنیا کی قید میں ہو تو تم دنیا کے بندہ ہو۔ خواجہ ابویزیدؒ نے ایک شخص کو دیکھا پوچھا کہ تمہارا پیشہ کیا ہے اس نے کہا بندہ خر ہوں فقال امات اللّٰه حمارک لتکون عبد اللّٰه لا عبد الحمار فرمایا اللہ تیرے گدھے کو موت دے دے تاکہ تو خدا کا بندہ بن جائے نہ کہ گدھے کا بندہ رہے۔

سفر ہمت کی دو قسمیں

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اس مقام کی بات ہے جو کہی گئی ہے کہ سفر دو ہے ایک سفر خود اپنے اندر ہے دوسرا سفر اپنے آپ سے سفر کرنا ہے۔ اپنے اندر سفر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا جو بھی ہے ان سب سے علائق اور جملہ قسم کے تعلقات و ہر طرح کے محبوبات اور وہ تمام چیزیں جن سے اس کو انس ولگاؤ ہوا سے دور کر دے اور ہمت کو ان سب کی طرف سے ہٹالے ایسے ہی شخص کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس عالم (دنیا) میں رہتے ہوئے عالم (دنیا) سے باہر ہیں اور یہ مثنوی ارشاد ہوئی ؎

ہمچو یوسف بگذر از زندان چاہ　　تا شوی در مصر عزت بادشاہ
گرچنیں ملک مسلم آیدت　　یوسف صدیق ہمدم آیدت

حاضرین مجلس اور بندۂ درگاہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا مطالعۂ سلوک میں جہاں کہیں تمہیں یہ نظر آئے کہ فلاں درویش دنیا سے باہر آ گیا ہے اس سے یہی مراد ہے اور یہ اس لئے کہ دنیا میں ہونے سے مقصود دنیا کے تصرفات ہیں اور عالم (دنیا) سے نفع اندوز ہونا ہے جب وہ دنیا سے منقطع ہو گیا تو گویا وہ دنیا میں نہیں ہے ایسے شخص کا اس عالم میں ہونا صرف ظاہری حیثیت سے ہے اور بس۔

اس سفر اوّل کے بعد دوسرا سفر ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح اس سے پہلے متعلقات اور محبوبات اور جن چیزوں سے انس ولگاؤ تھا۔ سب سے باہر آ چکا ہے اسی طرح اپنی خواہش اور اپنے ارادہ سے بھی باہر نکل آئے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے ارادہ پر قائم ہو جائے اور یہ ساری چیزیں طاعات (احکامات) پر عمل اور حرامکاریوں سے پرہیز ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس لئے کہ اللہ کی مرضی اور اس کا ارادہ طاعات کے اختیار اور محرمات سے اجتناب میں تو سب کو معلوم ہی ہے۔ اب رہ گئی ایک وہ قسم جو مباحات میں سے ہے یعنی جائز اور ناجائز میں جس کا ترک واختیار برابر ہو۔ تو یہاں پر مباحات میں ارادہ کو ترک کر دے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارادہ پر قائم ہو جائے مثلاً جس طرح صحت اور مرض، تونگری اور فقیری اور جو چیزیں بھی مباحات میں سے ہیں۔ یہ دو طرح کی ہیں ان میں سے ایک چیز اگر سامنے آئے اور اسی حال میں رہے تو اس کا ازالہ اپنی جانب سے نہ چاہے اگر حق تعالیٰ کی مراد صحت ہونا ہے تو اس کی مراد بھی صحت

ہو، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد صحت ہے نہ اس سبب سے کہ صحت کو خود عزیز رکھتا ہے۔ اور اسی طرح مریض کو اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی بیمار رکھنے کی ہے تو بیمار رہے مرض کا ازالہ نہ چاہے کیونکہ بیماری کے ازالہ میں خود اس کی مرضی اور خواہش کا پیدا ہونا ہے، ایسا شخص جو اپنے ارادہ اور دخل کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اختیار کے تابع بنائے ہوئے ہے اگر ذرہ برابر ایک لحظہ اور ایک لمحہ بھی کام اللہ کی مرضی اور ارادہ پر نہ کرے تو یہ کہیں گے کہ صرف زبانی دعویٰ کرتا ہے ایسے لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ دیا خدا نے دیا ہے اور جو کچھ ہوا خدا کے ارادہ سے ہوا ہے۔ کیونکہ جس چیز کو اس نے قبول کیا وہ خدا کی طرف سے قبول ہوا ہے اور جس کو اس نے رد کیا وہ خدا ہی نے رد کیا ہے کیونکہ اس کا اپنا ارادہ درمیان سے ختم ہو چکا ہے جو بھی ارادہ ہے وہ حق تعالیٰ ہی کا ارادہ ہے اور حق تعالیٰ ہی کے ارادہ سے ہوا ہے یہ اضافت جو اس کی طرف معلوم ہوتی ہے ظاہری ہے۔

اللہ کے ارادہ کا علم کبھی بزرگوں کو بھی ہوتا ہے

خاکسار نے عرض کیا کہ کیا اس کے اپنے حق میں مثلاً بیماری، صحت، تونگری اور تنگدستی میں اللہ کے ارادہ اور منشاء کی اطلاع اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ یہ سب چیزیں اس کے اختیار میں نہ تھیں اور یہ سب چیزیں اس کے اختیار کے بغیر محض اللہ کے ارادہ سے اسے ملی ہیں لیکن وہ چیزیں جس کا تعلق کھانے اور پہننے وغیرہ سے ہے اس میں اللہ تعالےٰ کے ارادہ اور منشاء کی اطلاع ایسے اشخاص کو کس طرح ہوگی؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کے بارہ میں اطلاع اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے ان لوگوں کو ہوتی ہے ایسے مردان خدا کے دل پر اللہ کی جانب سے اطلاع ملتی ہے اور وہ لوگ اپنے دل میں اس بات کو ظاہری طور پر پاتے ہیں اور سنتے ہیں کہ یہ کام کرو اور یہ نہ کرو اور وہ اسی پر کاربند اور پابند ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر مال وزر ان کے سامنے لائے جائیں تو اللہ تعالےٰ کی بخشی ہوئی آگاہی جو ان کے قلوب پر ہوتی ہے۔ وہ اس غیبی آواز کو سنتے ہیں اگر حکم ہوتا ہے لے لو تو اس وقت قبول کر لیتے ہیں اور اگر یہ سنتے ہیں کہ نہیں ہرگز نہیں تو وہ لینے سے رک جاتے ہیں اور رد کر دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔



تیسواں باب

حریت کے بیان میں اور کچھ اس کے مناسبات سے ہے

مجلس شریف میں خاکسار ''مثنوی مولانا روم'' پڑھ رہا تھا۔ جب یہ شعر پڑھا ؎

مہر یکے مشتے کہ از حق پر بود　　گر بدیہی گنجہا او حر بود

تو حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس شعر کی مناسبت سے ایک حکایت بیان فرمائی کہ میں نے شیخ زادہ چشتی سلمہ اللہ سے یہ حکایت سنی ہے وہ کہتے تھے کہ میں ایک وقت مصر گیا مصر کے نزدیک ہی ایک پہاڑ ہے جسے جبل الفتح کہتے ہیں درویشوں کو اس پہاڑ میں کشود کار ہوتا ہے ہر وہ فقیر جو یہاں پہنچا ہے اور مشغولی اختیار کی ہے اسے بہت زیادہ کشود وفتوح حاصل ہوا ہے اور اسی وجہ سے اس پہاڑ کو جبل الفتح کہتے ہیں اور ابھی بھی دس بیس فقراء ایک دو سال تک اس پہاڑ میں قیام کرتے ہیں الغرض جب میں مصر پہنچا تو کہا کہ اس پہاڑ کے متعلق میں نے سنا ہے

اور مجھے لگن ہے کہ اس پہاڑ کو دیکھنا چاہئے وہاں اچھے اچھے فقراء رہتے ہیں ان کی زیارت سے مشرف ہوں جب میں شہر پہنچا تو اس پہاڑ پر جانے کا ارادہ کیا۔ مصر کے نزدیک ہی ایک قصبہ ہے وہاں پہنچا قصبہ والوں سے دریافت کیا کہ آج کل اس پہاڑ میں فقراء رہتے ہیں؟ اور کیا ان سے ملاقات ہوتی ہے ان لوگوں نے کہا اس وقت ایک درویش ہیں جو وہاں مقیم ہیں جمعہ کے دن وہ مسجد جاتے ہیں اور وہاں نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد ممبر پر تشریف لے جاتے ہیں اور بیان فرماتے ہیں اور پھر وہاں سے اس پہاڑ میں لوٹ آتے ہیں۔ جمعہ کا دن قریب ہی تھا میں نے توقف کیا جمعہ آ گیا میں مسجد میں حاضر ہوا وہ درویش بھی آئے بعد نماز جمعہ ممبر پر گئے اور بیان شروع کیا شیخ زادہ نے کہا کہ میں چند زبان جانتا ہوں ترکی، فارسی، عربی لیکن جس زبان میں اس درویش نے تقریر کی میں نے بہت چاہا کہ کچھ بھی سمجھ میں آئے نہ آ سکا۔ اور میں نہ سمجھ سکا کہ وہ کون سی زبان تھی، میرے اردگرد جتنے لوگ تھے ان سب کو اس فقیر کے بیان سننے سے ذوق اور حال پیدا ہوا اور وہ لوگ نعرۂ ہاو ہو لگانے لگے ایک دو بات ادھر ادھر سے میں نے بھی سمجھا اور مجھ کو بھی ذوق پیدا ہوا خود اپنے آپ کو یہ سمجھا کر تسکین دی کہ ان کے کلمات سے میرے حصہ میں کچھ نہیں ہے یہی سبب ہے جو میں کچھ سمجھ نہ سکا جب وہ (بزرگ) اپنا بیان ختم کر چکے تو ممبر سے اترے اور پہاڑ کی طرف چلے گئے۔ لوگ مسجد میں ان کے ہاتھ کو بوسہ دے رہے تھے میں نے سوچا مجھے کیا کرنا چاہئے۔ (تو خیال ہوا) تنہا جانا بہتر ہے غرض اس پہاڑ پر گیا جتنے فقرا اس پہاڑ میں قیام پذیر ہوئے تھے ان کے چلہ کا نشان بنا دیا گیا ہے ان مقامات کی میں نے زیارت کی اور ان بزرگ کی تلاش شروع کی تو دیکھا ایک چٹان کے نیچے اس کے سایہ میں تشریف فرما ہیں چند دینار سرخ اپنے ہاتھ میں رکھ لیا تھا قریب گیا سلام کیا اور وہ دینار سرخ ان کے دامن پر رکھا انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا چشت سے انہوں نے فرمایا بڑی جگہ سے آئے ہو بڑی جگہ سے آئے ہو۔ ایک دو بار اس کلمہ کی تکرار کی اس کے بعد فاتحہ پڑھی اور اٹھ کھڑے ہوئے پھر وہاں سے دوسری جگہ چلے گئے وہ سب دینار ان کے دامن سے زمین پر بکھر گئے اور منتشر ہو گئے لیکن اس فقیر کو مطلقاً اس

کی خبر نہ ہوئی جب میں نے ان کے باطن کا یہ حال دیکھا تو مجھے لطف آ گیا ذوق پیدا ہوا اور میں نے یہ جان لیا کہ بہت زیادہ ریاضت کیے ہوئے ہیں اور اس مقام پر ہیں کہ پتھر اور سونا دونوں ان کے نزدیک برابر ہے ایسا کہ دونوں میں تمیز بھی اب باقی نہیں رہی ہے۔

اور اس کے علاوہ ایک بات اور بھی دیکھی جس سے مجھے ذوق پیدا ہوا وہ یہ کہ جس وقت ممبر پر تقریر کر رہے تھے (دوران وعظ) چیلڑ سے انہیں تکلیف ہوئی وعظ روک کر کپڑا اٹھایا چیلڑ کو کپڑے سے نکال کر ناخن پر رکھا اور مارا پھر اپنے کرتے میں رکھ لیا اس حال کو دیکھ کر میں نے فیصلہ کیا کہ خلق ان کی نگاہ سے کلیتاً ہٹ چکی ہے۔ اگر ذرہ برابر بھی ان کو لوگوں کے ساتھ التفات ہوتا یا مخلوق کی پرواہ ہوتی تو ہرگز وہ ایسی حرکت نہ کرتے ان درویش میں انہیں دو باتوں کے دیکھنے سے مجھے ذوق پیدا ہوا۔

اس حکایت سے مقصود یہ تھا کہ سونے کے ان چند سکون سے اس درویش کو ذرہ برابر بھی رغبت، تعلق یا میلان پیدا نہ ہوا اور وہ آزادانہ دامن جھاڑ کر نکل آئے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے مثنوی کے یہ اشعار ارشاد فرمائے ؎

ہر کہ او از رہ رو دگمرہ بماند	پائے بستہ در دروں چہ بماند
گر پلاسے خوابگاہت آمد است	ایں پلاست بند راہت آمد است
گر بسوزی ایں پلاس ایجاز بیم	کے رہی فرد از پہنائے جحیم
مرد معنی باش در صورت مپیچ	ہست معنی اصل وصورت ہیچ ہیچ
زر بصورت رنگ گرداند بسنگ	تو چو طفلی مبتلا گشتہ برنگ

ایک عزیز یعنی امام فخر الدین خواہر زادہ مخدوم نے عرض کیا اس فقیر نے ان سکوں کو دامن سے جو بکھیر دیا اور اسے نہیں سمیٹا اس سے تو مال کا ضائع کرنا لازم آتا ہے اور یہ حرام ہے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ درویش اس مقام سے بہت بلند اور آگے تھے وہ اشیاء کی حقیقت کو پائے ہوئے تھے۔ سونا کو وہ اسی حیثیت سے دیکھ رہے تھے جیسی کہ اس کی حقیقت ہے اور سونے کی حقیقت پتھر ہی تو ہے یہی وہ مقام ہے جس کی دعاء رسول کریم ﷺ

نے کی ہے کہ اللّٰھم ارنا الاشیاء کماھی (اے اللہ دکھا دیجئے مجھے اشیاء کی حقیقت جیسی کہ وہ ہے) اور اس سونے کے سکے کے رنگ یعنی چمک و دمک کی مثال گلتراشوں کی گل بندی سے دی گئی ہے جس طرح گلتراش موم سے قدم گاچھ بنا تا ہے سینکڑوں ہزاروں عجیب وغریب رنگ برنگ کے پھول پتے اس موم سے تیار کرتا ہے اگر تم اس رنگا رنگ پھول پتے کو ہاتھ میں لے کر تھوڑی دیر ملو تو پھر وہ سب وہی موم کا موم ہے۔

اسی طرح سونے کے اس سکہ کا رنگ وروپ ہے لیکن اس کی اصل وحقیقت یہی مٹی ہے تو اس بزرگ کی نگاہ باطن اس کے ظاہری رنگ وروپ سے بہت آگے تھی ان کی نظر اس کی اصلیت یعنی خاک ہونے پر تھی۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر یہ اشعار پڑھے ؎

چشم ہمت بر کشاورہ بہ بیں　　پس قدم دررہ نہہ و درگہہ بہ بیں
ہر کہ شد در عشق صورت مبتلا　　ہم ازاں صورت فتد در صد بلا

اور فرمایا حریت یعنی آزاد ہونا یہ ہے کہ مرد آزاد مخلوقات کے رقیق ترین پردہ سے بھی باہر ہو اور اس کے افق دل پر مخلوقات کا آفتاب کبھی بھی طلوع نہ ہوا ہو۔

حریت کی صحت کی علامت یہ ہے کہ اس دل سے اشیاء کی تمیز ختم ہوگئی ہو اس طرح سے کہ قابل قدر اور بے قدر دونوں ہی چیزیں اس کے نزدیک برابر ہوں۔ جیسا کہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے پیغامبر ﷺ سے عرض کیا "عزلت نفسی عن الدنیا فاستوی عندی حجرھا و ذھبھا" یعنی میں نے اپنے آپ کو دنیا سے موڑ لیا ہے اور میرے نزدیک پتھر اور سونا یکساں ہوگیا ہے۔

اور استاد ابو علی دقاق سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ جو شخص دنیا میں آیا اور اس نے دنیا کو چھوڑ دیا وہ دنیا سے آزاد ہوا اور جس نے آخرت کو بھی ترک کیا اس سے گذر کر آگے بڑھ گیا وہ آخرت سے آزاد ہوا اور یہ اشعار ارشاد ہوئے ؎

ذرۂ ہر کو ازیں سر یافتہ است　　سر ز ملک ہر دو عالم تافتہ است
مرد را در دیدہ اینجا غیر نیست　　زانکہ آنجا کعبہ ہست و دیر نیست

ہر کہ در دریاے وحدت گم نشد　　　گر ہمہ آدم بود مردم نشد

حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ اگر کسی شخص کے پاس دنیاوی سامان میں سے کچھ نہ ہو صرف خرما کی ابالی ہوئی گٹھلی ہو تو اسے حر یعنی آزاد کہیں گے؟ آپ نے فرمایا المکاتب عبد وان بقی علیہ درھم (جس مکاتب غلام کے ذمہ ایک درہم بھی باقی ہے وہ ابھی تک غلام ہی ہے)۔ اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ اشعار پڑھا ؎

بر درخت عشق نے برگست وبار　　　ہر کہ دارد برگ آں گو سر بر آر

ہر کہ او از خلق کلی مردہ نیست　　　میر کوچوں محرم ایں پردہ نیست

افغانستان کے ایک عظیم المرتبت فقیر عاشورہ کے دن مجلس شریف میں حاضر تھے عرض کیا کہ مال الصوفی مباح ودمہ ھدر (صوفی کا مال مباح ہے اور اس کا خون درست) کے کیا معنی ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص صوفی کے مال میں بغیر اجازت تصرف کرے تو متصرف پر صوفی دعوی نہ کرے اور اپنے مال میں اس کے تصرف کو جائز سمجھے اور اسی طرح اگر کوئی شخص کسی صوفی کو قتل کر دے تو اس پر خون کا دعوی نہ دنیا میں ہو نہ آخرت میں بلکہ اس کو موت کا سبب سمجھے منجانب حق تصور کرے اور درمیانی واسطہ اس کی نگاہ سے اٹھ جائے پھر اس درویش نے عرض کیا کہ شریعت میں کسی کے مال میں تصرف بغیر اس کی اجازت کے جائز نہیں اور کسی کو ناحق قتل کرنا درست نہیں اور طریقت میں یہ جائز اور درست ہے تو شریعت بہ اعتبار ظاہر، طریقت کے خلاف ہوتی اور شریعت وطریقت ایک ہی ہے تو پھر اس صورت میں اختلاف کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ شریعت وطریقت اس مسئلہ اور ہر مسئلہ میں ایک ہی ہے۔ ہاں! یہ جو کہا گیا کہ کسی کے مال کو بغیر اس کی اجازت کے خرچ کرنا درست ہے اس معنی میں ہے کہ صوفی کی جانب سے مال کے صرف کرنے سے پہلے متصرف کو ممانعت نہیں ہے اور اس کے مال کو بغیر اذن خرچ کرنے پر صوفی کا اس سے کوئی مطالبہ اور دعوی نہیں

ہے۔اس معنی کے اعتبار سے بظاہر تو اذن نہیں ہے لیکن چونکہ ممانعت نہیں ہے اس دلیل کے اعتبار سے معناً اجازت ہوئی اور جب اجازت آگئی تو مباح بھی ہوا۔

اور ہاں وہ جو ہدر کے بارے میں کہا وہ اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ جان کا بدلہ شریعت میں دو چیز میں سے ایک چیز ہے یا تو خون کا بدلہ خون یا خون بہا۔

صوفی کا قصاص:

جب صوفی کو قصاص کی طلب نہیں ہے اور خوں بہا بھی اس کو لینا نہیں ہے تو اسی معنی کے اعتبار سے ہدر (یعنی صوفی کا خوں بہا درست یعنی اس کے خون کے بدلہ میں نہ مال لیا جائے گا اور نہ خون کے بدلہ میں خون لیا جائے گا۔) کہتے ہیں۔لہٰذا حکم شریعت کے مطابق ہے مخالف نہیں۔اس کے بعد فرمایا کہ اس کی اصل اس بات سے نکلتی ہے کہ ارباب توحید کہتے ہیں لاملک الاللّٰہ (اللہ کے سوا کسی کی کوئی ملک نہیں) باعتبار حقیقت کسی کی کوئی ملک نہیں ہے۔ساری ملک خدا کی ہے (اصلاً) بندہ کسی چیز کا مالک نہیں اس لئے کہ بندہ تو خود دوسرے کی ملک ہے جو شخص خود کسی دوسرے کی ملک ہو وہ کسی ملک کا مالک ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ عبودیت اور مالکیت دونوں کسی ایک شخص میں جمع نہیں ہوسکتیں۔یہاں پر ایک شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جب بندہ کی کوئی ملک نہیں ہوتی تو پھر مال واسباب میں جو یہ تصرف کرتا ہے یہ کیا ہے اور کسی غیر کے مال میں تصرف ودرخور جائز نہیں؟

اس کا جواب اس طور سے دیا گیا ہے کہ خود شرع شریف نے بندوں کے تصرف کو جائز قرار دیا ہے اور شریعت ہی کے رو سے تصرف کی اجازت دی گئی ہے تو بندگان خدا شرعاً اللہ کی دی ہوئی ملک میں تصرف کا حق رکھتے ہیں چنانچہ شرع میں اس کی مثال موجود ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنے غلام کو اپنے مال وملک میں درخور اور تصرف کرنے کی اجازت دے دے اور وہ خرچ کرے حالانکہ وہ بندہ اس مال کا مالک تو نہیں ہے لیکن اس کا یہ تصرف شرعا جائز اور درست ہے۔واللہ اعلم۔



اکتیسواں باب

یقین کے بیان میں

مجلس شریف میں حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یقین ایمان کی قوت ہے یعنی قوت ایمان ہے اور (دوسری چیز) ضعف ایمان ہے یقین کی قوت یقین کے ضعف کے مقدار کے اعتبار سے جدا جدا ہے جس کو جتنا زیادہ یقین ہے وہ اتنا ہی زیادہ قوی الایمان ہے اور جس کا یقین جتنا کمزور ہے وہ اتنا ہی زیادہ ضعیف الایمان ہے اس مناسبت سے حضرت مخدوم جہاں نے یہ حکایت فرمائی۔

بلند مجاہدہ کیا ہے

حضرت جعفر حداد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا ابوتراب بخشی رحمۃ اللہ علیہ اور ہم ایک جنگل میں ایک تالاب کے کنارہ قیام پذیر تھے اور ہمیں بغیر آب ودانہ سولہ دن گذر گئے تھے۔ خواجہ ابوتراب بخشیؒ نے مجھ سے پوچھا آپ کا یہ مجاہدہ کیسا ہے؟ میں نے جواب دیا

میں علم ویقین کی منزل سے گذر رہا ہوں دیکھنا یہ ہے کہ کون غالب آتا ہے جس حال کا غلبہ ہوگا میں اسے اختیار کرلوں گا اگر علم غالب آیا تو افطار کرلوں گا اور اگر یقین کا غلبہ ہوا تو اور آگے بڑھوں گا۔ خواجہ ابو تراب بخشیؒ نے فرمایا آپ کا مجاہدہ بہت بلند ہے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر یہ شعر پڑھا ؎

چوں قدمت شد بہ یقین استوار   گرد ز دریا نم از آتش بر آر

(جب یقین پر تیرے قدم جم گئے تو دریا سے دھول اور آگ سے تری لے آئے گا۔)

علم ویقین میں فرق

اس کے بعد حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر طاہر رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا ''العلم یعارضه الشکوک والیقین لا شک فیه ''علم میں شک وشبہہ کی گنجائش ہے اور یقین میں ذرہ برابر شک نہیں اور کہنے والے نے اس کی جانب اشارہ کیا ہے کہ ایک علم کسبی ہے اور دوسرا وہ جو مبداء فیاض کی جانب سے جاری وساری ہے وہ وہبی ہے اور (دراصل) وہی یقین ہے اور ایسا ہی اس گروہ (صوفیہ) کے علوم جو ابتداء میں علم ہوتے ہیں وہی انتہا میں یقینی کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں اور یہ اسی مقام کی بات ہے جو لوگوں نے کہی ہے ''الیقین ھو العلم المستودع فی القلوب'' (یقین وہ علم ہے جو دلوں میں ودیعت کردیا گیا ہو) یہ اشارہ بھی اسی کی نسبت ہے کہ علم یقین کسبی نہیں ہے۔

خاکسار نے پوچھا کہ اس کی کیا شکل ہوگی کہ شک علم کا معارض ہے یقین کا معارض نہیں حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کو یوں سمجھئے کہ آدمی کو اللہ تعالی کی رزاقی کا علم ہے کہ وہ رازق العباد کل کی روزی کا بھی رزاق ہے اس کے باوجود کل کی روزی کی فکر میں مبتلا ہے کہ کل صبح روزی ملے گی یا نہیں اور یہی وہ شک ہے جس کا علم میں دخل ہے اور یقین یہ ہے کہ کل کی روزی کی فکر آج نہ ہو کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر کل زندہ رہا تو رزق مل کر رہے گا کیونکہ رزق کا وعدہ کیا گیا ہے اس موقع پر یہ شعر ارشاد ہوا ؎

ترک ترتیب رخش توحید است   نفی ترتیب محض تجرید است

خاکسار نے عرض کیا کہ یقین کسی چیز میں کرنا چاہئے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یقین حق سبحانہ تعالی کے وعدہ اور وعید میں کرنا چاہئے۔ اللہ رب العزت کی جانب سے جتنی خوشخبریاں ہیں ان کو موجود جانے اور اس کی طرف سے جتنے خوف وعذاب کی دھمکیاں ہیں ان کو بھی موجود سمجھے ایسا کہ وعدہ اور وعید کو پورا ہونا ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ ''**وما من دابة فی الارض الا علی اللّٰه رزقها**'' (اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو) میں رزق کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور اس کو اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ جب اس بات پر یقین ہوگا تو حرص بھی نہ ہوگی اور نہ کسی سے کوئی امید رکھے گا۔ کچھ لوگوں کو اس درجہ یقین ہوتا ہے کہ اگر وہ بازار میں بیٹھے ہوں اور ان کے سامنے انواع واقسام کی نعمتیں اور سامان و اسباب موجود ہیں لیکن ان کا دل ایسا آسودہ ہوتا ہے کہ اصلا اس کی طرف رغبت نہیں ہوتی پھر وہاں سے اٹھ کر اگر جنگل چلے جائیں تو وہاں بھی ان کا دل اسی طرح آسودہ ہو جیسا کہ بازار میں تھا۔ ایسے ہی لوگوں کو ارباب یقین کہا جاتا ہے۔ اکثر بزرگوں نے اسی یقین کی قوت پر جنگل کا سفر اختیار کیا ہے اور اکثر بزرگ جو جنگلوں میں بیس روز اور ایک ماہ تک چلے ہیں اور اسی یقین کی قوت کے سہارے چلا کئے ہیں اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

اہل یقیں طائفہ دیگراند　　　ما ہمہ پائیم گر ایشاں سراند

علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین

مجلس شریف میں علم الیقین کا ذکر آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ اپنے درجہ کے اعتبار سے تین ہیں: پہلا علم الیقین، دوسرا حق الیقین اور تیسرا عین الیقین۔

علم الیقین: اس کی مثال یوں ہے کہ اگر کوئی شخص دیوار کے پیچھے سے کوئی آواز سنے تو اس کو دیوار کے عقب میں کسی جاندار کے ہونے کا یقین ہو کہ وہاں کوئی جانور ہے اور یہ اسی کی آواز ہے یہ اس لئے کہ آواز بغیر کسی جانور کے ممکن نہیں یہ مثال علم الیقین کی ہوئی۔

حق الیقین: اگر وہی آواز ایک مرتب انداز کی ہے اور معنی دار ہے تو یقین علم سے سمجھا جائے گا کہ یہ آواز کسی آدمی کی ہے۔ یہ اس لئے کہ آواز مرتب اور معنی دار ہے اور یہ انسان کے علاوہ کسی اور کی ممکن نہیں۔ یہ مثال حق الیقین کی ہے۔

عین الیقین: ہاں اتنی بات رہ جاتی ہے کہ مرتب اور معنی دار آواز زید کی ہے یا عمر کی۔ جب دیوار کے پیچھے جا کر دیکھا تو یقین کے ساتھ یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ آواز شخص معین کی ہے اور یہ عین الیقین کی مثال ہوئی۔ اس کے بعد فرمایا عقیدہ کے مسئلوں میں تینوں کی مثال یہ ہوگی کہ بہشت و دوزخ پر قرآن و حدیث کے مطابق ایمان لانا علم الیقین کے درجہ میں ہے اور بہشت و دوزخ کو دلائل اور براہین سے ثابت کرنا بمنزلہ حق الیقین ہے اور اس دنیا میں بہشت و دوزخ کا دل کے آنکھ سے اس طرح مشاہدہ کرنا کہ کوئی حجاب نہ ہو یہ بمنزلہ عین الیقین ہے۔

یقین کی تین قسمیں

اس کے فوراً ہی بعد یقین کی تقسیم فرمائی گئی ارشاد ہوا یقین کی تین قسمیں ہیں۔ یقین خبری، یقین استدلالی اور یقین عیانی۔ یقین خبری کی مثال یوں سمجھئے کہ ہم نے سن لیا کہ سمرقند، بخارا، مصر، شام اور اسی طرح دوسرے شہر ہیں ہم نے اپنی آنکھ سے تو ان شہروں کو دیکھا نہیں ہے لیکن خبروں کے ذریعہ معلوم ہوا ہے اور ان کے ہونے کا ہم کو یقین ہے اور خبروں کے بغیر ان شہروں کے وجود پر کوئی استدلال نہیں لایا گیا ہے۔ صرف خبر ہی کو دلیل بنایا گیا ہے یقین استدلالی کی مثال یہ ہے کہ میں یہاں بیٹھا ہوں کسی ایک جگہ سے دھواں اٹھتے ہوئے میں نے دیکھ لیا۔ دھواں کا دیکھنا ہی ایک دلیل ہے اور اس کا یقین ہے کہ وہاں آگ موجود ہے یہ اس لئے کہ دھواں بغیر آگ کے نہیں ہوتا۔ یقین عیانی کی مثال یہ ہے کہ میں خود وہاں جاؤں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ آگ موجود ہے اور اس کو عالم ملک میں شہادت کہتے ہیں عالم ملکوت میں بھی یہی ترتیب رکھی گئی ہے۔

ملک و ملکوت کا فرق

اس کے بعد فرمایا کہ جس چیز کو جس کے ذریعہ پایا جائے وہ ملک ہے اور جس چیز کو

جس کے ذریعہ نہ پایا جائے اور وہ میری آنکھوں سے پوشیدہ ہو وہ ملکوت ہے۔

قاضی صدرالدین نے عرض کیا کہ محسوسات کا معلوم ہونا تو حواس سے ہے لیکن جو چیز محسوس نہیں ہے جیسے عالم ملکوت اس کا ادراک اور معنی معلوم کرنا کس طرح ہوگا؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا حواس دو طرح کے ہیں۔ حواس ظاہر اور حواس باطن۔ جو چیزیں ظاہر ہیں وہ حواس ظاہری کے ذریعہ معلوم کی جاتی ہیں اور جو چیزیں باطنی ہیں وہ حواس باطن کے ذریعہ ادراک میں آتی ہیں اور یہ اسی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے"لولا ان الشیاطین یحومون یدورون یحوموں علی قلوب بنی آدم لنظروا الی ملکوت السموات "(اگر بنی نوع انسان کے دلوں پر شیاطین نہ منڈلاتے اور نہ گھومتے تو یقیناً وہ آسمانوں کے عجائب و غرائب کا نظارہ کرتے)۔

ایمان و یقین کے تین ذرائع

اس کے بعد فرمایا عقیدہ کے وہ سب مسائل جو حس کے ذریعہ معلوم نہیں کئے جاتے اور اس پر ہم لوگوں کا یقین ہے ان کی تین قسمیں ہیں۔ خبری، استدلالی اور عیانی اور وہ باتیں جس کی خبر اللہ تعالی کے فرمان اور اس کے رسول علیہ السلام کے ارشاد کے ذریعہ دے گئی، اور اس پر یقین ہے وہ خبری ہے۔ جیسے بہشت کے متعلق فرمایا گیا کہ بہشت ایسی ہے اور دوزخ کے بارے میں کہا گیا کہ ایسا ہے اسی طرح اور دوسری چیزیں جس کے متعلق خبر دی گئی ہے اس پر یقین کا ہونا۔

استدلالی یہ ہے کہ صانع کے وجود کا یقین مصنوعات کے وجود کے ذریعہ کیا جائے یعنی مصنوعات کے موجود ہونے کی دلیل سے صانع کا وجود قطعا اور یقیناً ثابت ہوتا ہے بغیر اس کے قرآن وحدیث سے اس کی دلیل لی جائے تو عقیدہ کے مسائل میں ہمارا یقین یا استدلالی ہے یا خبری اور یہ یا تو قرآن سے یا حدیث سے یا اجماع امت سے ہے۔

اگر ہم اعتقادی مسئلوں میں یقین عیانی حاصل کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے ہاں! اگر اللہ جل شانہ خود میرے دل سے حجاب اٹھا دے تو اس وقت ہم دیکھ سکتے ہیں اور پا سکتے ہیں۔

ہمارا یہ یقین، یقین عیانی ہوگا، یعنی عیاں و مشاہداتی، ہم لوگ چشم سر سے مرنے کے بعد معائنہ کریں گے۔ عارفوں کا تمام یقین عیانی، یعنی (بالکل) عیاں اور مشاہداتی ہے۔ یہ اس لئے کہ عیان مشاہداتی کا تعلق ظاہری نگاہ سے ہے ہوتا ہے۔

چشم دل عارفوں کی

اور خود ہی حضرت مخدوم نے یہاں پر یہ شبہہ پیدا کیا کہ اگر کوئی سوال کرے کہ کل اُس عالم میں چشم سر سے جو مشاہدہ ہوگا اور اس دنیا میں عارفوں کو جو چشم دل سے مشاہدہ حاصل ہے ان دونوں میں کوئی فرق ہے یا دونوں ایک ہی ہے۔ اگر دونوں میں فرق ہے تو کل قیامت میں جو مشاہدہ ہوگا وہ مشاہدہ اس دنیا میں نہیں اور اگر دونوں ایک ہی ہیں تو پھر اُس عالم میں جو مشاہدہ ہوگا اس کا کیا فائدہ؟ اس شبہہ کا جواب حضرت مخدوم جہاں نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ کل اُس عالم میں چشم سر سے جو معائنہ کریں گے وہی مشاہدہ عارفوں کو اس عالم میں چشم دل سے حاصل ہے لیکن اس عالم کے معائنہ میں کچھ اضافہ ہے جو اس دنیا کے معائنہ میں نہیں ہے اگر اس دنیا میں چشم سر سے دیکھیں بھی تو باریک پردہ ہوگا اور اس عالم میں کسی طرح کا بھی کوئی حجاب نہ ہوگا نہ باریک اور نہ غیر باریک اور اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر کوئی شخص اس دنیا میں آفتاب کو مینہ میں یا شفاف پانی میں دیکھے تو آفتاب ہی کو اس نے دیکھا اور آفتاب ہی دیکھا گیا لیکن ایسا (دیکھنا) باریک حجاب کے اندر ہوا اور اگر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو بھی آفتاب ہی کا مشاہدہ اور معائنہ کیا اور آفتاب ہی نظر آیا مگر بغیر کسی حجاب کے اور آفتاب ان دونوں صورتوں میں بالکل ایک ہی حال پر یکساں ہے۔

اور دوسری مثال یوں ہے کہ کسی نے ایک شخص کو صبح کے وقت دیکھا اس کو اس کا علم ہوا کہ وہ آدمی ہے لیکن اس کا رنگ و روپ ہیئت کذائی تفصیل سے معلوم نہ ہوئی پھر جب آفتاب نکل آیا اس شخص پر نگاہ پڑی اس کا رنگ و روپ سب نکھر آیا اور پوری تفصیل سے ظاہر ہوا۔ اس تفصیل کی مقدار سے اس مشاہدہ میں اضافہ ہوا حال یہ ہے کہ دونوں ہی صورت میں وہ آدمی تو وہی ایک شخص ہے جانو اعتقاد دونوں حال میں ایک ہی ہے اور صرف یقین میں زیادتی

کا فرق ہوا اس کے بعد یہ شعر ارشاد ہوا ؎

خاص در عالم معائینہ اند　　ہمچو سیماب روئے آئینہ اند

یقین عیانی کی اہمیت

پھر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے ارشاد فرمایا ان تینوں یقین میں فرق یہ ہے کہ یقین خبری اور استدلالی میں خطرہ کی گنجائش ہے لیکن یقین عیانی میں کسی خطرہ کا امکان نہیں اور اس کی وضاحت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کہ اس سوال سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اللہ رب العزت سے کہا ''رب ارنی کیف تحیی الموتی '' (اے میرے پروردگار مجھے دکھا دیجئے آپ مردہ کو زندہ کیسے کرتے ہیں)۔ جواب ملا ''اولم توء من '' (کیا آپ ایمان نہیں لائے ہیں) جناب خلیل اللہ نے جواب دیا ''بلی ولکن لطمئن قلبی '' (ہاں ایمان تو ہے لیکن اس لئے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے)

یہاں پر دو تین سوال پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ جناب خلیل علیہ السلام سے اللہ رب العزت نے کہا ''اولم تومن '' کیا آپ ایمان نہیں لائے ہیں۔ جب اللہ تعالی کو یہ علم تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایمان رکھتے ہیں تو پھر اس سوال کے کیا معنی ہوئے۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام اللہ نے فرمایا ''ولکن لیطمئن قلبی '' تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے اور تسکین دل صحت ایمان کے لئے شرط ہے اور جناب ابراہیم علیہ السلام پیغمبروں میں سے ہیں اور پیغمبروں کے دل کو یقین پر قرار نہ ہو یہ نہیں کہا جا سکتا۔ تفسیر امام زاہد میں جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب جناب خلیل علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ سوال کیا کہ اے میرے پروردگار آپ مردہ کو کس طرح زندہ کرتے ہیں تو اپنے جواب کی داد سرفرازی نہ پائی جیسا کہ معلوم ہے بعض کافروں کا یہ خیال تھا کہ جناب خلیل اللہ علیہ السلام کو اللہ تعالی کی قدرت میں شک ہے اللہ تعالی نے اپنے خلیل سے اس عیب کی نفی کرادی۔ کفار جناب خلیل اللہ علیہ السلام پر اتہام رکھتے تھے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام قدرت پر ایمان نہیں رکھتے اسی سبب سے حضرت خلیل اللہ نے یہ صورت اختیار کی اور سوال کیا۔ حق سبحانہ تعالی نے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے سوال کے

جواب میں ''اولم تومن '' (کیا آپ ایمان نہیں رکھتے) کہا تا کہ جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بلی (ہاں کہیں) اور بلی معنی ہاں کے کہنے سے کافروں کی تہمت طرازی ختم ہو جائے تو ظاہر ہوا کہ اللہ تعالی نے ''اولم تومن '' کہہ کر جناب خلیل اللہ سے رفع تہمت کرادی۔

اور وہ دوسرا شبہ جو وارد ہوا کہ اطمینان قلب حاصل نہیں تھا اس کا جواب اس طور پر ہے کہ اطمینان اور یقین صحت ایمان کی شرط ہے بلاشبہہ ایقان حاصل تھا اور وہ یقین جو حاصل تھا وہ یقین خبری اور استدلالی ہے۔ یہ دونوں یقین جناب خلیل میں موجود تھا لیکن وہ اطمینان جو آنکھوں سے دیکھ کر حاصل ہوتا ہے وہ نہ تھا کیسے اور کس طرح زندہ کرتے ہیں۔ یہ خطرہ دل میں ضرور آیا اس خطرہ کے رفع ہونے کے لئے سوال کیا تا کہ یہ خطرہ رفع ہو جائے اور یقین عیانی حاصل ہو جائے نہ یہ کہ اس اطمینان اور سکون کے (حصول کے لئے سوال کیا) جو کہ صحت ایمان کے لئے شرط ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



بتیسواں باب

محبت کے بیان میں

محبت الٰہی فرض ہے

مجلس شریف میں قاضی صدر الدین اور اشرف الدین نے عرض کیا کہ بندوں کی محبت خداوند تعالیٰ سے اور خداوند تعالیٰ کی محبت بندوں سے جائز ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض علماء دونوں جانب کی محبت کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ محبت حقیقی معنی میں نہیں ہے بلکہ طاعت و عبادت پر بندوں کا قائم ہونا یہ اللہ سے محبت کرنا ہے اور اللہ جل شانہٗ کا اپنے بندوں کو طاعت وعبادت کی توفیق بخشنا یہ اپنے بندوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت ہوئی "یحبھم و یحبونہ" (اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں) کی یہی تاویل کرتے ہیں اور حقیقی محبت کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں جانب سے محال ہے۔ اصلی

محبت تو اپنے ہم جنس اور ہم مثل میں ہوا کرتی ہے اللہ اور بندہ کے درمیان جنسیت اور مثلیت نہیں ہے یہاں حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ دو شعر ارشاد فرمائے ؂

کے بود سیمرغ را پروائے من　　　بس بود فردوس اعلی جائے من

در وصال او نتوانم رسید　　　برمحل ایں راہ نتوانم برید

اور فرمایا کہ صحیح یہی ہے جس پر اکثر علماء و مشائخ کا اتفاق ہے کہ محبت اللہ اور اس کے بندہ کے درمیان درست ہے۔ یہ اس لئے کہ اس پر اجماع امت ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کی محبت فرض ہے۔ جس چیز کا وجود ہی نہیں ہوتا وہ فرض کیسے قرار دی جاتی۔

اور وہ جو محبت کی تاویل طاعت سے کی گئی ہے کیوں کر درست ہو سکتی ہے؟ اس لئے کہ طاعت محبت کی اتباع ہے اور اس کا ثمرہ بھی ہے تو اس کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ پہلے محبت ہوگی اس کے بعد اس کا ثمرہ یعنی طاعت ہوگی اور عربوں کے یہاں بھی یہی مستعمل ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ؂

ان المحب لمن یحب مطیع　　　لو کان حبک صادقا لاطاعتہٗ

(بلاشبہ عاشق محبت میں معشوق کا فرماں بردار ہوتا ہے یقیناً میں بھی تمہاری فرماں برداری کروں گا اگر تیری محبت سچی ہوگی۔)

اور عشق کے مسئلہ میں بھی یہی اختلاف ہے۔ جو محبت کے جائز ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ عشق کے جواز کے بھی قائل نہیں ہیں اور جو محبت کو جائز کہتے ہیں وہ عشق کو بھی جائز کہتے ہیں۔ عشق فرط محبت کو کہتے ہیں جب محبت جائز ہوئی تو فرط محبت کا بھی جواز ہوگا۔ اس کے بعد یہ اشعار ارشاد ہوئے ؂

اسرار خرابات بجز مست نداند　　　ہشیار چہ داند کہ دریں کوے چہ راز است

خواہی کہ درون حرم عشق خرامی　　　درمیکدہ بنشیں کہ رہ کعبہ دراز است

(بھٹی کے اسرار مست ہی جانتے ہیں، اہل خرد کیا جانیں کہ اس کوچہ میں کیا راز ہے اگر تجھے تمنا ہے کہ تو عشق کی بارگاہ میں قدم رکھے تو شراب خانہ میں بیٹھ کیونکہ کعبہ کی راہ بڑی لمبی ہے۔)

قاضی صدر الدین نے عرض کیا کہ فرط محبت' محبت میں زیادتی کو چاہتا ہے اور اس میں تغیر پیدا ہوتا ہے تو بندہ کے حق میں اللہ کی جانب سے فرط محبت ہو یہ کیسے جائز ہوگا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ دو حال سے خالی نہیں ہے کہ قائل اللہ تعالیٰ کی جانب سے 'فرط محبت' کو جائز مانتا ہے یا نہیں مانتا؟ اگر نہیں مانتا ہے تو تغیر کے لازم آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے اور اگر فرط محبت کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مانتا ہے تو یقیناً اس کی تاویل حق سبحانہٗ تعالیٰ کے شان کے لائق ہوگی اور شاید اس کی یہ تاویل ہو کہ خداوند تعالی نے ازل ہی میں بندہ کو محبت اور اس خاص فیضان کے لئے مخصوص کر لیا ہو جو دوسرے کو نصیب نہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس کے علاوہ بھی اس کی کوئی دوسری تاویل ہو واللہ اعلم۔

مقام محبت اور عشق کیا ہے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خدا کے ساتھ بندہ کی محبت مقامات میں سے نہایت ہی اعلیٰ مقام ہے اور درجات کا بلند کنگرہ ہے خداوند تعالیٰ کی محبت حاصل ہونے سے بڑھ کر اور کوئی مقام نہیں ہے شوق اور انس، رضا و تسلیم اس طرح کے اور دوسرے مقام، محبت کے ثمرات میں سے ہیں محبت سے پہلے کوئی مقام نہیں ہے مگر وہ مقام جس کو توبہ، صبر اور زہد وغیرہ کہتے ہیں یہ مقام، محبت کے مقامات کا مقدمہ ہے۔ بندہ کی اللہ تعالیٰ سے محبت تمام سعادتوں اور دولتوں کی اصل ہے اور تمام نیکیوں کے لئے فتح یابی کا ذریعہ ہے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے مثنوی کے یہ اشعار پڑھے ؎

ہر کرا شد ذوق عشق او پدید　　　زود یابد ہر دو عالم را کلید
ہر کہ مشت عالم عرفاں بود　　　بر ہمہ خلق جہاں سلطاں بود

(جس کو اللہ تعالیٰ کے عشق کا ذوق پیدا ہوا۔ دونوں جہاں کی سعادت کی کنجی فوراً اس کے ہاتھ آ گئی اور جو معرفت کے عالم کا خاک بن گیا وہ سارے جہاں کے مخلوق کا بادشاہ ہے۔)

اولیاء اللہ کا مقام و مرتبہ

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا خواجہ سری سقطیؒ سے منقول ہے کہ انہوں

نے کہا کہ کل قیامت کے دن تمام امتوں کو ان کے پیغمبروں کے نام کی نسبت سے پکارا جائے گا وہ اس طرح کہ یا امت موسیٰ اور یا امت عیسیٰ۔ مگر محبان خدا کو پکارا جائے گا "یا اولیاء اللّٰہ تعالوا الی اللّٰہ" اے اللہ کے دوستوں آؤ اللہ کی طرف۔ اس وقت خوشی سے ان کا دل لبریز ہو جائے گا اور چاہے گا کہ باہر آجائے۔ اس کے بعد زبان گوہر فشاں سے یہ اشعار ارشاد ہوئے ؎

چو دوستاں را بر تخت وصل بنشانی　　زمن کہ خاک توام ز آستاں دریغ مدار
چو باندیماں جام شراب نوش کنی　　بہ نیم جرعہ ء از خاکداں دریغ مدار

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اصل میں با اعتبار شرکت تمام مومنین شریک ہیں لیکن اصل معرفت میں تمام مومنین شریک نہیں ہیں۔ اکثریت اصل معرفت سے خالی ہے جن کو اصل معرفت حاصل ہے ان کے اندر محبت کی قوت اور اس کا غلبہ اس سے حد تک پہنچا ہوا ہے کہ وہ محبت میں شیفتہ و فریفتہ ہو گئے ہیں اور اسی شیفتگی محبت کو عشق کہتے ہیں اور یہ (دولت) تمام مومنین کو حاصل نہیں ہے۔ اس شیفتگی کے حاصل ہونے کا دو سبب بتایا گیا ہے۔ پہلا یہ کہ دنیاوی علائق سے منقطع ہونا اور اللہ کے سوا کسی غیر کی محبت کو دل سے نکال دینا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ خداوند تعالی کے عرفان کی قوت کا غلبہ دل پر قائم ہونا ہے اور یہ حال دل کو تمام مشغلوں سے پاک کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے مثنوی کے یہ دو شعر پڑھے ؎

چون دل تو پاک گردد از صفات　　تافتن گیرد ز حضرت نور ذات
چوں شور آن نور بر دل آشکار　　در دل تو یک طلب گردد ذات

محبوب کی ڈانٹ میں بھی لذت ہے

مجلس شریف میں خواجہ خضر! حضرت حمید الدین ناگوریؒ کی "لوامع" پڑھ رہے تھے جب اس آیت کریمہ پر پہنچے اخسئوا فیھا ولا تکلمون (جہنم میں بھاگو اور مجھ سے باتیں مت کرو) امام شبلیؒ نے تمنا کی ہے کہ کاش یہ خطاب مجھے ہوتا۔ تو (اس موقع پر) حضرت

مخدوم نے فرمایا یہ آیت دوزخ والوں کے حق میں ہے، دوزخی لوگ چار سو سال تک نالہ وفریاد کریں گے اور کہیں گے یا حنان و یا منان (اے نہایت مہربان اور خوب خوب احسان کرنے والے مالک) چار سو سال کے بعد ان کو جواب ملے گا کہ اخسئوا فیھا ولا تکلمون یعنی دور ہو وہیں دوزخ میں رہو اور خاموش ہو جاؤ۔ عربوں کی یہ عادت ہے کہ جب کتے کو بھگاتے ہیں تو ذلت کے ساتھ کہتے ہیں اخسأ (بھاگ)۔

محبت کی پھٹکار بھی لذت دیتی ہے

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا محبوب خواہ جھڑک کے خواہ پیار کے ساتھ بات کرے محبین کو دونوں ہی حال میں لذت ملتی ہے اس لئے کہ لطف وقہر دونوں کا تعلق محبوب کی گفتگو سے ہے کیونکہ محبّ کی نظر قہر ولطف پر نہیں ہوتی بلکہ ان کی نگاہ محبوب کی گفتگو پر ہوتی ہے۔ جیسی بھی ہے اور جو بھی ہے وہ ہے تو میرے محبوب کی بات اس لئے چاہئے کہ اس میں مزا لیتا رہے اور فرمایا کہ شیخ سعدیؒ کا یہ شعر اسی معنی میں ہے ۔

حکایت از لب شیریں دہان وشبیر اندام   تفاوتے نکند گر دعا ست یا دشنام

محبّ کون ہے

امام شبلیؒ نے یہ نہیں دیکھا کہ کیا کہا جا رہا ہے بلکہ یہ دیکھا کہ محبوب کا کلام ہے، اس کے بعد فرمایا کہ اس کے بارے میں گروہ صوفیاء کی ایک مضبوط اصل ہے اور ان کے کاروبار و معاملات اس (سلسلہ) میں نہایت ہی لطیف و باریک ہیں، اس کے دقائق پر سوائے اہل نظر اور صاحب بصیرت کے کسی اور کی نگاہ کم ہی پڑتی ہے اور اس طرح کے مشائخ کے بہت سارے کلمات، اشارات و اشعار جو محبت کے بیان میں آئے ہیں اس کے معانی ومطالب نہایت ارفع واعلی سمجھ میں آتے ہیں اور اس کے مفہوم میں کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں ہوتی اور وہ یہ ہے کہ محبّ کو محبوب کے سامنے اپنا کوئی اختیار نہیں رہتا کیونکہ ارادہ اور اختیار محبت کا حصہ ہے اگر محبوب کو اپنی قسمت کے سبب سے دوست جانتا ہے تو اس کا دوست خود محبّ کی قسمت ہوا نہ کہ وہ محبوب۔ جب محبّ نے اپنے ارادہ اور اختیار کو جو اس کا حصہ ہے کلیتا ختم کر دیا تو پھر اس

کی چاہت کوئی چاہت نہیں ہوتی۔ ہر خواہش محبوب کی خواہش پر ہوتی ہے محبوب جو چاہے کرے جس کا یہ حال ہو جاتا ہے اسی کو محبّ کہتے ہیں۔

اے بایزید تمہاری مراد کیا ہے؟

اور وہ جو تم نے سنا ہے کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ کو معراج ہوئی تھی اور ان کے اس معراج میں ان سے پوچھا گیا اے بایزید تمہاری مراد کیا ہے؟ انہوں نے جوب دیا میری مراد یہ ہے کہ میری اپنی کوئی مراد نہیں۔ اسی کی جانب یہ اشارہ ہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ اشعار پڑھے ؎

عاشق آن است کو نخواہد ہیچ! گر ہمہ خود وصال یار بود
تا نگرد و نامرادی فوت تو! کے شود زندہ دل مبہوت تو

اور وہ جو اہل تحقیق کہتے ہیں ''توئی تست اوئی او'' وہ اسی بنا پر ہے کہ توئی تو سے تیرا ارادہ اور تیرا اختیار مراد لیتے ہیں اور ''اوئی او'' سے اس کا ارادہ اور اس کا اختیار مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک تمہاری توئی تم میں موجود ہے تو تم تم ہو اور وہ وہ ہے جب تمہاری ''توئی'' تم سے کلیتاً ختم ہوگئی تو پھر ''اواو'' یعنی وہ صرف وہی رہ گیا۔ یہ جو وہ، وہ رہ گیا یہ بہ اعتبار ارادہ ہے نہ کہ بہ اعتبار ذات۔ اس کے بعد یہ دو شعر مثنوی کے ارشاد ہوئے ؎

لاجرم اینجا سخن کوتاہ شد رہبر و رہ رو نہ ماند و راہ شد
محو او گشتند آخر بر دوام سایہ درخورشید گم شد والسلام

محبت کے سلسلہ میں ارباب بصیرت کا قول

اس کے بعد ارشاد ہوا ارباب بصیرت کا یہ قول ہے کہ جو اس مقام پر اس طرح پہنچا کہ اس کا اپنا ارادہ اور اختیار بالکل ختم ہوگیا اور کچھ بھی باقی نہ رہا اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ و اختیار اس کے اندر قائم ہوگیا تو وہ بندہ عالم تصرف سے نکل آیا اس لئے کہ بندہ کا تصرف اور اس کا ارادہ، اختیار، خواہش اس کی خصلت کی بنا پر ہوتا ہے جب بندہ کا اپنا ارادہ وغیرہ نہ رہا تو پھر تمام ارادہ ارادۂ حق تعالیٰ ہوگیا اور (پھر اس وقت) بندہ کا اپنا کوئی تصرف نہیں رہتا۔ اور وہ

خبر جو تم نے سنی ہے "لی سمع لی بصر الی اخرہ" میں اس کی سماعت اور اس کی بصارت ہو جاتا ہوں کی تاویل یہی ہے۔ اور یہ شعر زبان گوہر فشاں پر آیا ؂

چو زیادہ مست گشتم چہ کلیسا و چہ کعبہ　　چو تبرک خود بگفتم چہ وصال و چہ جدائی

دوستی و دشمنی اللہ ہی کے لئے ہو

مجلس شریف میں مخدوم زادہ سراج العارفین پڑھ رہے تھے جب اس عبارت پر پہنچے 'لو ان رجلاصام الدهر وقام الليل فان لم يحب فى الله ولم يبغض فى الله ما نفعه' (اگر کوئی شخص زمانہ بھر کا روزہ رکھے اور شب بیداری کرے لیکن اگر اس کی محبت اور اس کا بغض وعداوت اللہ کے لئے نہیں ہے تو اس کا عمل بے سود ہے) تو حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خدا کے لئے کسی سے محبت کرنا یہ ہے کہ جس سے وہ محبت کرتا ہے وہ (صرف) اس لئے کہ وہ شخص اللہ تعالی کا ولی (دوست) ہے یعنی اللہ تعالی کی محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت کرتا ہے نہ یہ کہ جو کوئی بھی ہو اس سے خدا کے لئے دوستی کرے یعنی کوئی ایسا شخص ہے کہ جسے اللہ کی محبت نہیں ہے اور اس کو وہ دوست رکھتا ہے اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم نے اللہ کے لئے دوستی کی ہے، تو یہ محبت اس کی ہوس ہے وہ محض اپنی نفسانی خواہش کی وجہ سے محبت کرتا ہے۔ اور یہی صورت کسی سے دشمنی کی بھی ہوگی کہ خدا کے لئے ہم نے اس سے دشمنی کی ہے یعنی کسی کو اس وجہ سے دشمن جانتا ہے کہ وہ عدو اللہ (اللہ کا دشمن) ہے تو ٹھیک ہے، نہ یہ کہ محض اپنے نفس کے سبب اس کو دشمن ٹھرالیا ہے، تو یہ حرام ہے اور خدا کے لئے کسی کو سہارا دینا مدد کرنا یہ بھی اسی طرح ہوگا۔ اور یہ یہیں کی بات ہے جو بعضوں نے محبت کے ذکر میں کہی ہے 'المحبة موافقة المحبوب فى محبوبه و مكروهه' (محبت محبوب کی موافقت ہے اس کے تمام پسندیدہ اور ناپسندیدہ امور میں) اور وہ تمام باتیں جو شرع کے مطابق ہیں وہ اللہ تعالی کو محبوب ہیں چنانچہ لازم آئے گا کہ مومن کو بھی وہ تمام باتیں محبوب ہوں۔ اور تمام غیر شرعی باتیں اللہ تعالی کو ناپسند ہیں اس لئے مومن کو بھی ناپسندیدہ ہونی چاہئے۔ اور اہل محبت کے لئے تمام شرعی باتوں کا اختیار کرنا اور غیر شرعی باتوں سے اجتناب اسی معنی میں آیا ہے یعنی

موافقت کے معنی میں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ محبت کا ادنی درجہ موافقت ہے نہ اس لئے کہ بہشت کی آرزو اور دوزخ کے خوف سے موافقت اختیار کی جائے جیسا کہ عام مخلوق اس میں مبتلا ہیں اس موقع پر یہ شعر ارشاد ہوا ؎

مارا نہ غم دوزخ و نہ حرص بہشت است   بردار زرخ پردہ کہ مشتاق لقائیم

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا یہ کیونکر معلوم کیا جائے کہ اللہ اس شخص کو دوست رکھتا ہے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا مومنین بحکم ایمان اللہ کے دوست ہیں۔ ''اللّٰہ ولی الذین آمنوا '' (اللہ مومنوں کا دوست ہے) تو جہاں کہیں جو بھی مومن ہے سمجھیں کہ اللہ کا دوست ہے ایمان کے حکم کے تحت یعنی جو بھی اہل ایمان ہیں ان کو دوست رکھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے اور جملہ کفار کو اللہ تعالیٰ نے دشمن قرار دیا ہے ان کے کفر کے تحت جیسا کہ خود خداوند تعالیٰ نے فرمایا 'فان اللّٰہ عدو للکافرین' (بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے) تو جاننا چاہیئے کہ تمام کفار بحکم کفر دشمن ہیں اللہ تعالیٰ کے تو جہاں کہیں بھی کوئی کافر ہے اس سے دشمنی رکھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود کافر کو دشمن قرار دیا ہے اور وہ بھی ان کو دشمن رکھتا ہے۔

اس کے بعد پھر قاضی صاحب نے عرض کیا کہ اگر مومن عاصی ہے اس کے ساتھ کیا کرے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا بحکم ایمان دوست رکھے اور بحکم معصیت دشمن، کیونکہ مومن گنہگار ایمان کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے اور گنہگاری کی حیثیت سے خداوند تعالیٰ کے غضب میں ہے۔

عام و خاص محبت کی تمیز کیسے ہوگی

اس کے بعد قاضی اشرف الدین نے پھر پوچھا یہ تو عام محبت کے بارے میں بات ہوئی خاص محبت میں تمیز کیسے ہوگی؟ کیونکہ یہ تو معلوم نہیں ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ اس کے حال سے معلوم ہوگا قیاس کا غلبہ

جدھر ہواسی سے سمجھ لیں جیسے کسی کا ظاہر اگر اتباع شرع سے آراستہ ہے اور وہ محبان خاص کے اوصاف اوران کے اخلاق سے متصف ہے تو قیاس کے غلبہ اوران احوال کی دلیل سے معلوم ہو جائے گا کہ کیا یہ محبت خاص ہے یا نہیں؟

قاب قوسین کی تشریح

مجلس شریف میں قاب قوسین اوادنی کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے متعلق تفسیر میں بہت سے اقوال آئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عربوں میں یہ دستور ہے کہ جب دو شخص آپس میں دوستی کا معاہدہ کرتے ہیں تو ایک دوست اپنے کمان کے گوشہ کو دوسرے دوست کے کمان کے گوشہ میں ڈال دیتا ہے اس سے دونوں کے درمیان دوستی اور محبت کی گرہ بندھ جاتی ہے۔ تو اللہ جل شانہٗ نے رسول علیہ السلام کی محبت میں عربوں کی اسی عادت وطریقہ کے موافق اس آیت کریمہ میں خبر دی ہے کہ مجھ کو اپنے بندہ خاص حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ایسی ہی محبت ہے۔

قاضی اشرف الدین نے یہ حدیث شریف پڑھی ''حُبِّبَ الیَّ من دنیاکم ثلثة الطیب والنساء وقرة عینی فی الصلواة'' (تمہاری دنیا میں سے تین چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈال دی گئی ہے۔ (۱) خشبو (۲) عورت اور (۳) میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور عرض کیا نبی کریم ﷺ کو ان سب چیزوں سے محبت تھی اور یہ سب غیر اللہ ہیں اس کے معنی کیا ہوں گے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں پر کوئی سوال یا شبہہ پیدا ہی نہیں ہوتا اس لئے کہ حبب ارشاد ہوا ہے یعنی حضور ﷺ کے دل مبارک میں ان کی محبت ڈال دی گئی ہے تو اس فعل کی اضافت حضور ﷺ کی طرف نہ ہوگی۔ ہاں اگر احببت (میں نے محبت کیا ہے) فرماتے تو سوال پید ہوتا اور اس وقت یہ جواب دیا جاتا کہ یہ اپنی ذات سے نہیں ہے بلکہ متابعت میں ہے اور یہ خود مشروع ہے۔

والدین اور اولاد کی محبت

مجلس شریف میں بی بی، بال بچوں کی محبت کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ماں باپ سے محبت کرتا ہے تو اس کی اس محبت سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت میں کوئی خلل نہیں ہوتا، مگر ہاں اس وقت جب ماں باپ کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت پر غالب آ جائے تو اس (حال میں) یہ نقصان دہ ہے اور اسی طرح بیوی، بال بچوں کی محبت اور دوسری وہ تمام محبت جو شرعاً جائز ہے اگر ان سب سے محبت مشروع طریقہ پر کرتا ہے تو اس کی مثال موجود ہے اور اس سے حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

عبادت میں طمانیت کے لئے مال رکھنے کا جواز

اسی طرح مال و زر کی محبت اس خیال سے کہ اگر یہ میرے پاس رہے گا تو میرا دل فکر (معاش) سے فارغ رہے گا اور عبادت طمانیت کے ساتھ ادا ہو گی ایسی صورت میں مال و زر کی محبت مضر نہیں ہے۔ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ تارک الدنیا تھے اور جائز نہیں رکھتے تھے کہ ماسوی اللہ میں سے کوئی چیز بھی ان کے پاس رہے جب ان کے انتقال کا وقت آیا مریدین حاضر تھے انہوں نے اپنی کمر سے ایک تھیلی نکالی اور مریدوں کو دے دی ان کے اس حال سے مریدوں میں تغیر پیدا ہوا قریب تھا کہ ان کا اعتقاد بدل جائے ان بزرگ نے کہا آپ لوگ اپنے اعتقاد کو خراب نہ کریں، اس تھیلی کے رکھنے سے میری معنوی غرض یہ تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نماز میں شیطان میرے پاس آئے اور وسوسہ ڈالے کہ آج کیا کھاؤ گے اور کیا پہنو گے اسی لئے میں نے رکھ لیا تھا کہ اگر شیطان آئے گا اور تشویش پیدا کرنے کی کوشش کرے گا تو اسی وقت میں اسے کہہ دوں گا کہ یہ تھیلی ہے نا (کھانا) کھالوں گا اور شیطان کا فریب نہیں چلنے دوں گا۔ اس تھیلی کے رکھنے سے یہی معنوی غرض تھی۔ اس وضاحت کے بعد مریدوں کی دل جمعی ہو گئی۔

زن و فرزند کی محبت جائز ہے

ایک عزیز نے عرض کیا کہ زن و فرزند کی یہ محبت جو موافق شرع ہی ہے کیا حق تعالیٰ

کی محبت میں شرکت نہیں ہوئی ؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ شرکت نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ محبوب بذاتہ تو ایک ہی ہے دوسری چیزوں سے جو محبت کی جاتی ہے (وہ اتباعاً ہوتی ہے)۔ مثلاً ایک شخص علم دوست ہے علم کو محبوب رکھتا ہے اتباعاً کتاب اور کاغذ سے بھی اسے محبت ہے یہاں پر یہ لازم نہیں آتا کہ علم کی محبت میں یہ شرکت ہے۔ جیسا کہ نقل ہے کہ مجنوں نے لیلیٰ کی گلی کے کتے کا پاؤں چوما۔ یہاں کوئی صاحب عقل نہیں کہہ سکتا کہ لیلیٰ کی محبت میں یہ شرکت ہوئی بلکہ کتے سے یہ پیار (دراصل) لیلیٰ سے پیار ہے جیسا کہ کہا ہے ؎

روزے چو سگے بدید مجنون در دشت　　　او را نبو از و شاداں گشت
گفتند چرا شدی بدیں سگ مفتوں!　　　گفتا روزے بکوے لیلیٰ بگذشت

اغیار سے محبت ممنوع ہے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ غیر سے اصل محبت یہ نقصان دہ ہے ایسی محبت منع ہے محبان خدا جملہ مصنوعات ومخلوقات سے پیار کرتے ہیں کہ یہ سب نقش ونگار دوست کے بنائے ہوئے ہیں تو یہ محبت عین محبوب سے محبت ہوگی نہ کہ مصنوعات ومخلوقات سے۔ لیکن اگر محبوب کی مرضی اس میں ہو کہ یہ خط میرا لکھا ہوا ہے اسے دھوڈالو اور یہ عمارت جو میری بنائی ہوئی ہے اسے ڈھادو یا یہ نقش ونگار میرے قائم کردہ ہیں ان کو تباہ کرڈالو۔ تو یہاں پر لازم آئے گا کہ محبوب کی رضا پر عمل کیا جائے اور محبوب کی رضا جوئی عین محبت محبوب ہے۔ کفار سے قتال اور ان کا قتل، بتخانہ کی تخریب وغیرہ یہ سب اسی طرح کی باتیں ہیں یہاں پر کوئی یہ اعتراض کا حق نہیں رکھتا اور نہیں کہہ سکتا ہے کہ محبوب کی صنعت اور اس کے کارخانہ کی یہ تذلیل کی گئی ہے۔ یا یہ محبت کے خلاف ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری مجلس میں ایک دن ناغہ کرکے آیا کرو

خاکسار نے عرض کیا کہ ابو ہریرہؓ سے رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری مجلس میں ایک دن آؤ اور دوسرے دن نہ آؤ اس (حکم) میں روزانہ آنے کی ممانعت ہے اور اس سے شکستگی دل لازم آتی ہے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا قصد اس ممانعت سے دل

کی شکستگی نہیں ہے بلکہ حضور کا مقصد اس سے یہ تھا کہ جس چیز سے ان کی محبت میں کمی پیدا ہو (اصل میں) وہ فتور پیدا نہ ہونے پائے اس لئے کہ ملاقات کی زیادتی سے احترام میں کمی آتی ہے یہ منع کرنا کہ روزانہ نہیں آیا کیجئے یہ ان کے علاج کے لئے فرمایا۔ اور یہ آدمی کی عادت ہے کہ مشاہدہ کی کثرت سے احترام میں قلت آتی ہے۔ ہاں مگر ایسا شخص کے جس پر کسی کی محبت کا غلبہ ہو گیا ہو۔ اور وہ اپنے محبوب کو روزانہ دیکھتا ہو پھر بھی دیدار سے اس کی سیری نہیں ہوتی۔ اور یہ روز روز کا دیکھنا نا دیدنی ہو جاتا ہے جتنا زیادہ دیکھتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کی محبت بڑھتی جاتی ہے اس کے اشتیاق کا یہ تقاضہ ہوتا ہے کہ گویا بہت ہی کم صحبت رہی مگر یہ (بات) بہت کم لوگوں کو حاصل ہے۔

اس موقع پر یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

جمال در نظر وشوق ہم چناں باقی گدا اگر ہمہ عالم بدو دہند گداست

ہمت کی بلندی ہمت کی دلیل ہے

اور فرمایا یہ شعر ایسے ہی لوگوں کے حسب حال ہے اور یہ ان کی بلندی ہمت کی دلیل ہے کہ اپنی یافت اور حاصل پر ان کی نظر نہیں ہوتی، حاصل کو بھی حاصل نہیں جانتے، یافت کو نایافتہ سمجھتے ہیں، شاید کہ اس بلند درجہ سے بھی بلند و بالاتر درجہ حاصل ہو، اسی وجہ اور خوف سے اس گذشتہ درجہ پر قناعت نہیں کرتے اور کہا گیا ہے **"من نظر مقامه حجب عن امامه"** یعنی جس شخص نے اپنے مقام پر نظر کی تو اس مقام سے آگے بلند تر جو مقام ہے اس سے وہ محجوب ہو گیا اور اس بلند و بالا مقام تک نہیں پہنچے گا۔

یافت کو نایافت تصور کرنے کا معنی

خاکسار نے عرض کیا کہ یافت کو یافت (پائے ہوئے کو پایا ہوا) نہیں جانے! اس کے معنی و مطلب کیا ہوئے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر سالک کی اپنے حاصل اور یافت پہ نظر ہوگی تو یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ سمجھے گا کہ کل کا کل مطلوب اور مراد

یہی ہے۔ یہاں پر طلب بالکل رُک جائے گی۔ یا یہ سمجھے گا کہ اس کو اپنے مطلوب ومقصود کے حصول کا کچھ حصہ ملا ہے تو طلب میں اسی قدر کمی واقع ہوگی۔ اور وہ سالک اس مقام پر پہنچ کر رک جائے گا اور غیر اللہ کے ساتھ انس وقرار اختیار کرلے گا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہاں مثنوی کے دو شعر اور ایک بیت زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمایا ؎

تا بہشت و دوزخت در رہ بود — جان تو زیں راز کے آگہ بود

ہر کہ بوئے یافت از خاک درش — کے برسوت باز گردد از برش

تاہست ز نیک وبد در کیسۂ من نقدی — در کوئے جوانمرداں عیار نخواہد شد

ایسے سے دل لگاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہو

مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ ایک وقت میں دہلی میں تھا جب وہاں سے روانگی کا قصد کیا تو قاضی عمدہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیں قاضی عمدہ نے کہا واہ میں کون ہوں جو نصیحت و وصیت کروں آخر جب بہت آرزو کی تو یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک دن مجنوں بیچارہ رو رہا تھا اس کی لیلیٰ کا انتقال ہوگیا تھا ایک شخص اس کے پاس پہنچا پوچھا کیوں روتے ہو؟ مجنوں نے کہا میری ایک انیس جان تھی وہ فوت ہوگئی ہے اسی کی وفات پر رو رہا ہوں اس نے کہا صد افسوس تجھ پر کہ تو نے ایسے کو اپنا مونس بنالیا کہ جسے موت آجائے، ارے میاں مجنوں! آدمی کو چاہئے کہ ایسے سے دل لگائے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہو اور اس کو فنا نہ ہو۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کی اس بات میں اشارہ محبت حق تعالیٰ کی طرف ہے اور نہایت ہی عمدہ اور اچھی بات کہی، اور فرمایا کہ اس کو مخ معانی کہتے ہیں۔ مشائخ کے کلمات جس سے حقیقی معنی پیدا ہوتے ہیں ان کو مخ معانی کہتے ہیں جس کسی کو اللہ جل شانہ کی محبت ہوگی سارا عالم اس کا ہے۔ من له المولى فله الكل (جس نے مولائے حقیقی کو اپنا لیا اس نے تمام عالم کو حاصل کرلیا) اس کے بعد یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

اگرم ہیچ نہ باشد نہ بدنیا نہ بعقبی — چوں تو دارم ہمہ دارم دگرم ہیچ نباشد

معرفت الٰہی کی مثال

مجلس شریف میں خواص کے مقصود کا ذکر آ گیا حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خواص کا مقصود و مطلوب بہشت نہیں ہے، بلکہ ان کا مطلوب محبت و معرفت حق تعالیٰ ہے چنانچہ اس کی مثال دیکھنے میں آتی ہے کہ اگر کوئی کسی کو عزیز رکھے، اس سے محبت کرے پھر اس محبوب کے گھر جائے اور وہاں اس سے ملاقات نہ ہو تو اس مکان میں اس کو وحشت ہونے لگتی ہے۔اس گروہ کے اکثر لوگ سفر حج اختیار کرنے میں (اسی سبب سے) غلو نہیں کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ پہلے جان پہچان، معرفت، دوستی و محبت پیدا کرنا چاہئے پھر اس کے گھر جانے کا لطف و مزہ ہے، اگر کسی سے ارتباط و دوستی نہیں ہے تو اس کے گھر جانے کا کیا فائدہ؟ بجز اس کے کہ چند دھکے مکے کھائے جائیں اس موقع پر مثنوی کا یہ شعر ارشاد ہوا ؎

گر بے تو بود جنت در کنگرہ نہ نشینم　　　گر با تو بود دوزخ در سلسلہ آویزم

واصل کی علامت

خاکسار نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ کے محبت کی علامت کیا ہے یہ کیونکر معلوم کیا جائے کہ حق تعالیٰ کی محبت ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ آدمی کے دل میں سوائے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے کسی غیر کا ذرہ برابر گذر نہ ہو جب آدمی کے دل میں ذرہ برابر کسی کی جگہ نہ ہو تو جانے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور ایسے شخص کو ''واصل'' بھی کہتے ہیں جیسا کہ رابعہ عدویہ رحمتہ اللہ علیہا سے پوچھا گیا کہ شیطان اللہ کا دشمن ہے تو کیا تم اس کو دشمن رکھتی ہو؟ کہا کہ مجھ کو اللہ کی محبت سے اتنی فرصت کہاں کہ اس کی طرف توجہ بھی کروں یہ علامت باطنی ہوئی ظاہری علامت یہ ہے کہ اگر ظاہراً اپنے حق میں اوامر کی تعمیل اور نواہی سے پرہیز پائے تو شناخت کر لے۔

چشم زدن میں معرفت کی دولت غائب ہو جاتی ہے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ''شرح تعرف'' میں

مذکور ہے کہ ایک درویش صاحب تصرف تھے۔ ایک رات چالیس حورعین جواُن کے لئے معین کی گئی تھیں وہ سب کی سب (ظاہری صورت میں) آکر کھڑی ہوگئیں بشریت کے تقاضہ کے تحت ان فقیر کا دل ان کے دیکھنے کی طرف مائل ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ ان درویش میں جو ہمت تھی وہ مانع ہورہی تھی۔ آخر بشریت نے اپنا کام کیا ان کا دل مائل ہوا کہ ذرا دیکھ لیں۔ اگر کوئی حسین وجمیل کسی کے سامنے آجائے تو آدمی آپے سے گذر جاتا ہے اوراس کی دید کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور یہ تو خاص حورعین ہی تھیں بلاشبہ بشریت نے اپنا کام کیا طبیعت ظاہری دیدار کی طرف مائل تھی اور باطن اس دیدار سے پریشان تھا اسی کشمش کے ساتھ گوشۂ چشم سے دیکھ لیا جب صبح ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ذوق، لذت، فرحت جو عبادت میں انہیں حاصل تھی سب غائب ہے ذرہ برابر بھی اپنے اندران کیفیات کو نہیں پاتے اس کے بعد توبہ واستغفار میں مشغول ہوئے۔ اس گروہ سے جس وقت بھی کوئی بے ادبی ہوجاتی ہے تو استغفار، دعا اور گریہ وزاری میں لگ جاتے ہیں چنانچہ وہ درویش چالیس دن تک توبہ، استغفار گریہ وزاری کرتے رہے تب جا کر وہ گم شدہ لذت ذوق وشوق عبادت پیدا ہوئی۔ اس کے بعد ہاتف غیب نے آواز دی۔ جانتے ہو تم سے عبادت کی یہ حلاوت کیوں اٹھالی گئی تھی؟ تم نے گوشہء چشم سے ان چالیس حوران عین کو دلی میلان کے ساتھ دیکھا تھا۔

مطلوب تک وصال کی دو راہیں ہیں

بزرگان دین نے کہا ہے کہ دو چیزیں ایسی ہیں جن سے حق تک رسائی ہوتی ہے یا تو ہمت سے یا تہی دامانی وافلاس سے اگر تمام ملک دنیا وآخرت یہ سب کسی کے سامنے رکھ دیا جائے اور وہ ان کی طرف نگاہ کرے اور ان سب کے پانے کے باوجود خود کو مفلس اور تہی دست سمجھے اوراس کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہ ہو کہ کچھ ہم نے پایا ہے ہمت ایسی بلند ہو کہ بس اللہ ہی کے ساتھ ہو اور اللہ ہی کی محبت میں رہے کیونکہ کہتے ہیں الفقیر من لا یستقی بشیء سوی اللّٰہ (فقیر، اللہ کے سوا کسی چیز سے سیراب نہیں ہوگا۔)

اہل معرفت کے نزدیک عاجزی وانکساری کے فوائد

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل معرفت نے اس کے معنی میں بہت زیادہ گفتگو کی ہے ایسے ایسے معانی بیان کئے ہیں کہ آدمی حیرت میں آجائے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایمان کے باوجود خود کو ایمان سے خالی جانے، اور عین طاعت میں خود کو بے طاعت اور عین قربت میں خود کو دور جانے، عین زہد میں خود کو راغب شمار کرے اور اس کے اندر اپنے کسی عمل کی کوئی قدر نہ ہو اگر طاعت وعبادت کرے تو ایسا سمجھے کہ یہ بھی مجھ سے ادا نہ ہوئی اور میں نے گناہ کیا۔ پھر فرمایا کہ ان چیزوں میں پہلے مرتبہ افلاس ہو (یعنی اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھے) اور حق تعالیٰ کی خالص وحدانیت کا اقرار ہو ماسوا اللہ سے کنارہ کشی اختیار کرے اور کسی ایک چیز پر نظر نہ ہو سوائے اس کے کہ اللہ رب العزت کے فضل پر نگاہ رکھے۔ یہاں حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر پڑھا ؎

از مانہ علم پرس نہ زہد و نہ معرفت   راہے ہمی رویم بہ امید واری

خاکسار نے عرض کیا کہ عین ایمان میں خود کو بلا ایمان جانے، عین طاعت میں بے طاعت اور عین زہد میں راغب اور عین قرب میں خود کو دور جانے یہ کیونکر ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ سب جو کہا گیا ہے کہ ایک نظر اعمال کے عیبوں اور آفتوں پر ہوتی ہے اور دوسری نظر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے ارادہ پر ہے یہ دو نگاہیں اپنے ایمان اور طاعت کے دیکھنے سے انہیں محجوب کر دیتی ہیں۔ اس معنی کی دلیل حضرت صدیق اکبرؓ کی اس روایت ملتی ہے، باوجود اس کے کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد حضرت صدیقؓ کے بارے میں یہ ہے "لو اتزن ایمان ابی بکر مع ایمان امتی لرجح" (اگر تمام امت کے ایمان سے ابو بکرؓ کے ایمان کو وزن کریں تو ان کا پلہ گراں ہو۔)

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا ما الایمان یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کیا ہے یا رسول اللہ ﷺ۔

بزرگوں کی نسبت سے نذر کا طریقہ

مجلس شریف میں مشائخ کرام کے ساتھ محبت کرنے کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس گروہ سے محبت رکھتا ہے اور اسے کوئی مہم پیش آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اگر میرا کام ہو جائے تو فلاں چیز ان کی روح کو ہدیہ کروں گا یا ان کو دوں گا یا ان کے پاس لے جاؤں گا یعنی جو حاجت مجھے پیش آئی ہے یہ ان کے اوقات پاک کے حوالہ کرتا ہوں وہ حاجت قطعاً پوری ہوگی اور کام ہو جائے گا اگر وہ کام نہ ہو سکا تو یہ میری جانب سے ہے اور یہ میری تقصیر کے سبب سے ہے۔ ان بزرگ سے محبت میں یا محبت کے جو شرائط ہیں اس میں کمی یا خلل واقع ہوا ہے۔ اگر کوئی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی شرطیں پوری نہیں کرتا تو یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ ایسا دعویٰ کس کام کا اس معنی کی ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک صحابیؓ کا انتقال ہو گیا رسول کریم ﷺ سے لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں صحابی کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے ایک دینار چھوڑا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''لـــه فــی الـقیـامة نـکتـه'' قیامت کے دن ان کو ایک داغ ہوگا۔ پھر ایک دوسرے صحابی کا انتقال ہوا حضور نبی کریم ﷺ سے لوگوں نے کہا کہ فلاں صحابی کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے دو دینار چھوڑا ہے فرمایا ''لـه نـکتتان فی القیامة '' قیامت میں دو داغ ان کو ہوگا۔ جب صحابہ رضوان اللہ نے یہ سنا تو عرض کیا کہ بعض صحابیوں کے پاس اس درجہ مال رہا ہے جیسے امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ اور عبد الرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ ان اصحاب نے مال چھوڑ کر رحلت فرمائی حضور رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کو دعوی تھا اور وہ کہتے تھے کہ ہم صوفی ہیں اور صوفی تارک ہوتا ہے تو ان دونوں کو تارک ہونے کا دعوی تھا باوجود اس ترک کے دنیا کی محبت تھی اور دوسروں کو اس کا دعوی نہ تھا۔



تینتسواں باب

عشق غیرت حال مقام اور وقت کے بیان میں

مجلس شریف میں خاکسار نے عرض کیا کہ عشق کیا ہے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا عشق فرط محبت کو کہتے ہیں۔ پھر فرمایا نقل ہے کہ مشائخ میں سے (کسی نے) ایک سے پوچھا کہ عشق کا رنگ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا سارا عالم عشق سے رنگ لیتا ہے اور عشق کا کوئی رنگ ظاہر نہیں اور عشق خود بھی ظاہر نہیں اگر عشق کا کوئی رنگ پیدا ہوتا تو عاشق اپنے علاج سے واقف ہوتا اس موقع پر یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

عشقم کہ ورود کون و مکانم پدید نیست عنقاے مغزم کہ نشانم پدید نیست

اور فرمایا کہ بعض کا قول ہے کہ عشق آگ ہے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر آگ ہوتا تو پھر عشاق آنسوؤں میں غرقاب کیوں ہیں اور بعض نے کہا کہ آب ہے اس کا جواب ہے کہ اگر پانی ہوتا تو یہ لاکھوں لاکھ سوختہ (جاں) کیوں ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں زہر ہے جواب یہ ہے اگر زہر ہوتا تو اسے نوش جان کرنا کیا ہے اور کچھ کا بیان ہے کہ عطاونوازش ہے، جواباً کہا گیا ہے کہ اگر عطاونوازش ہوتا تو عشاق کا یہ شوروغل کیسا؟ اور بعض درد کہتے ہیں اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اگر درد ہوتا تو عشاق کی یہ شادمانی اور خوشی کیسی اور بعضوں نے کہا کہ رنج وغم ہے اگر رنج وغم ہوتا تو اس کو جان دے کر خریدنا کیا معنی رکھتا ہے کسی نے کہا راحت ہے جواب یہ ہے کہ اگر راحت ہے تو عاشق کا اس درجہ سوز گداز کا کیا مطلب ہے۔

اسی طرح ہر ایک شخص نے (عشق کو) عبارت اور اشارہ میں بیان کیا نہ عبارت ہی میں آسکا اور نہ اشارہ ہی سے نشاندہی ہو سکی۔ تمام مشائخ رضوان اللہ کا آخری فیصلہ ہے کہ عشق فرط محبت کو کہتے ہیں۔

دوست کی بارگاہ سے عشق اس پر قائم ہے کہ جب عشق کی کارفرمائی دل پر ہو تو قرار دل نثار کیجئے اور جان پر ہو تو شادمانی ختم کریں اور سر پر ہو تو راحت وآرام سے دور رہیں اور چہرہ پر ہو تو رنگ رخ فق ہو جائے اور جو تن بدن پر ہو تو طاقت وقت سے ہاتھ دھو لیجئے اور دیدہ وچشم پر ہے تو اشکوں کے موتی نچھاور کرتے رہیں اور اگر حال پر بٹے تو جملہ حال پر تبرا کریں اور مال ومنال سب کو فنا کر دیں، تمام دوست ومحبّ سب سے مفارقت کر لیں کونین کو طلاق دیدیں دونوں عالم اور عالمین سے وداع ورخصت ہو جائیں ان تمام شرائط کے ساتھ اس پاکیزگی اور برأت کا نام وفا رکھا گیا ہے۔

اور فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ میں عشق کا اشارہ حق تعالی کی ذات وصفات کی تصدیق میں کروں گا خواہ تم اس کا نام عشق رکھو یا محبت۔ حضرت عین القضاۃؒ نے اپنی کتاب ''زبدہ'' میں عشق کے دو حصے کئے ہیں ایک حصہ ایک جواں مرد کو دیا، دوسرا حصہ دوسرے مرد عظیم کو عنایت فرمایا۔ نصف حصہ جس کو دیا وہ شیطان ہے کہ جس نے

اپنے آپ کو درمیان میں دیکھا اور یہ پسند نہیں کیا کہ غیر کو سجدہ کرے۔ دوسرا نصف حصہ جن کو تفویض فرمایا وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور دوسرے سب کے سب حضور ﷺ ہی کی طفیلی ہیں اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر پڑھا ؎

آمدم کہ عاشقاں را بہ در تو بار باشد　　　مسکین کسے کہ آنجا در آستاں نگنجد

پھر فرمایا کہ حضرت عین القضاۃؒ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ جب عشق کا دخل ہوتا ہے تو صفات مذمومہ بری خصلتوں یعنی صفات بشریت وانسانیت کا خاتمہ کر دیتا ہے۔اس کے بعد محمودات کا ظہور ہوتا ہے۔ اور جب محبت پیدا ہوئی تو وہ ان سب کو ختم کر دیتی ہے اس معنی کی مثال عصائے موسیٰ اور ید بیضا سے دی گئی ہے جس طرح عصائے موسیٰ جب کارفرما ہوا تو ساحران فرعون کے تمام سانپوں کو نگل گیا اور جب ید بیضا کی جلوہ گری ہوئی تو اسی عصا کو اس نے لکڑی کر دیا۔

خاکسار نے عرض کیا کہ اس بیان سے تو یہ لازم آتا ہے کہ عشق محبت سے پہلے ہے اور جب کمال محبت کو عشق کہتے ہیں تو محبت عشق سے مقدم ہے۔

محمودات کے ترک پر اہم نکتہ

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں پر نفس عشق ومحبت کی تقدیم وتاخیر کو نہیں بتاتا ہے بلکہ عشق ومحبت دونوں کے عمل اور تاثیر کو بتایا گیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس قول کے قائل کے نزدیک حکم اس کے برعکس ہو اور وہ ابتدائے محبت کو عشق کہتے ہوں اور یہ قول خود ان کا اپنا قول ہو جسے انہوں نے بیان کیا ہے۔

شیخ معز الدین نے عرض کی مذمومات بری خصلتوں سے نکل آنا ترک کے ذریعہ ہے لیکن محمودات کا ترک کیوں کر؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں پر محمودات کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کا ترک ہے۔

معبود باطل سے عشق کا واقعہ

اس کے بعد پھر عشق کے تذکرہ میں مشغول ہو گئے اور فرمایا کہ راجگیر کے پہاڑ کے

دامن میں جھرنا ہے اس چشمہ سے متصل بتخانہ ہے کافروں کے مذہب کا کوئی ایسا شخص جو عاشق اور تارک ہوتا ہے اور وہاں پہنچتا ہے تو اس کو اس بتخانہ میں جگہ دیتے ہیں اور ان کے دین میں یہ دستور ہے کہ جو تارک الدنیا اور عاشق ہوتا ہے، پتھر کا ایک چھوٹا بت بنا کر اپنے بائیں ہاتھ کی مٹھی میں رکھتا ہے اور زندگی بھر اس کو ہر وقت اور ہمیشہ اسی طرح رکھتا ہے کسی وقت بھی علاحدہ نہیں کرتا اگر ناخن بڑھ جاتے ہیں تو ان ناخنوں کو مٹھی کے اوپر لپیٹتے جاتے ہیں اور رات دن اسی پر نگاہ جمائے رہتے ہیں یہ لوگ استنجا بھی پاؤں سے کرتے ہیں۔

ایسا ایک جوگی راجگیر آیا تھا جس کی مٹھی میں پتھر کا ایک چھوٹا سا بت تھا اس کے ناخن ایسے بڑھ گئے تھے کہ مٹھی کے چاروں طرف لپٹے ہوئے تھے اتفاقاً وہ بت سنگین اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا وہ جوگی بیچارہ بے حال ہو گیا اور وہیں پر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا میں نے اتنے برس تک تجھے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا اور تیرے پریم میں سارا عالم تیاگ دیا اگر تو مجھے اپنا پریمی جانتا تو اس گھڑی ہرگز مجھ سے جدا نہ ہوتا جب تو نے مجھے چھوڑ دیا اور میری رفاقت تجھے گوارہ نہیں تو اب میرا جیون بیکار ہے اسی وقت چھری نکالی اپنے حلق پر چلا دی گلا کاٹ لیا اور جان دے دی۔

اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ایک ہندو پتھر کے ایک ٹکڑہ کی محبت میں ایسا کر گذرے، مومن جس کا دین سچا ہے اگر خود حق کی محبت میں جان فدا کرے تو یہ کون سے تعجب کی بات ہے؟

اور اسی معنی کی ایک دوسری حکایت بیان فرمائی کہ پچھمی ہندوستان میں قوم ہنود ایسا بت خانہ یا آشرم بناتے ہیں کہ جس کے چاروں طرف پتھروں سے اونچی چہار دیواری بنا دیتے ہیں اور وہ عورتیں جو بت کی عاشق ہو جاتی ہیں ان میں کی ہر ایک عورت ایک علاحدہ کوٹھری میں بت کی پوجا کیا کرتی ہے یہ عورتیں تمام چیزوں کو اس بت کی محبت میں ترک کر دیتی ہیں یہاں تک کہ اگر ان میں بت کی محبت غالب آجاتی ہے تو جس طرح شکر ادا کر کے روانہ ہوتے ہیں یہ بھی اسی طرح وہاں سے روانہ ہو کر پہاڑ میں آتی ہیں اور اس پہاڑ میں ایک کھوہ بناتے ہیں اور اس طرح کھوہ میں آ کر اس بت کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو جاتی ہیں اور اسی حال میں رہتی

ہیں اس کھوہ کے آگے درخت اور خاردار جھاڑیاں لگادیتے ہیں تاکہ کوئی شخص وہاں پہنچ نہ پائے اور کھانا پانی پہنچا نہ سکے۔ بعضوں پر دس دن بارہ دن اور بعضوں کو ایک چلہ اسی میں گذر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بالکل سوکھ جاتی ہیں اور آخر مر جاتی ہیں پھر اس عورت کو وہیں پر جلا دیتے ہیں اور اس کی خاک کو ہندو قوم آپس میں تقسیم کرلیتی ہے اور لوگ اسے تبرک کے طور پر لے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عاشقہ اور پریمی تھی۔

اور بعضوں کو اس بت کے غلبہ محبت میں یہ حال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو پاؤں کے ناخن سے سر کے بال تک ایک ایسے کپڑے میں جو روغن نفت سے تر کرلیا گیا ہو لپیٹ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھ میں آگ لگا دو اور لوگ آگ لگا دیتے ہیں اور تمام لوگوں کی نگاہ اس کے جسم پر ہوتی ہے کہ شاید اس کے سر کے بال ہلنے لگیں اگر بالوں میں جنبش آتی ہے تو کہتے ہیں صادق تھا اور بالوں میں ذرہ برابر حرکت نہیں ہوتی تو کہتے ہیں یہ سچا نہیں تھا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے جب یہ حکایت تمام فرمائی تو کہا کہ "سبحان اللہ سبحان اللہ" ایک کافر پتھر کے ایک ٹکڑہ کی محبت میں جو خود اس کا بنایا ہوا ہے اس پر اس طرح اپنی جان قربان کرتا ہے۔

بے راہ سے سبق لینا

اس کے بعد فرمایا کہ اور وہ جو سنا ہے بعض بزرگ اٹھے اور کلیسا کے اندر چلے گئے اس سے ان کی غرض یہی ہوتی ہے کہ کلیسا والوں کے حال کا معائنہ کریں اور ان کے عشق و محبت کو دیکھیں کہ وہ غیر حق کے ساتھ کیسی محبت کرتے ہیں۔ اس معنی کے معائنہ اور مشاہدہ سے حق تعالیٰ کے ساتھ جو ان کو عشق و محبت ہے اس میں زیادتی پیدا ہوتی ہے اور اہل سلوک کسی تحریر کے بارے میں جب سنتے ہیں تو اسے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پڑھتے ہیں، اس سے غرض ان کی یہی ہوتی ہے کہ اس طرح کی معنوی باتوں کی تلاش کریں اور ان کی اپنی محبت جو انہیں حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اس میں زیادتی پیدا ہو۔ چنانچہ اس معنی کی ایک حکایت حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے بیان فرمائی کہ ایک دن حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیرؒ اپنے مریدوں کے

ساتھ ایک جگہ تشریف فرما تھے اس شہر میں ایک جواری تھا اسے لوگ استاد کے لقب سے یاد کرتے تھے یعنی جوا کے فن میں اس نے استادی حاصل کی تھی۔ مریدوں کے درمیان گفتگو تھی کہ فلاں قمار باز (جواری) کو استاد کہتے ہیں خواجہ ابو سعیدؒ نے مریدوں سے یہ قصہ سنا تو مریدوں سے مخاطب ہو کر فرمایا چلو اٹھو مجھے اس جوا باز کو دکھلاؤ میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں، مریدین حیران ہوئے، ان لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت اس شخص کی کیا حقیقت جو حضور اس کے پاس تشریف لے جائیں گے؟ خواجہ ابو سعید نے ان کی یہ بات نہیں سنی روانہ ہوئے مریدان بھی ساتھ ہو لئے۔ ایک جگہ دیکھا وہ جواری ایک بوریا پر بیٹھا ہے مریدوں نے عرض کیا کہ حضرت یہی وہ شخص ہے جس کو استاد کہتے ہیں حضرت اس کے قریب گئے پوچھا کہ تمہیں کو استاد کہتے ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں! پھر آپ نے اس سے سوال کیا کہ یہ استادی کا لقب تو نے کس سبب سے پایا ہے؟ اس نے جواب دیا سچائی اور پاکبازی سے۔ خواجہ ابو سعید ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ کو اس کی اس بات سے ذوق اور حال پیدا ہوا اور اس حال میں فرمانے لگے کہ ایک جواری جوا میں پاکبازی اور راست بازی سے استادی کا لقب پائے اور تو وہ ہے کہ ابھی تک اپنی کجروی کے باوجود استادی کی تمنا کرتا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر فرمایا کہ اس معنی کے اعتبار سے اس کی اصل (موجود) ہے ارباب بصیرت اصحاب سلوک ہر بے راہ سے اپنی راہ درست کرتے ہیں اگرچہ ان کی روش ظاہر بینوں کی نگاہ میں غلط دکھائی دیتی ہے۔ پھر مثنوی کا یہ شعر زبان گوہر فشاں سے ارشاد ہوا ؎

بر درخت بقائے دوجہانی　　از رہ کفر در مسلمانی

عشق حقیقی میں غیرت

مجلس شریف میں غیرت کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں عشق حقیقی میں بھی "غیرت" ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "**ان سعد الغیور وانا اغیر عنہ و اللہ تعالی اغیر منا**" (بیشک سعدؓ غیرت مند ہیں اور مجھے ان سے زیادہ

غیرت ہے اور اللہ تعالیٰ ہم سے کہیں زیادہ غیرت والا ہے) لیکن دونوں غیرت میں فرق کیا گیا ہے "غیرت من اللہ" (غیرت اللہ کی جانب سے) یہ غیرت دوست کی اصلاح کی غرض سے ہوتی ہے یعنی دوست سے کوئی قصور سرزد ہوا یا وہ ارادت وشیفتگی اس سے فوت ہوئی تو کہتے ہیں یہ غیرت الٰہی ہے یعنی یہ جو اس سے ارادت فوت ہوئی یا قصور ہوا یہ خود اس کی اصلاح کے لئے ہوا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی۔

غیرت الٰہی کی مثال

(حضرت) شیخ نظام الدینؒ کے ملفوظ میں میں نے دیکھا ہے کہ جب خواجہ ابراہیم ادہمؒ کی ملاقات اپنے صاحب زادہ سے ہوئی باوجود اس درجہ قوت باطن اور قوت ولایت کے جوان کو حاصل تھی وہ شفقت جو اولاد سے فطری ہے وہ کیونکر ختم ہوتی صاحبزادہ کی طرف دل کا میلان ہوا جتنا دیکھتے تھے شفقت پدری کا اڈا اور زیادہ ہوتا تھا جب جدائی کی گھڑی آئی رخصت کرنے کے وقت ان کو گلے سے لگایا جس وقت صاحبزادہ کو گلے سے حضرت لگائے ہوئے تھے میلان طبع مبارک اس وقت بہت بڑھا ہوا تھا۔ صاحب زادہ پہلو سے چمٹے ہیں ٹھیک اسی وقت خواجہ ابراہیم ابن ادہمؒ کوندا ہوتی ہے کہ "یا ابن ادھم تدعی محبتنا وتحب معنا غیرنا" (اے ابن ادہم تو میری محبت کا دعویدار ہے اور میرے غیر سے بھی محبت کرتا ہے) خواجہ ابراہیم ادہم اسی حال میں دعا کرتے ہیں۔ الٰہی اگر یہ محبت تری محبت میں نقصان کا باعث ہے تو یا مجھے بلا لے یا اسے اٹھالے دعا صاحب زادہ کے حق میں قبول ہوتی ہے صاحب زادہ پہلو سے لگے ہوئے تھے اسی حال میں جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

قاضی خان نے عرض کیا کہ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زن وفرزند کی محبت جائز ہے تو خواجہ ابراہیم مباح محبت میں تھے یہ گرفت کیوں ہوئی ؟

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا اس کی اصل "حسنات الابرار سیئات المقربین" (ابرار کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہیں) پر ہے اگرچہ ظاہری شرع کے رو سے کوئی ہرج نہیں مگر خاص مقامات کے اعتبار سے مخلصین کی اتنی مقدار میں بھی پکڑ ہوتی ہے "لعلو من همّتِهِمْ

ولهـذايقال المخلصون علی خطر عظیم '' (کیونکہ ان کی ہمت بلند ہوتی ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ مخلص حضرات بڑے بڑے خطرات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں) اور یہ شعر مثنوی کا ارشاد ہوا ؎

نزدیکاں را بیش بود حیرانی　　　ایشاں دانند سیاست سلطانی

اس کے بعد فرمایا غیرت مجازی میں مزاج متغیر ہوتا ہے اور یہ اس جانب سے درست نہیں۔

عشق حقیقی میں مقام غیرت

پھر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ عشق حقیقی میں محبّ کی جانب سے غیرت کیونکر ہوگی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ (مجھے) گوارہ نہیں کہ کوئی دوسرا اس معنی میں شریک ہو اور بزرگوں سے بہت سارے کلمات منقول ہیں جس کو غیرت پر محمول کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے زبدہ میں دیکھا ہے کہ عین القضاۃؒ نے کہا ہے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ '' کے اقرار پر اگر صحت ایمان کا قیام نہ ہوتا تو عاشقوں کی زبان سے یہ کلمہ ادا نہ ہوتا غیر کے نام یا خود اس کے نام کے اعتبار سے اس قول کو بھی غیرت پر محمول کرتے ہیں جب بھی آدمی اس طرح کے کلمات دیکھے لرزہ براندام نہ ہو یعنی گھبرائے نہیں۔ اور منصور حلاجؒ کی نقل ہے کہ وہ اگر کسی کو اللہ کہتے ہوئے سنتے تھے تو اینٹ پتھر مارتے تھے اور یہ بھی غیرت کے مقام کی بات ہے۔

پھر قاضی صاحب نے پوچھا کہ عشق مجازی میں غیرت حسد کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے کہ دوسرا میرے محبوب کی محبت میں شریک نہ ہو عشق مجازی میں تو یہ ہوتا ہے عشق حقیقی میں غیرت کہاں سے پیدا ہوگی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا محبت کے حکم اور اس کے غلبہ کے سبب غیرت پیدا ہوتی ہے کیونکہ غیرت لازمہ محبت ہے اور یہ حقیقی اور مجازی دونوں میں مشترک ہے لہذا جہاں محبت نہیں ہے غیرت نہیں اسی طرح جہاں (محبت) نہیں ہے ناز و خفگی نہیں ہے۔

ہمت کی دولت کی برکت کا نتیجہ

مجلس شریف میں ہمت اور طلب کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگرچہ آدمی کو اطاعت و عبادت میں سے کوئی چیز حاصل نہ ہو لیکن ہمت کی دولت ہو تو اس ہمت کی برکت سے مقام حاصل کر سکتا ہے، مردان خدا جو پہنچے ہیں اسی ہمت سے پہنچے ہیں اور یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

ہمت از آنجا کہ نظر ہا کند خوار مدارش کہ اثر ہا کند

دنیا، عقبیٰ اور مولیٰ کے طالب کی قسم

اور فرمایا کہ ظاہر ہے اور باطن ہے اور طالب تین طرح کے ہیں۔ ایک طالب دنیا دوسرا طالب عقبیٰ تیسرا طالب مولیٰ۔ تو جو دنیا کے طالب ہیں اسباب کے ذریعہ دنیا حاصل کرتے ہیں اور وہ جو عقبیٰ کے طالب ہیں شریعت کے احکام ظاہری پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور عقبیٰ پاتے ہیں۔

مگر طالب مولیٰ جب تک ان کا باطن آراستہ اور درست نہیں ہوتا مقصود کو نہیں پاتے۔ یہ طالبین مولیٰ اول اول باطن کو سنوارتے ہیں اور اصل کام یہی ہے اور دوسری دوسری چیزیں ادا کرنے کی اور بجالانے کی ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ ہاں وقت کی نگہداشت و حفاظت (ضروری) ہے لیکن اصل کام یہی ہے کہ باطن کو صاف کریں۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ہر طلب میں دو چیزیں ہیں وصول کے اسباب کا اختیار کرنا اور جو بھی رکاوٹ کے اسباب ہیں ان کو چھوڑ دینا ان سے پرہیز کرنا ہے۔

تصفیہ باطن کب حاصل ہوتا ہے؟

خاکسار نے عرض کیا کہ ہمت اور طلب یہ دونوں ایک ہی ہے یا ایک دوسرے سے علاحدہ ہے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمت وہ ایک باعثہ ہے جو امور دینیہ اور حسنیہ کی طرف سے امور شریفہ اور عالیہ کی جانب کھینچتا ہے۔ اور طلب اس کے اسباب و شرائط کی بجا آوری میں مصروف ہونا ہے۔

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ جب راہ طلب میں مولی کے لئے تصفیہ شرط ہے تو اگر کوئی شخص مشغولیت رکھتا ہے اور ہمت وطلب مولی بھی اسے حاصل ہے پھر بھی جب تک اشغال سے علاحدہ نہیں ہوتا تصفیہ باطن حاصل نہیں ہوتا ہے ایسی صورت میں کیا کرے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تصفیہ باطن کے لئے اشغال کے ترک کی قید برائے حصول کمال ہے کچھ تو تصفیہ ہوگا لیکن بغیر ترک اشغال کے کمال تصفیہ حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔

حال، مقام اور وقت کا فرق

مجلس شریف میں حال مقام اور وقت کا تذکرہ آ گیا قاضی منہاج الدین درون حصاری نے عرض کیا کہ حال، مقام اور وقت کے درمیان کیا فرق ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس مسئلہ میں مشائخ کا بہت اختلاف ہے ہاں یہ ایک فرق بہت ہی خوب ہے، اسے دل میں جگہ دینا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ باطن میں کوئی معنی پیدا ہوتا ہے تو اسے غور کرے اور دیکھے اگر وہ معنی گھڑی گھڑی پیدا ہوتا ہے اور پھر چلا جاتا ہے قائم نہیں رہتا تو یہ حال ہے۔ جیسا کہ کہا ہے "الحال کاسمہ" (حال اپنے کا جیسا ہے) یعنی حال میں معنی پیدا ہوا اور پھر اسی گھڑی ناپید ہو گیا۔

اور اگر اسی معنی نے دل میں قرار پکڑ لیا اور جیسے جیسے گھڑیاں گذرتی گئیں وہ معنی قائم رہا اور آدمی نے اس کے ساتھ قرار اختیار کیا تو یہ مقام ہے۔

اور وقت کی تعریف یہ ہے کہ بندہ کو ماضی اور مستقبل دونوں سے باہر کر دے۔

مولانا نظام الدین مخدوم کے خالہ زاد بھائی نے عرض کیا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ آدمی کو ماضی اور مستقبل دونوں سے باہر کر دے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یعنی وقت کا جو تقاضہ ہو اس پر قائم رہے اگر وقت اس وقت سکون واجب کرے تو ٹھہر جائے، اگر اس کا وقت شکایت واجب کرے تو شکایت کرے اگر اس وقت صبر واجب کرے تو وہ صبر اختیار کرے اگر اس کا وقت بیقراری کا

تقاضہ کرے تو بیقراری اختیار کرے اور اس کا وقت گفتار کا تقاضہ کرے تو بیان وتقریر شروع کرے اور اگر اس کا وقت خاموشی چاہے تو خاموشی کو اپنائے اور اگر اس کا وقت صحبت خلق کا حکم کرے تو صحبت میل جول اختیار کرے اور اگر اس کا وقت کہے کہ تم خلوت نشین اور گوشہ گزیں ہو جاؤ تو عزلت وگوشہ اختیار کرلے اور یہ جو تم نے سنا ہے ''الفقیر ابن الوقت ''(فقیر وقت کا بیٹا ہے یعنی وقت کے مطابق کام کرتا ہے) وہ یہی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے'' الکیس من کان یحکم وقته ''یعنی'' ان کان وقته الصحو فقیامه بالشریعة وان کان وقته المحو فالغالب علیه احکامه الحقیقة ''(عقلمند وہ ہے جو وقت کے مطابق کام کرے یعنی اگر اس کا وقت صحو میں ہے تو احکام شریعت پر عمل پیرا ہو اور اگر وقت ایسا ہو کہ محویت کا غلبہ ہو تو احکام حقیقت کی موافقت میں ہو) اس تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ بندہ اپنے جملہ تصرفات اور اوصاف سے فانی ہو جائے اور وہ غیب کے تصرفات کا صرف مجری ہو اور اپنی خودی سے کچھ بھی اس میں باقی نہ رہے۔ یہ یہیں کی بات ہے جو تم نے سنی ہے کہ کسی دنیا دار نے ایک درویش سے درخواست کی کہ اپنے خاص وقتوں میں جو آپ کو اپنے رب کے ساتھ ہے اس وقت مجھے بھی یاد رکھیں انہوں نے جواب دیا برا ہو اس وقت کا کہ جب تو وقت خاص میں یاد آئے۔ اور الوقت سیف قاطع کی تاویل بھی یہی ہے جس طرح تلوار کا کام قتل ہے اسی طرح وقت بھی ہے۔ چنانچہ حق تعالی کی طرف سے جب سیف قاطع چلتی ہے تو ماضی اور مستقبل کو جڑ سے کاٹ ڈالتی ہے اور اس کلمہ کی تاویل اسی سے ہوتی ہے کہ'' سالک کو ایک خاص مقام ہوتا ہے جہاں نہ خوف کی گنجائش ہوتی ہے نہ امید کی''۔ یہ اس لئے کہ خوف کسی ناپسندیدہ پریشان کن پیش آنے والی بات کے انتظار کی توقع ہی سے پیدا ہوتا ہے اور رجا یعنی امید بھی محبوب کے انتظار کی توقع جو آنے والی گھڑی میں ہے اسی سے پیدا ہوتی ہے خوف ورجا دونوں کا تعلق مستقبل میں آنے والی گھڑی ہی سے ہے تو جب بندہ خود مستقبل سے ہی نکل آیا یعنی فکر فردا رہا ہی نہیں تو خوف رجا کہاں سے پیدا ہوگا۔



چوتیسواں باب

رویت مشاہدہ اور تجلیات کے بیان میں

جمال باری تعالےٰ اور جلال کا مشاہدہ

مجلس شریف میں اس حدیث کا تذکرہ آگیا" واذا نظروا الی الجمال طابوا واذا نظروا المولی الجلال ذابوا "حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا جب بہشت میں جمال باری تعالیٰ دیکھیں گے تو خوش وخرم ہوں گے اور جب جلال خداوندی پر نظر پڑے گی تو گداز یعنی پگھل کر پانی ہو جائیں گے یعنی مومنین جب بہشت میں داخل ہوں گے تو بہشت کو حور عین اور اس کی لوازمات اور نعمتوں سے آراستہ دیکھیں گے تو مست ہو جائیں گے اس کے بعد جب جمال باری تعالی نظر آئے گا تو طرب وشادمانی میں آجائیں گے اور جب جلال خداوندی پر نگاہ جائے گی تو گداز پیدا ہوگا (یعنی ایسی بوکھلاہٹ مزاج میں پیدا ہوگی کہ سب نعمتوں کو بھول جائیں گے)۔ اور یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

چشم شوخ تو خون من ریختہ بود　　آہ ارنہ لب تو دستگیرم بودی

اور فرمایا اس گداز (گھلنا اور پگھلنا) کی تاویل کی گئی ہے، یہ پگلاہٹ حقیقی نہ ہوگی کیونکہ بہشت اس کی جگہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب جلال پر نظر پڑے گی تو حال یہ پیدا ہوگا کہ بہشت میں جو کچھ بہشتیوں نے دیکھا ہوگا وہ سب بھول جائیں گا اور کوئی شئے بہشت کی اس وقت ان کو یاد نہ آئے گی ایسا بھولیں گے کہ ان کو خبر ہی نہیں رہے گی کہ دیکھا بھی ہے یا نہیں۔ مخدوم زادہ، سراج العارفین پڑھ رہے تھے۔ سبق جب اس جگہ پہنچا کہ مومنین جب پہلی بار جمال حق سبحانہ تعالی اپنی نگاہوں سے دیکھیں گے تو اس ذوق میں اسی (۸۰) سال تک بے خبر رہیں گے۔ حضرت مخدوم نے یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

جمال در نظر و شوق ہمچناں باقی　　گدا اگر ہمہ عالم بدو دہند گداست

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ جس وقت مومنین دیدار حق تعالی میں غرق ہوں گے وہ چیزیں جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے مثلاً بہشت کی نعمتیں حورعین سے مباشرت اور دوسری چیزیں جن کا وعدہ ہے اس گھڑی اہل بہشت ان چیزوں میں مشغول رہیں گے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا وہ چیزیں اپنے حال پر رہیں گی لیکن دیدار کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ بہشت کی لذتیں اور شہوتیں دیدار کی لذت کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی لاشئے ہے اور یہی بات ہے جو بزرگوں نے کہی ہے کہ بہشت حواس کے نفع اندوزی کی جگہ ہے لیکن دل کی لذتیں خداوند جل وعلا کے دیدار ہی میں ہیں۔

پھر قاضی صاحب نے عرض کیا کہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ مشائخ کی جو ہمت عالی ہے اس کے پیش نظر بہشت میں حورعین اور دوسری نعمتوں میں کیونکر مشغول ہوں گے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا دل کی رغبت کے ساتھ ان چیزوں میں مشغول نہیں ہوں گے لیکن کل قیامت کے دن حق سبحانہ تعالی حکم دے گا کہ نعمت ہائے بہشت، بہشت والوں کو پہنچائی جائیں تو تعمیل حکم میں وہ لوگ نعمتوں کی طرف متوجہ ہوں گے، بنابریں ان کی ہمتوں میں اس سے کسی قسم کا کوئی نقصان پیدا نہ ہوگا وہ جنت کی ان نعمتوں سے تعمیل حکم میں متمتع

ہوں گے میلان قلب اور رغبت دل کی وجہ سے نہیں۔

شراب طہور کون پلائیں گے

پھر عرض کیا کہ مومنوں کو شراب طہور کا وعدہ ہے یہ فرشتوں کے ذریعہ پلائی جائے گی یا بلاواسطہ ملے گی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا بواسطہ اور بلا واسطہ دونوں طور پر جیسا کہ کہا گیا ہے کہ بہشت میں جب یہ حکم نافذ ہوگا کہ مومنوں کو شراب کا پیالہ ہاتھ میں دو تا کہ وہ نوش کریں فرشتے شراب کے پیالے ہاتھ میں لے کر آئیں گے اور مومنوں کے سامنے پیش کریں گے اس وقت مومنین شراب کے جام ان کے ہاتھوں سے نہیں لیں گے اور یہ آیت کریمہ پڑھیں گے اور کہیں گے کہ ہم لوگوں نے کلام مجید میں پایا ہے ''سقھم ربھم شرابا طھورا'' (ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پلائے گا) مجھ سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ ساقی ہوگا یعنی خود اپنے ہاتھوں سے پلائے گا اس کے بعد فرشتوں کو حکم ہوگا کہ تم لوگ شراب کے جام رکھ دو وہ سب رکھ دیں گے اس وقت حق سبحانہ تعالیٰ اپنے دست قدرت سے مومنوں کو شراب پلائے گا۔

اس درمیان حاضرین میں سے ایک نے سوال کیا کہ یہ شرف دولت جملہ مومنین کو ملے گا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں ہر ایک کو ان کی مناسبت سے یہ دولت میسر ہوگی کیونکہ نفس 'سقھم' میں سب شریک ہیں لیکن لذت لوگوں کے لئے اپنے مقام کی نسبت سے ہوگی جس طرح نفس دیدار میں سب برابر ہیں لیکن لذت دیدار ہر ایک شخص کو اپنے رتبہ و مقام کے اعتبار سے حاصل ہوگی۔

شراب محبت

مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ کرہ میں ایک درویش نے یہ شعر پڑھا ؎

بے مئے مستم خدائے ساقی   یک خم چہ دہی ھزار باقی

اس موقع پر ایک طالب علم موجود تھے وہ اس درویش پر خفا ہوئے کہا کیا پڑھتے ہیں خدا کو ساقی کہہ رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ متعلم مفتی آگرہ کے پاس حاضر ہوئے اور شکایت کی

کہ فلاں درویش نے یہ شعر پڑھا ہے مولانا نے برجستہ کہا نہایت ہی اچھا شعر پڑھا ہے۔
حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا شراب سے مراد یہ شراب نہیں ہے بلکہ اس سے معرفت و محبت حق تعالیٰ مراد ہے یعنی اس کے معنی کو شراب معرفت و محبت حق تعالیٰ پر محمول کرنا چاہئے۔ اور معنی تو حق تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور بندہ کے دل پر معنی کا ورود اللہ ہے کی طرف سے ہوتا ہے اور خود اس آیت کریمہ میں صاف ہے "سقهم ربهم شرابا طهورا" قاضی صدرالدین نے عرض کیا کہ تجلی کے معنی کیا ہیں؟

تجلی واستتار کے معنی

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تجلی کے لغوی معنی کشادہ ہونے کے ہیں اور استتار کے معنی پوشیدہ ہونے کے ہیں اور یہ دونوں لفظ صوفیوں کے یہاں معروف و مشہور ہیں۔ اس گروہ صوفیہ کی مراد تجلی سے حق کا کھلنا اور روشن ہونا ہے اور استتار سے مراد حق کا چھپنا ہے اس سے حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات نہ سمجھی جائے کیونکہ تلون رنگ برنگ کا ہونا اس کی ذات پاک کے لئے جائز نہیں اسے یوں سمجھئے کہ کسی پر کوئی مسئلہ روشن ہوا تو کہتے ہیں مسئلہ کھل گیا مسئلہ نہیں کھلتا ہے بلکہ آدمی کی طبیعت کھل جاتی ہے ایسی کہ مسئلہ کو پالیتا ہے یعنی اس کے علم کے کھل جانے کو مسئلہ کہتے ہیں اور جہل اس کے لئے پوشیدہ ہونے کو مسئلہ کہتے ہیں اگر آدمی کا سر اپنی خودی کے ساتھ مشغول ہوا تو غیب کی دید سے پوشیدہ ہو گیا اس کو استتار کہتے ہیں۔

پھر اس کے بعد جب سب کچھ اللہ کی جانب سے دیکھے اور وہ سب کچھ اللہ ہی سے ہے اس کو حق ہی دیکھے نہ یہ کہ اپنی طرف سے نہ ان سب کی طرف سے خود کو دیکھے اور اپنے حجاب بشریت کو درمیان سے اٹھا دے اور غیب دیکھے اس کو تجلّی کہتے ہیں اور یہ بات ایمان طاعت کے اندر کی ہے یعنی ایمان کا لانا اور بندگی کی خوبی سے حق سبحانہ تعالیٰ کا احسان جانے نہ یہ کہ اسے اپنا کارنامہ سمجھے اور شکر میں بھی اسی کی توفیق پر نگاہ رہے نہ یہ کہ میں نے شکر ادا کیا اور بلاؤں پر صبر کیا۔ اس صبر کو بھی اللہ کی طرف سے دیکھے نہ یہ کہ اپنی طرف سے کہ میں نے صبر کیا اور ایمان پر قائم رہنا یہ بھی اللہ ہی کی جانب سے دیکھے نہ یہ کہ اپنی جانب سے ثابت قدمی کو

تصور کرے۔ تجلی کی یہی تعریف ہے۔

لیکن تجلی حق کی علامت خاص سر میں ہوتی ہے سر ایک ایسی چیز کو دیکھتا ہے جو عبارت و بیان میں نہیں آسکتی اور فہم میں بھی نہیں آسکتا۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ جس وقت سر میں حق تعالی کی تجلی ہوتی ہے اس تجلی کی درستگی جو کہ حق ہی سے ہے ایسی ہے کہ فہم کی اس تک رسائی نہیں کہ یہ کیا میں نے دیکھایا؟ کیا دیکھ رہا ہوں؟ عبارت اس کو بیان نہیں کرسکتی کہ سر نے کیا دیکھا؟ تو ماحصل اس کا یہ ہوا کہ حجاب بشریت کا اٹھ جانا ہی تجلی ہے۔

ذات کی تجلی وصفات کی تجلی میں فرق

مبارک قصوری نے عرض کیا کہ تجلیات کے درمیان فرق کس طرح کیا جائے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ذات کی بھی تجلی ہے اور صفات کی تجلی ہے۔ حق سبحانہ تعالی کی تجلی کو دو قسم پر بیان کیا گیا ہے جمال اور جلال۔ اگر کسی پر جلال کی تجلی ہوتی ہے تو خوف پیدا ہوتا ہے اور اگر جمال کی تجلی ہوتی ہے تو امید پیدا ہوتی ہے۔ تجلیات کے درمیان فرق اس کے اثر سے حاصل ہوتا ہے یہ اس لئے کہ ہر صفت کی ایک تاثیر ہے تو جس صفت کی تجلی ہوتی ہے اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ جلال کی تجلی میں خوف ہی خوف ہے اور گھلنا ہے۔ اور جمال کی تجلی میں امید ہی امید ہے اور لطف ومزا، اور لقا بھی ہے۔

جیسا کہ کہتے ہیں کہ جناب عیسی علیہ السلام پر احیا کی صفت کی تجلی تھی لازما اس کی تاثیر آپ میں پیدا تھی اور وہ اثر احیاء موتی مردہ کو زندہ کرنے کا تھا اور باقی صفات کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔

مبارک قصوری نے عرض کیا کہ تجلی ذات کے لئے روح مخصوص ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں! محل مشاہدہ روح ہے اور دل محبت و معرفت کی جگہ ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا اہل مشاہدہ کو جب مقام مشاہدہ میں مشاہدہ ہوتا ہے تو وہ فانی ہو جاتے ہیں خود کو اس مشاہدہ میں نہیں دیکھتے ہیں۔

فنائے فنا کا تذکرہ

اس گفتگو کے درمیان فنائے فنا کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کشف المحجوب میں سید علی ہجویریؒ سے منقول ہے کہ فنائے فنا ایک بے معنی عبارت ہے یہ اس لئے کہ اگر فنائے فنا کے کوئی معنی لئے جائیں تو فنائے فنا کا اثبات کرنا پڑے گا اور تسلسل لازم آئے گا اور بعضوں کا قول ہے کہ فنا کے شعور کے ختم ہو جانے کا نام فنائے فنا ہے یعنی ایسا شخص جو فانی ہو گیا ہے اگر اپنی گم گشتگی کو بھی نہ پائے تو یہ فنائے فنا ہو گی، جو لوگ فنائے فنا کہتے ہیں وہ اس کا مطلب یہی لیتے ہیں۔

عرفاء کے نزدیک شرک کیا ہے

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ عرفا تمام افعال کو اللہ ہی کی طرف سے دیکھتے ہیں اور اسی کی طرف منسوب کرتے ہیں یعنی جو فعل بھی مجھ سے وجود میں آتا ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے اور فعل کا اثبات اپنی طرف کریں تو یہ ان کے نزدیک شرک ہو گا۔

یہاں پر خود یہ شبہ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے ظاہر کیا کہ یہ مذہب جبریہ کا ہے اور اس مسئلہ میں عارفوں کی یہ نظر اور جبریہ کا یہ مذہب دونوں ایک ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب کیا ہو گا؟ خود ہی حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس ایراد وسوال کا جواب ارشاد فرمایا کہ اس معاملہ میں ایک بہت ہی باریک نکتہ ہے جس سے اس کا فرق ظاہر ہوتا ہے جب تک اس نکتہ کا علم نہ ہو گا فرق معلوم نہیں ہو سکتا۔ وہ باریک نکتہ یہ ہے کہ عرفا فعل کی اضافت اپنی جانب نہیں کرتے سب کچھ وہ اللہ ہی کی جانب سے جانتے ہیں جو فعل بھی وجود میں آیا ہے وہ اللہ تعالی کی دی ہوئی توفیق سے صادر ہوا ہے۔ تو یہ لوگ توفیق کے مشاہدہ میں ایسا مستغرق ہوتے ہیں کہ ان کی نگاہ اپنے کام کے سلسلہ میں اپنے اوپر نہیں ہوتی اللہ تعالی کی بخشی ہوئی توفیق میں خود کو گم کر دیتے ہیں، ان کا عمل یہ تو ہوتا ہے لیکن عقیدہ اس پر رکھتے ہیں کہ بندہ کسب اور کام کرنے پر مختار اور مامور ہے کام بھی کرتا ہے مگر توفیق باری تعالی کے مشاہدہ میں ہونے کے سبب سے اپنے کئے ہوئے کام پر اپنی جانب ان کی نظر نہیں ہوتی اپنے اوپر سے نظر اٹھا لیتے

ہیں۔ برخلاف اس کے جبریہ کا اعتقاد یہ ہے کہ بندہ کے جملہ افعال وکسب کو وہ حق تعالی کی جانب سے جانتے ہیں اور بندہ کے اختیار وکسب کی نفی کرتے ہیں۔

مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ بندہ کے اختیار کو جسے اختیار ضروری کہتے ہیں ۔یہ کہاں سے ثابت ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اگر چہ اختیار ضروری کہتے ہیں یہ بھی اختیار ہی ہے ضروری فعل کا اضافہ اس اختیار پر ہوتا ہے۔اور کہتے ہیں کہ یہ کام اس نے کیا لیکن اختیار ضروری اس سبب سے کہتے ہیں کہ جو کچھ ہوا وہ اللہ تعالی کے اختیار اور خواہش سے ہوا ہے۔ بندہ اسی کو اختیار کرے گا اس کے سوا اور کچھ اختیار کر ہی نہیں سکتا ''وما تشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ '' (اور بغیر خدا کے چاہے تم لوگ کوئی بات چاہ نہیں سکتے) تو بندہ اس اپنے اختیار میں مضطرب و بے چین ہے اس وجہ سے ''اختیار ضروری'' کہتے ہیں اور حضرت عین القضاۃؒ کے ایک مکتوب میں اس کی مثال دی گئی ہے کہ ہوا کا بگولہ جب اٹھتا ہے تو ذرے ہوا سے متحرک ہوتے ہیں جو بھی دیکھتا ہے سمجھتا ہے کہ ذرہ متحرک ہو رہا ہے۔حقیقتاً ایسا نہیں ہے بلکہ ہوا کی حرکت سے ذرہ متحرک ہو رہا ہے تو ہوا کی حرکت کے باوجود اگر ذرہ چاہے بھی کہ متحرک نہ ہو ایسا نہیں ہوسکتا ہے اس لئے کہ خود ذرہ ہوا کی حرکت میں متحرک ہونے کے لئے بے چین اور مضطرب ہے بالکل اسی طرح بندہ کے اختیار کو سمجھئے جو اللہ تعالی اختیار فرماتا ہے بندہ وہی اختیار کرتا ہے اگر بندہ چاہے بھی کہ اسے اختیار نہ کرے تو ایسا نہیں کرسکتا ہے۔حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہاں پر خود ہی ایک شبہ وارد کیا کہ اگر کوئی کہے کافر کفر سے اور عاصی گناہوں سے معذور ہوتا ہے یہ اس لئے کہ ان لوگوں سے کفر اور گناہ جو وجود میں آیا ہے وہ بھی اللہ کی منشاء سے ہوا ہے اور اس سے ان کے اختیار کی نفی ہوتی ہے اس شبہ کا جواب بھی خود حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ یہاں پر ایمان اور اطاعت کے معاملہ میں کافر کے اختیار اور عاصی کے اختیار کی نفی لازم نہیں آتی ہے، اس لئے کہ جس قوت اور استطاعت سے کافر نے کفر اختیار کیا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ ایمان اختیار کرے اور اسی طرح

کام اختیار کرنے کے اعتبار سے بندہ کا اختیار ثابت ہو گیا ''بندہ خود مختار ہے مجبور نہیں''۔

فرمایا اس پر پر ایک دوسرا شبہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب کہ کافر نے وہی کیا جو خدا نے چاہا اور عاصی نے بھی وہی کیا جو اللہ کی منشا ہوئی تو یہ مطیع ہوئے۔ اس کا جواب بھی خود حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے دیا کہ ان کی اطاعت مامور بہ ہے جس کی بجا آوری ان پر رکھی گئی ہے، یہاں پر یہ لوگ اس فعل پر ہیں، نہ اس پر جو اُن پر رکھا گیا ہے۔ تو اس کو اطاعت نہیں کہیں گے۔ جتنی چیزیں ہیں وہ ایک چیز کے ساتھ مخصوص ہیں اس چیز کے علاوہ دوسری چیز وہ کر ہی نہیں سکتے ہیں مگر آدمی جس کو ایک قوت ملی ہوئی ہے اس قوت سے بندگی کرتا ہے اور وہ اسی قوت سے معصیت گناہ بھی کرسکتا ہے تو اس وقت خاص میں وہ مختار ہے اور اسی سے وہ اوامر و نواہی کی قابلیت رکھتا ہے اور اسی حیثیت سے وہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے۔ اس موقع پر زبان مبارک سے یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

کس بدیں داغ تو بودی و من　　　تو بریں باغ تو بودی و من



پینتیسواں باب

شطحیات، طامات، تعریض اور کھلی کشادہ عریاں اور بے باک باتوں کے بیان میں

شطح کے متعلق شرعی حکم

مجلس شریف میں خوارزم کے ایک مسافر شمس الدین خوارزمی زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ قدم بوسی کے شرف سے مشرف ہوئے اور آداب المریدین کا درس لینا شروع کیا۔ جب سبق شطحیات کی فصل میں پہنچا تو حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا الشطح ھو التو سع فی الکلام وعدم المبالات. یعنی صوفیوں سے حالتِ سکر کی حالت میں فنا اور بیبا کی کی بعض باتیں صادر ہوتی ہیں۔ جیسا کہ خواجہ بایزید بسطامی نے سبحانی ما اعظم شانی (پاک ہے میری ذات اور میری شان کتنی بڑی ہے) کہا ہے اور ایک بزرگ نے قدمی علی رقاب الاولیاء (میرا قدم اولیاء کی گردن پر ہے) فرمایا اس کے متعلق حکم ہے کہ ایسے کلمات کو نہ

رد کریں اور نہ قبول (یعنی نہ ان کا انکار کریں اور نہ اقرار) یہ کلمات جن کو بعض متصوفین نے بیان کئے ہیں دو قسم کے ہیں ایک کلمات تو وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ سے عشق ووصال کے بڑے بڑے دعوے پائے جاتے ہیں۔ ایسے دعوے کرنے والے اپنے کو اعمال ظاہری سے بے پروا سمجھتے ہیں۔ اس دعوی میں اتحاد، مشاہدہ اور روبرو گفتگو کی باتیں ہوتی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس نے مجھ سے یوں کہا اور میں نے اس طرح کہا۔ ایسے لوگ مثال اور ثبوت میں منصور حلاج کے قول انا الحق اور ابو یزید بسطامی کے کلمہ سبحانی مااعظم شانی کو پیش کرتے ہیں۔

شطحیات کی دوسری قسم غیر واضح اور غیر مفہوم ہے۔ اس میں ایسی عبارتیں ہوتی ہیں اور ان کے معنی ایسے ہوتے ہیں جن سے دل کو حیرانی اور عقل کو دہشت و پریشانی ہونے لگتی ہے۔ ایسے ہی کلمات کی طرف رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے ماحدث احدکم قوما الحدیث لا یفهمونه الا کان فتنة علیهم (جس جماعت وگروہ نے غیر مفہوم عبارت بیان کی اس سے فتنہ کے پیدا ہونے کا احتمال ہے)۔

مقام لطف کی حکایت

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک سال قحط پڑا بارش بند تھی شہر والے جناب موسیٰ پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ استسقاء یعنی بارش کی دعاء کے لئے شہر سے باہر تشریف لے چلیں۔ موسیٰ علیہ السلام وحی کے منتظر ہوئے کہ (دیکھیں) اس کے بارے میں کیا وحی آتی ہے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اسی درمیان حکم خداوندی ہوا کہ برخ بن برخیا زاہد جو اس شہر میں ہے اس سے کہئے کہ شہر سے باہر آ کر استسقاء کی دعا کرے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے برخ سے کہا ایسی وحی آئی ہے، استسقاء کے لئے شہر سے باہر آؤ، برخ نے قبول کیا۔ شہر سے نکل کر میدان میں آیا اور تمام خلق اس کے ساتھ باہر آئی۔ برخ بن برخیا زاہد آگے آیا، لوگ پیچھے کھڑے رہے لیکن دعاء نہیں کی بلکہ خاموش کھڑا رہا یکا یک ہاتھ آسمان کی جانب اٹھایا اور کہا "ممن تعلمت هذا البخل" (یہ بخالت تو نے کہاں سیکھی) یہ کہنا تھا کہ بادل جھوم کر آیا اور بارش ہونے لگی اس کے بعد تمام

مخلوق لوٹ آئی۔ دوسرے دن موسیٰ علیہ السلام سے برخ کی ملاقات ہوئی۔ تو برخ نے کہا آپ نے دیکھا کیسا میں نے اس کو کہا۔ اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے ولیوں سے ایسی ہی گستاخی ہوتی ہے وہ قرب وانبساط کی حالت میں ایسے کلمات کہہ جاتے ہیں۔ اس طرح کی باتیں مقام لطف کی ہیں۔ اور برخ نے جو یہ بات کہی یہ بھی مقام لطف ہی کی بات ہے۔

اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ دواشعار پڑھے ؎

لا جرم ایں راہ پیش آمد پدید   ہر یک بر حد خویش آمد پدید
کے تو اندیشد دریں راہ خلیل   عنکبوت مبتلا ہم سیر پیل

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ پیغمبران علیہم السلام سے اس طرح کے کلمات کا ظہور نہیں ہوا تو اولیاء اللہ سے ایسی باتوں کا اظہار کیوں کر ہوا؟

عظمت انبیاء اور مقام اولیاء

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا معنوی حیثیت سے یہ بھی پیغمبران علیہم السلام ہی کا معجزہ ہے۔ یہ انہی کی عظمت ہے اور یہ ان ہی کے بلندیٔ مرتبت کی دلیل ہے۔ یہ اس لئے کہ انبیاء ہی کی امت اولیاء ہیں۔ جبکہ اولیاء کو ایسی کرامتیں حاصل ہیں تو سمجھنا چاہئے کہ انبیاء کو اور کس درجہ بلند و بالا کرامتیں (معجزات) ہونگی۔ اولیاء کی کرامتیں معناً انبیاء علیہم السلام کے معجزے ہیں اگر چہ صورتاً اولیاء سے صادر ہوتی ہیں اس لئے کہ اولیاء نے جو یہ نعمتیں پائی ہیں وہ سب کی سب پیغمبران علیہم السلام کی اتباع و پیروی کے سبب سے پائی ہیں تو ساری نعمتیں اور کرامتیں انہی سے ہیں۔

اصحاب صحو

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ سکر کی قسم میں سے ہے اور انبیاء علیہم السلام اصحاب صحو ہیں انبیاء کا سکر ان کے صحو کے نیچے دبا ہوتا ہے اور سکر یہ ہے کہ قطرہ ہی میں مست ہو جائے۔ اصحاب صحو سمندر کے سمندر گھونٹ جاتے ہیں اور ذرّہ برابر فرق پیدا نہیں ہوتا اس پر طلب کا یہ ''ھل من مزید'' (اور ملے اور)۔

پھر قاضی صاحب نے گذارش کی کہ نبی کے ہوتے ہوئے ولی کو دعاء کرنے کا حکم ہوا اس کے کیا معنی ہیں؟

افضل کے مقابلہ مفضول سے دعا کرانا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کو اللہ تعالی کی قدرت کاملہ کا اظہار سمجھنا چاہئے جیسا کہ روایت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک سال بارش بند تھی۔ جناب سلیمان علیہ السلام شہر سے باہر آئے تا کہ بارش کی دعاء کریں۔ دیکھا کہ ریگستان میں ایک چیونٹی پڑی ہے اور کہہ رہی ہے خداوندا گناہ تیرے بندے کریں اور تو مجھے ریگستان میں جھلسائے۔ ہوا کو حکم تھا کہ جو بات بھی کسی سے سنے جناب سلیمان علیہ السلام تک اس خبر کو پہنچا دے۔ ہوا نے چیونٹی کی یہ مناجات سلیمان علیہ السلام تک پہنچائی۔ جناب سلیمان علیہ السلام اسی وقت لوٹ آئے اور لوگوں سے کہا واپس چلو۔ حق سبحانہ تعالی نے چیونٹی کی دعاء سے بارش بھیج دی ہے۔

اس بیان کے خاتمہ پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا پیغمبر کی موجودگی کے باوجود ایک چیونٹی کی دعاء سے حق سبحانہ تعالی نے بارش بھیجی ایسے موقع پر قدرت کا اظہار اور اپنی بے پروائی استغنا کی جلوہ گری مقصود ہوتی ہے اور یہ مثنویات زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمایا۔

بے نیازی بیں و استغنا نگر　　خواہ مطرب باش خواہی نوحہ گر
برق استغناء چوناں ایں جا فروغ　　گر تف او صد جہاں ہائے بسوخت
صد جہاں اینجا فرو بردہ بہ خاک　　گر جہاں نہ بود دریں وادی چہ باک

طامات صوفیا

مجلس شریف میں طامات صوفیاں کا تذکرہ آ گیا حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا "طامات" اس کو کہتے ہیں کہ عمل کرتے ہیں باطن پر لفظ ظاہر مفہوم کے انکار کے ساتھ اور یہ جو صوفیوں کے کلمات کو طامات صوفیا کہتے ہیں سراسر غلط کہتے ہیں۔ نعوذ باللہ منہا کہ صوفیوں نے ایسا کیا ہے یا ایسا کرتے ہیں (اللہ اس سے پناہ میں رکھے) لوگوں نے ان پر جھوٹ کا ایک طومار باندھ رکھا ہے اور ان کے اعتبارات کو طامات صوفیاں کا نام دے ڈالا ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ

صوفیا از روئے اعتبار لفظ کے باطن پر عمل کرتے لفظ کے ظاہر مفہوم کے اندازہ کے ساتھ جب منکروں نے یہ دیکھا کہ ظاہر لفظ کا مفہوم ترک کرتے ہیں اور لفظ کے باطن کو اختیار کرتے ہیں تو طامات صوفیاں اسے کہنے لگے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔''اذھب الی فرعون انه طغی'' جب اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو حکم بھیجا، فرعون کی کی طرف جائیں کہ اس نے نافرمانی کی ہے۔ فرعون کو ہر شخص جانتا ہے سمجھتا ہے کہ فرعون شخص معین کا نام ہے جو کہ کافر تھا جناب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون کی طرف جائیں اور ایمان کی دعوت دیں ظاہر لفظ کا مفہوم تو یہی ہے۔ صوفیا اس آیت میں ظاہر لفظ کے مفہوم کا اقرار کرتے ہیں اور ظاہر لفظ کے مفہوم کو قائم بھی رکھتے ہیں نعوذ باللہ ان کو ترک یا انکار نہیں کرتے ہیں لیکن صوفی حضرات یہاں پر ظاہر کے اصل مفہوم کو لیتے ہوئے از روئے اعتبار نفس کی جانب آجاتے ہیں یہ اس لئے کہ فرعون کی جانب جانے کے معنی فرعون کی نافرمانی کے ہیں یعنی اس کی اصلاح کے لئے اور نفس بھی بے فرمان ہے لہٰذا مفہوم کو اس اعتبار سے نفس کی جانب لے جاتے ہیں منکرین شرارت کے طور پر یہ بہتان باندھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صوفی حضرات ظاہر لفظ کے مفہوم کا انکار کرتے ہیں اور لفظ فرعون سے فرعون کافر نہیں بلکہ نفس مراد لیتے ہیں کیونکہ نفس ہی بے فرمان ہے۔ خلاصہ یہ کہ طامات اسی کو کہتے ہیں۔

تعریض کیا ہے؟

مجلس شریف میں ''تعریض'' کا تذکرہ آگیا حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا بات پردہ سے کہنے کو تعریض کہتے ہیں اور یہ پیغمبر علیہ السلام کی سنت ہے وہ اس طرح سے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے عیب سے مطلع ہوتے اور وہ شخص مجمع میں بیٹھا ہوتا تو تعریض فرماتے یعنی اجمالاً یوں گفتگو شروع فرماتے کہ اگر کسی بھی شخص میں یہ عیب ہو تو یہ اچھی بات نہیں ہے، چاہئے کہ اس عیب کو دور کریں یا اگر کسی جماعت کو کسی عیب میں مبتلا دیکھتے تو فرماتے کہ اگر کسی جماعت میں اس طرح کا عیب ہو تو یہ اچھی چیز نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم کی تعریض

اور حضرت خلیل علیہ السلام کے اس قصہ میں کہ آپ نے فرمایا''ھذا ربی فلما افل قال

لا احب الافلین ''(یہی میرا پروردگار ہے پھر جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے فرمایا کہ غروب ہونے والی چیزوں کو میں دوست نہیں رکھتا) حضرت خلیل اللہ نے یہ تعریض کے طور پر کہا ہے ہرگز سوچ، غور، فکر اور شک وشبہہ میں مبتلا ہو کر نہیں فرمایا۔ امام زاہد کی تفسیر میں اس کی نہایت ہی صحیح تاویل کی گئی ہے اسے خوب ذہن نشین کرنا اور اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔ وہ قصہ یوں ہے کہ جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے عہد میں تین قومیں تھیں ایک قوم ستارہ پرست تھی دوسری چاند کی پوجا کرتی تھی تیسری آفتاب کی پرستش کیا کرتی تھی اور یہ تینوں ہی قومیں بڑی سخت تھیں۔ جناب خلیل اللہ علیہ السلام نے ان کو اسلام کی دعوت دینے کا ارادہ کیا ان کی سختی کی وجہ سے آپ نے کہا کہ اگر یکا یک ان پر اظہار دعوت کروں گا تو یہ ہرگز نہیں سنیں گے لہٰذا ایک خاص طریقہ سے ان کے سامنے دعوت اسلام پیش کیا جائے۔ چنانچہ تن تنہا پہلے ستارہ پرستوں کی قوم میں تشریف لے گئے اور ان کی جماعت میں اسی طرح بیٹھے جوان کے بیٹھنے کے انداز تھے، سبھی اسی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ستارہ نکل آئے جب ستارہ نکل آیا تو آپ نے ہرگز تردد وشک کے طریقہ پر نہیں بلکہ تعریض کے طور پر فرمایا ھذا ربی (یہی میرا پروردگار ہے) تاکہ ستارہ پرستگان سمجھیں کہ یہ بھی ہمارے ہی درمیان سے ہیں اور وہ گریز نہ کریں اور اس طور سے ستارہ پرستوں پر ستارہ کے رب ماننے کی برائی آشکارہ کریں اس کے بعد جب ستارہ ڈوب گیا اور غائب ہو گیا تو جناب خلیل علیہ السلام نے اس طریقہ پر کہنا شروع کیا کہ ستارہ پرست سن لیں۔ آپ خود بہ خود متکلم ہوئے کہنے لگے یہ ستارہ طلوع بھی ہوا اور ڈوب بھی گیا اور غائب ہو گیا۔ خدا کی یہ صفت نہیں کہ اس میں ردوبدل ہو، وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو، اگر یہی صفت خدا کی ہے تو پھر بندہ اور خدا میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے۔ بیشک یہ ستارہ خدا نہیں ہے اور ایسے خدا سے میں دل نہیں لگاتا۔ اور اسی طرح حضرت خلیل اللہ نے چاند اور سورج کے معاملہ میں بھی کہا وہ لوگ جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نزدیک ہی تھے سب سوچنے لگے ان لوگوں کو آپ نے قائل کر دیا وہ کہنے لگے یہ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ خدا کے لئے تغیر وتبدیل اور انتقال ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور طلوع وغروب ہونا یہ سب نقصان کا باعث ہے اور خدا کی ذات میں کمی وبیشی ہو یہ نہیں ہو سکتا۔ سب کے سب اپنے سابقہ

دین سے پھر گئے۔ حضرت خلیل اللہ نے اس طور سے سب کو دین اسلام میں داخل فرمالیا۔

تو کیا اس طرح کی مصلحت آفرینی کو انبیاء کی تلبیسات (فریب دہی) کہیں گے؟ ان کا اس طور سے کہنا تعریض کے طریقہ پر تھا اور اس کہنے سے ان کا مقصود یہ نہ تھا کہ **نعوذ باللہ منہا** حضرت خلیل اللہ کو کوئی شک و شبہہ اور تردد واندیشہ تھا۔

قصص الانبیاء وغیرہ میں جو اس قصہ کو بیان کیا گیا ہے وہ بالکل غلط ہے کیونکہ کتاب و سنت کے موافق نہیں ہے۔ ان کتابوں میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ نمرود علیہ اللعنۃ کے وقت میں حاملہ عورتوں کے شکم سے بچہ کو نکال کر مار ڈالا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی والدہ حاملہ تھیں وہ ایک کھوہ (غار) میں چلی گئی تھیں اسی غار میں جناب ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی ایک رات غار سے باہر نکلے ان کی نگاہ ستارہ پر پڑی تو کہا یہ میرا پروردگار ہے جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو کہا ارے یہ تو غائب ہو گیا میں ایسے کو دوست نہیں بناتا اور اسی طرح چاند و سورج کے بارے میں بھی آپ نے کہا اور پھر سب سے پھر گئے۔ یعنی سبھوں کی خدا کا انکار کر دیا۔

اس بیان کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت انبیاء علیہم السلام قبل اظہار نبوت اور بعد اظہار نبوت ہر قسم کے شرک سے معصوم ہیں اور دونوں ہی حال میں یعنی قبل اظہار نبوت اور بعد اظہار نبوت خدا کی معرفت کے معاملہ میں سارے جہاں کے لوگوں سے زیادہ عارف ہیں۔

اس قصہ سے لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ منہا اظہار نبوت کے قبل آپ کو معرفت الٰہی حاصل نہ تھی ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس طرح کی باتیں جو کہی گئی ہیں وہ تعریض کے طور پر کہی گئی ہیں نہ آپ کو تردد وشک تھا۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس قسم کے قصے ہر شخص کو سننا درست نہیں ہے۔ ہاں اس کے لئے جائز ہے جو اصول دین اور قوانین علم کلام وغیرہ سے واقفیت رکھتا ہے اس لئے کہ وہ فرق کر سکتا ہے کہ کون سی روایت کتاب وسنت کے موافق ہے اور کون سی بات مخالف ہے عامی آدمی جس کو علم نہیں ہے اگر ایسی باتوں کو سنے گا جو موافق کتاب کے نہیں ہے اور اس پر اعتقاد کرے گا اس کا یہ اعتقاد مخالف کتاب وسنت کے ہو گا ایسے بہت سارے قصے ہیں جو اصول دین کے مطابق پورے

نہیں اترتے۔اوروہ قصہ کہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی منکوحہ کو کہا کہ 'ھذا اختی' (یہ میری بہن ہے) یہ بھی تعریض کے طور پر کہا ہے حضرت کے اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ یہ میری دینی بہن ہے اور یہ درست ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب بتوں کو توڑنے کے خیال سے آپ لوٹ آئے تو آپ نے کہا میں بیمار ہوں اور بظاہر تندرست تھے لیکن خود کو بیمار کہنے سے مقصود آپ کا یہ تھا کہ ہر آدمی میں کچھ نہ کچھ مرض ہوتا ہی ہے اگر چہ وہ نمایاں نہ ہو یا آپ کا مقصد یہ ہو کہ میں بیمار ہوں۔ جس کسی کو مروت ہوتی ہے وہ قطعاً رنجور ہوتا ہی ہے اصل اس کی یہ کلیہ ہے کہ 'الکائن قدرا مقدورا (ہونے والی چیز ہوتی ہے) تو گویا (کیفیت) اضمحلال ورنجور موجود تھی۔

قوئس عیسائی کا تعریض وحیلہ کے ساتھ دعوت اسلام دینا

اوروہ قصہ کہ جس میں عیسی علیہ السلام نے شمعون اور یحییٰ بن زید کو دعوت اسلام کے لئے انطاکیہ بھیجا تھا ان کی تبلیغ ودعوت کا قصہ طولانی ہے عرض وہ لوگ انطاکیہ گئے اور کھلے عام لوگوں کو دین کی طرف بلایا۔لوگوں نے ان کی دعوت قبول نہیں، انہیں بڑی تکلیفیں دیں اور آخر کار ان لوگوں کو قید خانہ میں ڈال دیا۔

اللہ تبارک وتعالی نے قوئس کو حکم بھیجا کہ جاؤ اوران لوگوں کو قید خانہ سے رہائی دلاؤ۔ دعوت دین میں ان کی مدد کرو قوئس، انطاکیہ پہنچ گئے ایک دن اہل شہر اور بادشاہ سب کے سب زیارت کے لئے بتخانہ آئے ہوئے تھے قوئس ان لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے بہانے بتخانہ میں چلے گئے اور نہایت ہی احترام اور جہد کے ساتھ عبادت کے لئے کھڑے ہوگئے اور اللہ رب العزت کی نماز ادا کر رہے تھے بادشاہ ان کے احترام اور جہد عبادت کو دیکھ کر متعجب ہوا کہنے لگا کسی نے ایسی حرمت اوراس انداز سے بتوں کی عبادت نہیں کی ہے اور نہ کرتا ہے، یہاں تک کہ ان کو اپنے دربار میں بلایا اور اپنے مقربوں میں شامل کرلیا اور یہاں تک معتمد بنایا کہ مملکت کا کام ان کے سپرد کردیا ایک دن بادشاہ سے قوئس نے کہا کہ میں نے سنا ہے دو ایسے شخص ہیں جنہوں نے بڑی دلیری کی اور آپ کو ایک دوسرے دین کی دعوت دی تھی اس وجہ سے ان کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا ہے۔انہیں قید خانہ سے بلایا جائے کہ میں بھی ان کی باتیں سنوں لہٰذا ان دونوں کو قید خانہ سے

لایا گیا۔قوئس نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے خدا میں یہ قدرت ہے کہ وہ تم سے ایسی بات بطور معجزہ ظہور میں لائے اور مردہ کو زندہ کردے ایسا کہ ہم اس کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھیں؟ ان لوگوں نے کہاہاں بیشک قوئس نے سر پر ہاتھ رکھا اور بادشاہ سے کہا جانتے ہیں یہ کیسی عجیب بات کہتے ہیں ہم تو دنیا جہاں میں ایسے کسی ایک آدمی کو نہیں جانتے ہیں کہ وہ مردہ کو زندہ کردے۔ میں تو اس کام سے بالکل عاجز ہوں مجھ سے تو نہیں ہوسکتا۔ اور بادشاہ کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ کہیں لوگ یہ خیال نہ کریں اور ان لوگوں کے نزدیک یہ بات رہ نہ جائے کہ آپ لوگوں کا دین حق نہیں ہے اور یہ لوگ کچھ بھی نہیں جانتے لہٰذا اس وقت آپ اپنے بتوں سے کہیئے جن کی آپ پوجا کرتے ہیں کہ وہ ایسی بات پیدا کریں اور اپنا کمال دکھائیں اور مردوں کو زندہ کریں تا کہ یہ عزت آپ کو اور آپ کے بتوں کو حاصل ہو۔ بادشاہ نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ یہ مردہ ہیں نہ کچھ کر سکتے ہیں اور نہ دیکھ، سن سکتے ہیں۔قوئس نے شمعون اور یحییٰ کی جانب مخاطب ہوکر کہا کہ جن باتوں کا تم نے دعویٰ کیا ہے اسے پیش کرو، ایک نابینا اندھا لڑکا اور ایک مردہ جسے سات دن مرے ہوئے گذر چکے تھے، لائے گئے اور کہا کہ اس لڑکے کو بینا کرو اور اس مردہ کو زندہ کر کے دکھلاؤ، دونوں نے خاک سے دو پتلیاں بنائیں اور اپنے لعاب دہن سے اسے بھگویا اور اس لڑکے کی آنکھ میں مٹی کی اس پتلی کو رکھا اور دعاء کی اسی وقت وہ اصلی پتلیاں بن گئیں اور آنکھ روشن ہوگئی وہ نابینا اندھا لڑکا دیکھنے لگا اور پھر دعاء کی تو اللہ رب العزت جل شانہ نے ان کی دعا سے سات دن کے مردہ کو زندہ کردیا۔

اس کے بعد قوئس نے اپنے سارے احوال اور سرگذشت شمعون اور یحییٰ پر ظاہر کردئے پھر بادشاہ اور اس کی قوم کو دین حق کی دعوت دی۔ اس تقریر کے خاتمہ پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا قوئس کا یہ فعل اور گفتگو تعریض اور حیلہ کے طور پر تھی کہ وہ بتخانہ کے اندر جا کر خداوند تعالیٰ کی عبادت میں کھڑے ہوگئے اور ان لوگوں نے یہ گمان کیا کہ بتوں کی پرستش کررہے ہیں اور یہ تمام باتیں جو ان سے کہیں حیلہ اور تعریض کے طور پر تھیں۔



چھتیسواں باب

انسانیت کی حقیقت، روح، دل، نفس اور بشر کی عظمت و بزرگی اور اس کے مناسبات کے بیان میں

انسانیت کی حقیقت کیا ہے؟

مجلس شریف میں انسانیت کی حقیقت کے ادراک کا تذکرہ آگیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ انسانیت کی حقیقت کیا ہے اسے کماحقہ، کسی نے نہیں پایا ہے اور جس کسی نے بھی اس بارے میں جو کچھ بھی لکھا اور کہا ہے وہ انسانیت کے اوصاف ہیں اور اس کے بارے میں جو بھی بیان کیا گیا ہے عین حقیقت انسانیت کو وہاں بیان نہیں کیا گیا ہے یعنی یہ کہ انسان ہے کیا چیز؟ بس یوں ہے کہ وہ ایک صفت سے دوسری صفت اختیار کرتا ہے اور ہر صفت میں لاکھوں عجائب و غرائب کا ظہور ہوتا ہے اور اگر انسان خود اس حقیقت انسانیت پر نظر کرتا

ہے کہ یہ آب و خاک کیا ہے اور اگر خود اس سے آگے کہیں کچھ اور ہے تو یہاں پر کیا کرے اور اس آب و خاک کو اس سے کیا نسبت! انتہائی حیرانی و پریشانی سامنے ہوگی اور اگر یہ کہتا ہے یہ سب کچھ عین اسی سے ہے تو کفر لازم ہوتا ہے اور اس سے جبر بھی لازم آتا ہے سرگردانی ہی سرگردانی ہے اور اگر صرف آب و خاک ہی سمجھا تو یہ بھی کفر ہے اور یہاں قدر لازم آتا ہے اور اگر اس حقیقت انسانیت کو کسی پر منکشف کر دیا اور کھول کر کے دکھا دیا تو وہ خود درمیان میں نہ ہوگا۔ یہاں نہ حیرانی ہوگی اور نہ کچھ اور۔ اس بیان پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے زبان گوہر فشاں سے یہ بیت پڑھی ؎

آنچہ من دیدم نیارم گفت باز　　　زین عجائب تر نیفتد ہیچ راز

اور ارشاد فرمایا کہ جب تک پروانہ شمع کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے وہ حقیقت شمع سے بے خبر ہوتا ہے اور جب خود کو اس نے شمع کی لو پر ڈال دیا تو پھر بیچارہ پروانہ باقی کہاں رہتا ہے اور شمع کی حقیقت کا پتہ کون بتائے؟ حضرت عین القضاۃؒ کے مکتوبات میں چند جگہ مرقوم ہے کہ مرد اس مرتبہ وصفت پر پہنچا اور پھر دوبارہ اس مرتبہ پر پہنچا، ہوتے ہوتے عارف ہو گیا جب اس مقام معرفت پر پہنچا تو بے نشان ہو گیا اگر اس سے خود اس کا پتہ پوچھیں تو کہے گا کہ گھڑیال نگل گیا اور اگر کوئی اس کے بارے میں یہ کہے کہ فلاں ہے تو کہیں گے 'ضال من الضلال' (گمراہوں میں سے ایک گمراہ ہے) اور اگر اس کے بارے میں کوئی کچھ بیان کرے تو کہیں گے 'اعمی من العمیان' (اندھوں میں سے ایک اندھا ہے)۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس تقریر کے بعد مثنوی کے یہ دو شعر پڑھے ؎

مرد حیراں چوں رسد در جائے گاہ　　　در تحیر ماندہ و گم کردہ راہ

ہر چہ زد توحید بر حالش رقم　　　جملہ گم گردد ازو او نیز ہم

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ کوئی اس تقریر سے اتحاد و حلول نہ سمجھ لے اور غلط فہمی میں نہ پڑ جائے اور یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

خیال کژ مبر ایں جاو بشناس　　　ہر آں کو در خدا گم شد خدا نیست

روح کے بارے سوال نہیں کرنا چاہئے

مجلس شریف میں روح کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا جناب مولانا نظام الدین کے بھائی نصیر الدین آج ہی یہاں پہنچے تھے پوچھ رہے تھے کہ جب ہم زیارت میں تھے تو متعلموں کے درمیان یہ بحث تھی کہ 'العالم ما سوی اللّٰہ' (اللہ کے سوا جو کچھ ہے عالم ہے)

اور عالم کی تقسیم تین طور پر وہ لوگ کر رہے تھے (۱) جوہر (۲) جسم (۳) عرض۔ وہ پوچھنے لگے کہ روح کون سی قسم میں سے ہے اس بحث سے کیا فائدہ کیا اس سے دین کا کوئی کام سنورتا ہے؟ روح کا مسئلہ مشکل ہے بحث ایسی چیز میں کرنی چاہئے جو کیفیت میں آسکے اور جو چیز کیفیت میں آہی نہیں سکتی ہے اس میں بحث کے کیا معنی؟ اور بحث بے فائدہ ہے۔ جو شخص روح کے جوہر ہونے کا قائل ہے اس کے نزدیک جوہر ہوگا اور جو جسم ہونے کا قائل ہے اس کے نزدیک جسم ہے۔ اور جس کسی نے بھی جو کچھ کہا ہے اس نے تحقیق اور تعین کے بغیر کہا ہے کوئی تحقیق نہیں کی ہے۔ ہاں! لوگوں نے استدلال کئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس استدلال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روح جوہر ہو، جیسا کہ نزاع کی حالت میں توبہ کے قبول ہونے کے بارے میں یہ حدیث شریف ہے کہ 'قال علیہ السلام ان اللّٰہ یقبل التوبة عن عبدہ حتی یغرغر' یعنی جان حلق تک پہنچ جائے اس وقت بھی بندہ مومن اگر توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول ہے۔ جان حلق تک پہنچ جائے اس جملہ سے دلیل پکڑتے ہیں، کوئی کہتا ہے جوہر ہے کوئی کہتا ہے جسم ہے اس لئے کہ اگر وہ جسم یا جوہر نہ ہوتا تو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہوتا اور اسی طریقہ پر ہر ایک شخص نے استدلال قائم کیا ہے اور یہ چیز ہے اور وہ چیز ہے کہتے رہے ہیں۔

جب کہ روح کی کیفیت ماہیت اور حقیقت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے کچھ نہیں بیان فرمائی بجز اس کے کہ 'قل الروح من امر ربی' (کہہ دیجئے اے محمد ﷺ کہ روح میرے رب کا ایک حکم ہے) دوسرا کون ایسا پیدا ہوا ہے جو کچھ بتائے۔ اور ارباب تصوف نے روح کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ روح کی بزرگی کا بیان ہے نہ کہ اس کی حقیقت کا جیسا کہ

امام غزالیؒ نے کہا ہے 'لطیفة روحانیة عاملة مدرکة' (روح ایک روحانی لطیفہ ہے جو نہایت حساس کام انجام دینے والا ہے) یہ بیان روح کی شان اور عظمت کا ہے نہ کہ اس کی ماہیئت کا اور اسی طرح دوسرے بزرگوں کے اقوال ہیں حکیم ارسطاطالیس نے اپنی کتاب الٰہیات کے شروع میں روح کی عظمت کو بیان کیا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اللہ کی الوہیت کی شروعات کرے اس سے کہہ دو کہ پہلے ایک دوسری فطرت یعنی دوسری طبیعت اور مزاج حاصل کر لے اور امام فخر الدین رازیؒ نے روح کی شان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ بات ہے جو وحی اور نبوت کے موافق ہے کہ حق تعالیٰ نے 'لقد خلقنا الا نسان من سلالة من طین' (ہم نے بنایا آدمی کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے) میں جسم کے مرتبوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور جب معاملہ آگے بڑھا اور روح کا تعلق تن سے ہوا تو فرمایا 'ثم انشأناہ خلقا آخر' (پھر ہم نے پیدا کیا اس کو ایک نئی صورت میں) اور وہ تنبیہہ کے طور پر ہے اس پر کہ جسم کے ساتھ روح کے تعلق کی کیفیت اس قاعدہ پر نہیں ہے جس طرح نطفہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے بلکہ بخلاف اور دوسری قسموں کے یہ ایک اور ہی قسم ہے اسی سبب سے کہا 'ثم انشاناہ خلقا آخر' تو جب اس طرح آدمی اجرام سفلی اور علوی میں غور و فکر کرتا ہے اور ان اجسام دنیوی اور فلکی کے اوصاف میں غور کرتا ہے تو اس کے لئے ایک خاص قاعدہ اور طریقہ ہوتا ہے۔ پھر جب چاہے کہ اس سے آگے بڑھ کر معرفت ربوبیت کی طرف رخ کرے تو اس کے لئے یہ واجب ہے کہ اپنے لئے ایک دوسری فطرت، مزاج اور دوسرا ہی طریقہ اور دوسری ہی عقل حاصل کرے بخلاف اس عقل کے جس عقل سے جسمانیت کی معرفت حاصل کی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ روح کی معرفت کے حصول کے لئے ایک دوسری ہی عقل اور دوسری ہی فطرت درکار ہوگی اور یہ عالم مکاشفہ ہی میں حاصل ہو سکتا ہے اور امام غزالیؒ نے اس حدیث شریف 'ان اللہ خلق آدم علی صورتہ' (بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) کی تاویل میں کہا ہے 'ای نسبة ذات آدم مع جسدہ ککیفیة اللّٰہ تعالی مع العالم لا خارجا منه و لا داخلا فیه لا متصلا به و لا منفصلا عنه و ان کان

موثرا فیہ من حیث التصرف و التدبر '(حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت اپنے جسم کے ساتھ ہے، اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی کیفیت عالم کے ساتھ نہ خارج میں ہے اور نہ داخل میں، نہ متصل ہوکر اور نہ منفصل ہوکر اگر چہ عالم میں اللہ تعالیٰ کا تصرف وتدبر باثر طریقہ پر ہے) اگر چہ اس میں تصرف کرنا اور تدبر کرنا موثر ہے، یہ بیان بھی روح کی عظمت وشان کے بیان میں ہے۔

لیکن اہل سنت والجماعت کا اعتقاد ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ہمیں روح کی خبر دی ہے۔ روح کی کیفیت اور حقیقت کو بیان نہیں کیا تو جتنا بھر اللہ جلّ شانہٗ نے خبر دی ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور اس پر ایمان لائے ہیں کہ روح ہے اور اس کی کیفیت اور حقیقت کے معلوم کرنے میں ہم مشغول نہیں ہوتے کہ روح ہے کیا؟ تاکہ اپنا عمل اس حکم پر ہو کہ ابھموا ما ابھم اللّٰہ تعالیٰ (ان باتوں کو پوشیدہ رکھو جن کو اللہ نے پوشیدہ رکھا) پھر ایک اور موقع پر دوسری مجلس شریف میں روح، نفس اور قالب کا ذکر آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ قلب روح کے احکام اور تصرفات کی جگہ ہے تمام اوامر ونواہی گوشت کے اس لوتھڑے میں جسے دل کہتے ہیں پیدا ہوتے ہیں پھر دل سے تمام اعضا وجوارح میں پھیل جاتے ہیں۔

نفس وروح کے مغلوب ہونے کی کیفیت کا بیان

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ روح ہے اور نفس ہے اور ان دونوں کے بیچ میں قلب منقلب ہے روح اور نفس میں سے جس کا غلبہ ہوتا ہے قلب اسی جانب ہو جاتا ہے اگر روح کی صفت غالب ہوتی ہے تو نفس مغلوب ہو جاتا ہے اور دل کی صفت روح کی جانب ہو جاتی ہے تو روح مغلوب ہو جاتی ہے اسی طرح اگر نفس غالب ہوتا ہے تو روح کی صفت مغلوب ہو جاتی ہے اور دل نفس کی جانب ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کو قلب ادھر ادھر ہونے والا کہتے ہیں۔

کیا نفس روح کی طرح ہے

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نفس قلب کے اندر ایک معنی ہے مثل روح کے اور قلب بھی قالب

کے اندر معنی ہی ہے مودع (رخصت کیا ہوا) ہے مثل روح کے۔

یہاں پر مبارک قصوری نے عرض کیا کہ روح صفت ہے یا معنی؟ حضرت مخدومؒ نے فرمایا اگر چہ صفت ہے لیکن ایسی چیز کو معنی کہتے ہیں اس لئے کہ دو چیزیں ہیں صورت اور معنی جو چیزیں محسوسات ہیں اور وہ حس کے ذریعہ دریافت کی جاتی ہیں وہ سب عالم صورت میں سے ہیں اور جو چیزیں محسوسات ہیں اور وہ حس سے معلوم نہیں کی جاتی ہیں بلکہ عقل سے دریافت ہوتی ہیں وہ سب عالم معنی سے ہیں اور نفس، روح اور قلب یہ ان میں سے ہے جو حس ظاہر سے دریافت نہیں ہوتے بنابریں عالم معنی سے ہوگا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ روح معنی ہے اور وہ معنی ایک لطیفہ ہے اور عالم الٰہی سے آدمی کے قلب میں علم و ادراک پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ سے اس معنی کو نفس روح اور دل کہا کرتے ہیں اور اس کو یوں بھی بیان کیا ہے کہ تحقیق کی رو سے معنی ایک ہے اگر چہ وہ معنی مختلف ناموں سے موسوم ہے اور یہ جائز ہے کہ شئے واحد یعنی ایک ہی چیز مختلف ناموں سے موسوم ہو معانی کی کثرت کے سبب سے جیسا کہ سورۂ فاتحہ ایک ہی ہے مگر اپنے معانی کی کثرت کے باعث مختلف ناموں سے مسمّٰی ہے لیکن سورہ فاتحہ کی حقیقت کو کسی نے نہیں پایا۔

مگر ہاں! جو کچھ اس کے بارے میں لوگوں نے لکھا ہے کہ روح اس طرح ہے نفس اس طرح ہے دل یوں ہے۔ اس بیان سے روح، نفس اور دل کے اوصاف کی اطلاع ملتی ہے نہ کہ اس کی حقیقت کی خبریں ملتی ہیں۔

نفس کی قرآن سے تحقیق

اس کے بعد فرمایا کہ امام فخر الدین رازی رازیؒ نے بیان کیا ہے کہ نفس نعت کے رو سے چند معنی میں ہے ان میں ایک بدن ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا 'کل نفس ذائقة الموت' (تمام نفس کے لئے موت ہے) دوسرا خون ہے جیسا کہ کہتے ہیں الحیوان کالنفس السائلة یعنی حیوان جاری خون کی طرح ہے اور تیسرا روح ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے کہا 'یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک' (اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار

کی طرف چل) چوتھا معنی عقل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کہا 'اللّٰہ یتوفی الا نفس حین موتھا' (اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہوان کے مرنے کا) پانچواں شئے کی ذات اور اس کا عین ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا 'و مایخدعون الا انفسھم' (دراصل وہ لوگ کسی کو دغا نہیں دیتے مگر خود اپنی ذات کو) اور کہا 'ولکن ظلمتم انفسکم' (لیکن تم نے خود ہی نقصان کیا اپنا)۔

عین، شیئ، وجود، ذات اور نفس کا معنی

مبارک قصوری نے عرض کیا کہ ذات کو روح کہتے اور روح جوہر و جسم نہیں ہے اور لفظ ذات کا اطلاق اس پر کیوں ہوتا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ذات (کو روح) کہتے ہیں لیکن اس سے ہستی مراد لیتے ہیں نہ کہ جوہر و جسم، اور یہ چند لفظ ہیں عین، شئے، جود، ذات اور نفس جن کا اطلاق ہستی پر ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ علم ریاضی و طبعی میں دوسرے طریقہ پر بیان کیا گیا ہے اور یہ اچھا ہے کہ لفظ انسانیت شئے واحد ہے اور یہ تمام صفتوں کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جس محل اور جس صفت سے موصوف ہوتا ہے اس صفت کی مناسبت سے نام پاتا ہے۔ جس وقت ایک خاص صفت سے موصوف ہوا روح نام ہوا جس وقت دوسری صفت سے موصوف ہوا دل نام رکھا گیا پھر اور وقت میں اور صفت سے موصوف ہوا نفس نام پایا کبھی عقل کبھی علم کسی وقت جہل کے نام سے موصوف ہوا اور اسم کے اختلاف سے مسمی کا اختلاف لازم نہیں آتا، یہ جائز ہے کہ ایک ہی ذات کے دس بیس نام ہوں۔

علم طبعی اور ریاضی ظنی علم ہے

لیکن بات یہ ہے کہ علم طبعی اور ریاضی کے بارے میں جس طریقہ سے لکھا ہے یہ ظنی ہے اسے اپنے صفاتی عقل سے رائے قائم کر کے استخراج کیا ہے اور اسے بیان کیا ہے لیکن اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے یہ اس لئے کہ کتاب وسنت میں اس طور سے نہیں ہے اور یہ بیان

کتاب وسنت کے خلاف بھی نہیں ہے۔

عقلی علوم کی قبولیت سے متعلق رائے

اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں اصل بات یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو حکماء وفلاسفہ کی کتابوں میں عقلیات کے باب میں مذکور ہیں وہ تین قسم کی ہیں اول یہ کہ وہ کتاب وسنت کے موافق ہے اس کا قبول کرنا ضروری ہے اسے رد نہیں کرنا چاہئے دوسری قسم وہ ہے جو قرآن وحدیث کے خلاف ہے یہاں سوائے رد کرنے کے چارہ نہیں۔ تیسری قسم وہ ہے کہ نہ تو وہ قرآن وحدیث کے موافق ہے اور نہ کتاب وسنت کے مخالف ہے یہاں پر جس طرح رد کرنا مضر نہیں ہے قبول کرنا بھی مضر نہیں ہے اس طرح کی باتیں جو عقلیات میں حکماء وفلاسفہ نے لکھے ہیں ان کو نہ تو مطلقا قبول کرنا چاہئے اور نہ علی الاطلاق سب کے سب کو رد ہی کر دینا چاہئے۔

اصل میں جسے علم نہ ہو اسے ایسی کتابوں کے مطالعہ سے روکنا چاہئے یہ اس لئے کہ جو عالم نہیں ہے وہ سب کا سب قبول کرے گا اس بناء پر کہ جو معقولے ان کی کتابوں میں کتاب وسنت کے موافق ہیں اس پر اعتقاد کرے گا کہ ان کے معقولے صحیح ہیں اور یہ اعتقاد نقصان دہ ہے۔ یا رد کرے گا اس بنا پر کہ ان کے معقولے جو ان کی کتابوں میں ہیں قرآن وحدیث کے مخالف ہیں اور اس پر اعتقاد کرے گا کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے سب باطل ہے اور یہ بھی نقصان دہ ہے۔

قالب اور روح کے درمیان رشتہ

خواجہ محمود عوض متصرف خطہ بہار حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کی والدہ (حضرت بی بی رضیہؒ) کے انتقال کے دوسرے دن مجلس شریف میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ انتقال کے بعد قالب اور روح کے درمیان معرفت ومحبت ایک دوسرے سے متعلق ہے جیسا کہ زندگی میں قالبوں کے درمیان ہوتی ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں! ایک دوسرے کے درمیان جان

پہچان میل ومحبت ارواح کے درمیان میں ہے اس سے زیادہ نہیں۔ قالب کو اس چیز میں کوئی حصہ اور نہیں ہے محبت اور معرفت یہ ارواح کا خاصہ ہے قالب کیا جانے کہ محبت ومعرفت کیا چیز ہے؟ اور آج کے روز جو میل ومحبت جان وپہچان ایک دوسرے کے درمیان آدمیوں میں ہے اس کی اصل یہ ہے کہ روز میثاق یعنی وعدہ کے دن اللہ رب العزت نے ذریات آدم علیہ السلام کو آپ کی پشت مبارک سے زرد برنیوں کی صورت میں باہر نکالا اور ان سے خطاب فرمایا کہ 'الست بربکم' (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) اس دن ان لوگوں میں ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی جس طرح وہاں ازل میں مشاہدہ کے وقت جس طور وطریقہ سے ملاقات ہوئی اسی اعتبار سے ان لوگوں کے درمیان اس دنیا میں مل ومحبت جان پہچان پیدا ہوئی جس کسی ایک کو اس دن کسی ایک کے ساتھ پوری ملاقات ہوئی آج کے دن ان دونوں کے درمیان محبت ومعرفت بھی پورے طور پر ہوتی ہے اگر کسی کو اس دن کسی سے صرف ملاقات ہی ہوئی آج یہاں اتنا ہی بھر ملاقات ظاہر ہوگی اور اگر کسی کی کسی سے خصوصی ملاقات ہوئی ہے اسی مقدار میں یہاں بھی اسی طرح اور اسی طور سے خصوصی ملاقات ہوگی اور اگر کسی میں کسی طرح بھی ملاقات اور دید شنید نہیں ہوئی آج یہاں اس شخص سے ذرہ برابر میل ومحبت جان پہچان اور ملاقات بالکل نہیں ہے۔

مومن کا قلب عرش الٰہی ہے کیوں؟

خاکسار نے عرض کیا' قلب المومنین عرش اللہ' مومن کے دل کو عرش اللہ کس وجہ سے کہتے ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سبب سے کہا گیا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے احکام اولاً مومن کے دل میں نازل ہوتے ہیں پھر وہاں سے تمام اعضاء میں ظاہر ہوتے ہیں جس طرح ہر ایک چیز کی صورت عرش پر ظاہر ہوتی ہے پھر عرش سے ملک وملکوت میں پیدا ہوتی ہے اسی مناسبت سے مومن کے دل کو عرش کہتے ہیں۔

دوسرا جواب اس طور پر میں بیان کرتا ہوں کہ مومن کا دل اپنی وسعت اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی معرفت کا محل ہونے کے حکم کے تحت عرش خداوند تعالیٰ ہے' جس طرح عالم مخلوقات کی کوئی

مخلوق اور مصنوع عرش سے زیادہ وسیع اور رفیع نہیں ہے' مومن کا دل بھی ایسا ہی ہے اور اس کی سند یہ ہے کہ رسالت پناہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا کہ' حاکیا عن اللّٰہ تعالی لا یسعنی سمائی ولا ارضی و لکن یسعنی قلب عبد المومن' آسمان میرا بار نہ اٹھا سکا زمین بھی طاقت نہیں رکھتی یہ بندہ مومن ہی کا دل تھا کہ جس نے ہماری معرفت کا بوجھ اٹھالیا اور عرش کے بارے میں فرمایا' الرحمن علی العرش استوی' (رحمٰن وہ ہے جو عرش پر قرار پکڑے ہوئے ہے)۔ جس طرح بار استوی (ما ھو المراد بالا ستواء عند اللّٰہ) سوائے عرش کے کسی دوسرے نے نہیں اٹھایا اسی طرح معرفت کا بار مومن کے دل کے سوا کسی دوسرے نے نہیں اٹھایا تو یقیناً ایسے معنی کے اعتبار سے عرش ہوا۔

مومن و کافر کے دل کے درمیان فرق

خاکسار نے عرض کیا کہ پہلے جواب پر یہ شبہہ وارد ہوتا ہے کہ جس طرح مومن کے دل سے مومن کے اعضاء پر احکام کا ظہور ہوتا ہے کافروں کے دل سے کافروں کے اعضاء پر بھی احکام کا ظہور ہوتا ہے پھر قلب مومن کی خصوصیت کا کیا فائدہ؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کافر کے پاس دل ہے تو یہ محض صورتا ہے معنا نہیں ہے لفوت المقصود (کیونکہ مقصود ہی فوت ہے) اس آیت میں اس کا اشارہ ہے ان فی ذالک ذکری لمن کان لہ قلب سلیم (اس میں نصیحت اور سوچنے کی جگہ ہے اس کے لئے جس کے اندر پاک وچنگا دل ہے) اور یہ قلب سلیم مومن ہی کا دل ہے اور احکام کا ظہور اس پر لازم آتا ہے جو حقیقتاً دل ہو یہ اس لئے کہ اور بھی دوسرے حیوانات ہیں اس کے باوجود ان کے پاس دل نہیں ہے اسی لئے کافروں کے بارے میں یہ آیت فرمائی گئی ہے اولئک کالا نعام بل ھم اضل (وہ لوگ مانند چوپایوں کے ہیں بلکہ وہ لوگ زیادہ گمراہ ہیں)۔

دوسرا جواب میں اس طرح دیتا ہوں کہ تخصیص مومنین کے دل کی اس کے شرف کے سبب سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رب العرش العظیم نے فرمایا اگرچہ تمام چیزوں کا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے عرش کو تمام جسمانیات پر جو شرف و بزرگی حاصل ہے اسی شرف کے اعتبار سے

رب العرش کی تخصیص فرمائی گئی۔

مولانا کریم الدین نے عرض کیا آخر یہ بات کہاں سے کہی گئی ہے کہ اگر کسی آدمی کے دل میں امور آخرت میں سے کسی بات کی فکر یا موت کا خوف پیدا ہو جائے اور فکر و خوف کی اس حالت میں اگر وہ آدمی تکلف یعنی کوشش کر کے اپنے کو کسی دوسری چیز کی طرف مشغول و مائل نہیں کرے تو ہلاکت رکھی ہوئی ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ معاملہ اس آدمی کے ساتھ ہے جس کو گھونٹ جانے یعنی برداشت کرنے کی قوت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اور جس کے دل کو ابھی تک انشراح حاصل نہیں ہے بلکہ وہ ابھی تک انقباض (تنگیِ دل) میں مبتلا ہے۔ جب کسی کو انشراحِ قلب حاصل ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کے سامنے جو کچھ بھی آئے ہزاروں ہی کیوں نہ ہو وہ سب کو پی جاتا ہے وسعتِ دل کا معاملہ تو یہ ہے کہ عرش، کرسی اور لوح جن کی عظمت اپنی جگہ مُسلّم ہے اگر ایسے شخص کے دل میں رکھ دی جائیں تو ان کی حیثیت ایک ذرہ سے زیادہ نہ ہو۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہاں پر دل کی عظمت کی صفت میں یہ رباعی زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمائی ؎

بستیم کمر عشق بنام دل خویش | بردم بر دلبرم پیام دل خویش
حاصل کردم مراد کام دل خویش | اے من زمیاں جان غلام دل خویش

اور موت کی یاد ایسی کہ اعضاء و جوارح کی حرکت رک جائے جیسا کہ حضرت ابن سیریں کی نقل ہے کہ جس وقت موت کا تذکرہ کوئی ان کے سامنے کرتا تو کچھ دیر کے لئے ان کے اعضا و جوارح کی حرکت بند ہو جاتی اور جناب عیسی علیہ السلام کی نقل ہے کہ اگر کوئی آپ کے سامنے موت کا تذکرہ کرتا تو آپ کے جسم مبارک سے خون ٹپکنے لگتا۔ موت کی اس سختی کے باوجود ارباب سلوک کا ایک گروہ ایسا ہے کہ جسے موت کی آرزو کے سوا کوئی اور آرزو باقی نہیں، وہ شب و روز اسی کے انتظار میں رہتے ہیں۔ اس موقع پر مثنوی کی یہ دو شعر ارشاد ہوئے ؎

گر ترا رائی مثوتِ برگ است | پیر پختہ دریں جہاں مرگ است

چوں دریں دام گاہ آھرمن　　جان میزند و خاک برسروتن

مولانا کریم الدین نے عرضِ کیا اگر جلال وعظمت پیدا ہوتو کیا اس وقت دل میں اتنی وسعت پیدا ہوسکتی ہے کہ اس اندیشہ کوگھونٹ جائے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا خبر ہی نہیں ہوسکتی ہے۔ اس لئے کہ اس وقت تو بے ہوشی اور فنائیت کا عالم رہتا ہے۔ اس وقت نہ ہوش رہتا ہے اور نہ کسی چیز کی خبر رہتی ہے۔ وسعتِ قلبی اور پی جانے کا معاملہ ہی کہاں ہے۔ اس کے بعد فرمایا جباری و سکاری لا مسلمون و لا نصاریٰ (مستی وحیرانی کے نشہ میں مسلمانیت اور نصرانیت کی تمیز باقی نہیں رہتی) میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

نہ ملک آنجا نہ درویشی نہ پیوند است و نہ خویشی
نہ کیشی و نہ بے کیشی سخن فی الجملہ مضمر بین

مقام ومرتبہ معیار کے اعتبار سے ہے

اس کے بعد خود ہی یہ شبہہ پیش فرمایا کہ نہ مومن نہ کافر یہ بات کیونکر ہوگی؟ حال اس سے زیادہ نہیں کہ جب تک بندہ اس دار دنیا میں مکلّف ہے۔ (دو حال سے خالی نہیں ہے) مومن ہوگا یا کافر ہوگا اس شبہہ کا جواب بھی خود ہی ارشاد فرمایا، عاشقوں کا مکلّف ہونا اور ہے عاقلوں کا مکلّف ہونا اور ہے، اور جہاں عشق کا آفتاب طلوع ہوتا ہے ضروری ہے کہ عقل کے ستارے ناپید ہو جائیں اور یہ اوامر ونواہی کی منزل خانۂ عقل کے سوا اور کہیں نہیں حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس بیان پر یہ دوشعر زبان گوہرفشاں سے ارشاد فرمائے ؎

عقل را با عشق زور و پنجہ نیست　　احتمال ارنا توانی میکند
مست مئے عشق راعیب مکن سعدیا　　مست بیفتی تو نیز گرہم ازیں مئے چشی

مشورہ اور حکم میں بہت فرق ہے

خاکسار نے عرض کیا کہ اگر عاشقوں کے غیر مکلّف ہونے پر سند طلب کرے تو کیا

دلیل پیش کروں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی ثبوت چاہیے تو کافی ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ سے منقول ہے آپ ﷺ نے فرمایا **'یا ابابکر اشر کنی فی بلال فقال یا محمد لیس للہ شریک'** (اے ابوبکر بلال (کے آزاد کرنے والے) کے حصہ میں مجھے بھی شریک کرنا تو ابوبکر نے کہا کہ اے محمد ﷺ اللہ کا کوئی شریک نہیں)

اور دوسری دلیل کہ حضرت صدیق اکبرؓ جب شام جا رہے تھے تو حضرت بلالؓ سے کہا کہ تم مدینہ میں رہو حضرت بلالؓ نے کہا اگر آپ نے مجھ کو خدا کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھ سے کیا مطلب اگر یہ بات اس جگہ یونہی فضول ہوتی اور حضرت بلالؓ کے لئے اپنے اس جملہ کو مفید سمجھتے تو حضرت صدیق اکبرؓ خود کہتے کہ خلیفہ کا حکم واجب ہے اور اگر صدیق اکبرؓ کے لئے حضور پاک ﷺ سودمند سمجھتے تو رسول خدا ﷺ خود فرماتے کہ رسول کا حکم واجب ہے۔ اس موقع پر یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

تا تو باشی نیک و بد آنجا بود چوں تو گم گشتی ہمہ سودا بود

مجلس شریف میں آدمی کی تکریم و برتری کا تذکرہ آ گیا ایک عزیز نے عرض کیا **لقد کرمنا بنی آدم** (اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو) اس آیت کے تحت کفار بھی داخل ہیں؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا خلقت اور صورت کے اعتبار سے تو داخل ہیں اور یہ برتری صورت و خلقت کی برتری ہے نہ کہ مرتبہ اور درجہ کی سبحان اللہ اٹھارہ ہزار عالم میں سے کسی ایک کو ہزاروں ہزار پر فضیلت دی ہے۔ پھر گذارش کیا کہ کیا آدمیوں کو فرشتوں پر بھی فضیلت ہے؟ فرمایا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض لوگ مطلقاً بشر کو فرشتوں سے افضل کہتے ہیں اور بعض لوگ افضل نہیں کہتے ہیں لیکن مشائخ رحمہم اللہ اس مسئلہ میں ساکت و خاموش ہیں نہ فرشتوں کو آدمیوں پر فضیلت دیتے ہیں اور نہ آدمیوں کو فرشتوں پر بلکہ مشائخ کہتے ہیں **'الفضل لمن فضلہ اللہ تعالٰی بالجوھر و لا بالعمل'** کوئی کسی پر برتری و فضیلت نہیں رکھتا نہ بہ اعتبار جوہر اور نہ بہ اعتبار عمل کے، اگر جوہر کی وجہ سے فضیلت ہوتی تو ابلیس کو جناب

آدم علیہ السلام پر فضیلت ہونا چاہئے اس لئے کہ ابلیس آگ کے جوہر سے ہے اور آدم علیہ السلام خاک کے جوہر سے ہیں اور یقیناً آتشی جوہر خاکی جوہر سے افضل ہے کیونکہ وہ نورانی ہے اور خاک ظلمانی اس کے باوجود آدم کو ابلیس پر فضیلت دی گئی ہے۔

اور اگر عمل کی وجہ سے کسی کو کسی پر فضیلت ہوتی تو چاہئے تھا کہ اگلی امتوں کو اس امت پر فضیلت ہوتی اس لئے کہ اگلی امتوں میں ہزار سال اور نو سو سال کی عمریں ہوتی تھیں سمجھنا چاہئے کہ ان لوگوں کی اپنی اس درجہ طویل عمر میں کتنی زیادہ عبادت اور بندگی کی ہوگی اس کے باوجود اس امت کو جس کی عمریں بیس تیس برس ہوتی ہیں اگلی امتوں پر فضیلت دی گئی ہے اسی سے معلوم ہوا کہ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے نہ جوہر کی وجہ سے اور نہ عمل کی وجہ سے جیسا کہ مشائخ کہتے ہیں کہ الفضل لمن فضله الله نہ تو بہ اعتبار جوہر کے ایک دوسرے کو ایک دوسرے پر فضیلت ہے اور نہ بہ اعتبار عمل کے، اور نہ بہ اعتبار اصل کے اور نہ بہ اعتبار نسل کے سبب فضیلت ہے اور اگر فضیلت ہے تو اللہ کی جانب سے ہے۔ بس روپیہ کا ایک غلام ہے جو بادشاہ بنا دیا گیا ہے اور کتنے ہی سردار ہیں جن پر اسے فضیلت دی گئی ہے اور ایک کتا جسے کتنے ہی لوگوں سے افضل بنا دیا گیا۔ مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ فضیلت آخرت میں بھی ظاہر ہوگی؟

آخرت میں مفضول کو افضل پر فضیلت

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں آخرت میں بھی ایک غلام کو دیکھو گے کہ ایسے ایسے مرتبے اسے حاصل ہوں گے کہ سرداروں کو بھی وہ رتبہ حاصل نہیں ہوگا اور ایک عورت کو دیکھو گے ایسی فضیلت اسے ہوگی کہ سو ہزار مرد اس کے آگے پیچھے ہوں گے اس تقریر پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ آیت پڑھی 'یختص برحمته من یشاء' جسے وہ چاہے اپنے فضل اور رحمت سے نواز دے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



سینتیسواں باب

قضاوقدر کے بیان میں

قضاوقدر کاراز

مجلس شریف میں قضاوقدر کا تذکرہ آگیا۔حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ متع اللہ المسلمین بطول افادئہ نے فرمایا کہ قضاوقدر یہ دونوں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لیکن قضاایک حکم مجمل ہے اور قدر ایک حکم مفصل ،یعنی قدر بعض سببوں کا بعض سبب کے ساتھ مرتب ہونے سے عبارت ہے اور اس معنی کی وضاحت حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اپنے دائیں دست مبارک کی انگشت شہادت سے چھ لکیریں زمین پر کھینچیں اور ان لکیروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ سبب ان اسباب سے مرتب ہے اور یہ سبب اُن اسباب سے مرتب ہے اس ترتیب کے بعد جب تمام اسباب ایک دوسرے سے مرتب ہو گئے تو ایک حکم اس سے پیدا ہوا اسی کو قدر کہتے حق سبحانہ تعالیٰ قادر ہے کہ اس حکم کو اتنے اسباب کے مرتب ہونے سے ظاہر فرمائے اور

اس پر بھی قادر ہے کہ ترتیب اور فراہمی اسباب کے بغیر بھی ظاہر فرمائے۔

پھر سبب کیا ہوا اور اس میں حکمت کیا ہے کہ جب تک اتنے اسباب کی فراہمی اور ترتیب ایک دوسرے کے ساتھ نہ ہولے وہ حکم پیدا نہیں ہوتا۔ ایک کے لئے ایمان کا حکم مقرر فرمایا اور دوسرے کے لئے کفر کا حکم کیا' ایک پر خیر کی طلب مسلط فرما دی گئی تا کہ نیکیاں اس سے وجود میں آئیں۔ دوسرے پر شر کی خواہش مسلط کر دی تا کہ اس سے برائیاں وجود میں آئیں ۔خیر پیدا فرمایا اس کے اسباب بھی پیدا کئے اور اہل بھی پیدا کئے اسی طرح شر بھی پیدا کیا اس کے اسباب بھی اور اہل بھی پیدا کئے اس کے بعد یہ کلمے زبان مبارک سے فرمائے گئے' ان اللّٰه تعالی خلق الجنة وخلق اهلا لها والمومن يعمل عمل اهل الجنة شاء ام ابى وخلق النار و خلق اهلا لها والكافر يعمل عمل اهل النار شاء ام ابى و القدر يسوق لكل واحد بحكم القضاء الاصلى الى ماخلق له '(بیشک اللہ تعالیٰ نے جنت بنایا اور اس کے اہل بھی پیدا کئے مومن چاہے یا نہ چاہے جنت والوں کے جو اعمال ہیں وہ وہی کرے گا اور اس نے جہنم بنایا اور جہنم کے جو اہل ہیں ان کو بھی پیدا کیا وہ چاہے یا نہ چاہے اس سے جہنم والوں کے اعمال کا صدور ہوگا ہر ایک شخص کو اس کی تقدیر اسی طرف لے جاتی ہے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے) اور ان کلمات کے خاتمہ پر مثنوی کے یہ دو شعر ارشاد ہوئے ؎

علتش را نہ کفرداں ونہ دیں صفتش را نہ آں شناس ونہ ایں

کاف ونون نیست جز نوشتہ ما چیست کن سرعت نفوذ قضا

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ دونوں (مسلم و کافر) ہی اس کے بندے اور دونوں ہی اس کی مخلوق، دونوں ہی آدم کی اولاد، دونوں کی ایک صورت اور دونوں ہی نابود تھے، ان کے اعمال و افعال بھی نہ تھے ایک وہ کہ ایمان کے لئے مخصوص ہوئے اور ایک وہ کہ کفر کے لئے مخصوص کئے گئے۔ حق تعالیٰ کی اس میں کیا حکمت تھی اور کیا وجہ ہوئی ان دونوں کے درمیان جس کی مناسبت کے سبب ہر ایک خاص حکم کے ساتھ مخصوص ہوا

جیسا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اعلیٰ علیین پر پہنچایا گیا اس وقت کہ حضور ﷺ کا ظہور بھی نہیں ہوا تھا اور طاعت بھی ابھی نہیں ہوئی تھی اور وہ دوسرا یعنی ابو جہل کو اسفل السافلین میں گرا دیا گیا اس وقت کہ نہ وہ تھا اور نہ اس کی نافرمانیاں تھیں کیونکہ حضور پاک ﷺ اعلیٰ علیین کے لئے مخصوص کئے گئے اور یہ کافر ابو جہل اسفل السافلین کے لئے مخصوص کیا گیا ہے اس مناسبت اور اس حکمت کا ادراک پنہاں ہے یہ کہ قضا و قدر کا راز یہی ہے اور وہ یہ ہے جو کہا ہے ؎

ایں ہمہ علم جسم مختصر است　　　علم رفتن براہ حق دگر است

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ عین القضاۃؒ نے ایک جگہ ذکر کیا ہے کہ اس قصہ کے نتیجہ کے راز تک پہنچنا تیرا کام نہیں ہے اس دن کو یاد کرو جس دن کہ اللہ تعالیٰ نے آب و خاک کے درمیان سروکار اور تعلق قائم فرمایا اور کہا کہ مجھ کو تیرے ساتھ ایک کام درپیش ہے کہ وہ کام تمہارا نہیں ہے ہم تجھ کو دریا میں ڈالتے ہیں دیکھو ہرگز تر نہ ہونا اور دریا میں تر نہ ہونا یہ تمہارا کام نہیں اور ہاں تجھکو یہ عذر بھی نہ ہو کہ دریا میں کیسے تر نہ ہوں گا۔ اگر تجھے پسند نہیں تو دیوار نزدیک ہے سر دیوار پر مار اور فرمایا کہ اُلقُهُ فی البحر مسدودا و قال الحذر ان تبل فی الماء' (دریا میں اس کو باندھ کر ڈال دیا اور کہا خبردار تر نہ ہونا)۔

بس ساری عقل یہاں گم ہے اور تمام عالم یہاں ناپید ہے اس موقع پر مثنوی کے یہ دو شعر پڑھے گئے ؎

گہ زپیش کعبہ خارت می نہد　　　گہہ درون دیر بارت می دہد
مرد را ایں درد درخوں افگند　　　سرنگوں از پردہ بیروں افگند

عالم معاملہ، عالم مکاشفہ

اور حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ طالب پر یہ بھید ''عالم معاملہ'' میں نہیں کھلتا جب تک ''عالم مکاشفہ'' میں نہیں پہنچے جب وہ مکاشفہ کے نور میں پہنچا تو عقل اس نور سے منور ہوگئی مناسبت اور سبب میں سے ہر ایک جو حکمت خاص کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اسے پالے گا اور عالم معاملہ میں مکاشفہ سے پہلے ہی عقل ایسی محجوب ہوگی کہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی

اور محال ہے' اس کا معلوم کرنا کہ کیا مناسبت ہے کہ جس مناسبت سے وہ ایک شخص ایک حکم سے مخصوص ہوا۔ اس کے بعد جب وہ مکاشفہ کے نور سے منور ہوتا ہے تو اس مناسبت کو پالیتا ہے اور یہ حکم لگاتا ہے کہ ہاں حکم خود ایسا ہی ہونا چاہئے اور اگر حکم اس کے علاوہ ہوتا ہے تو اس وقت حکمت اس میں یہ ہوتی کہ حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہے اور مکاشفہ سے پہلے اور مکاشفہ کے بعد عقل کے نزدیک حکم ایک ہی حال پر ہے اور اس میں کسی قسم کا تغیر اور اختلاف نہیں ہے بس اسی طرح ہے کہ مکاشفہ میں عقل کو زیادہ وضاحت ملتی ہے جو مکاشفہ سے پہلے نہ تھی اور نہ یہ کہ مکاشفہ میں عقل اس کے علاوہ دیکھتی ہے کہ جس پر عقیدہ و ایمان ہو یہ ہرگز نہیں ہوتا اس لئے کہ عقل اللہ تعالیٰ کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ کی حجت میں تناقص اور ضد جائز نہیں۔ اس کے بعد یہ مثنوی زبان گوہرفشاں سے فرمائی گئی ؎

از تو تا دوست نیست راہ دراز   رہ توئی پامی نہ براہ نیاز

تاز بنی ز دیدۂ لاہوت   خط ذی الملک خطبہ ملکوت

شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ مکاشفہ سے قبل عقل نے کہاں اس سے متعلق حکم لگایا بلکہ عقل کو اس کی خبر ہی نہیں ہوتی۔

مکاشفہ کی نظیر

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ مکاشفہ سے قبل عقل نے یہ حکم لگایا تھا کہ یہ حکیم کا فعل ہے اور حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا لیکن اس سے زیادہ نہیں کہ عقل حکمت کے جہت کو نہیں جان سکی تھی مکاشفہ کے بعد حکمت کی جہت کو عقل نے جانا اور سمجھا اور اس میں تغیر نہیں ہے لہٰذا تناقص بھی نہیں ہے اور تناقص اس وقت پیدا ہوتا ہے کہ قبل مکاشفہ کے حکم دوسرا ہوتا اور بعد مکاشفہ کوئی دوسری چیز ہوتی اس کی مثال مشاہدہ میں آتی ہے جیسا کہ صبح کے وقت کوئی آدمی ایک جگہ بیٹھا ہوا ہو اور میری نظر اس پر پڑی اور صبح کی روشنی سے میں نے یہ جانا کہ وہ کوئی آدمی ہے اور اس میں مجھے کوئی شک وشبہہ نہیں ہے اور جب صبح کی روشنی صاف ہوئی اور تمام جگہوں میں پھیل گئی اس وقت مجھ پر یہ بات کھلی جو پہلے مجھ پر پوشیدہ تھی کہ اس کی

صورت وشکل اور رنگ وروپ کالا ہے یا گورا یا گندمی رنگ ہے؟ اس کے بعد آفتاب طلوع ہوا اور اس کی شعاعیں عالم میں پھیل گئیں چنانچہ وہی آدمی جو میرے علم میں تھا اس آدمی کی شکل میں موجود ہے اور اس کے آدمی ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہہ مجھے نہ تھا اس کے رنگ وروپ اور اس کی شکل وصورت مجھ پر بالکل روشن ہوگئی آفتاب نکلنے کے قبل اور آفتاب نکلنے کے بعد آدمی وہی ہے جسے میں نے دیکھا ہے اس میں کسی قسم کا تغیر واختلاف نہیں۔ سوائے اس کے کہ آفتاب کے طلوع ہوجانے کے بعد مجھ پر وضاحت کی زیادتی ہوئی یعنی اچھی طرح واضح ہوگیا جو آفتاب کے قبل وضاحت، حاصل نہیں تھی جملہ معتقدات میں مکاشفہ اور مشاہدہ کی یہی نظیر ہے۔

قدر میں بحث بربادی کا ذریعہ

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ قضا وقدر کے مسئلہ میں حیرت ہی حیرت ہے اس میں غور کرنا ہی حیرت کا پیدا ہونا ہے سارا علم اس مسئلہ میں جہل سے بدل جاتا ہے اگر سارے جہاں کے علوم ایک شخص میں جمع ہوں اور وہ کسی وقت بھی اسرار قضاو قدر میں غور وتامل کرے تو تمام علم ودانش رائیگاں وبرباد ہوجائے۔

قدر میں چون وچرا کی گنجائش نہیں

آپ نے فرمایا ایک شخص طاعت کے لئے مخصوص ہوا کیوں کر ہوا؟ دوسرا معصیت کے لئے مخصوص ہوا کس سبب سے ہوا؟ ایک شخص مومن ہوا یہ کیسے ہوا؟ دوسرا کافر ہوا یہ جو کافر ہوا یہ کیوں ہوا؟ ایک کو بلایا اگر وہ آیا تو ڈانٹ پڑتی ہے کس لئے آئے ہوا گر نہیں آیا تو عتاب ہے کہ کیوں نہیں آئے؟ اور اگر کچھ چاہتا ہے تو کہتے ہیں خواہش تو میری خواہش ہے۔ اگر کوئی گناہ کرے اور کہے خداوند تو ہی نے تو چاہا کیوں کہ خواست تو تیری ہی خواست ہے یہ سن لیتے ہیں کسی نے گناہ کیا اسی کی مرضی سے کیا پھر عذاب کیا اگر کسی نے بندگی کی یہ بھی اسی کی منشا سے کی اس پر احسان کیا عجب معاملہ ہے اگر اس میں نگاہ کریں تو حیرانی ہی حیرانی اور سر گردانی ہی سر گردانی سامنے آتی ہے تمام علوم کے علوم یہاں پر رائیگاں اور برباد ہوجاتے ہیں اس لئے کہ علم کا کام یہی چوں وچرا ہے یہ ایسے ہے اور وہ ویسے ہے اور اس مسئلہ میں چوں وچرا کی کوئی

گنجائش نہیں کیونکہ یہاں علم کا کیا کام اور یہاں علم کیا کرے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس بیان پر یہ رباعی پڑھی ؎

اندر طلب عشق چو مردانہ شدیم　　اول قدم از وجود بیگانہ شدیم

او علم نمی شنید لب بر بستم !　　او عقل نمی خرید دیوانہ شدیم

اور فرمایا کہ حضرت عین القضاۃؒ کے مکتوب میں میں نے دیکھا ہے یہ آیت جو کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں ہے 'ولئن شئناً لنذھبن بالذی او حینا' (اور اگر ہم چاہیں تو لے لیں اس چیز کو جو ہم نے تم کو وحی بھیجی ہے) اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ گھر میں کیا کرتے ہو؟ حاجت روا میں ہوں۔ اس کے بعد یہ بیت پڑھی گئی ؎

ایں کارازاں فتاد مشکل　　معشوقہ غنی و ما گدائیم

اور فرمایا کہ اہل معرفت جب حکم پر نگاہ کرتے ہیں تو سب درست پاتے ہیں اوامر و نواہی کی روشنی میں دیکھنا ہے کہ کیا کجی آتی ہے۔

اور ایک جگہ میں نے یہ عبارت دیکھی ہے کہ قضاوقدر کے جمال پر شیطان ایک تل ہے یعنی جو کچھ ہوتا ہے قضاوقدر سے ہوتا ہے اس کے باوجود طالب کی نظر اس پر نہیں ہوتی بلکہ اس کی نظر اوّل شیطان ہی پر پڑتی ہے کہ شیطان نے یہ وسوسہ اس کے دل میں ڈالا ہے اس کی مثال اسی طرح ہے جس طرح کسی صاحب جمال کے چہرے پر کوئی تِل ہو اور اسی طرح شیطان بھی قضاوقدر کے حسن کا تِل ہے پہلی نظر تِل ہی پر پڑتی ہے شیطان کو قضاوقدر کے جمال کا تِل اسی معنی کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا خیر وشر، طاعت ومعصیت اور کفر وایمان یہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر وتخلیق سے ہے لیکن کسی شخص کو اس میں حجت نہیں ہے کیوں کہ یہ حق تعالیٰ کے اختیار وتقدیر سے ہے؟ بندہ سے وہی فعل عمل میں آیا ہے جو حق تعالیٰ کی منشا ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ اسے میرا حکم جانو اور اس پر چوں وچرا نہ کرو۔

اس موقع پر مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ یہ بات کیوں حجت نہیں ہوگی جب

کہ سب کچھ حق تعالیٰ ہی کی منشاء سے ہے تو بندہ وہی اختیار کرے گا جو اس کی منشا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ فرمان الٰہی ہے ' لایسئل عما یفعل ' (اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے پر سوال نہیں کیا جائیگا) جس نے بھی قضاوقدر کے بھید کو پالیا ہے اس سے ایسی باتیں نہیں ہوسکتیں بلکہ وہ کہتا ہے کہ حق یہی تھا اور ایسا ہی ہونا ہی چاہئے جیسا کہ ہوا ہے کیونکہ اس کے علاوہ ہوتا تو اس میں حکمت ظاہر نہیں ہوتی۔ اہل دل اور ارباب مکاشفہ کو قضا وقدر کے راز کی اطلاع ہوتی ہے اور یہ اس کو جانتے ہیں لیکن عام مخلوق سے یہ بات پوشیدہ ہوتی ہے یہ اس لئے کہ اس کے برداشت کرنے کے لئے اور اس کے فہم وادراک کے لئے شرائط بہت ہیں کیونکہ ہر عقل اس کا ادراک نہیں کرسکتی مگر ارباب قلوب ومکاشفہ جن کو اس کی اطلاع حق تعالیٰ نے دی ہے ان کو ہو جاتی ہے لیکن اور دوسروں کو اطلاع نہیں ہوتی کیونکہ ہر شخص کی عقل اس کو نہیں سمجھ سکتی اور ایک فتنہ اس سے اٹھ کھڑا ہوگا۔

تقدیر کے بارے میں سوال کی ممانعت

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کی زبان مبارک سے یہ عبارت ادا ہوئی 'القدر من اللہ فلا تفتشوہ' (قضاوقدر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اس کے بارے پوچھ تاچھ مت کرو) ۔

پھر مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ قیامت میں تمام لوگوں کو قضاوقدر کے بھید کی اطلاع ہوگی یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا وہاں اطلاع ہوگی، یہ اس لئے کے وہاں ابتلا وآزمائش اٹھ جائے گی جس طرح یہاں خواص کو آگاہی دی ہے اسی طرح وہاں عوام کو اطلاع وآگاہی دے دیں گے یہاں ابتلا وآزمائش کے سبب سے اطلاع نہیں دی ہے (اور وہاں آخرت) میں ابتلا اٹھ جائے گی۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر حق سبحانہ تعالیٰ اس حکمت اور اس بھید کو جو اس میں ہے ظاہر کردے تو پھر سب کے سب برابر ہو جائیں اور ایک جیسے ہو جائیں اور حق سبحانہ تعالیٰ کی منشا

اورخواست یہ تھی کہ لوگ مختلف طرح کے ہوں۔

ابتلا کی بہترین مثال

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے کہا کہ عین القضاۃؒ کے مکتوبات میں یہ حکایت میں نے دیکھی ہے۔

انہوں نے بیان کیا ہے کہ ہر سال بغداد کے بازار میں ایک نہایت حسین و جمیل عورت آیا کرتی تھی نوجوان لوگ اس کے نظارہ بازی میں مصروف ہوتے اور اس کے پیچھے پڑے رہتے اس کے بعد وہ ایک بتخانہ میں گھس جاتی اور دروازہ بند کرلیتی، اس حسینہ و جمیلہ سے لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا تماشہ ہے کہ جوان لوگ تیرے نظارہ میں تیرے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور تو بتخانہ میں بند ہو جاتی ہے اگر خود کو کسی کے سپرد کرنا نہیں چاہتی تو پھر یہ نمائش کیا ہے۔ اس نے یہ جواب دیا مجھے یہ محبوب ہے کہ میں عالم میں ایک شور و ہنگامہ پیدا کروں۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس حکایت پر یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

آں دہان پرنمک پیدا نہ کردی ہیچ گہہ　　　خندۂ کردی و شورے در جہاں انداختی

اور فرمایا 'کنت کنزا مخفیا احببتُ ان اعرف فَخَلَقْتُ الخلق ان اعرف' (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا کہ مجھے اپنے آپ کو ظاہر کرنا منظور ہوا تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ لوگ میری معرفت حاصل کریں اور میرے بارے میں جانیں اور یہ راز کی بات اسی معنی میں ہے۔



اڑتیسواں باب

سعادت، شقاوت اور اس کی علت وسبب کے بیان میں

سعادت وشقاوت اللہ کی طرف سے ہے

مولانا کریم الدین کے لڑکے ضیاء الدین کا انتقال ہوا تھا اس کے انتقال کے بعد ایک مجلس شریف میں مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ مرحوم غلام زادہ دنیا سے ہوشیار گیا وہ علامتیں جو سعادت والوں میں وقت انتقال کے ظاہر ہوتی ہیں وہ سب اس وقت اس میں موجود تھیں، زندگی میں اس کے حال سے مجھے فکر ہوتی تھی اس لئے کہ اکثر وقت اس کو نماز اور ذکر سے غافل پاتے تھے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا سعادت طاعت وعبادت کی معلول نہیں ہے اسی طرح شقاوت معصیت اور خلاف احکام کی معلول نہیں۔ سعادت اور شقاوت کی علت خداوند تعالیٰ کی مشیت ہے۔ اگر کسی میں اہل سعادت کی علامت یعنی طاعت وعبادت نہ بھی ہو

اوراس کی قسمت میں سعادت ہےتو خاتمہ سعادت ہی پر ہوتا ہے۔ طاعت و معصیت سعادت وشقاوت کی علامت ہےاس سے زیادہ نہیں۔ ہاں سعادت وشقاوت کی علت خداوند تعالیٰ کی مشیت ہی ہے جیسا کہ پہلے میں نے کہا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک وقت میں رب تعالیٰ کسی ایک شرابی پر فضل کرتے ہیں تو وہ دے دیتے ہیں کہ ہزاروں ہزار زاہد کو میسر نہیں ہوتا کیونکہ سعادت کی مشیئت کے تحت وہ داخل ہے اور اگر زاہد سعادت کی مشیئت کے تحت نہیں آتا تو اسے ایسا لوٹاتے ہیں کہ جو کسی بدکار فاسق کے ساتھ بھی نہیں کرتے اور آن واحد میں ایک الو کو طوطی خوش الحان بنادیں۔ اور ایک پل میں کیا سے کیا کردیں، خدا کے کارخانہ میں تعجب کیا، اس موقع پر یہ شعر ارشاد ہوا اور فرمایا کہ یہ یہی راز ہے جو کسی نے کہا ہے ؎

از صومعہ براندو بیگانہ خواندش　　در بتکدہ بیاردو گوید کہ آشناست

اوراس معنی کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ حضرت رسالتمآب ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے بھائی جبرئیل آپ کا حال کیا ہے جناب جبرئیل نے کہا خوف و خطر میں ہوں کہیں میرے حق میں بھی وہی نہ ہو جو اس ایک کے حق میں ہوا۔ اور جملہ ارباب معرفت اور اصحاب معنی کو یہی وخوف لگا ہوا ہے، اس خوف کو خوف سابق کہتے ہیں جیسا کہ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ ہر شخص آنے والے کل سے ڈر رہا ہے اور میں خود اس سے ڈر رہا ہوں اور اسی معنی میں یہ شعر امیر حسن نے کہا ہے ؎

خوف ہمہ مرداں ز فرداست　　ما بیم ز حکم دینہ داریم

مامون العافیہ کو کیوں خوف ہوتا ہے

قاضی اشرف الدین نے عرض کی جو مامون العافیۃ ہیں ان کو خوف کیوں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی ایک اصل ہے۔ ارباب بصیرت اور اصحاب معرفت اس کی کبریائی، جلال وعظمت تک ہے اس کے مقابلہ میں اپنے مامون العافیۃ ہونے سے وہ چیز جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ دوسروں کی وہاں تک رسائی نہیں تو جتنا اور جس

قدر یہ لوگ مامون العافیۃ ہوتے ہیں وہ نگاہ جوان کی ہے اور جہاں تک ہے اس کے مقابلہ میں اپنے مامون العافیۃ ہونے کو گم کردیتے ہیں جیسا کہ رسالت پناہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا 'یا لیت رب محمد لم یخلق محمدا ' (کاش محمد ﷺ کے پروردگار نے محمد ﷺ کو پیدا ہی نہ کیا ہوتا، اس گھڑی آپ ﷺ کی نظر پاک میں کچھ نہیں تھا مگر آپ ﷺ کا وہی خوف جو اس وقت پیدا ہو رہا تھا اس موقع پر مثنوی کے یہ دو شعر حضرت مخدوم جہاںؒ کے زبان گوہر فشاں سے ارشاد ہوئے ؎

دل و عقل از جلال او تیرہ   تن و جان از کمال او خیرہ

ہر کہ آنجا رسید سر بنہد   عقل کانجا رسید بر بنہد

اور دوسری بات یہ کہ نفس کی آفتوں اور اپنی خطاؤں پر نظر کرتے ہیں تو اپنے حال کو فراموش کردیتے ہیں۔ نقل ہے کہ جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنی خطا کو یاد کرتے تو بیہوش ہو جاتے اور آپ کے دل کے اضطراب و بیقراری کی آواز ایک میل سے سنی جاتی اس وقت جناب جبرئیل علیہ السلام تشریف لاتے اور کہتے کہ حق تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ 'ھل رایت خلیلا یخاف خلیلہٗ کیا آپ نے کبھی ایسا دیکھا ہے کہ دوست دوست سے ڈرے؟ حضرت خلیل اللہ جواب دیتے، اے بھائی جبرئیل جب اپنی خطا اور ذلت کو یاد کرتا ہوں تو اپنی خلعت خلیل اللہی بھول جاتا ہوں۔ اس موقع پر یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

گر بر وجود عاشق صادق نہند تیغ   بیند گناہ خویش نہ بیند خطاء یار

یہاں یہ اچھی طرح واضح اور روشن ہو جاتا ہے کہ جب اہل امن قضا وقدر کے اسرار کو یاد کرتے ہیں عالم اور عالموں سے اس بارگاہ کو استغنا اور بے نیازی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور خداوند تعالیٰ کے کاموں کی بے علتی دیکھتے ہیں تو بیشک ان کو اپنی سلامتی اور اپنا کچھ بھی دیکھائی نہیں دیتا ہے یہاں حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

ہزار دل کنی از غم خراب نیندیشی   ہزار جاں بلب آری زکس نداری باک

اور اس کے موافق و مناسب یہ حکایت بیان فرمائی کہ تفسیر میں آیا ہے کل قیامت

کے دن پیغامبران علیہم السلام سے یہ خطاب ہوگا کہ مـاذا اُجبتُم' بندوں کو جب میرا فرمان آپ نے پہنچایا تو انہوں نے آپ کو کیا جواب دیا؟ وہ رب تبارک وتعالیٰ خود جانتا ہے اور اس کے ساتھ پیغامبران علیہم السلام بھی جانتے ہیں کہ ہرایک کی امت نے کیا جواب دیا ہے، اس دن کی ہیبت اور سیاست میں سب کے سب اپنا علم بھول جائیں گے اور گم کردیں گے عرض کریں گے 'لا عـلـم لنـا' خداوندا مجھے علم نہیں ہے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

ہوشم نماند با کس اندیشہ ام توئی بس　　　جائیکہ حیرت آمد سمع و بصر نماند

یہاں صاف اور روشن ہے کہ اہل امن کو خوف کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟

شقاوت کی دوقسمیں

اس کے بعد فرمایا شقاوت دو طرح کی ہے۔ شقاوت اصلی اور شقاوت فرعی۔ شقاوت اصلی کفر ہے اور شقاوت فرعی معصیت ہے اور حق سے دوری یہ بھی کفر والوں کے لئے ہے اور معصیت والوں کے لئے بھی، لیکن فرق کے ساتھ کافروں کی دوری مطلق ہے ان کے کفر کے حکم کی تائید میں ہے گنہگاروں کی دوری ان کی گنہگاری کے اندازہ کے موافق ہے یعنی عاصی گنہگار رحمت سے دور تو ہوتا ہے لیکن اس رحمت سے دور ہوتا ہے جو فرماں برداروں کے لئے ہے نہ یہ کہ رحمت مطلق سے، کیونکہ ایمان پر ثابت وقائم ہے ثبات ایمان پر گنہگار اور فرمانبردار دونوں برابر ہیں۔

ہاں! جب یہ ثابت ہوا کہ سعادت وشقاوت حکم ازلی ہے اور اس کی علت مشئیت خداوندی ہے جیسا کہ فرمایا 'ولـو شاء اللّٰه لجعلكم امة واحدة ولكن يضّل من يّشاء ويهـدى من يّشاء' (اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنادیتا لیکن جس کو چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) اگر کوئی شخص جملہ اشقیا میں سے ہو اور آج گرچہ نیک بختوں اور سعداء کی صفت سے متصف ہو سلطان ازلی اس کو بدبختوں اور اشقیا کی صف میں ڈال دیں گے جیسا کہ ابلیس کے ساتھ ہوا۔ اور اگر کوئی شخص جملہ سعداء

میں سے ہو اور آج اگر چہ بد بختوں اور اشقیا کی صفتوں سے متصف ہو سلطان حکم ازلی اس کو آخر کار نیک بختوں اور سعداء کی صف میں لے آئیں گے جیسا کہ ساحران فرعون کے ساتھ ہوا۔ یہاں حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے مثنوی کے دو شعر ارشاد فرمائے ؎

راندہ سابقت ندانم چیست　　　خواندہ خاتمت ندانم کیست

ہر چہ استاد در نوشتہ براند　　　طفل درمکتب آن تواند خواند

اور اس کی اصل یہ ہے عداوت ومحبت خداوندی ازلی ہے جس کا وہ دوست ہے ازل سے ابد تک دوست ہے اور جس کے ساتھ دشمن ہے ہمیشہ پیش سے دشمن ہے، تغیر وتبدل اس کی صفت میں جائز نہیں ہے۔

سعادت وشقاوت کا علم اولیاء کو ہوتا ہے

مولانا کریم الدین نے عرض کی کہ کیا اولیاء جانتے ہیں کہ خوش بختوں میں سے کون ہے اور بد بختوں میں سے کون ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں جانتے ہیں اس وجہ سے کہ سعادت اور شقاوت کی علامتیں ان کو ملکی اور ملکوتی صفات سے معلوم ہو جاتی ہیں اور اللہ تبارک وتعالی کے کاموں کا طریقہ جس طور پر جاری ہے اس حکم کے تحت یہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ اہل سعادت کون ہے؟ اور اہل شقاوت کون؟ نہ یہ کہ غیب جانتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حق سبحانہ تعالی ان کو اپنی جانب سے قطعی طور پر معلوم کرا دے۔

اور تمہیدات میں بیان کیا ہے کہ اہل سعادت وشقاوت اس دنیا میں بھی ظاہر ہیں مگر آنکھ والوں کی نگاہ میں بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے کسی کافر کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ولی اللہ ہے یعنی یہ خدا کا دوست ہے اگر چہ کسی میں فی الحال سعادت کے مخالف اسباب موجود ہیں اور وہ شخص اہل سعادت یعنی خوش بختوں میں لیکن عوام الناس کی نگاہیں ظاہری اسباب پر ہوتی ہیں اور اسی سے وہ حکم لگاتے ہیں۔

اسباب کی مثال یوں سمجھئے کہ خواجہ فضیل بن عیاضؒ جب کہ توبہ کے قبل رہزنی اور

ڈکیتی کرتے تھے اور یہ بظاہر بدبختی کے اسباب میں سے ہے لیکن جس قافلہ میں عورت ہوتی تو اس قافلہ کو نہیں لوٹتے تھے ایسے قافلے کے علاوہ جس قافلہ کو لوٹتے تھے اور جس کا مال لیتے تھے اس کا نام پتے اور اس کے شہر کا نام نوٹ کر لیتے تھے۔ جس جس کا مال لیتے اس کو اس کے خرچ کے اندازہ سے بھیج دیا کرتے تھے۔

تو عوام کی نظر میں ظاہری طور پر یہی معلوم ہوتا تھا کہ رہزنی اور ڈکیتی کرتے ہیں اور یہ شقاوت و بدبختی کا سبب ہے۔ لیکن اہل نظر آنکھ والے یہ سمجھتے تھے کہ یہ اخلاق اور اوصاف کہیں اور سے ہیں اور ایسا شخص کوئی خاص شخصیت ہے تو یہ اہل نظر اور بزرگان ظاہری اسباب پر حکم نہیں لگاتے بلکہ ان کی نگاہیں اسی بلندی اخلاق پر پڑتی ہیں۔

اخلاق عجیب چیز ہے

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کی زبان مبارک پر یہ جملہ آیا کہ اخلاق عجیب چیز ہے۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ کی تعریف وتوصیف **انک لعلی خلق عظیم** (اور بیشک آپ اخلاق کے بڑے مرتبہ پر ہیں) سے فرمایا۔ اور خواجہ واسطیؒ نے کہا ہے اللہ جل شانہ نے پیغامبر ﷺ کی صفت خلق عظیم سے کی ہے یہ اس لئے کہ حضور ﷺ نے دنیا اور عقبی دونوں میں سخاوت اور جوانمردی دکھائی ہے اور صرف حق سبحانہ تعالی کو اپنے لئے کافی کر لیا ہے۔

مجلس شریف میں اس کا تذکرہ آگیا کہ فرمانبرداری اور گنہگاری نیک بختی اور بدبختی کی علت تو نہیں ہے لیکن سبب ہے یا نہیں؟

نیک بختی یا بدبختی کا سبب ہوتا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ محققین نے کہا ہے جس طرح علت نہیں ہے سبب بھی نہیں ہے۔ اگر چہ اہل ظاہر سبب قرار دیتے ہیں لیکن ارباب تحقیق کہتے ہیں کہ سبب اس سبب سے سمجھا جاتا ہے کہ سبب مسبب سے پہلے ہوتا ہے اور نیک بختی و بدبختی کا حکم ازل میں قبل ہی ہو چکا ہے اور بندہ سے طاعت و معصیت کا صدور آج ہو رہا ہے تو جو چیز آج بندہ سے صادر ہو رہی ہے وہ چیز اس چیز کا سبب کیسے ہوگی جو ازل میں ہو چکی ہے اسی وجہ

سے طاعت و معصیت سبب نہیں ہوگی نہ طاعت کسی کی سعادت کا سبب ہوسکتی ہے اور نہ معصیت کسی کے شقاوت کا سبب بن سکتی ہے اس موقع پر یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

علتش را نہ کفر دان و نہ دین! صفتش را نہ آن شناس و نہ این

اگر کوئی شخص تمام عالم والوں کی طاعت کے برابر نیکی کما لائے اور ازل میں اس کے لئے شقاوت کا حکم ہو چکا ہے تو وہی بدبختی اس کے نصیب میں ہوگی۔ اور اگر کوئی شخص جملہ جہاں والوں کی گنہگاری کے برابر گناہ بٹور لائے اور ازل میں اس کے لئے سعادت کا حکم صادر ہو چکا ہے تو وہی سعادت اسے نصیب ہوگی اس کے ساتھ ساتھ یہ قانون ہے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے حاضرین مجلس کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ میں آپ لوگوں سے کہتا ہوں اس بات کو خوب اچھی طرح دل میں جگہ دیجئے کہ اگر چہ بندہ کا فعل نیک بختی اور بدبختی کا سبب نہیں ہے لیکن اللہ جل شانہ کا طریقہ اس طور پر جاری ہے کہ سبب کے پیچھے مسبب کو پیدا کرتا ہے اگر کسی کو دیکھیں کہ طاعت و عبادت پر گامزن ہے اور احکام کے خلاف نہیں کرتا تو اسے شناخت کرلیں کہ یہ خوش بختوں میں سے ہے اس حکم کے تحت کہ جس طور پر اللہ کا کارخانہ جاری ہے۔

اور اگر کسی کو دیکھیں کہ وہ گناہ اور احکام خداوندی کے خلاف کرتا ہے تو اسے پہچان لیں کہ بدبختوں میں سے ہے اس حکم کے تحت جو طریقہ الٰہی جاری ہے اور یہ جو فرمایا یہ اسی کی طرف اشارہ ہے 'کل میسر لما خلق له' (ہر آسانی اس شخص کے لئے ہے جس کے لئے بنائی گئی ہے) اور اس کے ساتھ ساتھ قدرت اس سے الگ ہے وہ قادر ہے اس پر کہ باوجود طاعت و عبادت کے وہ ایک شخص کو بدبخت بنادے اور ایک کو باوجود خلاف احکام خداوندی اور گنہگاری کے سعید و نیک بخت بنادے۔ خاص اسی بنا پر طاعت والوں کو خوف باقی رہتا ہے۔ گرچہ ہزاروں ہزار طاعت و عبادت اور نیک کام کرتے ہیں لیکن قدرت جب اس کے برخلاف واقع ہے خوف باقی رہتا ہے۔ اگر چہ ایسا ہی ہے کہ قدرت تو برخلاف واقع ہے لیکن اس عالم میں کام قدرت پر کم چلتا ہے اس لئے کہ یہ عالم، عالم اسباب و حکمت ہے کارخانہ الٰہی اسی طور پر جاری ہے کہ کسی واقعہ کے پیچھے کوئی نہ کوئی سبب پیدا ہوتا ہے۔

خاکسار نے عرض کی ارباب بصیرت جیسا کہ دوسروں کی سعادت کو جانتے ہیں انہی وجوہات کی بنا پر کہ حضور مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یعنی اللہ تعالی کا کام جس طور پر جاری ہے یا اللہ تعالی کے بتانے سے اپنے متعلق بھی یہ جانتے ہیں کہ خود وہ اہل سعادت سے ہیں یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جب دوسرے کے متعلق جانتے ہیں تو چاہئے کہ اپنے متعلق بھی جانیں۔ یہ اس لئے کہ دوسرے کے متعلق جاننے میں کہ یہ اہل سعادت سے ہے کوئی چیز لازم نہیں آتی لیکن خود اپنے بارے میں یہ جاننے سے کہ میں اہل سعادت ہوں عاقبت وخاتمت سے مامون ہونا لازم آتا ہے اور یہ ناپید ہے۔

ولی اپنے بارے میں جانتا ہے

ہاں ایک قول یہ ہے کہ جانتے ہیں اور صاحب کشف المحجوب نے پہلے قول پر اس قول کو ترجیح دی ہے اس کا جواب انہوں نے یوں دیا ہے کہ ولی یہ جانتا ہے کہ میں ولی ہوں اور یہاں پر خاتمہ کے خوف سے امن لازم نہیں آتا ہے جس طرح کہ مومن خود کو جانتا ہے کہ میں مومن ہوں اور کوئی خوف خاتمت لازم نہیں آتا ہے اور اس کے جاننے سے ان کے دین کا کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا جیسے کہ عشرہ مبشرہ رضوان اللہ حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ جانتے ہیں کہ وہ سب اہل سعادت ہیں اور اہل بہشت ہیں اور ان کے دین میں اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ کے اس قول سے اشارہ اسی طرف ہے کہ 'نعم الرجل صهيب لم يخف الله ولم يعصيه'۔ صہیبؓ نہایت اچھے آدمی ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرتے رہے اور اس کی معصیت سے بچتے رہے اور گناہ نہ کریں یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان کو عاقبت کے خوف سے مامون کردے اور خوف ان سے اٹھالے تو معلوم ہوا کہ اس امن سے اور اس جاننے سے ان کے دین کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے خود ہی شبہ وارد کرتے ہوئے فرمایا اگر کوئی کہے کہ عشرہ مبشرہؓ کو حضور نبی کریم ﷺ کے خبر دینے سے اپنی سعادت کا علم ہوا لیکن اولیاء کے حق میں صاحب شرع علیہ السلام کی دی ہوئی بشارت نہیں ہے کیسے معلوم کریں اور ان کو کس چیز

سے معلوم ہوگا کہ اہل سعادت ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس کا جواب بھی خود ہی ارشاد فرمایا کہ اس تمیز و معرفت سے جو اللہ تعالی نے اپنے ولیوں کو عطا فرمایا ہے جان لیتے ہیں اور اس قول کا اشارہ اسی طرف ہے جو کہا گیا ہے ''اگر وحی منقطع ہوگئی ہے تو حدیث باقی ہے''۔

اس کے بعد خود ہی حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص یہاں پر یہ شبہ وارد کرے کہ یہ تمیز و تعریف جو اولیاء کو حاصل ہے اسے کیونکر یہ جانیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔شیطانی نہیں ہے۔اس لئے کہ اولیاء معصوم نہیں ہیں اور وحی بھی نہیں ہے۔اس کا جواب خود حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے ارشاد فرمایا اس نور ولایت کے ذریعہ جو اولیاء اللہ کو حاصل ہے تمیز کر لیتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ یہ تمیز اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے یہ رحمانی ہے ہرگز شیطانی نہیں اور اس میں اولیاء کو ذرہ برابر شک و شبہ نہیں ہوتا اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا 'اتقوا من فراسته المومن فانه ينظر بنور الله' (مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) جب ان کا دیکھنا اللہ کی نور سے ہے تو اس میں خطا کی گنجائش کہاں ہے۔

اسباب ملکی وملکوتی کی مثال

مجلس شریف میں اسباب ملکی اور ملکوتی کا تذکرہ آگیا حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ آدمی سے کوئی کام اس وقت تک وجود میں نہیں آتا ہے جب تک اسباب ملکی اور ملکوتی جمع نہ ہو جائیں۔اور اسباب ملکی جو کچھ ہیں وہ سب کے سب ہمارے حواس ظاہری سے محسوس و معلوم کئے جاتے ہیں اور اسباب ملکوتی جتنے ہیں وہ ہمارے حواس سے معلوم ومحسوس نہیں ہوتے اور درمیان اسباب ملکی وملکوتی کے درمیان ایک دوسرے سے ربط اور سلسلہ قائم ہے جب تک دونوں اسباب کسی کام میں باہم موجود نہیں ہوتے وہ کام مکمل نہیں ہوتا۔مثلاً کھیت میں ہل چلایا گیا جوتا گیا پھر اس میں بیج بوئی گئی اور بارش ہوئی اس کے بعد غلہ پیدا ہوا یہ تمام اسباب ظاہر ملکی ہیں اور ہمارے دیکھنے میں یہی آتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ غلہ انہیں اسباب سے پیدا ہوا ہے۔

بس اتنا ہی نہیں ہے بلکہ اور دوسرے اسباب ملکوتی جمع ہوئے ہیں تب کہیں غلہ پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ بہت سارے فرشتے ہیں جو ان کاموں پر متعین ہیں ایک فرشتہ ہے جو پانی برسانے پر موکل ہے جب تک وہ پانی نہ برسائے بارش کیسے ہوسکتی ہے اور کوئی فرشتہ بدلی کے ہانکنے پر تعینات ہے کوئی ہوا چلانے پر مقرر ہے اور اسی طرح دوسری تمام چیزوں پر جس کا علم خداوند تعالی ہی کو ہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل معرفت اسباب ملکی کو دیکھتے ہیں پھر اس سے آگے بڑھ کر ملکوتی تک پہنچتے ہیں اور پھر یہاں سے بھی گذر کر مسبب الاسباب تک ترقی کرتے ہیں برخلاف اس کے دوسرے لوگ اسباب ظاہری سے آگے نہیں بڑھتے۔

چنانچہ اہل فلسفہ اسی بلا میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے کسی چیز میں غور وفکر کیا اور یہ سمجھا کہ جو سبب کے ظاہر ہوا ہے وہ مستقل بہ نفس خود ہے یا وہ سبب کسی دوسرے اسباب سے وابستہ ہے؟ پھر اس پر غور کیا کہ اس سبب کو کس سبب سے لگاؤ ہے تو اسباب ملکوتی کو پایا اور اسباب ملکی سے گذر کر اسباب ملکوتی تک پہنچے اور یہ معلوم کیا کہ فلاں ستارہ کا یہ اثر ہے اور آفتاب جب تک فلاں برج میں نہیں پہنچتا ہوا سرد نہیں ہوتی اور جب تک فلاں برج میں نہیں داخل ہوتا ہوا گرم نہیں ہوتی اس سے آگے نہیں بڑھتے اور یہیں پر اٹک کر رہ جاتے ہیں اسی سے کوئی کہتا ہے کہ سات ستارے ہیں کوئی کچھ اور کوئی کچھ۔ چنانچہ اسباب ملکی سے گذر کر ملکوتی تک پہنچتے ہیں اور یہاں پر رک جاتے ہیں وہ اسی بلا میں مبتلا ہیں۔

شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ لکھنے میں اسباب ظاہری یعنی ملکی تو معلوم ہیں جیسے داوات قلم سیاہی اور انگلیوں کی حرکت لیکن اس میں اسباب ملکوتی کیا ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا وہ قوتیں جو انگلیوں میں ہیں وہ ملکوتی ہیں اگر یہ قوتیں نہ ہوتیں تو انگلیوں سے ہرگز یہ ممکن نہ تھا کہ وہ لکھتیں اور یہ شعر زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمایا۔

چشم خفاش را چہ از خورشید　　　مرغ محبوس را چہ از گلزار



انچالیسواں باب

دنیا سے قناعت اس کے مکر اور شیطان کے جملہ حیلہ وفریب کے بیان میں

معمولی دنیا پر قناعت کی ترغیب

قاضی منہاج الدین درون حصاری وصیت شیخ الشیوخ پڑھ رہے تھے جب سبق اس مقام پر پہنچا 'واقنع من الدنیا بالیسیر' (دنیا سے تھوڑے پر قناعت کرو) تو حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے دنیا سے تھوڑے پر راضی وخوشنود رہنا چاہئے اور قوت القلوب میں آیا ہے کہ تصرف دنیا تین طرح پر ہے ایک تصرف بقدر ضرورت دوسرا تصرف بقدر حاجت تیسرا تصرف ضرورت اور حاجت سے زیادہ۔

مقدار ضرورت یہ ہے کہ ہر ایک چیز میں ضرورت کے مطابق قانع رہے جیسا کہ

کھانے، پینے سونے رہنے پہننے ہر ایک چیز میں بقدر ضرورت ہونا چاہئے کھانا بس اتنی مقدار میں کہ جس کی قوت سے رات کو حق تعالی کی عبادت میں کھڑا ہو سکے۔

رہنے کی جگہ اتنا بھر ہونا چاہئے جو نماز ادا کرنے کے لئے کافی ہو لباس اتنا ہو کہ جس سے جسم چھپ سکے سونا اسی وقت جب نیند سے مغلوب ہو جائے تو جس نے دنیا میں مقدار ضرورت پر قناعت کر لی وہ مامون و محفوظ ہو گیا اور جس نے بمقدار حاجت قناعت کی وہ بھی کامیاب گیا 'ولکن لا یخلو عن الخطر' لیکن خطرہ سے خالی نہیں، اس سبب سے کہ آدمی کے ساتھ دونوں چیزیں لگی ہوئی ہیں جیسا کہ آدمی کا لگاؤ کسی قدر ضرورت کے ساتھ ہے اسی طرح فضولیات کے ساتھ بھی ہے جس نے مقدار ضرورت سے زیادہ اختیار کیا وہ گڑھے میں گر گیا اور ایسا گڑھا جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اور یہ مثنویات زبان گوہر فشاں سے فرمائے ؎

اولیں سد در رہ آدم ۔۔۔ بود نالی کلو و طبل شکم

جرح کردی برائے نالاں جاں را ۔۔۔ در پے تن بد ادی ایماں را

چہ کنم جزتو خانہ و بنیاد ۔۔۔ مونس من نجا المحققوں باد

ہلک المشقلون خواند و بس ۔۔۔ خانہ وخفت و سازم است ہوس

اس کے بعد فرمایا مفسرین میں اکثر لوگوں نے کہا ہے 'الحیواۃ الطیبۃ فی الدنیا القناعۃ' (پاکیزہ زندگی دنیا میں قناعت کی زندگی ہے) بعضوں نے کہا ہے 'الفقراء اموات الا من احیاہ بعزۃ القناعۃ' یعنی درویشاں مردہ ہیں مگر اللہ رب العزت نے جنہیں زندہ گردانا ہے اسی قناعت ہی کی عزت کی بدولت زندہ گردانا ہے اور خواجہ بشر حافیؒ سے سے منقول ہے کہ قناعت ایک فرشتہ ہے جس کا مسکن مومن کے قلب کے سوا اور کہیں نہیں اور ارباب تفسیر میں سے بعضوں نے کہا ہے 'لبر زنھم رزقاً حسنا' کے معنی قناعت ہی کے لئے ہیں۔

لیکن قناعت کے معنی جو خواجہ محمد بن ترمذی سے منقول ہے وہ یہ ہے انہوں نے فرمایا 'القناعۃ رضاء النفس بما قسم لھا من الرزاق' یعنی رزق میں سے جو کچھ رزق دینے والے مولٰی کی جانب سے مقسوم ہو چکا ہے نفس کا اس پر راضی اور خوشنود ہو جانا ہے اور بعضوں کا

قول ہے کہ قناعت ایک سکون ہے محبوب و مانوس کے نہ ہونے میں اور زبور میں ہے ' القانع غنی و انکان جائعا ' (قناعت کرنے والا غنی تونگر ہے اگر چہ وہ بھوکا ہو، اور یہاں حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ مثنوی پڑھی ؎

قناعت تونگر کند مردرا خبر کن حریص جہاں گردرا

اوراہل علم کا یہ قول ہے کہ 'وضع اللّٰہ تعالی خمسة اشیاء فی خمسة مواضع العز فی الطاعة و الذل فی المعصیعته و الهیبة فی قیام اللیل والحکمة فی البطن الخالی و الکفایة فی القناعة 'یعنی حق سبحانہ تعالی نے پانچ چیز کو پانچ جگہ رکھا ہے عزت کو طاعت میں ذلت کو گناہ میں ڈرکورات کے قیام میں اور حکمت کو بھوک میں اور تونگری کو قناعت میں۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا دنیا کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے ایک حصہ خاص مومن کے لئے اور ایک حصہ منافق کے لئے اور ایک حصہ کافر کے لئے۔تو مومن نے اپنے حصہ کو آخرت کا توشہ بنایا اور منافق نے اس سے آرائش اور زیبائش کی اور کافر نے اس سے دنیا کمایا اور منافع خوری کی۔

اور ایک بزرگ کی نقل ہے کہ انہوں نے کہا کہ جس نے دنیا سے محبت کی وہ اس کے حرص کی آگ میں ایسا جلا کہ خاکستر ہو گیا اور جس نے عاقبت کی طرف رخ کیا وہ اس کی آگ میں ایسا جلا کہ کدورتوں سے پاک وصاف ہو کر خالص سونا کا ڈلہ بن گیا ایسا کہ لوگ اس سے فیضیاب ہونے لگے اور جس نے خدائے عزوجل کو اختیار کیا اور خاص اسی کا طالب ہوا اسے آتش توحید نے ایسا جلایا اور اس کی ایسی تابش ہوئی کہ انمول ہیرا ہو گیا۔اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کی زبان مبارک سے یہ اشعار ارشاد ہوئے ؎

نشستہ برسر خوان فتوت بہر دو کون در دارہ صلائے
زسدرہ بر تر ایشاں را مقائے ورائے عرش و کرسی متکائے

اس کے بعد فرمایا کہ جب درم ودینار پیدا ہوا تو ابلیس ملعون نے اسے اٹھایا، بوسہ دیا

اپنی پیشانی پر رکھا اور اس نے کہا جس نے تجھ سے محبت کی وہ بیشک میرا بندہ ہے یہاں پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے مثنوی کے دو شعر پڑھے ؎

بندہ دارد در جہاں ایں سگ بسے — بندگی سگ کند ہرگز کسے

صد ہزاراں دل بہ مرداز غم ہمی — ایں سگ کافر نمی میرد دمی!

عبادت کے لئے طمانیت کی خاطر مال رکھنا

اس کے بعد فرمایا لیکن اتنا جاننا ضروری ہے کہ مال کا رکھنا بعض وجوہ سے اچھا ہے جس وجہ سے اچھا ہے وہ اس سبب سے ہے کہ بقدر ضرورت رکھنے سے عبادت کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اور زیادہ مال و دولت رکھنا اس وجہ سے بہتر ہے کہ اس سے نیکی اور بھلائی یعنی خیرات وحسنات کے دروازے کھلتے ہیں اگر نیکی اور بھلائی کرنے کی نیت اور ارادہ سے کسی کے پاس مشرق سے مغرب تک کی دولت ہو اور وہ رکھے تو اس میں کوئی خوف ومضائقہ نہیں۔

اور مال و دولت کی زیادتی اس وجہ سے بری ہے کہ یہ آدمی کو گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے اور دولت کی فراوانی کے بعد گناہوں سے بچنا مشکل ہے اور یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

مبادا کہ گنجے بیابد فقیر — کہ نتواند از حرص خاموش بود

زہد وتوکل کا حسین ثمرہ

مجلس شریف میں ترک دنیا کا تذکرہ آ گیا حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کسی شہر میں ایک بزرگ تھے وہ اپنے مریدوں کے ساتھ عازم سفر ہوئے چنانچہ سفر کرتے ہوئے ایک شہر کے قریب پہنچے اس شہر کے بادشاہ کو اطلاع ہوئی استقبال کے لئے حاضر ہوا اور تحائف ونذرانہ پیش کیا ان بزرگ نے قبول کرنے سے انکار کیا مریدوں کو سفر کی شدت اور زاد وراحلہ کی قلت کے سبب دشواریون کا سامنا تھا انہوں نے سوچا کہ اگر شیخ نذرانہ قبول فرمالیتے تو سفر کی پریشانیوں کا سامنا نہ ہوتا اور اخراجات میں سہولت ہو جاتی۔ ایک مرید شوخ تھے عرض کی سفر دشوار گذار ہے اور مریدوں کے پاس زاد سفر نہیں ہے اگر حضور نذرانہ قبول فرمالیتے تو اس وقت آسانی ہو جاتی وہ بزرگ سن کر خاموش رہے اس وقت کچھ نہیں کہا پھر وہاں

سے آگے بڑھ گئے سفر کرتے ہوئے ایک صحرا میں پہونچے شیخ نے اس مرید کو آواز دی کہ اے فلاں ادھر آؤ مرید صاحب دوڑے ہوئے گئے کہ شاید کسی کام کے لئے طلبی ہے شیخ نے کہا آنکھ بند کرو مرید نے آنکھیں بند کرلیں پھر فرمایا آنکھیں کھولو اور دیکھو۔ مرید نے جب آنکھیں کھولی تو دیکھا کہ زمین میں جتنے خزانے ہیں سب موجود ہیں اس کے دیکھنے سے مرید کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا عرض کیا توبہ کرتا ہوں آئندہ گستاخی نہ ہوگی لیکن ایک عرض ہے شیخ نے کہا کہو مرید نے کہا کہ حضور کو جب یہ اختیار حاصل ہے خود نہیں تصرف فرماتے، اتنے خدا کے بندے ضرورت مند و محتاج ہیں اس سے ان کی تو امداد کی جاتی؟ شیخ نے کہا ہاں ایسا ہی ہے لیکن تم نے یہ نہیں سنا ہے کہ پیر مرید کو جو پہلی تعلیم دیتا ہے وہ یہ ہے کہ ''ہر چہ برخود مپسندی بر دیگراں مپسند'' جس چیز کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے تو دوسروں کے لئے پسند نہ کرو جب ہم خود اپنے لئے اس کو پسند نہیں کرتے دوسروں کے لئے کیسے پسند کریں۔

توکل اور ہمت کا قصہ

پھر ایک دوسری حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ صاحب ہمت ایک صحرا میں تھے اور ان پر ایک زمانہ گذر گیا تھا یہاں تک کہ ان کے سر کے بال اور ناخن بہت زیادہ بڑھ گئے تھے۔ یکا یک ان کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ اگر ایک دانگ ہوتا تو سر کے بال ترشوا لیتے جس وقت یہ بات ان کے دل میں پیدا ہوئی اسی لمحہ ان کی نگاہ سے پردہ اٹھالیا گیا اور جتنے خزانے تھے سب ان کے سامنے لا کر ڈال دئے گئے اور حکم ہوا کہ لے لو جتنا چاہو، ان بزرگ نے مناجات کی بار الہا! تیری عزت کی قسم! اگر پھر میرے دل میں اس قسم کا خیال آئے تو تو اپنی قربت سے مجھے دور کردے یہاں پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے مثنوی کے دو شعر ارشاد فرمائے ؎

دیں ز دنیا ہمیشہ آزردست　　　کاب دنیا جمال دیں بردست

ہر دو آنجا کہ بخت فرہنگ است　　　درنہ گنجد ازاں کہ رہ تنگ است

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اس گروہ صوفیہ کی روش یہ ہے کہ جب دنیا ان کے سامنے

پیش کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں 'هذه عقوبة ذنبي عجلت' یہ میرے گناہوں کی سزا ہے کہ جو مجھے دنیا میں نقد مل رہی ہے اور جب فقر و فاقہ ان پر گذرتا ہے تو کہتے ہیں 'مرحبا لشعار الصالحین' سبحان اللہ یہ صلحا کا شعار ہے۔

ایک بچے سے چوری سرزد ہوگئی

مجلس شریف میں خواجہ حافظ جلال ملتانی حاضر تھے ان کا ایک خدمت گار لڑکا چند روپئے لے کر فرار ہوگیا تھا حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس غلام بچہ کے ملنے کے بارے میں ان سے پوچھا اور فرمایا کہ اب کیسا رہتا ہے عرض کیا کہ اب تو بہت اچھا ہوگیا ہے اور ٹھیک سے رہتا ہے نماز بھی پابندی سے پڑھتا ہے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا چاندی اور سونا عابدوں اور زاہدوں کو لبھالیتا ہے وہ بیچارہ غلام بچہ کیا حقیقت رکھتا ہے اور اس مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی۔

ایک زاہد تارک الدنیا کا واقعہ

ایک تارک الدنیا صومعہ نشین ہوگیا تھا رات دن عبادت حق میں مشغول رہتا شیطان اس کے ہاتھوں خسارہ میں تھا ہر وقت اس تاک میں لگا رہتا کہ کسی صورت سے اس کو گمراہ کرے لیکن اس کی کچھ نہیں چلتی آخر اسے ایک چال سوجھی اس زاہد کے صومعہ کے قریب چند درخت تھے ان درختوں کے بیچ ایک درخت میں اس نے پرستش کے سامان مہیا کئے یعنی سیندور لگایا اور کچھ پھول وغیرہ چڑھائے اور خود اس درخت کے اندر جاکر بیٹھ گیا اور اس میں سے بولنے لگا جب لوگوں نے سنا کہ درخت بولتا ہے شہر میں اس کا چرچہ ہوا ہندوؤں نے وہاں جانا شروع کیا انہیں اعتقاد پیدا ہوا اس درخت کو پوجنے لگے۔ شہر کے اکثر لوگ اس ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہوگئے۔ اس کے بعد اس زاہد کے رفقا میں سے چند لوگ جو اس کے ساتھ تھے انہوں نے یہ فساد دیکھا تو زاہد کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کے قریب اس طرح کا فساد برپا ہوا ہے اگر مناسب ہو تو آپ لوگ صومعہ سے باہر آئیں اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کریں اور برائیوں سے روکیں اس نے کہا بہتر ہے تیار ہوکر اپنے رفقا کے ساتھ باہر آیا اور اس طرف چلا شیطان

نے دیکھا کہ یہی موقع اس کو مغلوب کرنے کا ہے شیطان سامنے آیا اور نصیحت کے طور پر کہنا شروع کیا کہ تم اپنے کنج عافیت میں مشغول رہو لوگ جانیں اور سمجھیں تم کس لئے خود کو اس ہنگامہ میں ڈالتے ہو اور اپنے وقت کو خراب کرتے ہو زاہد نے کوئی اثر نہیں لیا اور آگے بڑھ گیا پھر اس نے وسوسہ ڈالا لیکن زاہد نے احسان نہیں مانا اور اپنے ارادہ میں رواں ہوا قریب تھا کہ لوگوں کو نصیحت کرے پھر شیطان آگے آیا اور کہا اتنا سونا چاندی لے لو اور اپنے عبادخانہ میں لوٹ جاؤ زاہد نے جب اس سے یہ بات سنی تو کہا اس وقت اس نے کام کی بات کہی ہے چلو کسی کو کچھ مت کہو سب اپنے ارادہ سے باز آگئے اور آخر کار زاہد اس سونے چاندی پر فریفتہ ہو گیا۔

اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ مثنوی ارشاد فرمائی ؎

اے بہ زر سیمرغ را بفروختہ — دل ز عشق زر چو شمع افروختہ

مرد دنیا جان و دل پر خوں نہد — صد ہزاراں دام دیگر گوں نہد

زر کہ مشغولت کند از کردگار — بت بود در خاکش افگن زینہار

غرق دنیا ے نیابد دست نیز — دین و دنیا دست نہدائے عزیز

دنیا کی حقیقت

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا احیاء العلوم میں مرقوم ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے بہشت میں اس درخت سے کھالیا تو معدہ میں حرکت پیدا ہوئی اور اجابت کی خلش معلوم ہوئی کہ فضلہ کو خارج کر کے کہیں ڈال دیں چنانچہ آدم علیہ السلام بہشت میں چکر کاٹنے لگے کہ کیا کریں فرشتہ نے یہ فرمان پہنچایا کہ اے آدم کیا تلاش کرتے ہو جناب آدم نے جواب دیا جو فضلہ شکم میں ہے اس سے کہیں فراغت کرنا چاہتا ہوں اس فرشتہ نے کہا جناب کہاں فراغت کرنا چاہتے ہیں عرش پر یا تخت پر یا نہروں پر یا درختوں کے سایہ میں کوئی ایسی جگہ دیکھئے کہ جہاں یہ فضلہ خارج کیا جائے اس کی جگہ تو دنیا ہی ہے یہاں سے نیچے اتر کر دنیا میں جائیے اور وہیں خارج کیجئے۔ اسی کو رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے 'الدنیا کنیف آدم' کنیف پائخانہ کو کہتے ہیں چنانچہ عقل مندوں کو معلوم ہے کہ دنیا کی کیا حقیقت ہے اور مثنوی کے

یہ دو شعر ارشاد ہوئے ؎

گلخن دنیا کہ زنداں آمدہ است، سر بسر اقطاع شیطاں آمدہ است
تا نہ باشد ہیچ کس را با تو کار دست را ز اقطاع او کوتاہ دار

حضرت سلیمان کی بادشاہت کی حکمت

اس کے بعد خود حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے شبہہ وارد فرمایا کہ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دنیا کی یہ حقیقت ہے جو کہی گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا سلطنت اور بادشاہی کی دعا کرنا اور اس کی طلب کے کیا معنی ہوں گے؟ اس کا جواب ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ ان کی یہ خواہش جائز ہے۔ یہ اس لئے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ نفس کا امتحان لیا جائے نفس کو غیر اللہ کے ساتھ ذرہ برابر میلان اور لگاؤ باقی ہے یا نہیں؟ کیونکہ نفس کی سب سے بڑی مراد دنیا سلطنت اور بادشاہی کا حصول ہے تو حضرت نے چاہا کہ نفس کا حال ان پر روشن ہو جائے کہ اللہ کی الوہیت کے ساتھ دائمی قرار اسے حاصل ہو گیا ہے یا نہیں اور روح کی تلوار اس پر پوری طرح چل چکی ہے یا نہیں اگر ایسا نہیں ہے تو بے انتہا مجاہدہ کر کے اسے پست کیا جائے یقیناً اس امتحان میں جب نفس کو درست پایا تو اسے بخش دیا چنانچہ بادشاہی کے تخت پر جلوہ فرما ہونے کے باوجود کسب اور کمائی کرتے تھے اور فقرا و غربا کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے تھے اور ارشاد فرماتے 'المسکین یجالس مع المساکین' (مسکین مسکینوں کے ساتھ بیٹھا کرتا ہے)۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا حضرت امیر المؤمنین علیؓ سے روایت ہے 'لو ان رجلا اخذ جمیع مافی الارض واراد به وجه اللّٰه فهو زاهد ولو ان ترک الجمیع ولم یرد به وجه اللّٰه فلیس بزاهد' یعنی اگر کوئی شخص جتنی بھی دولت زمین میں ہے حاصل کر لے اور اس کی مراد خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب ہو تو وہ تارک الدنیا زاہد ہے اور اگر کوئی شخص سارے زمین کی دولت ترک کر دے مگر اس کی مراد اور اس کا قصد و نیت خداوند تعالیٰ کی رضا کی طلب میں نہیں ہے تو وہ تارک الدنیا زاہد نہیں۔

انبیاء واولیاء کی مثال

اس کے بعد خود ہی ایک شبہ وارد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں پر ایک کھٹک پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ انبیاء و اولیاء کو یہ قوت حاصل ہے کہ مال و دولت کا رکھنا ان کے لئے نقصان کا باعث نہیں اس کے باوجود وہ لوگ مال وزر سے گریز کرتے رہے اور اس کو ہاتھ نہیں لگایا اس کا جواب بھی حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ تمام لوگ بچوں کے درجہ میں ہیں اور مال وزر کی مثال سانپ کی ہے انبیاء اور اولیاء سانپ کا زہر اتارنے والے ہیں اور یہ جھاڑ پھونک منتر جانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے زہر کا ان پر اثر نہیں ہوتا لیکن جو چیز کے جاننے والے پر اثر نہیں کرتی وہ بچوں پر تو ضرور اثر انداز ہوگی۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک افسوں جاننے والے کے پاس ایک لڑکا موجود ہے اور ایک سانپ نکلتا ہے منتر جاننے والے کو اس کا یقین ہے کہ اگر وہ اس کو پکڑ لے گا تو منتر کی قوت کی وجہ سے سانپ کے زہر کا کوئی اثر اس پر نہیں ہوگا لیکن اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ لڑکا بھی اس کی نقل میں سانپ کو پکڑ لے گا اور منتر نہ جاننے کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گا تو ایسی صورت میں افسوں جاننے والے کو یہ لازم ہے کہ وہ سانپ سے بھاگے اور عملاً اپنے بچہ کو بھی بھاگنا سکھائے اور اس بچہ کی نگاہ میں سانپ کو خطرناک بتائے اور اس کو وہ اچھی طرح بتادے کہ اس میں زہر ہے۔ واللہ اعلم۔



چالیسواں باب

گناہ ونافرمانی کے بیان میں

مجلس شریف میں گناہ بے انصافی اور بشر کی نافرمانی کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا جس کی قسمت میں ابتلا، پریشانی اور مصیبت ہے وہ گناہ ونا انصافی سے خالی نہیں ہے خاص کر آدمی جو کہ اتنے سارے بشری صفات میں مبتلا ہے بیچارہ کیا کرے اپنی ابتلا یعنی بشری صفات کے سبب سے وہ جو کرے گا وہی کرے گا جو بشری صفت کا تقاضہ ہے یہیں سے یہ ظاہر ہے کہ اگر بشر کی یہی ابتلا فرشتوں یا انبیاء واولیاء کو ہوتی اگر وہ معصوم اور محفوظ حق تعالیٰ نہیں ہوتے تو معلوم ہو جاتا باوجود عصمت وحفاظت کے ان کی ابتلا کا حال روشن ہے۔

جو مقدر ہے وہی ہوگا

ایک بزرگ سے منقول ہے انہوں نے کہا تقدیر کا علم نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر الزام رکھتے ہیں اور طعن کرتے ہیں حالانکہ وہ شخص درمیان میں کچھ بھی نہیں ہے جو

مقدر ہو چکا ہے وہی ہو رہا ہے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ کہ ایک دن فرشتے آپس میں بشر کی نافرمانی ناانصافی اور خیانت کا تذکرہ کر رہے تھے پھر فرشتوں نے مناجات کی کہ بارالہٰ ہم لوگ انسانوں کی تخلیق سے پہلے زمین پر تیری تسبیح و تہلیل کیا کرتے تھے لیکن اب انسانوں نے گناہ، ظلم، نافرمانی اور خیانت زمین پر شروع کر دی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ تم اپنی جماعت میں سے کسی دو کو چن لو ہم دو تین صفت بشر کی ان میں ڈال دیتے ہیں اور وہ زمین پر جائیں آدمیوں کے ساتھ گذر بسر کریں اس کے بعد فرشتوں نے اپنی جماعت سے جناب جبرئیل اور میکائیل علیہم السلام کا انتخاب کیا کیونکہ یہ دونوں بزرگ ابلیس کے حال سے واقف تھے اور سعادت و بزرگی ان کے مقدر میں تھی اس لئے معذرت خواہ ہوئے اور کہا مجھے معاف رکھو چنانچہ ان کے بعد ہاروت و ماروت کا انتخاب ہوا ان دونوں نے قبول کرلیا، اللہ رب العزت نے دو تین صفتیں ملکوتی ان سے لے لیں اور اس کی جگہ دو تین بشری صفت ان میں ڈال دی ان صفتوں میں ایک صفت شہوت تھی اس کے بعد حکم ہوا کہ زمین پر جاؤ اور آدمیوں کے درمیان زندگی بسر کرو یہ دونوں زمین پر آئے باوجود سارے ملکوتی صفات کے صرف دو تین بشری صفت کے سبب مبتلا ہو گئے اور گنہگاری کا صدور ان سے ہونے لگا اور یہ قصہ مشہور ہے کہ مقام دعوی میں ایک عورت تھی جس میں یہ دونوں مبتلا ہو گئے جب تمامی صفات ملکوتی کے باوجود صرف دو تین بشری صفات کے سبب خود کو محفوظ نہ رکھ سکے تو بیچارہ آدمی خود کو کہاں تک بچا سکتا ہے جو سراسر گناہ اور ظلم کا پتلا ہے۔

ایک اہم نکتہ

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے متعلق نہایت ہی اہم ایک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ارباب بصیرت فرماتے ہیں کہ اس راہ میں خود سالک کا وجود ہی گناہ ہے تو پھر اور دوسرے گناہوں کا کیا تذکرہ ۔

اذا قلت ما اذنبت قالت محبته   حیواتک ذنب لایقاس بها ذنبا

(جب میں نے کہا میرا گناہ کیا ہے؟ تو محبت نے کہا تمہارا وجود ہی ایسا گناہ ہے

جس کا قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا)

خواجہ جنید بغدادیؒ نے فرمایا میں نے بہت کچھ پڑھا ہے مگر جتنا فائدہ اس شعر سے ہوا کسی سے نہیں ہوا جب کہ سالک کا وجود ہی عین گناہ ہو تو پھر بشری صفت سے کیا خوف حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر یہ دو شعر ارشاد فرمایا ۔

سر موئے ز تو تا با تو باقی ست　　بدیں رہ در نہ گنجی گرچہ موئے

حجاب رہ توئی برخیز و در فتراک عشق آویز　　کہ بے عشق ایں حجاب تو زرہ دشوار برخیزد

انسانی امتیاز

اس کے بعد فرمایا کہ آفرینش سے آخر تک گناہ سے محفوظ رہنا فرشتوں کا کام ہے اور تمام عمر گناہ اور نافرمانی میں غرق رہنا ہی شیطان کا کام ہے گناہ سے توبہ اور ندامت کے ذریعہ طاعت کی طرف لوٹنا آدم اور آدمیوں کا کام ہے جس نے توبہ کے ذریعہ گذشتہ گناہوں کا تدارک کرلیا اس نے اپنی نسبت آدم علیہ السلام سے کرلی اور جو ساری عمر گناہ پر مصر رہا اس نے اپنا رشتہ شیطان سے جوڑ لیا۔

استغفار کی اہمیت

حضرت امیر المومنین عمرؓ سے منقول ہے آپ نے فرمایا کوئی آدمی ایسا نہیں جو گنہگار نہ ہو لیکن بہترین گنہگار وہ لوگ ہیں جنہوں نے گناہ کے بعد توبہ کرلی، یہاں یہ شعر ارشاد ہوا ۔

گر خون من و جملہ عالم تو بریزی　　اقرار بیاریم کہ جرم از طرف ماست

کتابوں میں مرقوم ہے کہ بنی آدم میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس سے گناہ وجود میں نہ آیا ہو خواہ وہ انبیا ہوں یا اولیاء لیکن یہ ہے کہ انبیاء سے جو لغزش صادر ہوتی ہے اس کو ذلت کہتے ہیں اور دوسروں سے جو لغزش صادر ہوتی ہے اس کو گناہ اور معصیت کہتے ہیں مگر حضرت یحییٰ پیغامبر علیہ السلام سے ذلت بھی نہیں ہے جب کہ ذلت نہ تھی تو کوئی خوف وخطر بھی نہیں جیسا کہ کہا گیا ہے کہ کل قیامت کے دن عرصہ محشر میں ندا ہوگی کہ کوئی ایسا بندہ ہے جس سے کوئی خلاف واقعہ ظہور میں نہ آیا ہو یحییٰ علیہ السلام نے چاہا کہ کھڑے ہوں ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اگر میں محفوظ نہ رکھتا اور میری عنایت

کارفرمانہ ہوتی تو آپ سے بھی خلاف واقعہ وجود میں آتا اور آپ ذلت سے محفوظ نہیں رہتے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا بہتر یہی ہے کہ جس وقت گناہ کا صدور ہو فوراً ہی استغفار کرے اور توبہ کی سعادت حاصل کرلے تاکہ موت آئے تو توبہ پر خاتمہ ہو روایت ہے کہ حضور ﷺ روزانہ ستر بار استغفار فرماتے اور ایک روایت میں سو بار ہے۔

خاکسار نے عرض کیا کہ نبی کریم ﷺ کا دامن نبوت اس سے بھی کہیں پاک ہے کہ ایک گناہ بھی آپ سے نہیں ہو پھر یہ ستر بار استغفار کیوں؟ حضور ﷺ کے اس استغفار کے کیا معنی ہیں؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کے متعلق یوں کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی ہر بار یہ خواہش ہوتی کہ اللہ کی عبادت کا جیسا کہ حق ہے یعنی عبادت اس تبارک وتعالیٰ کے لائق ہو ویسی ہی طاعت مجھ سے وجود میں آئے چنانچہ جب طاعت وعبادت کرتے اور اس پر غور کرتے تو خود کو اس طاعت میں قصور پاتے اور تقصیر کے بعد استغفار فرماتے۔

لیکن احمد غزالیؒ نے یوں فرمایا ہے کہ سالک کا حاصل وقت خاص وہ وقت ہوتا ہے کہ جس وقت ان کو نظر نہ آنے والی چیز نظر آنے لگتی ہے اس کی مثال آفتاب ہے ستاروں کی موجودگی کے ساتھ اس سے اس وقت انہیں گمان ہونے لگتا ہے کہ یہ کلمہ پالیا جو حضور پیغامبر ﷺ نے فرمایا ہے 'من عرف نفسه فقد عرف ربه' (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) اور جب ان کو آفتاب کی موجودگی میں ستاروں کا عرفان دیکھنا بھی عنایت فرماتے ہیں تو اس وقت اس آیت کریمہ کی جلوہ گری ان پر ہوتی ہے کہ 'ماقدرو اللّٰه حق قدره' (جیسا کہ اس کے جاننے پہچاننے کا حق ہے میں حاصل نہیں کر سکا) تو اس وقت وہ اپنے اس گمان و پندار سے دریائے استغفار میں غسل کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا عالم ترقی وعروج میں عرف ربہ کے مقام پر ٹھہر جانا آپ ﷺ کے جوہر پاک کے لئے ستر بار (دریائے استغفار میں) غسل فرض قرار دیا گیا۔

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ اس حدیث 'اذا احب اللّٰه عبدا لا يضره ذنب' کی تاویل کیا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہا گیا ہے کہ جب اللہ رب العزت کسی کو دوست بنالیتا ہے تو اس کو توفیق توبہ کی بخش دیتا ہے جب توبہ کی توفیق نصیب ہوگئی تو یقیناً گناہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اس معنی کی مناسبت سے فرمایا 'ان اللّٰہ یحب العبد حتی یبلغ بمحبتہ ان یقول لہ افعل ماشئت فقد غفرت لک' یعنی بندہ اللہ رب العزت کی محبت میں ایک وقت اس مقام پر پہنچتا ہے کہ اس سے ارشاد ہوتا ہے کرلے جو تیری خواہش ہے یہ سچ ہے کہ میں نے تجھے بخش دیا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر امیر حسن کا یہ شعر پڑھا ؎

در شہر ناز عفو تو آوازہ گرم شد   بس شغلہا کہ می جہد از روزن گناہ

اور فرمایا کہ جب آفتاب فضل تاباں ہوا تو گناہ سے کیا ہوتا ہے اور جہاں پر عدل اپنی سیاست کو کارفرما کرے وہاں عبادت کیا کام آسکتی ہے؟ آدم علیہ السلام کے ساتھ فضل کارفرما تھا گناہ نے کیا کیا؟ شیطان کے ساتھ جب عدل نے اپنی سیاست کو جاری کیا تو اس کی اطاعت نے کیا کام دیا کوئی کیا کرے گناہ اس کے فضل کے ساتھ طاعت ہے اور طاعت عدل کے ساتھ گناہ ہی گناہ ہے اور یہی وہ راز ہے جس کو کہا ہے ؎

بے رخت دین من ہمہ کفر است   بارخت کفر من ہمہ دین است

طاعت و معصیت کا راز اور اس کی حکمت

اس کے بعد فرمایا جس طرح طاعت میں راز و حکمت ہے معصیت میں بھی راز و حکمت ہے اگرچہ طاعت خوشنودی ہے اور معصیت ناخوشنودی ؎

کومکن چندیں قیاس اے حق شناس   زانکہ ناید کار بے چوں در قیاس

روح الارواح میں اس اسرار و حکمت کے متعلق یہ عبارت یوں آئی ہے کہ گویائی فریاد کناں ہے کہ اسے بیان کرنا میرے بس کا کام نہیں ہے قلم چیخ اٹھتا ہے کہ مجھے خود عشق کا سودا ایسا ہوا ہے کہ اس کو لکھنا میرے لئے آسان نہیں سیاہی پکار اٹھتی ہے کہ اس راز کی حقیقت کی تابش کو میری کالی چادر کیونکر احاطہ کرسکتی ہے۔ کتابوں کے اوراق کا میدان کہتا ہے کہ اس

عشق کی گیند کے لائق میں نہیں ہوں۔

لیکن بار خاطر نہ ہو تو میں اس پر گفتگو کروں گا اور وہ یہ ہے کہ جب جناب آدم صفی اللہ کو صفوت کی صفت میں ساقی محبت نے شراب محبت کا پیالہ عطا فرمایا تو ثریا سے تحت الثریٰ تک کی دولت وحشمت کی سرداری عنایت ہوئی اس وقت فرشتوں کو ان کے سجدہ کا حکم دیا گیا اور آدم علیہ السلام کی حشمت وکرامت اور شرف دولت، مرتبت اور منقبت ان ملائیکہ کے سجدوں میں ظاہر نہ ہوا بلکہ عصیٰ آدم ربہٗ ہی کا ظہور رہا۔

تمام تحقیق سے قطع نظر اس راز کی بلندی اور بزرگی عرش مجید سے بھی برتر واعلیٰ ہے کیوں؟ یہ اس لئے کہ تمام نوازش واکرام موافقت کے حال میں کرامت کی دلیل نہیں ہے بلکہ نوازش واکرام کی مخالفت کے وقت میں کرامت کی دلیل ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

کاہائے کہ چشم یار کند　　نہ بہ بازوئے روزگار کند

ایک آیت کی حکیمانہ تشریح

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ نے 'فاصفح الصفح الجمیل یا کریم العفو' کہا (اے بخشش فرمانے والے کریم خوبی کے ساتھ درگذر فرمائے جناب جبرئیل علیہ السلام نے کہا یا رسول اللہ آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ یا کریم العفو کی تفسیر کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ جب اللہ جل شانہ اپنی رحمت سے بندوں کے گناہ بخش دیتا ہے تو اپنے فضل وکرم سے ان کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ کل قیامت کے دن جب ایک گروہ کے ساتھ یہ معاملہ پیش آئے گا تو اس وقت وہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ہم سے اور گناہ سرزد ہوتا اور وہ راز یہی ہے جسے اس شعر میں کہا گیا ہے ؎

عجب معاملہ پیش آمدست امروز　　کہ زاہداں گلہ مندا ند وشاہداں خوشنود

اور یوں کہا گیا ہے کہ جب اس آیت کریمہ 'فاصفح الصفح الجمیل' خوبی کے ساتھ درگذر کیجئے) کا نزول ہوا تو حضور نبی کریم ﷺ نے پوچھا اے بھائی جبرئیل صفح الجمیل

کیا ہے؟ جناب جبرئیل نے عرض کیا کہ جب آپنے اپنے ساتھ نا انصافی وظلم کرنے والے کو معاف کردیا تو پھراس پر عتاب نہیں کرتے پیغامبر علیہ السلام نے کہا اے بھائی جبرئیل علیہ السلام خداوند تعالیٰ تو کہیں عظیم تر اور کریم تر ہے جب کسی کو معاف فرمادے گا تو پھراس پر عتاب کیوں کر کرے گا؟ پس جبرئیل علیہ السلام روئے اور رسالتماب ﷺ بھی رونے لگے حق سبحانہ تعالیٰ نے جناب میکائیل علیہ السلام کو بھیجا ارشاد ہوا کہ جا کر کہئے کہ میں اس شخص پر جسے معاف کر چکا عتاب کیسے کروں گا؟ یہ میرے کرم کے شایان شان نہیں۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ فرمایا جب بندہ کا گناہ بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے اور اعمال صالحہ کی پونجی اس کے پاس نہیں ہوتی جو اس کے گناہوں کا کفارہ ہو سکے تو حق تعالیٰ اس پر غم واندوہ مسلط فرما دیتا ہے اور یہی غم واندوہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

حضرت رسالتماب ﷺ سے نقل ہے کہ فرمایا گناہوں میں سے بعض گناہ وہ ہے کہ اس کا کفارہ نہیں ہے۔مگر غم واندوہ اور دوسرے الفاظ میں آیا 'الا الھم بطلب المعیشة' مگر روزی کی طلب کا غم اور یہ رباعی پڑھی ؎

خوش باش کہ پختہ اند سودائے تو وے | پر داختہ اند از قضاہائے تو وے
قصہ چہ کنم کہ بے تقاضائے تو وے | دادند قرار کا فرمائے تو وے

مقام خوف ورجا

خاکسار نے عرض کیا کہ دوستوں کے ساتھ بھی حساب ہوگا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا بزرگوں نے اس آیت 'لا یحزنھم الفزع الاکبر' (نہ غمگین کرے گا ان کو بڑا ڈر) کے معنی وتشریح میں کہا ہے کہ جب اسرافیل صور پھونکیں گے تو اس وقت یہ لوگ ہنسیں گے نہ تو ان کو حساب کا خوف ہوگا نہ پل صراط کا نہ دوزخ کا لیکن جب مردان خدا اپنا جائزہ لیں گے اور کسی طرح کا استحقاق نہ دیکھیں گے تو خوف میں ڈوب جائیں گے اور جب اس کے کرم پر ان کی نگاہ جائے گی اور اس کے کرم کو ساری

دولت کا سر چشمہ دیکھیں گے تو عین امیدوار ہوں گے اس وقت امید وبیم ایسی ہوگی کہ جب عین امید میں ہوں گے سب یہ کہیں گے ؂

برما چو ہمائے عشق سایہ فگند　　بردرگہ ما سجدہ برد چرخ بلند

چوں زلف تو در گردن ماگشت کمند　　از ہر دو جہاں بروں جہانیم سمند

جب عین خوف میں ہوں گے چاہیں۔گے کہ نیست وپست ہو جائیں اور تمام محبان وہی کہیں گے جیسا کہ اس شہنشاہ انبیاء اور سلطان اولیا نے کہا ہے 'یا لیت رب محمدٍ لم یخلق محمدا' (اے کاش محمد ﷺ کا خدا محمد ﷺ کو پیدا نہ کرتا) اور جو صدیقوں کے سردار نے کہا 'یا لیتنی کنت ورقافی الاشجار تاکل الانعام' (کاش میں درختوں کی پتیاں ہوتا جس کو جانور کھالیتے)۔

فراست کی دو آنکھیں

اس کی اصل یہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ان مردان خدا کو اللہ کی جانب سے دو دیدے عطا ہوئے ہیں ایک دیدہ سے نفسانی آفتوں کی صفتوں کو دیکھتے ہیں اور دوسرے دیدہ سے اکرام یزدانی کی صفتوں کا معائنہ کرتے ہیں ایک نظر سے غیبی الطاف کو دیکھتے ہیں دوسرے سے اپنے افعال کو یہاں حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ رباعی پڑھی ؂

گہ باکف برسیم و گہ درویشیم　　گہ بادل پر نشاط گہہ دل ریشیم

گہ بازپسیں خلق و گہ درپیشیم　　من بو قلموں روز گارِ خویشیم

گناہوں کی ندامت پر بخشش کا انعام

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ ایسے شخص کو جس سے دنیا میں گناہ سرزد ہوا ہے کل قیامت کے دن جب بہشت میں اسے داخل کریں گے تو وہ معصیت اسے بہشت میں یاد آئے گی یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس معصیت کی یاد ان سے بھلادی جائے گی لیکن ایک جگہ لکھا ہے یہ چیز بندہ کو قیامت میں ہوگی لیکن جب وقت دیدار کا آئے گا اور حق

سبحانہ تعالیٰ دیدار کا وعدہ پورا فرمائے گا تو تمام بہشتی لوگ آنکھ کھولے منتظر ہوں گے اس وقت اس کے بندوں میں سے ایک بندہ ایسا ہوگا کہ سر کو اپنے زانو میں ڈالے منہ چھپائے بیٹھا ہوگا اس وقت فرشتے اس کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے اللہ کے بندے یہ وقت دیدار باری تعالیٰ کا ہے اور تو سر گریبان میں ڈالے بیٹھا ہے کیا تو لقائے پروردگار نہیں چاہتا؟ وہ بندہ جواب دے گا ہاں! ہے تو ایسا ہی لیکن اس وقت میرے دل میں خیال آیا ہے کہ دنیا میں ہماری ان آنکھوں نے حرام کی طرف نگاہ کی ہے مجھے شرم آتی ہے کہ جن آنکھوں نے حرام کی طرف دیکھا ہے وہ آنکھیں جمال باری تعالیٰ دیکھیں اس کے بعد حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ میرے اس بندہ سے کہو کہ ان سب گناہوں کو پہلے ہم نے معاف کر دیا ہے اس کے بعد اس مقام پر آیا ہوں پھر وہ بندہ کہے گا یہ تو میں جانتا ہوں کہ وہ سب گناہ بخش دیئے گئے ہیں لیکن میں اپنے اس شرم کو کہاں لے جاؤں کہ جس وقت میں نے یہ کام خلاف شرع کیا؟ اس وقت تو وہ دیکھ رہا تھا اس کے بعد رحمت الٰہی کا خاص ظہور اس کے دل پر ہوگا اور وہ سب اس کے دل سے بھلا دیا جائے گا دیدار کی قوت خاص عطا فرمائی جائے گی۔

اس کے بعد قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ ہوسکتا ہے کہ اسی کی طرح ولیوں کے دل میں اسی طرح کی چیز گذرے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ''اخیار'' میں اسی ایک بندہ کے متعلق آیا ہے کہ یہ ماجرا اس بندہ کے ساتھ ہوگا اللہ بہتر جانتا ہے اس بارہ میں حکمت حق تعالیٰ یہ ہوگی کہ اوروں پر یہ ظاہر ہو جائے اور وہ یہ جان لیں کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ہم لوگوں پر بے انتہا نوازش کی ہے اور یہ بھی ایک بندہ کو حاصل ہے۔

اس کے بعد زبان مبارک سے یہ ارشاد ہوا کہ بعض ولیوں کو ابتدائے حال میں پریشانی رہی ہے اور آخر میں کشائش ہوئی ہے اور یہ شعر زبان گوہرفشاں سے ارشاد ہوا ؎

بسکہ خرابات شد صومعہ صوف پوش　　بسکہ کنجخانہ شد مصطبۂ دردخوار



اکتالیسواں باب

ظاہری و باطنی بیماریوں اور اس کے معالجین کے بیان میں

مجلس شریف میں امراض ظاہر و باطن کے معالجین کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا طبیبوں کی دو قسم ہے ایک امراض ظاہری جسمانی کے طبیب ہیں اور یہ مشہور ہیں یعنی حکیم و ڈاکٹر دوسرے امراض باطنی روحانی کے معالج ہیں اور یہ مشائخ رحمہم اللہ ہیں جس طرح امراض جسمانی کے طبیبوں کے لئے دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے ایک امراض کا علم اور اس کی تشخیص کہ کون سا مرض ہے اور کیوں کر پیدا ہوا ہے؟ دوسرے یہ کہ اس علم کے بعد اس کی دواؤں کا علم ہوتا کہ مرض کی مناسبت سے اس کی دوا بھی دیں اگر امراض اور اس کے اسباب و علل کا علم نہیں ہے اور اس کی تشخیص بھی نہیں ہوئی ہے تو مناسب دوا کا انتخاب بھی نہیں کر سکیں گے، جب امراض کی علت اور ماہیت کو جانتے ہیں تو اس کی دوا بھی جانیں ورنہ مرض کا دفعیہ و خاتمہ نہیں کر سکیں گے۔

اسی طرح امراض باطنی کے بھی معالجین ہیں جو باطنی امراض جانتے، پہچانتے ہیں اور اس کا علم رکھتے ہیں کہ مرض کون سا ہے اور کیوں کر پیدا ہوا ہے اور اس کا علاج بھی جانتے

ہیں چنانچہ ایک شخص اپنی اصلاح باطن کے لئے ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے وہ بزرگ اس کے باطن کا معائنہ فرماتے ہیں کہ مرض کیا ہے جاہ طلبی ہے یا ریا یا حب مال یا غرور و تکبر یا مکاری ہے یا کوئی اور حب ہے؟ ان تمام عیوب کے مشاہدہ کے بعد وہ شیخ اس کو مرید کرتے ہیں اور ان کی اصلاح سے اس کام میں وہ مشہور و معزز ہوتا ہے چنانچہ طبیبان امراض باطن تمام امراض کی تشخیص فرمالیتے ہیں تو اس کے علاج میں مشغول ہوتے ہیں اور ہر مرض کے دفعیہ کے لئے مناسب علاج کرتے ہیں اور مختلف دوا تجویز کر کے معجون بناتے ہیں۔

اسی طرح منقول ہے کہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے سوال کیا 'ماالزھد' زہد کیا ہے؟ فرمایا دنیا ترک کرنا زہد ہے کسی دوسرے نے سوال کیا زہد کسے کہتے ہیں؟ ارشاد ہوا جاہ و مرتبہ کا ترک زہد ہے تیسرے نے بھی یہی سوال کیا جواب ملا لذات وشہوات کا ترک زہد ہے۔

یہاں پر مختلف جواب سے حقیقتاً مختلف مرض کا علاج مقصود ہے نہ کہ ان کے قول میں تضاد ہے جسے فرمایا ترک دنیا زہد ہے۔ وہ حب دنیا میں مبتلا تھا اور جس کو یہ کہا گیا زہد ترک جاہ کو کہتے ہیں وہ جاہ و منزلت کے مرض میں مبتلا تھا اور جسے زہد کا معنی ترک لذات وشہوات بتایا گیا وہ اسی مرض کا مریض تھا تو ہر شخص کے مطابق مختلف علاج کی ضرورت ہوئی اور بقیہ امراض باطنی کے علاج کو اسی پر قیاس کیا جائے پھر یہ شعر ارشاد ہوا ؎

روشن تر از آفتاب رائی   تا بشناسد مزاج ھر سودائی

باعث کی تشریح

اور حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا طبیبان باطنی کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ مرض کی شناخت انہیں حاصل ہو اسی طرح اس کے باعث کو بھی جانیں اور باعث اسے کہتے ہیں کہ آدمی کے دل میں ایک چیز پیدا ہوتی ہے وہ شئے آدمی کو کرنے اور نہ کرنے پر ابھارتی ہے یا متحرک کرتی ہے۔ اور باعث کی تین قسم ہے دینی یا دنیاوی ہو یا صرف عادت اور باعث، ارادہ، قصد اور نیت سب ایک ہی معنی میں ہیں صرف الفاظ کا فرق ہے۔

خاکسار نے عرض کیا کہ باعث دنیاوی کسے کہتے ہیں اور باعث دینی کیا ہے؟

باعث دنیوی و دینی کیا ہے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا باعث دنیا اور عادت مجرد تو مشہور ہے ہاں! باعث دینی یہ ذرا مشکل ہے ہر شخص کے دین میں اس کے علم و معرفت کے مناسبت سے ایک باعث ہوتا ہے آدمی کے اعمال اسی باعث کے حکم کے تحت ہوتے ہیں۔ ہر شخص کے عمل پر اس کا باعث کیا ہے۔ اگر اس کا باعث لذات دنیا میں سے کوئی ہے اور اس نے اس کا لذات اخروی نام سن رکھا ہے تو جو نیت بھی اس کے دل میں ابھری وہ دنیاوی ہی ہے اور خود وہ اس سے بے خبر ہے اگر چہ نماز روزہ اور صدقہ ہی کیوں نہ ہو اور اگر باعث اخروی اسے عمل پر آمادہ کرتی ہے تو سب کا شمار حب آخرت میں ہوگا اور اگر اسے جمال و جلال ازلی کا علم و عرفان حاصل ہے تو یہ عشق اس کے دل میں نہ حب دنیا پیدا ہونے دے گا اور نہ حب آخرت بلکہ جو کچھ کرے گا وہ خالص اسی رب العزت کی محبت میں کرے گا اور 'ان صلواتی و نسکی و محیای مماتی للّٰہ رب العالمین 'یقیناً میری نماز میری ساری عبادت اور میرا جینا و مرنا سب خالص اللہ کے لئے ہے جو مالک ہے تمام جہانوں کا ایسے ہی لوگوں کے حق میں ہے اور یہ دو شعر ارشاد ہوئے ؎

عارفاں درویش صاحب درد را　　　بادشا خوانند اگر نانیش نیست
ماجرائے عقل پرسیدم ز عشق　　　گفت معزول ست و فرمانیش نیست

اہل ظاہر، اہل باطن میں فرق

حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا اسی سے کہتے ہیں ظاہر بیں دودھ پیتے بچے کی طرح ہیں بلکہ ماں کے پیٹ ہی میں ہیں بلکہ اس سے بھی آگے باپ کے پشت ہی میں ہیں یہ بیچارے کیا جانیں مردان خدا نماز کیوں پڑھتے ہیں اور کیوں نہیں پڑھتے؟ ان کو کیا خبر کہ وہ روزہ کیوں رکھتے ہیں اور کیوں نہیں رکھتے؟ انہیں کیا معلوم حج کے لئے کیوں جاتے ہیں اور کیوں نہیں جاتے؟ ان کو کیا پتہ کہ وہ کیوں سوتے ہیں اور کیوں نہیں سوتے؟ اور یہ شعر زبان گوہر فشاں سے فرمایا ؎

نالیدن عاشقان دل سوز　　　ناپختہ مزاج می شمارد

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ صاحبان دل جو کچھ کرتے ہیں اپنے باعث اور نیت کے لائق اور مناسب کرتے ہیں اور ان کا باعث ان کے ایمان کے موافق و مناسب ہوتا ہے اور ایمان کی جگہ ان کا سینہ پاک ہے اور یہ ایک عظیم کام ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تمام زن و فرزند کو مکہ میں چھوڑ کر حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور حضرت اویس قرنیؒ نے والدہ کو نہ چھوڑا ان کی وجہ سے حضور ﷺ کی زیارت کو نہ آسکے۔ان کا ہجرت کے لئے چل کھڑے ہونا اور ان کا زیارت کے لئے نہ آنا دونوں ہی بزرگوں کا باعث ان کی نیت اور ان کے مرتبہ کے موافق بالکل صحیح اور درست ہے لیکن ہر شخص کی پہنچ سے بلند ہے۔

کہتے ہیں کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں کہ جنہوں نے خود کو ایسی چیز سے جو کہ طاعت و نیکی ہے روک لیا ہے جب کہ اس کے کرنے میں ان کا باعث اور ان کی نیت نہ تھی چنانچہ کہتے ہیں کہ ابن سیرینؒ نے خواجہ حسن بصریؒ کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ نیت ہی نہیں ہوئی اور اسی سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خیر و ثواب میں عمل دوسروں کے کرنے سے ان کا نہ کرنا بہتر ہے۔

حضرت محمد معشوقؒ کا مقام و مرتبہ

دوسری بات کہی گئی ہے کہ محمد معشوقؒ نماز نہیں پڑھتے تھے ایک دن لوگوں نے ان پر سختی کی اور کہا کہ نماز پڑھئے جب نماز کے لئے وہ کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہا تو ان کے جسم سے خون بہنے لگا فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ میں معذور ہوں لیکن تم لوگ نہیں مانتے۔

بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ قیامت کے دن صدیقوں کی یہ تمنا ہوگی کاش کہ میں مٹی ہوتا اور اس مٹی پر محمد معشوق قدم رکھتے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ مثنوی پڑھی ؎

عقل اینجا چیست افتادہ بدر ہمچو طفلے کور مادر زاد کر!!!

در دبیرستان ایں سر عجب صدھزاراں عقل بینی خشک لب

اور فرمایا کہتے ہیں کہ یہ حضرت محمد معشوق ترکی قبا پہنتے تھے اور ایک روز طوس کی جامع مسجد میں آئے اس وقت خواجہ ابوسعید ابوالخیرؒ وعظ و تقریر فرما رہے تھے محمد معشوقؒ نے اپنی قبا کے بند

لگائے حضرت ابو سعیدؒ خاموش ہو گئے ان کی زبان بند ہو گئی تقریر سے رک گئے جب ایک وقفہ گذر گیا تو حضرت خواجہ ابو سعیدؒ نے کہا اے سلطان عصر اپنی اچکن کا بند کھولئے کیونکہ اس سے ساتوں آسمان وزمین میں گرہ لگ گئی ہے اور حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ اشعار پڑھے ؎

جاں باز در خرابات تا جرعہ بیابی　　　مفروش زہد کانجا کمتر خرند طامات

تا کے کنی بعادت در صومعہ عبادت　　　کفرست زہد وطاعت تا بگذری عادت

صوفیا کے باعث علیحدہ علیحدہ ہیں

شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے رکاوٹ کیا چیز ہوتی ہے اور ایسوں کے لئے باعث کیا ہوتا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس گروہ کی بہت ساری قسمیں ہیں ہر جماعت کے لئے موانع اور باعث علیحدہ علیحدہ ہیں اس کو مفصل بیان نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ اسے کھول کر بیان کرنے میں بہت سارے فتنے کا احتمال ہے۔

لیکن بزرگوں نے کہا ہے کہ جنہوں نے نماز ترک کیا غلط کیا اور یہ افتادگی ہے مگر مغلوبوں کا ایک گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سے کسی صفت غالبہ کی تجلی کے واصلین ہیں ان کے متعلق اس بارہ میں کہا گیا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے ایک ہزار ایک نام ہیں اور اس کے ہر نام کی ہزاروں ہزار تجلیاں ہیں اور اسی تجلی کی ہر ایک قسم میں سالک کا ایک دوسرا حال ہے اور سالک کے ہر احوال میں ایک دوسرا ہی معاملہ ہوتا ہے جسے یہی لوگ جانتے ہیں دوسروں کی نگاہ میں نہیں آسکتا اور اسی کو جناب سعدی نے کہا ہے ؎

سعدی بخویشتن نتواں رفت سوئے دوست　　　کانجا طریق نیست کہ اغیار بگذرد

حشر میں حال نیت کے مطابق ہوگا

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا 'یحشر الناس یوم القیامۃ علی نیاتھم' (قیامت میں لوگوں کا حشر ان کی نیت کے مطابق ہوگا)

یہ بہت بڑا کام ہے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ غور وفکر کرے اور دیکھے کہ دنیا کے عشق کا

اس پر غلبہ ہے یا بہشت کے عشق کا یا اللہ رب العزت کے عشق کا؟ یہاں پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا **'وکفی بنفسک الیوم علیک حسیبا'** (آج کے دن اپنا حساب لینے کے لئے تو ہی کافی ہے) آدمی اتنا تو جانے کہ اس کا کس قوم کے ساتھ حشر ہوگا **'من احب قوماً حشر معھم'** (جو شخص جس قوم سے محبت کرتا ہے اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا) اگر عاشقوں کی راہ پر ہے تو وہ اللہ کے عاشقوں کا دوست ہے اس کا حشر ان کے ساتھ ہوگا اور اگر صلحاء کی راہ پر ہے تو اس کو ان کے ساتھ بہشت میں لے جائیں گے اور اگر اہل دنیا اور اہل عادت کی رسم و راہ پر ہے تو اس کا حشر انہیں کے ساتھ کرینگے اس کے بعد یہ دو مختلف شعر ارشاد ہوئے ؎

گرم در صالحاں بید وست فرداور بہشت آرند ہماں بہتر کہ در دوزخ کنندم با گنہگاراں

دیگر

ہر چہ خواہی بکن با من رواست بے نصیبم زاں لب شیریں مکن

مشائخ کی توجہ نیت کے مطابق ہوتی ہے

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص بھی کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے وہ ان تین باعثوں سے خالی نہیں ہے۔ یا تو اس کے دل میں دنیا کی طلب ہے، یا عقبیٰ کی، یا مولیٰ کی۔ مشائخ رحمہم اللہ اس کے انہیں بواعث پر نظر ڈالتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ اس شخص کا کون سا باعث ہے اگر کسی کو دیکھتے ہیں کہ اس کا باعث دنیا ہے تو اسباب دنیاوی لگا کر رہنمائی فرماتے ہیں اور اگر کسی کو دیکھتے ہیں کہ اس کا باعث عقبیٰ ہے تو اس کو طاعت و عبادت ظاہری میں مشغول فرماتے ہیں اور اگر کسی کو دیکھتے ہیں کہ اس کا باعث طلب مولیٰ ہے تو اسے باطنی اشغال میں لگا دیتے ہیں یہ اس لئے کہ مولیٰ کے طالبوں کی راہ تزکیہ و تصفیہ باطن ہی ہے تو وہی ارشاد فرماتے ہیں۔ اس کے بعد یہ مصرعہ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے پڑھا ع

اینـد و رونـد ہرچہ آرنـد برنـد

حسب نیت فیضان حاصل ہوتا ہے

اس مصرعہ کی یہ تشریح کی گئی ہے کہ اس گروہ کے پاس جو شخص جو کچھ لے کر آتا ہے

وہی لے جاتا ہے اور اس لانے سے باعث ہی مراد ہے یعنی جب کوئی آتا ہے تو کسی باعث کے تحت ہی آتا ہے دنیاوی تمنا ہو یا اخروی طلب جو لے کر آتا ہے وہی لے کر جاتا ہے۔

طلب کے پانے کے چار طریقے

اور یہ چار طریقے پر ہے۔

ایک یہ کہ دور کر دیا جاتا ہے اور پالیتا ہے مثلاً کسی کا مطلوب دنیا اور عقبیٰ دونوں ہو دنیاوی مطلوب اس سے دور کر دیا جاتا ہے اور عقبیٰ کی دولت مل جاتی ہے۔

دوسرا یہ کہ وہ ہٹا دیا جاتا ہے اور کچھ نہیں پاتا اس کی مثال یہ ہے کہ وہ محض دنیا کا طالب ہے اور عقبیٰ کا نہیں، دنیا اس سے دور کر دی جاتی ہے اور عقبی سے بھی اسے کچھ نہیں ملتا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ ٹالا نہیں جاتا اور مل جاتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اس کا مطلوب عقبیٰ ہے دنیا نہیں۔ عقبیٰ اسے مل جاتا ہے اور ہٹایا بھی نہیں جاتا۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ اس کا کوئی مطلوب اور اس کی کوئی رغبت حق تعالیٰ کے سوا اور کسی چیز میں نہیں۔ جب اس میں یہ باعث دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں آؤ آؤ قریب آجاؤ، ایسے شخص کو اپنی قربت عنایت فرماتے ہیں اور مقرب بنا لیتے ہیں۔

بزرگوں سے ارادت کی اہمیت

تو جو کوئی ان بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے وہ معتقد ہو کر آتا ہے اور جو مراد لے کر آتا ہے وہ پالیتا ہے اور جو شخص اس گروہ کا معتقد ہے وہ خوش نصیب ہے بے نصیب نہیں اور یہی خوش اعتقادی اس کے نجات کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس خاص موقع پر یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

مرا چوں برہانند زدست خویشتنیم　　　بمیکدہ شدنم زبہتریں طاعات است

اور خود حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فاتحہ پڑھی اور ان کی اتباع میں عاقبت بخیر ہونے کے لئے ہم سب نے بھی فاتحہ پڑھی۔ اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے اور مجلس برخاست ہوئی۔ واللہ اعلم۔



بیالیسواں باب

حرام، مکروہ اور جائز حیلے کے بیان میں

مجلس شریف میں مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ آج جو لوگ حیلہ شرعی پر کام کرتے ہیں کل قیامت کے دن اس حیلہ سے خلاصی اور چھٹکارا پانے والے ہوں گے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں! چھٹکارا پانے والے ہوں گے، اس وجہ سے کہ حیلہ شرعی ہے لیکن حیلہ پر کام کرنا ارباب طریقت کے لئے مناسب نہیں ہے یہ لوگ حیلہ پر کام نہیں کرتے اگر چہ حیلہ شرعی ہو یہ اس لئے کہ حیلہ سے حرام میں مبتلا ہونا بہت قریب ہو جاتا ہے اور حیلہ تن آسانی کے لئے ہے یہ لوگ ایسا کام نہیں کرتے جس میں تن آسانی ہو۔ اس موقع پر مثنوی کا یہ شعر ارشاد ہوا ؎

می باش فقیہ طاعت اندوز   اما نہ فقیہ حیلت اندوز

حیلہ کے کام کی غایت یہ ہے کہ صاحب حیلہ معذور (عذر والا) ہوتا ہے مشکور اور ماجور (شکر گذار پسندیدہ اور نیک اجر پانے والا) نہیں ہوتا۔

مشتبہات، مکروہ اور حرام سے پرہیز

اس کے بعد فرمایا تین چیزیں ہیں (۱) مشتبہ (۲) مکروہ اور (۳) حرام۔ جس نے مشتبہ سے خود کو دور رکھا وہ مکروہات میں نہیں پڑتا اور جس نے خود کو مکروہات سے محفوظ رکھا وہ حرام میں مبتلا نہیں ہوتا اور اگر کوئی شخص خود کو شبہ کی چیزوں سے محفوظ رکھے اور اس پر بھی مکروہات میں مبتلا ہو جاتا ہے تو یہ اس لئے ہے کہ مشتبہات و مکروہات سے بہت نزدیک ہے اور اگر مکروہات سے خود کو بچائے پھر بھی محرمات میں گرفتار ہو جائے تو یہ اس لئے ہے کہ مکروہات و محرمات سے نزدیک ہے اور اسی سبب سے ارباب دین اپنے نفس کو ورع میں مقید کرتے ہیں اور ورع ترک شبہات ہی ہے تاکہ وہ لوگ مکروہات اور محرمات میں گرفتار نہ ہوں۔

حیلہ شرعی کی حیثیت اور تقویٰ

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کی زبان مبارک سے یہ جملہ ادا ہوا کہ "وہ کام جو محض خدا کے لئے کیا جائے اس میں کیا حیلہ ہے"؟

پھر مولانا کریم الدین نے عرض کی کہ مقام "کرہ" میں ایک دانشور تھا وہ شرعی بہانہ کیا کرتا تھا اور اس کے اقوال کے متعلق بہت سی روائتیں ہیں۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ بیشک حیلہ تو انہیں لوگوں کو آتا ہے اس وقت کے علماء کا یہ حال ہے کہ جب ان کو کوئی کام درپیش ہوتا ہے تو اس میں حیلہ اور رخصت ڈھونڈتے ہیں اور اپنے علم کو وہاں پر صرف کرتے ہیں۔ جب دانشوروں پر زکوٰۃ واجب ہوتا ہے تو ان میں سے بعض عالم زکوٰۃ ساقط ہونے کے لئے حیلہ یوں کرتے ہیں کہ ایک طباق یعنی برتن میں زکوٰۃ واجب ہونے والی چاندی رکھ دیتے ہیں اور اوپر سے غلہ بھر دیتے ہیں پھر کسی فقیر کو دیتے ہیں جب وہ فقیر اس طباق کو لے لیتا ہے تو اس کے بعد اس سے کہتے ہیں کہ اس غلہ کی ہم کو ضرورت ہے پھر اس سے بھرا ہوا برتن چند درہم میں خرید لیتے ہیں یہاں تک کہ وہ چاندی پھر ان کے پاس لوٹ آتی ہے اور زکوٰۃ بھی ساقط ہو جاتا ہے یہ اس لئے کہ جس چاندی پر زکوٰۃ واجب تھی وہ فقیر کے قبضہ میں چلی گئی اور فقیر نے اسے لے لیا تھا تو زکوٰۃ ساقط ہوگئی

اس حیلہ سے وہ چاندی پھر اپنے پاس واپس آ گئی اور زکوٰۃ سے بھی بچ گئے۔

زکوٰۃ کے وجوب کے لئے شرط

دوسرے یہ حیلہ کرتے ہیں کہ ''حولان حول'' (پورے سال بھر کا گذرنا) زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے شرط ہے گیارہ مہینے گذر گئے ایک مہینہ ''حولان حول'' کے مکمل ہونے کے لئے باقی رہ گیا، گیارہویں مہینہ میں وہ چیز جس پر زکوٰۃ ہے پانچ سو روپیہ میں اپنی بیوی یعنی زوجہ کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں جب اہلیہ نے خرید لیا تو وہ شئے شوہر کے ملک سے باہر ہوگئی پھر اس سے کہتے ہیں کہ اتنا روپیہ نفع لے لو اور میرے ہاتھ بیچ دو اس طریقہ سے پھر خرید لیں گے تا کہ حولان حول یعنی پورے بارہ مہینے نہیں گذریں گے، زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور پھر گیارہ مہینہ کے بعد یہی معاملہ ہوگا۔ یہ کس طرح کا حیلہ ہے جو کام خدا کے لئے کیا جائے گا اس میں حیلہ بہانا کیا ہے؟ ہاں! ایسے وقت میں کہ ناچاری اور مجبوری ہو یا حرام میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ بالکل قریب ہو ایک دو عذر شرعی کریں تو ہو سکتا ہے لیکن جو کام صرف خدا کے لئے کرنا ہے اس میں کیا بہانہ اور خدا کے ساتھ کیا حیلہ؟

حلال وحرام کھانے کے متعلق

مجلس شریف میں حلال اور حرام لقمہ کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ لقمہ کا مسئلہ نہایت ہی اہم مسئلہ ہے کیوں کہ حدیث شریف میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فرمایا 'ان للّٰہ ملکا علی بیت المقدس ینادی کل لیل من اکل حراما لم یقبل منه صرف و عدل' یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے بیت المقدس پر ایک فرشتہ معمور ہے جو ہر رات یہ ندا کرتا ہے کہ جس نے حرام کھایا اس کے نفل اور فرض قبول نہیں کئے جائیں گے اور یہاں پر صرف کا معنی نفل اور عدل کا معنی فریضہ بتایا گیا ہے یعنی ایسے شخص کا کوئی نفل اور فریضہ قبول نہیں ہوگا۔

حرام سے اجتناب کے چار درجے

حرام سے ورع اور پرہیزگاری کو چار درجہ پر رکھا ہے۔

پہلا درجہ:- ورع عدل ہے اور یہ ان چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جن کو فقہا کے فتاوے نے حرام قرار دیا ہے۔

دوسرا درجہ:- ورع صلحاء ہے اور یہ ان چیزوں سے دور رہنا ہے جو حرام کی طرف مائل کرتی ہیں لیکن حکم ظاہری کی بنا پر مفتی کے لئے اس کا کھانا درست ہے۔

تیسرا درجہ:- ورع متقیان ہے اور یہ ان چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جسے نہ تو فتویٰ نے حرام قرار دیا ہے اور نہ اس کے حلال ہونے میں کسی طرح کا شبہ ہے لیکن پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں یہ حرام کی طرف راغب نہ کر دے 'ترک مشتبہات' بہتر ہے یعنی مشتبہ کی چیز سے پرہیز اولیٰ ہے۔

چوتھا درجہ:- ورع صدیقان ہے اور یہ ان چیزوں کے کھانے سے خود کو محفوظ رکھنا ہے جو اللہ کے لئے نہ کھائی جائیں اگر چہ اس کے کھانے میں نہ کوئی ڈر ہے اور نہ کسی طرح کا خوف لیکن جو کھانا حق سبحانہ تعالیٰ کے لئے نہ ہو اس سے پرہیز کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا خواجہ بشر حافیؒ ارباب ورع میں سے تھے ایک دفعہ کسی نے ان سے ازراہ ملامت سوال کیا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں؟ جواب دیا جہاں سے تم کھاتے ہو لیکن ہر ایک کے کھانے میں فرق ہے کوئی کھاتا ہے اور روتا ہے اور کوئی کھاتا ہے اور ہنستا ہے۔

ایک شعر کی دو حسین تشریح

خاکسار نے عرض کیا کہ حضرت شیخ شرف الدینؒ پانی پتیؒ کے اس شعر کی تشریح کیا ہوگی۔

خراباتی شدم مستان جامے　　نمی دانم حلالے از حرامے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس شعر کی تاویل دو طریقہ پر کی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم ایک تاویل تو یہ ہے کہ اپنے نفس اور اپنے اعمال کی برائیوں پر نظر کرنا اور یہ سمجھنا ہے کہ لذات و شہوات نفس کی شراب سے میرا دین ایسا خراب ہوا کہ میرے کھانے پینے اور تمام چیزوں میں حلال و حرام کا فرق باقی نہیں رہا ہے۔

اس شعر کی دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ اشارہ ہے اس خرابی کی جانب جو جام عشق کی مستی سے انسانیت اور بشریت کے اوصاف میں پیدا ہوتی ہے۔ کیوں کہ جس مقام میں سلطان عشق کا نزول ہوتا ہے عقل کا قلم لکھنے سے قاصر ہوتا ہے یہاں پر مفتیوں کا فتوی کوئی کام نہیں کرتا اگر عشق میں گفتگو کی گنجائش ہوتی تو کام آسان ہوتا۔ عقل کا علم جب عشاق کے احوال پر چلنے سے عاجز ہے تو احکام کا اجرا یہاں کہاں؟ یہ اس لئے کہ آدمی کی عقل احکام خداوندی کے نزول کی جگہ ہے جب عشق کا آفتاب اپنی پوری تابانی سے طلوع ہوا تو عقل کے ستارے گم ہو گئے یہاں پر یہ کرو اور وہ نہ کرو کس کام کا؟ عاشقوں کے احکام دوسرے ہیں اور عاقلوں کے احکام دوسرے۔ اس کے بعد یہ مصرعہ زبان مبارک پر آیا ع

"کن مکن اے بادشاہ وزدہ ویراں نرفت"

اور مثل مشہور ہے

"از شہ ویراں کہ ستانند خراج"

اور عربی میں کہتے ہیں

"لیس علی الخراب خراج" (ویران اور اجاڑ زمین پر خراج نہیں) ؎

نیست را کعبہ و کنشت یکے ست — سایہ را دوزخ و بہشت یکے ست
اگر عاشق مائی بمیر — عشق دگر باشد و فرمان دگر

شراب کی حرمت کے متعلق دلیل

مجلس شریف میں خمر، شراب کے حرام ہونے کا تذکرہ آ گیا۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص شراب اس طریقہ سے نوش کرے کہ اس کے پینے سے نشہ عقل کو خلل نہیں پہنچائے بلکہ اس سے عقل میں افزائش ہو تو یہ کیسا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا مشرق سے مغرب تک جتنے سارے عقلا ہیں سب کے سب اس کے قائل ہیں کہ شراب عقل کو زائل کرتی ہے ایسی صورت نہیں پیدا ہوتی کہ عقل کو بڑھائے اور وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

فلاسفہ اسی وجہ سے شراب پینے کو جائز رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شراب پینا حرام تو ہے لیکن ہم جس طریقہ سے پیتے ہیں اس طور سے ہمارے لئے حرام نہیں ہے یعنی خمر شراب کے حرام ہونے کے لئے یہ ہے کہ خمر عقل میں خلل پیدا کرنے والا ہے اور ہم اس حکمت کے ساتھ پیتے ہیں کہ عقل میں خلل نہیں پیدا ہوتا۔

اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ خمر بعینہ حرام ہے اور نص قرآنی اس طور پر ہے 'فانہ رجس'' (اور بیشک وہ بالکل ناپاک ہے) قرآن نے حرام ہونے کا اطلاق خمر کی خمریت پر نہیں کیا ہے بلکہ عین خمر یعنی شراب ہی کو نجس قرار دیا ہے۔ وہ جو اہل فلسفہ خمر کے حرام ہونے کا معنی بیان کرتے ہیں ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ خمر کی خمریت کی نص قرآنی معلول نہیں ہے جب نص قرآنی میں شراب کے حرام ہونے کی علت مخامریت (نشہ میں ڈالنا) نہیں ہے پس تم جو خمر کے حرام ہونے کا معنی بیان کرتے ہو وہ نص قرآنی کے مقابلہ میں تعلیل ہے یعنی قرآن پر دلیل لانا ہے اور قرآن کے مقابلہ میں تعلیل باطل ہے۔

خاکسار نے عرض کی اشربة مطربة (انشاط پیدا کرنے والی شراب) کے بارے میں کیا حکم ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعضوں نے اس کو مباح کہا ہے اور بعض مباح کے قائل نہیں ہیں جو مباح کے قائل ہیں وہ یہ دلیل لاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا ہے 'الخمر من هاتين الشجرتين ' (خمر ان دو درختوں ہی سے ہے) تو ان دو درختوں کے علاوہ اور کسی چیز میں خمر نہیں ہے لیکن دوسری چیزوں میں جو کہوں گا اسی پر قیاس کروں گا اس وجہ سے کہ 'الخمر مايخامر العقول ' (خمر یعنی شراب عقل وطبائع کو مخمور کر دیتی ہے) اور یہ لغوی قیاس ہے اور قیاس لغوی جائز نہیں۔

خاکسار نے عرض کیا کہ جب اشربہ مطربہ اختلافی مسئلہ ہے تو پھر حد کیوں کر جاری ہوگی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس پر حد تو نہیں لگے گی مگر (تعزیر کے طور پر) اسّی کوڑے لگائے جائیں گے یہ تنبیہ کے لئے ہے اس تنبیہ سے تادیب مراد ہے تاکہ عوام شوخ نہ ہو جائے لیکن جب مستی چڑھ جائے گی اس وقت حد واجب ہوگی۔ محض شراب پینے ہی سے حد واجب ہو جاتی ہے لیکن اشربہ مطربہ کے لئے سکر شرط ہے۔

مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ دہلی میں ایک دانش ور تھے جو دعوی سے کہتے تھے میں بہت ساری روایت اس کے بارے میں لاسکتا ہوں اور ان روایات کی بنا پر فتویٰ دے سکتا ہوں، ایسا کہ شراب کے مٹکے سرائے میں رکھے جانے لگیں۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا یہ بحث اور اس پر گفتگو کر سکتے ہیں لیکن مفتیان وقت کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایسی چیزوں میں فتویٰ صادر کریں جس کے بارے میں دو مختلف روائتیں موجود ہوں ایک اس کے مباح ہونے پر اور دوسرے اس کے حرام ہونے پر ایسے اختلافی مسئلہ میں مفتیوں کو نہیں چاہئے کہ وہ ایسی چیزوں کے مباح ہونے پر فتویٰ دیں اور بہت سی چیزیں ہیں جن پر خاموش رہنا ان کو پوشیدہ رکھنا اہل علم کے لئے فرض ہے یہی وجہ ہے کہ فقہا نے اکثر و بیشتر جگہ لکھا ہے ہذا یعلم و لایفتی ' (اس کو جانا جاتا تو ہے لیکن فتویٰ نہیں دیا جاتا)

کون سی مشابہت مکروہ ہے؟

مولانا عالم دروں حصاری نے عرض کیا کہ مولانا جلال مفتی سر میں پھول رکھتے تھے بعض جگہ اس کو مکروہ لکھا ہے کیا اس میں کافروں کی مشابہت ہوتی ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا جو کام کسی معنی کے تحت کرتے ہیں اس کا ثواب ملتا ہے ان پر کوئی معنی کھلا ہے اس لئے پھول رکھتے ہیں۔

پھر مولانا عالم نے گفتگو شروع کی کہ میں نے ان سے بھی پوچھا تھا انہوں نے کہا میں اس لئے پھول رکھتا ہوں تا کہ اس کی خوشبو فرشتوں کو پہنچے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کوئی ایسا کام کرے جو کفار بھی کرتے ہیں تو وہ فعل اس وقت مکروہ ہوگا کہ وہ فعل کفار کا مذہبی فعل ہو لیکن ہر وہ کام جو ان کا مذہبی یا دینی نہیں ہے وہ کام اگر کوئی کرتا ہے تو مکروہ نہیں ہوگا یہ اس لئے کہ ایسی مشابہت اعتباری نہیں ہے۔ کافروں کا سر پر پھول رکھنا ان کا مذہبی فعل نہیں ہے اور وہ تشبیہہ یا مشابہت جو دینی فعل میں کی جائے وہ مکروہ ہے نہ کہ مطلق تشبیہہ۔ کفار بھی کھانا کھاتے ہیں ہم بھی کھاتے ہیں وہ بھی کپڑے پہنتے ہیں ہم بھی پہنتے ہیں وہ بھی سوتے ہیں ہم بھی سوتے ہیں اسی طرح اور دوسری چیزوں میں جو کہ مذہبی نہیں ہے یہ حدیث شریف 'من تشبہ بقوم فھو منھم '

(جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ اسی میں سے ہے) کو اسی پر سمجھنا چاہئے۔

خاکسار نے عرض کیا کہ 'الاولی لک و الثانیۃ علیک' (پہلی میں تمہارے لئے خیر ہے اور دوسری میں شر ہے) اس حدیث شریف کو کس پر محمول کیا گیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کا مطلب اس جگہ یہ ہے کہ پہلی نظر بغیر قصد کے ہو اور دوسری نظر قصداً ہو۔ یہاں پر مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ''لہٗ'' خیر میں کہتے ہیں اور ''علیہ'' شر میں اگر کوئی شخص کوئی چیز حاصل کرے تو اسے چاہئے کہ ''لہٗ'' کو دیکھے کہ اس میں ثواب ہے اور اگر کوئی شخص کوئی شئے کسب کرے تو اسے بھی لازم ہے ''علیہ'' کو دیکھے کہ اس میں عذاب ہے اور درویش حضرات کہتے ہیں کہ مرید کو اتنا جاننا ضروری ہے کہ وہ لہٗ اور علیہ کے ''خیر اور شر'' کو سمجھے تا کہ جو کام بھی اس کے پیش آئے وہ اس میں غور کرے کہ کس قبیل سے ہے اگر ''لہٗ'' سے ہے اسے بجالائے اور اگر ''علیہ'' کی قسم سے ہے تو اس سے دور رہے۔

خاکسار نے عرض کیا اور وہ چیز جو لہٗ اور علیہ سے باہر ہے اس میں کیا کرے؟ فرمایا کہ اگر مباحات سے ہے تو اس پر اس طور سے عمل کرے کہ وہ اطاعت ہو اس کا تعلق نیت سے ہے تا کہ وہ بھی لہٗ کی قسم میں سے ہو جائے اور اتنا وقت رائیگاں نہ ہو لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ جس طرح کرام کاتبین (اعمال لکھنے والے فرشتے) لہٗ اور علیہ کو لکھتے ہیں اور کیا مباحات (جائز اور ناجائز کے درمیان کی چیز) کو بھی لکھتے ہیں یا نہیں؟ بعض کا قول ہے کہ نہیں لکھتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ لکھتے ہیں لیکن پیشی کے وقت لہٗ و علیہ کو تو لکھتے ہیں اور جو کچھ مباحات کی قسم سے ہے اس کو نامہ اعمال سے مٹا دیتے ہیں اور اس آیت کریمہ 'یمحو اللّٰہ ما یشاء و یثبت' (مٹا دیتا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اور ثبت کر دیتا ہے) کی تاویل اس طور پر ہے کہ 'یمحو اللّٰہ المباحات و یثبت ما لہ و علیہ' (مباحات کو مٹا دیتا ہے اور لہٗ و علیہ یعنی خیر و شر کو لکھ دیتا ہے۔)



تینتالیسواں باب

رزق اور روزی کے بیان میں

مجلس شریف میں خاکسار عقیدۂ نسفی پڑھ رہا تھا جب سبق اس جملہ پر پہنچا 'وکل یستوفی رزق نفسه حلالا کان او حراما' (ہر آدمی اپنا رزق پالیتا ہے خواہ حلال ہو یا حرام۔)

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت اور معتزلہ کے درمیان اختلاف ہے۔ معتزلین کہتے ہیں حرام رزق ہے ہی نہیں ہم لوگ کہتے ہیں جس طرح حلال رزق ہے اسی طرح حرام رزق بھی ہے۔ رزق کا لغوی معنی 'للمتصرف الی الغذاء والملک' خوراک اور ملک پر متصرف ہونا ہے اور جس طرح غذا حلال سے ہوتی ہے حرام سے بھی ہوتی ہے لیکن معتزلہ رزق کو للمتصرف الی الملک کہتے ہیں اور بس اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ ہے کہ اگر رزق المتصرف الی الملک ہوتی تو حق تعالیٰ کے کلام میں خلاف لازم آتا ہے یہ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا 'وما من دابة فی الارض الاّ علی الله رزقها' (اور جتنے جاندار زمین میں چلتے پھرتے ہیں سب کی روزی

اللہ ہی کے ذمہ ہے) اور بہت ایسے ہیں جن کی ملک نہیں ہوتی جیسے غلام' بچہ اور مجنون مگر یہ سب رزق کھاتے ہیں تو مخلوق کی پرورش ونگہداشت کے لئے کلام حق کے مطابق انصراف رزق غذا پر ہوگا نہ کہ ملک پر۔ تو جیسا کہ معتزلہ حضرات کہتے ہیں کہ رزق کا انصراف ملک پر ہے تو لازم آئے گا کہ بعض رزق کھائیں اور بعض نہ کھائیں حالانکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا ہے 'وما من دابة في الارض الا على الله رزقها' معتزلی لوگ یہ شبہ وارد کرتے ہیں کہ اگر رزق مطلق غذا پر متصرف ہوتی تو جو شخص کہ حرام کھاتا ہے۔ لازم آتا کہ اس پر مواخذہ اور عذاب نہ ہو جیسا کہ حلال کھانے پر مواخدہ عتاب نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ اسے اللہ نے دیا ہے تو وہ کھاتا ہے اور اپنے رزق کے کھانے پر مواخذہ کیوں کر ہوگا؟

ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ اگر کسی نے حرام رزق کھایا ہے تو اس کے حرام کھانے کی بنا پر مواخدہ نہیں ہوگا بلکہ مواخذہ اس لئے ہوگا کہ بندہ کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور وہ مامور ہے کہ اپنا رزق شرعی طریقہ سے تلاش کر کے حاصل کرے اور کھائے جس نے حرام کھایا اس شرعی حکم کے مطابق رزق کی تلاش نہیں کی اور یہ اس نے حکم کے خلاف کیا اور حکم کے خلاف کرنے کی وجہ سے مواخذہ اور عذاب ہوگا اس لئے نہیں کہ اس نے حرام رزق کھائی۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر کسی کو حلال نصیب ہوا ہے اور اس نے اس کو حرام کے ساتھ ملا دیا ہے تو اس نے حلال ہی کھایا اور اسی طرح اس کے برعکس یعنی حرام نصیب ہوا اور اس کو حلال کے ساتھ ملا دیا تو اس نے حرام کھایا اور اس مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص شیخ الاسلام شیخ بہا الدین ذکریاؒ کا مرید ہوا اور حضرت کی خانقاہ میں رہتا تھا ایک روز شیخ نے اس سے کہا جاؤ فلاں جاگیر دار زمیندار سے کچھ نقد لے لو، جاگیر دار نے ایک نوشتہ دیا کہ جاؤ اس دیہات میں جا کر لے لو جاگیر دار کے دیہاتوں میں اس کے عملے منشی وغیرہ مقرر تھے اس مرید نے وہ نوشتہ ان کو دیا، عملوں نے اس دیہات کے ایک مالگذار کے نام رقعہ لکھ کر دیا اور کہا کہ جاؤ فلاں مالگذار سے لے لو، مرید نے اس مالگذار سے طلب کیا اس نے کہا، کہ ہم سے ناحق دلواتے ہیں زیادتی کرتے ہیں، میرے ذمہ جو دکچھ حساب تھا ہم نے ایک بار دے

دیا ہے یہ دوبارہ دلوار ہے ہیں جب ہم دے چکے ہیں تو پھر کیونکر دیں اس مرید نے جب ایسی بات سنی تو اس سے لینا اس کے دل نے قبول نہیں کیا اور چوں کہ وہ غریب اس گروہ درویشاں کا حلقہ بگوش تھا لوٹ آیا اور عملوں یعنی کرم چاریوں سے آ کر حال بیان کیا اور کہا آپ لوگوں نے تحصیل وصول کر کے کچھ جمع کیا ہے تو مجھے دیجئے میں لے لوں ورنہ واپس لوٹ جاؤں عملوں نے نقد اس کو نہیں دیا حضرت شیخ کے پاس لوٹ آیا، شیخ نے پوچھا مل گیا؟ اس نے کہا مجھے ایک مالگذار سے دلواتے تھے اس مالگذار نے کہا مجھ سے ناحق دلواتے ہیں اس کی اس بات سے میرے دل نے اس سے لینا قبول نہیں کیا کہ اس سے میں کچھ لوں عملوں سے نقد مانگا انہوں نے نقد نہیں دیا لہذا میں اٹھا اور چلا آیا۔ شیخ نے کچھ دن کے بعد کہا جاؤ اسی مالگذار سے جا کر لے لو۔

جتنے مریدان وہاں موجود تھے آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ اس میں کیا مصلحت ہے کہ جس وجہ سے اس نے پرہیز کیا شیخ نے اسے اسی کا حکم دیا کہ جاؤ اسی سے لے لو ایک مرید نے اس حال (معاملہ) کو پوچھا، شیخ نے فرمایا کہ حق سبحانہ تعالی نے کسی کو حلال نصیب کیا ہے اگر اس حلال کو حرام کے ساتھ ملاتا ہے تو حق تعالی اس پر قادر ہے کہ وہ حلال جو اس کے نصیب میں کیا ہے اس حلال کو حرام سے الگ کر دے اور اگر کسی کو حرام نصیب کیا ہے وہ اس کو حرام میں ملا لے تو اسے حق تعالی علاحدہ کر دے۔

خاکسار نے عرض کی کہ 'وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها' میں کلمہ 'علی' جب واجب ہونے کہ لئے ہے تو یہاں پر معنی کیا ہوں گے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ رزق دینا وجوب کے طور پر نہیں ہے کسی کے لئے کوئی چیز خدا پر واجب نہیں ہے۔ بندوں کو روزی دینے کا خداوند تعالی کی طرف سے وعدہ ہے کلمہ علی وعدہ کی تاکید کے لئے ہے۔ حق سبحانہ تعالی نے اپنے ضعیف بندوں کو روزی دینے کے وعدہ میں اس طرح فرمایا ہے جیسے تم لوگ آپس میں کوئی وعدہ کرتے ہو اور پھر اس کو مستحکم کرنے کے لئے تاکیدی کلمہ کہتے ہو یہ حق سبحانہ تعالی کا اپنے ضعیف بندوں پر لطف و

کرم ہے جواس جل شانہ نے وعدہ کو مستحکم کرنے کے لئے تاکیدی کلمہ ارشاد فرمایا اس موقع پر یہ شعر زبان گوہر فشاں سے ارشاد ہوا ؎

بے نیازی خدا کار ہمہ راست کند ورنہ از کوشش فرعوں نرود در دریا کز

اور فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ آدمی کی خلقت کی حالت ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی رہتی ہے اور پھر اس کے بعد چالیس دن مضغہ (لوتھڑا) کی رہتی ہے ثُم **یبعث اللّٰہ ملکا باربع کلمات اکتبْ عمله و اجله ورزقه وهو شقی ام سعید ثم تنفخ فیه الروح** ' (الحدیث) یعنی پھر مقرر کرتا ہے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو کہ وہ لکھے یہ چار کلمہ ایک اس کے عمل کو یعنی اس کا عمل کیا ہوگا۔ دوسرا اس کی موت کو یعنی کتنے دن زندہ رہے گا تیسرے اس کے رزق کو یعنی اس کی رزق کتنا ہوگا اور چوتھے یہ لکھے کہ شقی ہوگا یا سعید (خوش بخت ہوگا یا بد بخت) پھر اس کے بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے اس موقع پر یہ رباعی ارشاد فرمائے ؎

خوش باش کہ پختہ اند سودائے تو وے پرداختہ انداز قضا ہائے تو وے
قصہ چہ کنی کہ بے تقاضائے تو وے دادند قرار کار فرد آئے تو وے

ایک عجیب واقعہ

اس کے بعد یہ حکایت بیان ہوئی کہ ایک شخص نے اپنے آل واولاد کی کثرت اور مال کی قلت کی شکایت امام شبلیؒ کے حضور میں کی حضرت نے فرمایا جاؤ گھر جاؤ اور جس کی روزی خدا کی طرف سے نہیں ہے اس کو گھر سے باہر کردو۔

نقل ہے کہ ایک جماعت خواجہ جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی انہوں نے پوچھا کہ رزق کی تلاش میں لگوں؟ فرمایا اگر جانتے ہو کہ تمہارا رزق کہاں ہے تو ڈھونڈو؟ پھر کہا اللہ رب العزت سے مانگوں؟ فرمایا اگر یہ سمجھتے ہو کہ اس نے تمہیں بھلا دیا ہے تو یاد دلا دو۔ پھر کہا گھر میں بیٹھ کر توکل کروں؟ کہا یہ تو آزمانا ہوگا اور آزمائش شک کی بنا پر ہوتا ہے۔ پھر پوچھا حیلہ (ذریعہ) کیا ہے؟ کہا حیلہ حیلہ کا ترک کرنا ہے اور یہ شعر ارشاد ہوا ؎

حیلہ رہا کن عاشقاں دیوانہ شو دیوانہ شو
زند زدل آتش در پروانہ شو پروانہ شو

اس کے بعد یہ دو شعر پھر فرمائے گئے ؎

گرایں رہ می روی ہشیار ترو　　تو ناز نیناں را چہ دانی
بہ موسیٰ گو کہ بر ہر کوہ تیغے است　　ولے بر طور تیغے لن ترانی!

گروہ صوفیاء کے فاقہ سے متعلق احوال

خاکسار نے عرض کیا کہ اس گروہ کو طلب رزق ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا عوارف میں اس کا تذکرہ آیا ہے اسباب کا اختیار کرنا اور اسباب سے روگردانی کرنے میں اس گروہ کے مختلف احوال ہیں بعض ان میں سے وہ ہیں کہ نذورات وفتوح قبول کرتے ہیں لیکن اس کے لئے کسی کی طرف رغبت نہیں رکھتے اور بعض وہ ہیں کہ کسب کرتے ہیں اور اسی کمائی سے کھاتے ہیں اور بعض وہ ہیں کہ فاقہ کے وقت سوال کرتے ہیں اور فاقہ کی تعریف میں کہتے ہیں کہ فاقہ وہ ہے کہ ہلاکت کے قریب پہنچ جائے اور بغیر مانگنے کے اور کوئی چارہ نہ ہو اس حال میں سوال یعنی مانگنا مباح ہے 'کاکل الخنزیر والمیت' (جس طرح سور اور مردار کا کھانا) اور یہ حکایت بیان ہوئی کہ ایک بزرگ سے منقول ہے، انہوں نے کہا کہ 'الفقراء ثلاثة' (فقرا تین طرح کے ہیں) ایک وہ ہیں کہ سوال نہیں کرتے ہیں اور اگر بے مانگے بھی کوئی دیتا ہے تو قبول نہیں کرتے اور یہ سب کے سب روحانیان ہیں اور دوسرے وہ ہیں کہ اگر بے طلب کوئی دیتا ہے تو قبول کر لیتے ہیں۔ ایسوں کو فردوس بریں میں مقام قدس پر بٹھائیں گے اور تیسرے وہ ہیں کہ سوال کرتے ہیں اور ملتا ہے تو اس میں سے بقدر ضرورت لے لیتے ہیں۔ اس کے کفارہ میں صدقہ دینا چاہئے۔ رزق کے لئے جملہ اہتمام برا ہے ارباب دین کے لئے اور علمائے اہل یقین کے لئے طلب رزق سے بدتر اور کوئی کام نہیں ہے اس لئے کہ ان لوگوں کے واسطے قناعت شرط ہے رزق کے لئے جب قلم چل چکا ہے تو اس کو ہونا ہے یہاں حرکت اور سکون دونوں یکساں ہے جیسا کہ ایک

بزرگ نے کہا ہے ؎

جنون منک ان تسعی لرزق و یرزق فی غشاوته الجنین

(تم رزق کی تلاش و جستجو میں دیوانے ہو رہے ہو حالانکہ وہی اللہ ہے جو جنین کو ماں کے پیٹ میں رزق دیتا ہے۔)

اس کے بعد فرمایا وہب بن وردؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا، گر آسمان تانبا کا اور زمین سیسہ کی ہو جائے اس حال میں بھی ہم کو رزق کے اہتمام کی فکر ہو تو ،ہم خود پر یہ گماں کرنے لگیں کہ ہم مشرک ہو گئے ہیں۔

اور ابوعلی رودباریؒ کی نقل ہے کہ انہوں نے کہا پانچ دن کے بعد اگر صوفی یہ کہے کہ میں بھوکا ہوں 'فالزموه السوق و مروه بالکسب' (تو اس سے کہو کہ وہ بازار جائے اور کسب و کمائی کرے)۔

یہاں پر یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جس شخص نے ذکر' اخلاص' استغراق 'وقت اور عبادت کے لئے کسب کا ترک کیا اور کسب عبادت میں باعث تشویش ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا نفس لوگوں کی جھانک تاک اور انتظار میں نہ ہو کہ کوئی اس کے پاس آئے اور کچھ لائے بلکہ صبر اور توکل میں یعنی خدا پر بھروسہ میں قوی القلب بھی ہو تو ایسے شخص کا فارغ ہونا اور کسب ترک کرنا اولی تر ہے۔ اور اگر کوئی ایسا بندہ ہے کہ اس کے دل میں پریشانی ہے اور لوگوں کی طرف اس کو لو لگی ہوئی ہے کہ کوئی شخص اس کے لئے کچھ لے کر آئے تو ایسے شخص کے لئے کسب کرنا اولی تر ہے کیونکہ دل کا کسی کے خیال میں ہونا دل میں سوال ہی ہونا تو ہے تو اس کا ترک کسب کے ترک سے کہیں عظیم تر۔ واللہ اعلم بالصواب۔



چوالیسواں باب

سوال کے حلال وحرام ہونے کے بیان میں

مجلس شریف میں قاضی معین الدین حاکم بہار ملک مجد الملک کے ساتھ حاضر ہوئے تھے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ متع اللّٰہ المسلمین بطلول افادته سے انہوں نے پوچھا کہ کسی شخص کے پاس سو گھوڑے ہیں اور ایک سائل نے تمام گھوڑے یعنی سو کے سو کا سوال کیا اگر سب دے دیتا ہے تو خود تکلیف و نقصان اٹھاتا ہے اگر نہیں دیتا ہے تو اس نص قرآنی 'وَاَمَّا السَّائِلَ فَلاَ تَنْهَر' (اور سائل کو نہ جھڑکیں) کے خلاف کرتا ہے۔

أما السائل کی تفسیر

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کسی تفسیر میں ہم نے دیکھا ہے اس نص کی ایک تاویل ہے کہ یہ آیت کریمہ معلم اور متعلم کے بارے میں بھی ہے اگر متعلم معلم سے کوئی علمی سوال کرے تو لازم ہے کہ معلم اس متعلم کو نہ جھڑکے وہ جو کچھ پوچھے اس سوال کا جواب دے معلم کے حق میں یہ حکم مطلق ہے یہاں پر اجرائے اطلاق ممکن ہے لیکن اور دوسری چیزوں

کے دینے کے بارے میں اس کا مطلقاً اجراء دشوار ومشکل ہے اس جگہ ہم یوں کہتے ہیں کہ سوال سائل کے لائق اور مناسب ہونا چاہئے اور جس سے سوال کیا جائے وہ بین بین رہے نہ یہ کہ سب کا سب دے دے نہ یہ کہ سب بچا رکھے جیسا کہ دینے کے بارے میں حکم ہے۔

دوسری بات یہ جو منع ہے وہ سائل کو جھڑکنا منع ہے۔ یعنی اگر سائل نے سوال کیا اور دینے والے نے نہ دیا تو وہ جس سے سوال ہوا اس نہی کے تحت آتا ہے۔ فرمایا کہ یہ نہی رسول کریم ﷺ کے حق میں نازل ہوئی ہے اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک میں کچھ کھجوریں تھیں حضور ﷺ اسے تناول فرمانا چاہتے تھے کہ ایک سائل در پاک پر آ گیا اور اس نے سوال کیا حضور ﷺ نے وہ خرما اسے دے دیا امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ حاضر تھے دیکھا کہ حضور ﷺ کو اس کے کھانے کی خواہش تھی باہر آئے اور اس سائل سے وہ کھجوریں خرید لیں اور حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا رسول کریم ﷺ نے جب اسے کھانا چاہا پھر اسی سائل نے سوال کیا حضور ﷺ نے اسے دے دیا پھر امیر المومنین عثمانؓ نے اس سائل سے وہ خرما خرید لیا اور حضور میں پیش کیا جب حضور ﷺ نے کھانا چاہا پھر اسی سائل نے سوال کر دیا رسول خدا ﷺ نے اس کے بعد فرمایا تم تاجر ہو یا سائل؟ بطور ناپسندی یہ آیت 'و اما اسائل فلا تنھر' نازل ہوئی اس آیت کا نزول اسی موقع پر ہوا اس آیت کے نزول کے بعد جو سائل بھی حضور ﷺ کے پاس آتا نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر لا کا لفظ نہ آتا اگر موجود ہوتا دے دیتے جب کچھ نہ ہوتا تو شرمسار ہوتے اور شرم سے رخ انور پھیر لیتے۔ ہر شخص کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ رخ انور کا پھیر لینا شرم کے سبب سے ہے اور سائلوں کو بھی معلوم ہو گیا تھا چنانچہ روئے انور پھیر لینے ہی سے سائل سمجھ لیتا تھا اور واپس ہو جاتا تھا اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ حکایت بیان کی۔

ایک عورت کو تین دن کا فاقہ تھا اس کا ایک لڑکا تھا اسے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہا کہ جا اور حضور ﷺ سے کچھ مانگ کر لا۔ اور اگر حضور ﷺ کے پاس کچھ موجود نہ ہو تو عرض کرنا کہ جو حضور پہنے ہوئے ہیں یہی عنایت فرما دیں۔ وہ لڑکا حاضر خدمت ہوا عرض کیا یا

رسول اللہ تین دن کا فاقہ ہوگیا ہے میری ماں نے آپ حضور ﷺ کے پاس بھیجا ہے کہ جا رسول خدا ﷺ سے کچھ مانگ کر لا اس وقت حضور ﷺ کے پاس دینے کے لئے کوئی چیز موجود نہ تھی جواب دیا گیا کہ ابھی کچھ موجود نہیں ہے اس کے بعد اس لڑکے نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میری ماں نے جو کچھ کہا ہے عرض کرنا چاہتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہو اس نے کہا ماں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر حضور ﷺ کے پاس کچھ موجود نہ ہو تو عرض کرنا کہ جو زیب تن فرمائے ہوئے ہیں وہی عنایت ہو جائے حضور ﷺ نے اسی وقت پیراہن مبارک اتار کر اسے دے دیا اور حضور ﷺ کے پاس اس وقت وہی ایک پیراہن تھا جسم اطہر برہنہ ہوگیا دونوں ہاتھوں کو گردن اقدس میں حمائل کئے ہوئے بیٹھے تھے اسی اثناء میں جناب بلال رضی اللہ عنہ نے آذان دی رسول خدا ﷺ اپنے وقت پر باہر تشریف نہ لائے صحابہ کرام کو تشویش پیدا ہوئی جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گھر میں حاضر ہوئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کیا بات ہے؟ کیا کچھ جانتی ہو؟ کیا کوئی وحی پیش آئی ہے یا کچھ ہم لوگوں سے شکایت پیدا ہوئی ہے۔ ام المومنین نے کہا ہم نے دیکھا کہ فلاں شخص آیا اور پورا قصہ دہرا دیا حضرت صدیق اکبر نے اپنا پیراہن اتار کر پیش کیا اور مسجد آ کر صحابہ سے تشریف آوری میں تاخیر کا سبب بیان کیا بعض صحابیؓ نے کہا کہ اتنا نہیں دے دینا چاہئے کہ نماز ادا کرنے اور باہر آنے میں دشواری ہو تو اللہ رب العزت نے یہ آیت بھیجی ' **ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک** ' نہ رکھیں اپنا ہاتھ بندھا ہوا گردن کے ساتھ) یعنی دینے سے اپنے ہاتھوں کو مت روکئے اور یہ کنایہ ہے بخل کی جانب یعنی بخیل نہ ہو جائیں کیونکہ جو شخص اپنے ہاتھوں کو موڑے رہتا ہے وہ دینے سے عاجز رہتا ہے ' **ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا** ' اور دینے میں اپنے ہاتھوں کو اتنا کشادہ نہ کرو کہ یکبارگی سب کچھ دیدو ایسا کہ گھر کے اندر ملامت زدہ ہو کر بیٹھنا پڑے۔

اور کہتے ہیں کہ یہ آیت ' **ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا** ' ہے اس سے مراد امت ہے (یعنی یہ آیت امت کے حق میں ہے) کیونکہ رسول خدا ﷺ صبح سے شام تک کوئی چیز پسماندہ نہیں رکھتے تھے اور شام سے صبح تک کے لئے بھی نہیں رکھ چھوڑتے تھے

گرچہ مخاطب رسول ہی ہیں لیکن مراد اس سے امت ہے اور اس کی نظیر قرآن میں بہت ہے۔

قاضی صدرالدین نے عرض کیا کہ اگر کسی نے غلہ اور اناج سال بھر کا یا چند مہینہ کا گھر میں جمع کر رکھا اور کوئی سائل سوال کرتا ہے اگر دے دیا جاتا ہے تو سالینہ یا چند ماہہ میں کمی ہو جاتی ہے اور اگر نہیں دیا جاتا ہے تو بھی مشکل ہے ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ دے دے یہ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ جتنے دن کا جمع کیا ہے اس کی عمر اتنی نہ ہو اور ہوئی بھی تو رزق اس کو دوسری جگہ سے مل جائے گی۔

حاضرین مجلس میں سے ایک نے کہا اصل مسئلہ سوال کے حرام ہونے کا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں! مخلوق سے مانگنا دراصل حرام ہے مگر کوئی خاص ضرورت یا حاجت اہم درپیش ہو "ضرورت" مثلاً بیمار دوا کا محتاج ہے اور اگر دوا کا بندوبست نہ ہو تو اس کے ہلاکت کا خوف ہے یا کوئی ایسا ہے کہ اس کے پاس صرف ایک جبہ ہے اور اس کے نیچے کرتا نہیں ہے موسم گرما یا سردی میں تکلیف اٹھائے تکلیف ایسی کہ ضرورت کی حد تک پہنچی ہوئی ہو اور اسی طرح سواری کے لئے کرایہ مانگے گرچہ پیدل چل سکتا ہے لیکن گرمی کی شدت کے سبب مشکل ہو تو سوال مباح ہے لیکن اگر معمولی حاجت ہے جیسے کہ کوئی پوشاک مانگے اس لئے کہ گھر سے باہر نکلنے کے وقت پھٹے ہوئے کرتے کے اوپر پہن لے تاکہ لوگوں کی نگاہ اس کے جامہ کی شکستگی پر نہ پڑے اور جیسے کوئی روٹی کھانے کے لئے ترکاری کا سوال کرے اور روٹی اس کے پاس ہے اور اس طرح سواری کے کرایہ کے لئے مانگے (تو مباح نہیں) اور اسی طرح کی حاجتیں جن کے پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے تو سوال میں جو ممانعت ہے جائز ہو جاتی ہے اور اگر یہ تینوں ممنوع یا خطرات نہ ہوں یعنی (۱) شکایت یا (۲) خواری (ذلت) یا (۳) جس سے سوال کیا جائے اسے رنج و تکلیف کا ہونا تو یہاں سوال کراہت کے ساتھ مباح ہوگا۔

اس کے بعد پھر پوچھا سوال کے حرام ہونے کی دلیل کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس بارے میں نہی اور تشدید بہت آئی ہے۔ دوسرے یہ کہ سوال ان تین خطروں اور اندیشوں سے خالی نہیں ہے۔ اول خداوند تعالی سے شکایت کا اظہار ہے۔ دوسرے یہ کہ سوال کرنے میں ماسوااللہ کے لئے خود کو ذلیل و رسوا کرنا ہے اور مومن کے لئے خود کو رسوا اور ذلیل کرنا حرام ہے۔ مگر اللہ جل شانہ کی عبادت میں خود کو رسوا کرنے میں اس کی عزت ہے۔ تیسرے یہ کہ جس سے سوال کیا جائے اسے رنج و تکلیف کا ہونا اغلب ہے یہ اس لئے کہ اس کا نفس دینے میں خوش دلی کے ساتھ موافقت نہیں کرتا چنانچہ اگر شرم کے سبب سے دے گا یا بار خاطر کے ساتھ دے گا تو لینے والے کے لئے یہ حرام ہوگا۔ مباح نہیں ہوگا مگر جب کہ ضروری ہو جائے جیسے کہ مردار کا کھانا اور خمر کا۔ یعنی رسول کریم ﷺ کی حدیث شریف سے جیسا کہ ظاہر ہے حضور ﷺ نے فرمایا 'مسألة الناس من الفواحش ماله حل من الفواحش غيرها' یعنی لوگوں سے سوال کرنا فواحش، گندگی اور بے حیائی کا کام ہے اور بے حیائی کو ''ضرورت'' کے سوا کوئی چیز حلال نہیں کرتی جیسے کہ کسی کے گلے میں لقمہ اٹک گیا ہو اور بغیر شراب کے کوئی چارہ نہ ہو تو شرب خمر یہاں پر مباح ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حضور ﷺ کی یہ حدیث شریف 'من سأله وله ما يغنيه جاء يوم القيامة وفي وجهه عظم يتقعقع ليس عليه لحم' یعنی جس کے پاس اتنا ہے کہ سوال سے اسے بے پرواہ کردے اور وہ سوال کرے تو قیامت کے دن اس کی ہڈی ایسی ہوگی جو کہ ہل رہی ہوگی اور اس پر گوشت نہ ہوگا۔ ایسا ہی امیر المومنین حضرت عمر خطابؓ نے مغرب کی نماز کے بعد سوال کرنے والے کی صدا سنی فرمایا کہ کھانا دے دیا جائے پھر اسی سائل کی آواز سنی فرمایا کیا ہم نے تم لوگوں سے نہیں کہا کہ کھانا دے دیا جائے لوگوں نے عرض کیا دے دیا گیا ہے۔ حضرت امیر المومنین عمرؓ باہر تشریف لائے اور اس کو دیکھا تو زبردست توبڑہ (موٹری) روٹیوں سے بھرا ہوا اس کے پاس موجود تھا تو بڑہ اس سے لے لیا اور اونٹوں کے آگے ڈال دیا اور اسی سائل کو درہ لگوایا اور فرمایا پھر ایسی حرکت نہ کرنا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا کہ اگر اس شخص پر سوال حرام نہ

ہوتا تو اسے درہ نہ لگایا جاتا اور نہ اس سے توبڑہ لیا جاتا۔

اس کے بعد پھر عرض کیا کہ سوال جب دراصل حرام ہے اور سوال کا مباح، ہونا انتہائی دشوار ہے تو حلال کس صورت میں ہوگا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا سوال ہی نہیں کرنا چاہئے مگر ''ضرورت'' میں یا ماں باپ سے یا بھائیوں اور دوستوں سے یا ایسوں سے جنہیں تمہاری حاجت کا علم ہوتا اور تمہیں بے مانگے وہ دیدیتے ایسوں سے سوال کرنے میں سوائے تمہاری حاجت معلوم ہونے کے مسئول پر اور کوئی اثر نہ ہوگا۔

اس کے بعد پھر پوچھا کسب کے ذریعہ کھانا بہتر ہے یا سوال سے؟

فرمایا کہ کسب سے کھانا بہتر ہے کیونکہ سوال دراصل خود حرام ہے اس کے مباح ہونے کے لئے بہت سے شرائط ہیں اور کسب نفس خاص مباح ہے بلکہ بعضوں کے نزدیک کسب کرنا واجب ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فرمایا ہے 'ان اطیب طعلمٍ مایا کل الرجل من کسبه 'یعنی سب سے پاک پاکیزہ کھانا وہ ہے جسے آدمی اپنی کمائی سے کھائے۔

خاکسار نے عرض کیا کہ اگر دینے والے کا دینا باعث شرم ہے سائل سے یا حاضرین سے اور یہ شرم اگر نہ ہوتی اور دینے والا نہ دیتا تو لینا حلال ہوتا یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہا گیا ہے کہ یہ محض حرام ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں یہ غیر کا مال لینے کے حکم کے تحت ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ ظاہر میں ڈنڈا مار کے لیا جائے یا اس کے باطن میں شرم کا تازیانہ لگا کے لیا جائے۔

پھر عرض کیا کہ ہم یہ کیوں نہ کہیں کہ وہ بظاہر دینے پر راضی ہے اور پیغامبر ﷺ نے فرمایا ہے' نحن نحکم بالظاهر واللّٰه یتولی السرائر' (ہم تو ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں باطن کا حال اللہ جانتا ہے۔)

اس پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا باطن کا سوال اس کے اور خداوند تعالی

کے درمیان ہے اور اس میں حاکم احکم الحاکمین ہے دلوں کا حال اس کے نزدیک ویسے ہی ہے جیسے زبان کا حال دنیا کے حاکموں کے سامنے ہے یہاں دل پر نظر رکھنا چاہئے ارباب تقوی علمائے آخرت ہیں ان کا فتوی نجات اخروی کے لئے ہوتا ہے جس طرح آج دنیا میں نجات سلطان دنیا کے حکم سے فقیہوں اور مفتیوں کے فتوی کے ذریعہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد خاکسار نے عرض کیا کہ اگر کسی نے جھوٹ بول کر سوال کیا اور کچھ حاصل کرلیا تو یہ کیسا ہے؟

فرمایا کہ جھوٹ بول کر کسی سے کچھ لینا ویسا ہی ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ میں علوی ہوں درآنحالیکہ وہ علوی نہیں ہے ایسا سائل جو کچھ لیتا ہے وہ اس کی ملک نہ ہوگی اور یہ ویسا ہی ہے جیسے کہ کسی کو صوفی یا پارسا سمجھ کر کوئی دے اور وہ صوفی یا پارسا نہ ہو بلکہ مرتکب گناہ ہو اور دینے والا اس کے حال سے واقف ہوتا تو نہ دیتا، اکثر جگہ مرقوم ہے کہ اس وجہ کر اگر کوئی لیتا ہے تو وہ اس کی ملک نہ ہوگی اور اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ کے عمل کو دلیل لاتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین نے وہ توبڑہ (موٹری) لے کر اونٹوں کے آگے صدقہ کر دیا اگر یہ توبڑہ اس کی ملک ہوتا تو اونٹ کے سامنے صدقے کی چیز نہ ڈالتے کیوں کے صدقہ ملک غیر میں جائز نہیں۔

شمس الدین خوارزمی مسافر مجلس شریف میں حاضر تھے عرض کیا کہ اگر مسجد میں کوئی سائل سوال کرے تو مسجد میں دے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا مسجد میں دینا درست نہیں ہے۔ نہیں دینا چاہئے یہ اس لئے کہ سوال بنفسہ حرام ہے اور مباح شخص معین کے لئے مخصوص حال میں ہوتا ہے اور یہ خاص خاص حالتیں بہت ہی کم ہوتی ہیں اور مسجد عبادت کی جگہ ہے عبادت کے لئے ہے تو مسجد میں جو شخص سوال کرے گا وہ حرام کا قصد کرے گا اور یہ گناہ ہے اگر دے دیا تو یہ گناہ پر اعانت کرنا ہوگا۔ چنانچہ کتابوں میں مرقوم ہے کہ جس کسی نے مسجد میں ایک درہم صدقہ دیا مسجد سے باہر آکر ستر درہم اسے صدقہ کرنا ہوگا جب کہیں اس ایک درہم کا کفارہ ہوگا جو مسجد کے اندر اس نے صدقہ کیا ہے۔

پھر عرض کیا کہ صدقہ خیرات میں سے ہے تو مسجد کے اندر ہو یا مسجد سے باہر؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا صدقہ خیرات میں سے تو ہے لیکن اپنی جگہ پر خیر ہے بہت سارے خیر ایسے ہیں کہ بہ نفس نفیس خود خیر ہیں لیکن بعض محل وموقع میں وہ خیر خیر نہیں رہتا ہے جیسے کہ حج کے لئے روانہ ہونا بہ نفس خود خیر ہے چنانچہ کسی نے چاہا کہ حج کے لئے جائے ایسے موانع پیش آئے کہ جانے سے رکنا پڑا۔ اسی درمیان اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ لوگوں کو خبر ہوگئی اور یہ بات مشتہر ہوگئی ہے کہ میں حج کے لئے جارہا ہوں اگر میں نہیں جاتا ہوں تو لوگ کیا کہیں گے۔ لہٰذا اٹھا اور حج کے لئے روانہ ہوگیا ایسے حج میں کیا فائدہ ہوگا یہ اس لئے کہ لوگوں سے شرم کے سبب حج کی روانگی اختیار کی ہے۔ حج کے لئے یہ روانگی خالصاً اللہ کے لئے نہ ہوئی۔ حج کے لئے جانا عبادت ہے اور نہایت عمدہ اور پسندیدہ کام ہے لیکن ایسے جانے سے نہیں جانا اولیٰ ہے اسی طرح روزہ رکھنا عبادت ہے لیکن اپنے محل وموقع میں عبادت ہے اگر بے محل روزہ رکھ لوں مثلاً عید کے دن روزہ دار بن جاؤں تو یہ جائز نہیں ہوگا تو یہاں پر نہیں کہا جائے گا کہ روزہ پسندیدہ فعل ہے۔ خیرات وعبادات کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے محل وموقع میں ادا کی جائے اسی طرح نماز کا اوقات مکروہ میں ادا کرنا اور یوں کہ مجمع میں کسی نے مجھ سے سوال کر دیا میرے دل میں جو کچھ ہے وہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اسی درمیان دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مجھ سے اس شخص نے سوال کر دیا اگر کچھ نہیں دیتا ہوں تو لوگ مجھے بخیل کہیں گے اور جانے کیا کیا کہیں گے لہٰذا اس سائل کو ایک درہم میں نے دے دیا تو میرا یہ روپیہ دینا اس سبب سے ہوا کہ لوگ مجھے کیا کہیں گے؟ تو مخلوق کی شرم نے مجھ سے یہ درہم دلوایا نہ یہ کہ اللہ کے لئے میں نے دیا۔ اسی طرح قرآن کی تلاوت اس کا پڑھنا اپنے موقع اور محل میں عبادت ہے اگر ہم بے موقع ومحل پڑھیں تو عبادت نہ ہوگی۔ پس خیرات وعبادات اس وقت تک عبادت وخیرات ہے کہ اپنے محل میں ادا کی جائے لیکن اگر خیر کو بے محل ادا کیا جائے تو خیر، خیر نہیں رہتا۔

اس کے بعد فرمایا صاحب دین اور اہل علم جو شرع شریف کے اسرار ودقائق پر عبور

رکھتے ہیں اور وہ محل ومواقع کی واقفیت رکھتے ہیں وہ تمام امور کو اپنے محل ومواقع میں صحیح طور سے ادا کر سکتے ہیں لیکن جو بیچارے ناواقف ہیں وہ صحیح طور پر کیسے ادا کر سکتے ہیں ہر شخص تو شرع شریف کے اسرار ودقائق کا علم نہیں رکھتا؟

پھر فرمایا حضرت عین القضاۃؒ نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے کہ بہت سے مواقع ایسے ہیں کہ جہاں حلال حرام ہو جاتا ہے اور حرام حلال۔

خاکسار نے عرض کیا کہ یہ کیسے کوئی مثال بیان فرمائی جائے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا جیسے جھوٹ بولنا حرام ہے جس سے بھی پوچھئے کہ کیا جھوٹ بولنا حرام ہے؟ سب یہی کہیں گے کہ ہاں حرام ہے اس میں کوئی شبہ نہیں لیکن یہ جھوٹ کسی جگہ فرض بھی ہو جاتا ہے مثلاً کسی ظالم نے کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا وہ بھاگ کر کسی خاص مکان میں چلا گیا اور صاحب خانہ کی پناہ لے لی وہ ظالم پیچھا کرتا ہوا وہاں تک پہنچ گیا صاحب خانہ سے پوچھا کہ فلاں شخص یہاں ہے اور گھر کے مالک کو اس کا علم ہے کہ وہ شخص یہیں ہے لیکن اس وقت اس پر یہ واجب ہے کہ وہ کہے کہ یہاں نہیں ہے یہ اس کے لئے سچ بولتا ہے تو وہ مارا جاتا ہے اور اگر سچ کہتا ہے تو واجب کا ترک ہوتا ہے لہذا جھوٹ بولنا حرام تو ہے لیکن ایسے محل وموقع میں حلال ہے۔ اور سچ بولنا جو حلال ہے ایسی صورت میں حرام ہے۔ جو لوگ شرع شریف کے اسرار ودقائق کا علم نہیں رکھتے وہ تو یہی جانتے ہیں کہ جھوٹ بولنا حرام ہے ایسے موقع میں کوئی بھی ان سے پوچھے گا کہ فلاں شخص یہاں آیا ہے کہدیں گے کہ ہاں یہیں ہے وہ تو اسی پر عمل کرے گا کہ جھوٹ بولنا حرام ہے اور وہ یہ نہیں جانتے کہ ایسی صورت میں جھوٹ بولنا واجب ہو جاتا ہے تاکہ کسی کا ناحق خون نہ ہو جائے۔

خاکسار نے عرض کیا کہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے اللہ تعالی سے اس کی حکمت میں سوال کیا ہے اس کا محمول کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ سوال دو طرح کے ہوتے ہیں ایک رد و انکار کے لئے دوسرا حکمت کی واقفیت کے لئے۔ ان کے سوال کا محمول رد وانکار نہیں بلکہ طلب

علم و حکمت کے لئے ہے۔ جیسا کہ صحابہ نے قتال کی فرضیت کے بارے میں سوال کیا 'قالوا ربنا لما کتبت علینا القتال' (کہ اے مرے پروردگار آپ نے ہم لوگوں پر جنگ کیوں فرض کیا۔)

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی سائل اپنے سوال میں صادق ہے اور وہ ایسی صورت میں سوال کرتا ہے جو اس کے لئے مباح ہے تو اس کے سوال کے رد کرنے والے کو بغیر آگ کی سزا کے نہ چھوڑیں گے۔

ضرورت کے لئے کتنا مال جمع کیا جا سکتا ہے؟

مجلس شریف میں ذخیرہ کرنے کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ذخیرہ کے تین درجے ہیں ایک درجہ یہ ہے کہ رات اور دن کے خرچ کے علاوہ کچھ بھی جمع نہ کرے۔ یہ صدیقوں کا درجہ ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ چالیس دن کا جمع کرے اور درازی عمر کی امید میں اگر اس سے کچھ زیادہ جمع کرلے تو درازی عمر کی امید کے تحت میں آئے گا اور موسی علیہ السلام کے معیاد کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے چنانچہ علماء نے اسی سے اس کا استنباط کیا ہے کہ زندگانی کی امید میں رکھنے کی رخصت واجازت اسی سے معلوم ومفہوم ہوتی ہے اور یہ درجہ متقیوں کا ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ ایک سال کا جمع کرے اور یہ سب سے کمتر درجہ ہے اور یہ صالحین کا مرتبہ ہے۔

اور جو اس سے زیادہ ذخیرہ کرتا ہے اس کا شمار عوام میں ہے، خواص کی صف سے وہ بالکل باہر ہے۔



پینتالیسواں باب

تواضع تکبر اور مذلت کے بیان میں

مجلس شریف میں تواضع کا ذکر آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا تواضع اس طور پر کرے کہ مذلت کی حد میں داخل نہ ہو جائے کیوں کہ مذلت اور تکبر دونوں ہی حرام ہے اور تواضع درمیانی ہے تکبر حرام ہے اسے ترک کرے، تواضع اس انداز سے ہو کہ مذلت میں نہ گرفتار ہو جائے کیوں کہ یہ بھی حرام ہے، تواضع درمیانہ کھڑا ہونا ہے اور یہ بے حد مشکل کام ہے کہ اس طریقہ پر درمیانہ کھڑا ہو سکے کہ وہ حد تکبر سے بھی باہر ہو اور مذلت میں بھی داخل نہ ہو تواضع جسکی کی جائے اس کے مرتبہ کے لائق ہونا چاہیے۔ تواضع سے مذلت میں پڑنے کی مثال یوں ہو گی کہ کوئی صاحب علم اپنے مسند پر بیٹھا ہوا ہے اور ایک موچی جوتا سینے والا آ جائے وہ اہل علم تواضع کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور اس موچی کو اپنی جگہ پر لا کر بٹھائے ایسی تواضع نفس کی رسوائی ہے اور یہ حرام ہے۔

خاکسار نے عرض کیا کہ کسی کو دیکھ کر کھڑے ہو جانے کو احیاء العلوم میں بدعت لکھا

ہے تواضع کے طور پر قیام کرنا ہے ایسی صورت کس طور سے کرے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے وقت میں یہ بدعت تھی یہ اس لئے کہ ان کے زمانہ میں قیام کے ترک کرنے سے کسی کی توہین نہیں ہوتی تھی لیکن ہمارے زمانہ میں قیام کا ترک کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ قیام کے ترک کرنے میں غیر کی توہین ہوتی ہے اور مومن کی عزت کرنی واجبات میں سے ہے۔لہٰذا ایسے علاقہ میں جہاں قیام کو عزت کا معیار بنایا گیا ہے اور لوگ عادی ہو گئے ہیں وہاں قیام ہی کے ذریعہ عزت کرنا مستحسن ہوگا اگر چہ یہ بدعت ہے چنانچہ ایسے علاقہ میں قیام کا ترک کرنا توہین سمجھی جائے گی۔اور توہین حرام ہے۔لہٰذا مومن کے احترام میں قیام کرنا چاہئے اگر بیٹھا رہا اور قیام نہیں کیا تو یہ اس شخص کی طرف سے تکلیف دہ بات ہوگی اور یہ ایزا رسانی ہوگی اور یہ ایزا حرام ہے۔اس کے بعد خاکسار نے عرض کیا کہ اس گروہ صوفیہ کے نزدیک تواضع کیا ہے؟

تواضع کیا ہے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ابن عطارؒ کا قول ہے کہ تواضع حق کا قبول کرنا ہے جس سے بھی ہو اور ہمدون قصارؒ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ دین و دنیا میں تم اپنی ذات کی کوئی قدر و قیمت نہ جانو اور خواجہ فضیلؒ کا قول ہے کہ جس نے اپنی قدر و قیمت دیکھی اسے تواضع کی نعمت نصیب نہیں، ایک دن خواجہ فضیل سے لوگوں نے پوچھا کہ تواضع کیا ہے؟ فرمایا عاجزی کرنا اللہ کے لئے اور سر جھکانا اللہ کے لئے اور سچی باتوں کا قبول کرنا جو کوئی بھی کہے تواضع ہے۔اور خواجہ ابو یزید بسطامیؒ سے پوچھا گیا کہ آدمی متواضع کب ہوتا ہے؟ فرمایا جب آدمی اپنے آپ کو کسی مقام اور کسی حال کے لائق نہ دیکھے اور مخلوق کے آگے خود کو بے وزن سمجھے۔

کبر و نخوت پر وعید

حاضرین میں سے کسی نے پوچھا اس حدیث شریف کا معنی کیا ہے' الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی فی واحد منهما القیه فی جهنم' (کبریائی

میری چادر ہے اور عظمت و بزرگی میرا ازار ہے تو جس کسی نے بھی مجھ سے ان دونوں میں سے کسی ایک کا بھی دعوی اور جھگڑا کیا تو میں اس کو جہنم میں ڈالوں گا) حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ کہا گیا ہے کہ یہ دونوں صفتیں اللہ تعالی کی ربوبیت کے لوازم میں سے ہیں تو تم دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اگر اپنے حصہ کا کر لیتے ہو تو ربوبیت کے لئے یہ دوصفت خاص نہیں رہے گی چنانچہ لازم آئے گا کہ اللہ رب العزت کی ربوبیت بے وصف رہ جائے جیسے کہ یہ دو کپڑے ستر پوشی کے لئے لازم ہیں تم اگر یہ کپڑے لے لو تو ستر پوشی کا مفقود ہو جانا لازم آئے گا کہ عرفا اور شرعا اور اس معنی میں جو کہا 'فمن نازعني في واحد منهما. اى فمن ادعى ' جو کہ ان دو وصف میں سے کسی ایک کا بھی دعویدار ہو۔ اور کہا 'القيه في جهنم ' نحوی قاعدہ سے یہ جملہ مبالغہ کا ہے، یعنی خوف دلانے اور ڈرانے کے لئے ہے ارباب معنی نے کہا ہے کہ عظمت اور کبریائی ربوبیت کے صفات کے لوازم میں سے ہیں تو جو شخص تمام لوگوں پر عظمت و کبریائی اور بڑائی و برتری کا طلب گار اور دعویٰ دار ہے گویا کہ وہ 'انا ربكم الاعلى ' میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

کہتا ہے بیچارہ فرعون تو بدنام ہے کون ہے جس میں فرعون کی یہ صفت نہیں؟ اس بیان پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ اشعار ارشاد فرمائے ؎

ساقیا جامے بدہ تا جامہ ہستی درم
چند زیر خرقہ پنہاں دارم ایں زنار

دیگر

چو کبر نفس بیند در نہادم — بہ آتش گاہ کفارم فرستد
چو دارم رزق من اندر تہ دلق — بسوزد دلق وزمارم فرستد

اس کے بعد فرمایا اتنا جاننا ضروری ہے کہ تمام لوگ اللہ کے بندے ہیں اور تمام مخلوق پر عظمت و کبریائی خاص خدا ہی کے لئے ہے تو جس نے اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک بندہ کے ساتھ تکبر کیا اس نے اللہ رب العزت کے ساتھ نزع اور لڑائی کی۔ جو ناپاک قطرہ سے پیدا

ہوا اور خاک کا پتلا ہے اسے کب یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی پر اپنی فوقیت جتائے اور تکبر کرے۔

مہلب کے تکبر پر ایک بزرگ کا جواب

ایک بزرگ نے مہلب نامی ایک بادشاہ کو دیکھا کہ وہ لباس فاخرہ پہنے خاص انداز سے چہل قدمی کر رہا ہے انہوں نے کہا کہ یہ وہ رفتار ہے جسے خداوند تعالی دشمن رکھتا ہے مہلب غضبناک ہو گیا اس نے کہا یقیناً تم مجھے نہیں پہچانتے اس بزرگ نے کہا ہاں! میں پہچانتا ہوں۔ اول تمہارا پلید نطفہ ہے اور آخر تمہارا گلا سڑا مردہ اور تم اپنے سج دھج وحسن و جمال میں سراپا نجاست اور گندگی ہو ان کی یہ بات مہلب کے دل میں اتر گئی وہ چونک گیا اس نے اپنی رفتار ترک کر دی اور انداز بدل دیا۔

اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے مثنوی کے یہ اشعار ارشاد فرمائے ؎

نفس تو ہم احول و ہم اعور است — ہم سگ و ہم کاہل و ہم کافر است

ما ہمہ در تیغ نفس کافریم — در دروں خویش کافر پروریم

کافر است ایں نفس نافرماں چنیں — کشتن او کے بود آساں چنیں

برتر خاتمہ پر موقوف ہے

مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اتنا جاننا بندہ کے لئے ضروری ہے کہ مومن کافر سے افضل ہے اور مطیع عاصی سے اور عالم جاہل سے برتر ہے اور آدمی کو تمام جمادات و نباتات پر شرف و مجد حاصل ہے اور تمام مخلوقات سے افضل تر اور بزرگ و برتر ہے تو جب اپنی ذات میں یہ صفات دیکھے یعنی طاعت و علم وغیرہ سے خود کو متصف پائے تو یہ دیکھنا درست و جائز ہے اور اس برتری کے دیکھنے سے بڑائی کی صفت پیدا ہوگی اتنا اس کے لئے مناسب ہے۔

لیکن معرفت میں اس کے سوا راہ نہیں ہے کیونکہ ہر شخص کی برتری و فوقیت خاتمہ پر موقوف ہے کوئی نہیں جانتا کہ خاتمہ کس پر ہوگا ایمان پر یا کفر پر تو یہ واجب ہوتا ہے کہ خاص اپنی ذات کے لئے یہ اعتقاد نہ رکھے کافر پر مجھے فوقیت ہے شاید اس کافر کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے اور خود اس کا خاتمہ کفر پر ہو اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ چنانچہ اپنی عاقبت و خاتمت سے لاعلمی کے

اعتبار سے ان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے۔

اس موقع پر یہ اشعار حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کی زبان مبارک پر آئے ؎

گا ہم از کفر بدیں بازاری   گا ہم از کعبہ بہ خمار کشی!

گہ ز مسجد بہ خرابات بری   گہ از میکدہ در غار کشی

یچوں ز اسلام منت ننگ آید   از مصلام بز نار کشی

پھر اس خاکسار نے عرض کیا کہ اس حدیث شریف 'تَخَلَّقُوْا باخلاق اللّٰہ' کے حکم کے تحت اللہ رب العزت کے اخلاق سے خود کو آراستہ کرنا بندہ کا منتہا و مطلوب ہے تو اللہ تعالیٰ کے جملہ اسماء سے اسے متصف ہونا چاہئے اور کبریائی سے بھی تا کہ اس حدیث شریف کا معنی پورا ہو۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا بعض لوگوں نے فرمایا ہے کہ اللہ کی راہ کے سالک کے لئے قبل اس کے کہ وہ راہ حق میں قدم رکھے، سلوک طے کرے۔ اور منزل تک پہنچے باری تعالیٰ کے ننانوے نام سے اسے متصف ہونا چاہئے یعنی اس کو ہر اسم کی صفت سے بہرہ ور ہونا چاہئے مگر متکبر کی صفت سے اس کی دوری ہونی چاہئے کیونکہ تکبر اس میں سے ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے 'لا یلیق باحد' (تکبر کسی کے لائق و مناسب نہیں) لہٰذا ایسا ہوا تو اس خاص اسم کی وعید کے اندر آ گیا اور یہ شعر مثنوی کا زبان مبارک پر آیا ؎

سیر ہر کس باکمال او بود   قرب ہر کس حسب حال او بود

متکبر جنت نہیں جائے گا

اس کے بعد فرمایا کہ وہ امور کہ جن میں صفت کبریائی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ شمار میں آسکیں اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بہت کم ایسا ہے کہ اس سے عابدان، زاہداں اور علماء بچے ہوئے ہوں پھر عام مخلوق کس طرح اس سے علاحدہ ہو اور کبر ایک ایسی صفت ہے جو بندہ اور بہشت کے درمیاں حجاب ہے اور یہ حجاب بندہ کے درمیان حائل ہے اور مومنوں کا اخلاق بہشت کا دروازہ ہے یہ اس لئے کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ جس کو اپنے لئے محبوب رکھتا ہے

اسے مومنوں کے لئے محبوب نہ رکھے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ تواضع پر قادر نہ ہو کیوں کہ تواضع متقیوں کے روامز میں سے ہے اور یہ یہیں کی بات ہے جو فرمایا ' لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من کبر ' (جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا) اور مثنوی کے یہ دو شعر ارشاد ہوئے ؎

تو خدائی میکنی بے بندگی — کے ترا ممکن بود افگندگی
ہم بیفکن خویش را ہم بندہ باش — بندہ شود بندۂ افگندہ باش

بنی اسرائیل کے ایک شخص کا اہم واقعہ

اس معنی کے مناسب یہ حکایت بیان فرمائے گی کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جسے اس کے کثرت فسق و فجور کی وجہ سے فاسق و فاجر کہا جاتا تھا ایک دن وہ مفسد ایک ایسے شخص کے پاس سے گذرا جسے قوم بنی اسرائیل میں عابد کے نام سے شہرت حاصل تھی اور ایسی کرامت اسے میسر تھی کہ ابر اس کے سر پر سایہ کئے رہتا تھا اس نے اپنے دل میں کہا کہ میں مفسد بنی اسرائیل ہوں اور یہ شخص قوم کا عابد ہے اس کے پہلو میں اگر بیٹھوں تو اس کی برکت سے شاید اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اس خیال کے آتے ہی وہ اس کے بغل میں بیٹھ گیا عابد صاحب کے دل میں میں یہ بات آئی اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ میں قوم کا عابد اور یہ فاسق یہ کیوں کر میرا ہم نشیں ہوسکتا ہے عابد کو عار و ننگ پیدا ہوا اور اس سے کہا اٹھو یہاں سے اٹھو اللہ جل شانہٗ نے اس زمانہ کے پیغمبر علیہ السلام پر وحی بھیجی اور فرمان ہوا اس عابد سے کہہ دیجئے میرا معاملہ بڑا سخت ہے۔ ہم نے اس مفسد بنی اسرائیل کو بخش دیا اور عابد بنی اسرائیل کے تمام اعمال کو ملیا میٹ کر دیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس پر یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

بس زاہد و عابد کہ بیک جنبش آں زلف
از خرقہ بروں رفتہ و بہ زنار در آمد

پھر یہ شعر ارشاد ہوا ؎

ماہ رخا ہر کہ دید زلف تو کافر نماند
لیکن ہر آنکس کہ دید روے تو دیندار شد

اور فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہی ابر کا ٹکرا عابد کے سر سے ہٹ کر اس فاسق کے سر پر سایہ فگن ہوگیا۔

اور یہ قصہ دراصل تنبیہہ و ہدایت ہے اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کو کہ اللہ تبارک تعالیٰ کو اپنے بندوں کی خواری وانکساری مطلوب ہے۔ جاہل گنہگار نے جب تواضع کی تو اس نے خود کو خوار و کمتر سمجھا اللہ کے خوف سے ذلت وندامت کے ساتھ اطاعت کی تو اللہ عزوجل کے نزدیک متکبر عالم اور خود بیں عابد سے کہیں زیادہ مطیع اور فرماں بردار ہوا۔

حضرت علیؓ کی انکساری کا واقعہ

اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے مثنوی کے یہ اشعار پڑھے ؎

عجب درہم زن غرورت را بسوز — حاضر از نفسے حضورت را بسوز!
اے نگشتہ بردم از ادنی گر — درتنت ہر موئے فرعونے دگر
تاز تو یک ذرہ باقی ماندہ است — صدنشان اندر نفاقی ماندہ است

اور یہ حکایت بیان فرمائی، بندوں میں سے ایک بندہ نے کہا ہے کہ حضرت امیر المومنین علیؓ نے ایک درہم کا گوشت خریدا گوشت کو اپنے کپڑے میں رکھ کر وہ گھر لے جارہے تھے میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کام میں کردوں ارشاد ہوا ’ابی العیال احق ان یحمل‘ (بال بچے دار آدمی اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ اپنے بوجھ کو خود اٹھائے۔)

حضور ﷺ اپنا کام خود کرتے تھے

اور ایسی ہی نقل حضور رسالت پناہ ﷺ کی بھی ہے کہ بازار سے کوئی چیز جامہ اطہر میں رکھ کر دست مبارک میں لٹکائے ہوئے خانہ اقدس میں لاتے تھے اور حضور ﷺ کو اس جاہ و مرتبت کے باوجود ذرہ برابر کسی سے شرم وحیا نہ تھی، سبحان اللہ دین کے کتنے پاکیزہ اور کس درجہ پاک لوگ ہیں۔ یہاں حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے مثنوی کے یہ دو شعر پڑھے ؎

بندہ نبود آنکہ از روئے کذاف　　میز ند در بندگی پیوستہ لاف

بندہ وقت امتحاں آید پدید　　امتحاں کن تا نشاں آید پدید

پیر کی تواضع کی مثال

شیخ محمد المالقیؒ مجلس شریف میں حاضر تھے انہوں نے یہ حکایت بیان کی کہ ابوالوفاء نامی ایک شخص تھا جو پہلے چوری ڈکیتی کیا کرتا تھا ایک دن ایک جنگل میں تھا کہ ایک شخص وہاں اس کے پاس پہنچ گئے اس سے کہا اے ابوالوفا کب تک یہ کام کرتے رہو گے کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا ہے کہ اس کام سے باز آ جاؤ؟ ابوالوفا نے کہا جی ہاں! وقت آ گیا ہے ذرا ٹھرئے تا کہ جن لوگوں کا میرے ذمہ جو کچھ ہے اس سے سبکدوش ہو جاؤں ان دعویداروں کو خوشنود و راضی کر دوں اس کے بعد وہ گیا اور سب کا دین وغیرہ ادا کر کے ان بزرگ کے پاس آ کر دست بیعت کر لی اور ان کا مرید ہو گیا۔ اسی دن شیخ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ظہر کی نماز کے لئے مؤذن اذان دینے کو کھڑا ہوا ابوالوفا نے کہا ٹھرو ابھی وقت نہیں ہوا ہے مؤذن بیٹھ گیا کچھ دیر کے بعد پھر اذان کے لئے کھڑا ہوا ابوالوفا نے کہا ٹھہر و ابھی وقت نہیں ہوا ہے مؤذن خفا ہو کر کہنے لگے تیس سال سے ہم یہاں آذان دیتے ہیں یہ آج مسلمان ہوئے ہیں اور مجھے منع کرتے ہیں مؤذن گیا اور شیخ سے ماجرا کہا، شیخ باہر آئے تا کہ دیکھیں وقت ہوا ہے یا نہیں ناگاہ نظر آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ عرش کا پرندہ آذان کے لئے اپنے بازو پھیلا رہا ہے تا کہ نماز کے لئے آذان دے۔ ہاں ویسا ہی تھا جیسا کہ ابولوفا نے کہا تھا کہ ابھی وقت نہیں ہوا ہے صحیح ہے کہ وقت نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد شیخ نے کہا کہ آج کے دن یہ نعمت میں نے اس مرید کے سبب سے پائی ہے اس بات پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اسے ''تواضع پیر'' کہتے ہیں اس طریقہ پر مرید کی ترقی کراتے ہیں جس طرح پیران کہتے ہیں کہ یہ نعمت مجھے اس مرید کی بدولت حاصل ہوئی یہ پیروں کی تواضع ہے۔

تواضع کے صلہ کی مثال

اور اس مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی گئی کہ خواجہ فضیلؒ نے کہا اللہ رب العزت

نے پہاڑوں پر وحی کی کہ ہم اپنے ایک پیغامبر سے تم میں سے ایک پر کلام کریں گے ہر ایک پہاڑ نے سر بلند کیا کہ میں سب سے اونچا ہوں یہ دولت مجھے ملے گی مگر کوہ طور نے سر جھکا لیا اور خیال کیا کہ مجھ کمترین کو یہ دولت کیوں کر نصیب ہو سکتی ہے؟ حق سبحانہ تعالیٰ نے اسی طور سینا پر جناب موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور یہ اسی سبب سے ہوا جو کوہ طور نے تواضع اور خاکساری اختیار کی اور ایسا ہی امام مجاہدؒ نے کہا کہ جس وقت حق سبحانہ تعالیٰ نے قوم نوح کو غرقاب کیا اس وقت تمام پہاڑوں نے جو سب سے بلند تھے کہا کہ میں اونچا ہوں مگر جودی پہاڑ نے تواضع اور خاکساری دکھائی اور خود کو سب سے نیچا اور چھوٹا دیکھا تو اللہ رب العزت نے اسی خاکساری اور تواضع کے سبب جناب نوح علیہ السلام کی کشتی کی قرارگاہ اسی کو ٹھہرایا۔

انکساری وتواضع کے واقعات

روایت ہے کہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک رات کچھ لکھ رہے تھے ان کے قریب ہی ان کے ایک مہمان بیٹھے تھے چراغ گل ہو گیا روشنی کی ضرورت تھی مہمان نے چاہا اٹھ کر روشنی ٹھیک کر دیں عمر بن عبد العزیز نے کہا 'لیس من الکرم استعمال الضیف' یہ مہمان کے احترام کے خلاف ہے کہ مہمان سے کسی کام کے لئے کہا جائے۔ مہمان صاحب نے کہا خادم کو جگا دیتا ہوں کہا نہیں کچی نیند میں ہے ابھی سویا ہے خود اٹھے چراغ میں تیل ڈالا مہمان نے کہا امیر المومنین آپ خود اٹھے؟ عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ ہاں میں گیا اور چراغ درست کر آیا۔ میں عمر ہوں اور جب گیا تب بھی عمر تھا پھر جب یہ کام کر کے واپس آیا تو عمر ہی ہوں۔

اور امیر المومنین حضرت عمر ابن خطابؓ کسی کام کے لئے لپک کر چلتے اور فرماتے یہ تیز رفتاری کام سے قریب ہے اور کبر سے دور ہے۔

اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے بارہ میں مرقوم ہے کہ وہ جب بھی سجدہ کرتے تو پیشانی زمین پر ہوتی خاک کے علاوہ کسی چیز پر نہیں۔

اور ابو سلیمان دارانیؒ نے کہا کہ جس نے ذرہ برابر اپنی قدر و قیمت سمجھی اسے عبادت کی حلاوت میسر نہیں ہو سکتی۔

اور امام سفیان ثوریؒ نے فرمایا بہترین خلق پانچ ہیں (۱) عالم زاہد (۲) فقیہ صوفی (۳) تونگر متواضع (۴) درویش شاکر (۵) شریف نسبی۔

نقل ہے کہ ایک وقت حضرت ابوذر اور حضرت بلال رضوان اللہ میں تکرار ہوئی حضرت بلالؓ کو حضرت ابوذرؓ نے کہہ دیا کہ تم تو سیاہ فام ہو بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت رسالت پناہ ﷺ سے شکایت کی حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ اے ابوذرؓ میں یہ نہیں جانتا تھا کہ جاہلیت کے زمانہ کی بو ابھی تک تم میں باقی ہے؟ حضرت ابوذر نے جب یہ بات سنی تو حضرت بلال سے کہا کہ جب تک آپ میرے چہرے پر قدم نہیں رکھیں گے ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے اور خود کو حضرت بلالؓ کے آگے ڈال دیا انہیں قسمیں دے کر مجبور کر دیا کہ وہ ایسا کریں اور جب تک ان کے قدم کو چہرہ پر نہیں مل لیا اس وقت تک ان کو نہیں چھوڑا۔

امراء کے ساتھ تواضع کی ممانعت

مجلس شریف میں امراء کے ساتھ تواضع کرنے کا تذکرہ آ گیا کہ 'من تواضع غنیا بغنائه ذهب ثلثادینه ' (جس نے دولت مندوں کی دولت کیوجہ سے تواضع کیا تو اس کے دین کا دوتہائی جاتا رہا)۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا دوتہائی دین کے چلا جانے کی اس طور پر تاویل کی گئی ہے کہ دین کے کاموں کا تعلق تین چیزوں سے ہے، (۱) زبان سے، (۲) دل سے اور (۳) جوارح واعضا سے۔ تو جس وقت کسی امیر مالدار آدمی کی تواضع کرے گا زبان خوشامد اور عذر و معذور میں مشغول ہوگی۔ اعضا و جوارح تواضع میں بھی جھکنے پڑنے میں مشغول ہوں گے اب دین کے لئے صرف دل بچ گیا۔ اس تاویل سے دو چیزیں اس کے ساتھ مشغول ہوئیں تو دوتہائی دین چلا گیا اور یہ بذات خود محض تواضع ہی بن گیا اور جس وقت مصاحبت میں رہے گا دل بھی اس کے ساتھ مشغول ہو جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ یحیی بن معاذ رازیؒ نے فرمایا ہے کہ تکبر کرنا کسی پر یعنی کوئی اپنے مال کی فوقیت جتائے یہ تواضع نہیں ہے۔

ذلت کے برداشت کرنے کے بعد معنی کھلتے ہیں

مجلس شریف میں برائی خواری اور ذلت کی برائی کے برداشت کرنے کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ان چیزوں میں تحمل کرنا چاہئے جتنا بھی کوئی برائی کرے یا برا کہے اسے برداشت کرے اور اسی معنی کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ کشف المحجوب میں یہ حکایت آئی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ علی ہجویریؒ پر بست ہوا کسی طرح کشاد نہیں ہوتا تھا۔اس کے بعد اپنے شہر بسطام تشریف لے گئے حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ کے مزار مبارک کے پائیں میں چلہ کش ہوئے وہ معنی جو کہ قبض اور بست ہو گیا تھا وہاں کھل گیا وہاں سے چلے آئے کچھ دنوں کے بعد پھر وہی بست وقبض پیدا ہوا۔خیال فرمایا چلوں پھر بسطام چلوں حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار مبارک کے پائیں میں چلہ کشی کروں جس طرح پہلے کشاد ہو گیا تھا پھر کام ہو جائے گا اسی امید میں وہاں پہنچے جتنا بھر ممکن تھا طاعت ومجاہدہ کیا مگر کشاد نہ ہوا پریشان حال ہو کر وہاں سے سفر اختیار فرمایا حد درجہ شکستہ خاطر اور پریشان حال سفر کرتے رہے اسی پریشانی میں ایک جگہ پہنچے دیکھا کہ یہاں ایک خانقاہ ہے دل مبارک میں خیال آیا چلوں اس خانقاہ میں چل کر دیکھوں جب اس خانقاہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ چند صوفیا بیٹھے ہیں۔حضرت شیخ علیؒ کے حال کو دیکھنے سے ان لوگوں کو نفرت پیدا ہوئی سب کے سب متنفر ہو کر خانقاہ کے بالا خانہ پر چلے گئے۔شیخ علی ہجویریؒ وہیں زمین پر بیٹھ گئے۔اس کے بعد صوفیوں کے لئے کھانا اوپر لے جایا گیا ان لوگوں نے کچھ کھانا اور آدھی روٹی ان کی طرف اوپر سے پھینک دی شیخ علی ہجویریؒ نے روٹی اٹھالی اور اپنے پہلو میں رکھ لیا کچھ دیر کے بعد ان لوگوں کے لئے خربوزہ لایا گیا اور وہ لوگ کھانے میں مشغول ہوئے اور آپس میں خوش طبعی کرنے لگے اس خوش طبعی میں خربوزے کے چھلکے اور اس کے بیج شیخ علی ہجویریؒ پر پھینکنے لگے۔حضرت شیخ نے اس کو برداشت کیا وہ معنی جو کہ بستہ ہو گیا تھا ہر بار صوفیاء خربوزہ کے چھلکے اور اس کے بیج آپ پر ڈالتے جاتے تھے معنی کھلتا جاتا تھا یہاں تک کہ تمام چھلکے اور بیج شیخ پر ڈال دئے گئے وہ تمام معنی پورے طور پر کھل

گئے جو کہ اس درجہ مجاہدہ، محنت اور مشقت سے نہ کھلے تھے اس کے بعد حضرت شیخ علی ہجویریؒ نے خدا کا شکر بجالایا اور شاداں وفرحاں وہاں سے آکر ایک گوشہ میں مشغول بحق ہوئے۔

اس کے بعد حضرت سید علی ہجویریؒ نے فرمایا ہے کہ مجھے اس بات کا یقین ہوگیا کہ بزرگان دین جو جاہلوں اور نااہلوں کے ساتھ اختلاط وصحبت رکھتے تھے اس میں یہی راز تھا کہ ان کی جاہلیت ونادانی کے سبب اس طرح کی باتوں کو برداشت کرنے میں انہیں معنی کھلتے تھے اور ذوق پیدا ہوتا تھا وگرنہ اس پاک گروہ کو ایسے لوگوں سے کیا نسبت جو ان کی صحبت میں رہتے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا سبحان اللہ حضرت علی ہجویریؒ نے اس درجہ عبادت، ریاضت اور مجاہدے کئے کہ ہر روز تین مرتبہ غسل فرماتے تھے لیکن وہ اسرار ومعانی نہ کھلتے تھے وہ سب آخر ایک ذات کے برداشت کرنے سے کھل گئے اور پھر یہ دو شعر ارشاد فرمایا ؎

زاں سوے جہاں ست رہ رفتن باز　　　آں رہ بچپ وراست پس وپیش نیابی
از خویش بروں روز درست دروں آئی　　　تاگم نشوی گم شدۂ خویش نیابی

تکبر اور عجب کا لطیف فرق

حاضرین مجلس میں سے ایک نے عرض کی کہ تکبر اور عجب کے درمیان کیا فرق ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تکبر غیر کا متقاضی ہے جب تک کوئی دوسرا نہ ہو تکبر کا ظہور نہیں ہوتا بخلاف اس کے عجب ہے کہ وہ غیر کا متقاضی نہیں یعنی عجب کے لئے کسی غیر کا ہونا ضروری نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ ایک آدمی کے سوا اور کسی آدمی کو پیدا نہ کرتا صرف تنہا ایک ہی شخص ہوتا جب بھی یہ صورت ہوتی کہ وہ عجب میں مبتلا ہو جاتا۔ مگر تکبر کے لئے غیر کا ہونا ضروری ہے تکبر کا تصور ہی نہیں ہوسکتا جب تک غیر نہ ہو اور وہ یہ ہے کہ صفات و کمال میں خود کو دوسرے شخص پر بلند وبالا اور برتر دیکھے اور اگر دوسرے شخص کو اپنے سے بزرگ تر یا اپنے مانند دیکھے تو متکبر نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔



چھیالیسواں باب

لوگوں کے رسوم اور ہنسی و مزاح کے بیان میں

مجلس شریف میں لوگوں کے رسم و رواج کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ان رسوم اور بدعتوں کے بارے میں جو کہ لوگوں میں رواج پا گئے ہیں قوت القلوب میں ایک دو ورق آیا ہے اور یہ کتاب معتبر ہے یہ عہد رسالت پناہ ﷺ سے بہت قریب مرتب ہوئی ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ ہمارے زمانہ میں کچھ ایسی رسمیں رائج ہو گئی ہیں جن کو اسلامی رسمیں کہتے ہیں۔ اس وقت کے مسلمانوں نے نہ وہ اسلام دیکھا ہے جو ان سے پہلے تھا اور نہ خود ویسے مسلمان ہیں۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس قول پر فرمایا کہ وہ اسلام جو اگلوں میں تھا اس کی مہک بھی ہم لوگوں تک نہیں پہنچی ہے اس زمانہ کے مسلمانوں میں کوئی مشابہت اس زمانہ کے مسلمان سے نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ قوت القلوب میں یہ بھی مرقوم ہے کہ اگلے لوگوں

میں سے اگر کوئی کسی سے یہ پوچھتا ''کیف حالک ''تمہارا کیا حال ہے؟ تو اس سے ان کی مراد یہ نہ ہوتی تھی کہ تمہارا حال مال ومعیشت واملاک وغیرہ کے اعتبار سے کیا ہے جیسا کہ آجکل رائج ہے بلکہ اس سوال سے ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ کیف حالک مع امولاک تمہارا حال وتعلق تمہارے رب کے ساتھ کیسا ہے؟

اور اگر کوئی کسی سے یہ پوچھتا ہو کہ تم کیسے ہو اس سوال سے ان کی مراد یہ نہ ہوتی تھی کہ تمہاری صحت کیسی ہے تمہارے قوی کا کیا حال ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ دین کے معاملہ میں تم کیسے ہو؟ اور اگر یہ پوچھتے کہ سلامتی کے ساتھ ہو یعنی خیریت سے ہو تو اس سے مراد ان کی یہ ہوتی کہ تمہارا دین تو سلامت ہے؟ اور یہ نہیں پوچھتے کہ کہاں تھے اور کہاں سے آرہے ہو یہ اس لئے کہ یہ تجسس ہوگی اور اللہ رب العزت نے اس کو منع فرمایا ہے ولا تجسسوا کسی ٹوہ میں نہ رہو اس کے بعد فرمایا اس زمانہ میں اگر کوئی کسی کے پاس جائے اور وہ یہ نہ پوچھے کہ کہاں سے آرہے ہو تو اس وقت اسے بڑا سخت عیب خیال کریں گے یعنی اتنا بھی نہیں پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو۔

بعضوں نے کہا ہے کہ اس وقت اگر کوئی کسی کے پاس جاتا تو دستک نہیں دیتا دروازہ پر کھڑا رہتا اگر دوست باہر آگیا تو ملاقات کرلی ورنہ واپس لوٹ آتا۔ مگر صحابہ رضوان اللہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ اگر کسی صحابی کے پاس جاتے تو دروازہ پر ہاتھ نہیں مارتے اور نہ کسی سے یہ کہتے کہ جاؤ دوست کو خبر کردو کہ میں آیا ہوں اور اتفاقا وہ بھی باہر نہ نکلے یہاں تک کہ رات آگئی اور وہ رات بھر وہیں کھڑے رہے جب صبح ہوئی کسی نے پوچھا کہاں سے آئے ہیں کہا دوست سے ملاقات کو آیا تھا رات ہوگئی دوست باہر نہ آئے یہیں ان کے دروازہ پر رات گذاردی۔

آیت کا شان نزول

اس بیان پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ صحابی اس نص قرآنی پر عمل پیرا تھے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ''صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیر الھم ''(وہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کے پاس خود آجاتے تو یقیناً آپ ﷺ کا تشریف لے

جانا ان لوگوں کے لئے باعث رحمت ہوتا) یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی ہے کہ ایک قوم کو ایک جماعت کو قید کر کے لائی تھی اس کی قوم ان اسیروں کی رہائی کے لئے حضرت رسالت پناہ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئی حضور رسول کریم ﷺ قیلولہ فرما رہے تھے جب حضور ﷺ کے حجرہ اقدس کے در پاک پر آ کر اس قوم نے آواز دی کہ **یا محمد اخرج الینا** (اے محمد ﷺ ہمارے پاس آؤ)

اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر یہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ خود باہر تشریف لاتے تو یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے بھلائی ہوتی۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ اور اگلے مسلمان جو کسی کے پاس جاتے اور خبر نہیں کرتے تھے اور دوست کے باہر آنے کے منتظر رہتے تھے اسی نص قرآنی پر عمل کرتے تھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے موافق خیر اسی میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگلے مسلمانوں کی گفت وشنید اور روزمرہ کی بول چال سب میں مقصود دین ہوتا تھا اور اسی معنی کی یہ حکایت ہے کہ ایک بھائی کی دوسرے بھائی سے راہ میں ملاقات ہوئی تو اس نے نہایت ہی بشاشت اور خندہ روئی کا اظہار کیا دوسرے نے ذرہ برابر خندہ روئی اور بشاشت نہیں دکھائی اور کہا کہ اے بھائی ہم نے پیغامبر ﷺ سے سنا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "**اذا التقی المسلمان تتنزل علیھما مائۃ رحمۃ تسعون لا کثرھما بشرا وعشرۃ لا قلھما**" یعنی جب دو مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے اور ملتے ہیں تو سو رحمت ان پر نازل ہوتی ہے اور نوے رحمت اس پر ہوتی ہے جس نے زیادہ خندہ پیشانی اور بشاشت دکھائی اور دس اس کے لئے جس نے کم بشاشت دیکھائی۔ اس لئے میں نے یہ چاہا کہ تمام رحمت تمہارے حصہ میں آجائے۔

ایثار کی حقیقت

اسی روایت کی بنا پر بعضوں نے کہا ہے کہ ایثار کی حقیقت یہ ہے کہ آخرت کی اپنی خوشی وخرمی اور اس کا حصہ بھائی پر ایثار کرے یہ اس لئے کہ دنیا کون سی جگہ ہے جہاں کی خوشی

وخرمی کو ایثار کیا جائے اور حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ دو شعر پڑھا ؎

چیست دنیا و خلق استظہار　　　خاکدانی پر از سنگ و مردار
خانہ دان شکستہ زیر و زبر　　　نقش دیوار بہ درخت وصور

اور اسی مناسبت کی حکایت فرمائی کہ ایک بزرگ علیل ہوئے ان کی عیادت کے لئے آنے میں دوستوں نے دیر کی۔ ان لوگوں کے بارے میں انہوں نے پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ آپ سے وہ لوگ شرمندہ ہیں کیونکہ ان کے ذمہ آپ کا کچھ قرض ہے انہوں نے کہا ''اخزی اللّٰہ ما لا یمنع الا خوان عن الزیا رۃ ''یعنی خداوند تعالیٰ اس مال کو ہلاک کردے کہ جو بھائیوں کو بھائیوں کی زیارت سے باز رکھے۔ اور کہا کہ ندا کردیں کہ جس کے ذمہ قیس ابن سعید کا کچھ باقی بقایہ ہے سب معاف کردیا گیا اس اعلان کے بعد صبح سے شام تک عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہا اور مجمع لگا رہا اتنے لوگ آئے کہ ان کے دروازہ کا چوکھٹ شکستہ ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے مثنوی کے یہ دو شعر ارشاد فرمائے ؎

ہست دنیا آتشے افروختہ　　　ہر زماں خلقے دگر را سوختہ
کز ہمہ دنیا مسلم آیدت　　　کم شود تا چشم برہم آیدت

رسول اکرم ﷺ کے مزاح وخوش طبعی کی بہترین مثالیں

مجلس شریف میں مزاح اور خوش طبعی کا تذکرہ آگیا۔

حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا درویشوں کے درمیان جو مزاح ہے اس کی بھی اصل ہے۔

روایت ہے کہ ایک روز حضور رسول ﷺ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خانہ مبارک میں تشریف لائے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا آؤ ہم اور تم دونوں دوڑیں دیکھیں کون آگے نکلتا ہے۔ اس کے بعد دونوں نے حجرہ مبارک کے دروازہ سے دوڑنا شروع کی ام المومنین اس دوڑ میں رسول اللہ ﷺ سے آگے نکل گئیں۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ایک بار

پھر ہم دونوں دوڑیں چنانچہ دوڑ شروع ہوئی اس مرتبہ سرکار دوعالم ﷺ ام المومنین سے آگے نکل گئے اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ھٰذہٖ بتلک" (لو ادلے کا بدلہ ہوگیا) یہ اس کی ایک اصل (نص) ہے۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ ایک روز رسول کریم ﷺ حجرۂ مبارک میں تشریف فرما تھے آپ کی ایک جانب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسری طرف ام المومنین حضرت سودہ بنت ربیعہ رضی اللہ عنہا تشریف رکھتی تھیں اور حریرہ یا خربوزہ کا برتن سامنے رکھا ہوا تھا حضرت عائشہؓ نے حضرت سودہ سے کہا حریرہ کھاؤ حضرت سودہؓ نے کہا نہیں میں نہیں کھاؤں گی پھر حضرت نے کہا کھاؤ حضرت سودہؓ نے پھر انکار کیا پھر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ کھاؤ اگر نہیں کھاؤ گی تو ہم تمہارے چہرہ پر حریرہ مل دیں گے حضرت سودہؓ نے نہیں کھایا حضرت عائشہؓ نے حریرہ ہاتھ میں لیا اور حضرت سودہؓ کے چہرہ مبارک پر مل دیا رسول ﷺ ہنس پڑے اور حضور ﷺ نے حضرت سودہؓ سے فرمایا تم بھی حریرہؓ لو اور عائشہؓ کے چہرہ پر مل دو حضرت سودہؓ نے بھی حضرت عائشہؓ کے چہرہ انور پر حریرہ مل دیا حضور اکرم ﷺ ہنسنے لگے اور اس مرتبہ پہلے سے زیادہ ہنسے، ٹھیک اسی موقع پر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق ؓ در اقدس پر حاضر ہوئے رسول خدا ﷺ نے کہا جلدی بھاگو اپنے چہروں کو دھوڈالو دیکھو وہ ابوبکرؓ آگئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے اس انداز سے فرمایا کہ اس کی ہیبت مجھ پر ایسی طاری ہوئی کہ وہ ہیبت چند دن تک نہ ہٹی۔ اس بیان پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ہیبت حضرت صدیق اکبرؓ کے بزرگی کی طرف اشارہ ہے۔

صحابہؓ کا مزاح

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت ہے کہ انہوں نے امیر المومنین عمر بن خطابؓ سے کہا یا امیر المومنین آئیے ہم دونوں پانی میں غوطہ لگائیں دیکھیں کون زیادہ دیر تک دَم مارتا ہے اور وہ دن ماہ محرم کا تھا۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ صحابة رسول اللہ ﷺ یتباوحون بالبطیخ ای یزاد

مزو بالبطیخ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہ آپس میں ایک دوسرے پر خربوزہ کے چھلکے پھینکتے تھے۔

صوفیا کے یہاں مزاح میں اعتدال

صوفیوں کے آداب وطور طریقے رسول خدا ﷺ اور صحابہؓ کی اتباع میں ہوتے ہیں۔ لوگوں کی طبیعت اور مزاج کے مطابق ان پر رحمت کی وسعت کے خیال سے عمل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں حد اعتدال پر کوئی قائم نہیں رہ سکتا مگر حضرات صوفیا جو کہ نفس پر قابو رکھتے ہیں اور عالم ہوتے ہیں اخلاق اور طبیعتوں کا علم رکھتے ہیں اور وفور علم کے سبب خود پر پوری طرح قبضہ رکھتے ہیں اور اس لئے افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کی راہ پر قائم رہ سکتے ہیں لیکن مبتدی کو لازم ہے کہ ہنسی ومزاح کی کثرت سے پرہیز کیا کرے کیوں کہ علم کی قلت کی وجہ سے ان کے ساتھ نفس کی آفتیں لگی ہوئی ہیں۔

اور عوارف میں یہ بھی مذکور ہے کہ سعید بن عاصؓ نے اپنے صاجزادہ سے کہا کہ اپنی ہنسی مزاح میں کمی کیا کرو کیوں کہ اس کی زیادتی خوبیوں کو ختم کردیتی ہے اور اس پر دلیری حماقت اور برائی کو بڑھاتی ہے اس کا بالکل ترک کرنا موانست یعنی انس ومحبت رکھنے والوں کو ناخوش کرنا ہے اور اس کے کلیتہً ترک سے اہل صحبت کو وحشت میں ڈالنا ہے۔ لہٰذا یہ دلیل اس بات کی ہے کہ مزاح، ہنسی اور دل لگی میں حد سے تجاوز کرنا اور اس کا بالکل ختم کردینا دونوں ہی مذموم وبرا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا طریقہ مزاح

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ بستان ابواللیث میں مذکور ہے کہ مزاح میں کوئی خوف نہیں ہے بشرطے کہ ایسی کوئی بات نہیں کہی جائے جو گناہ ہو یا مزاح کرنے والے کا ارادہ ہو کہ لوگ ہنسیں اور ہنسی اڑائیں یہ مذموم ہے اور حضور اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ فرمایا حضور ﷺ نے ''انی امزح و لا اقول الاحقا'' یعنی میں مزاح کرتا ہوں لیکن سچی ہی بات کہتا ہوں اور حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ آکر مل جاؤ اور میرے بھائی سے کہا ''یـــا ابـــا عـــمیـــر مـــا فعل

النغیر ''(اے ابوعمیر تمہاری چڑیا کیا ہوئی ؟) نغیر نامی ایک چڑیا ہے جسے ابوعمیر پالتے تھے۔

اور روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت نے پیغامبر ﷺ سے کہا یا نبی اللہ میرے لئے دعا کیجئے کہ خدا مجھے بہشت میں داخل فرمائے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا عورتیں بوڑھی بہشت میں نہیں جائیں گی اس ضعیفہ نے رونا شروع کر دیا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کو آپ حضور ﷺ نے غمگین کر دیا تو پیغامبر ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی ''انا انشانھن انشاء فجعلنا ھن ابکارا عربا اترابا لا صحاب الیمین ''یعنی کل قیامت کے دن تمام عورتیں باکرہ ہم سن ہم عمر اور سہاگ والیاں ہوں گی کوئی بوڑھی نہ رہے گی پس وہ ضعیفہ نہایت خوش ہو گئیں۔

اور بستان ابواللیث میں یہ بھی ہے کہ کسی مرد کی کنیت ابوعمرہ تھی پیغامبر ﷺ نے ایک دن ان سے کہا یا ام عمرہ اس مرد نے اپنے اپنے غضوئے مخصوص پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں عورت ہو گیا ہوں؟ حضور پیغامبر ﷺ نے فرمایا انا بشر مثلکم یوحی الی اماز حکم میں تمہاری طرح بشر ہوں میں تمہارے ساتھ مزاق ہنسی کر رہا ہوں۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ بزرگوں نے کہا ہے ''مزاح'' ہر شخص سے نہیں کرنا چاہیئے ہاں اس شخص سے جس سے تمہاری شناسائی ہو آپس میں میل ومحبت ہو اور اس کے اخلاق وکردار سے تم واقف ہو اس سے مزاح ہنسی کی جائے تو درست ہے۔



سینتالیسواں باب

لباس کے بیان میں

مجلس شریف میں قاضی اشرف الدین نے عرض کیا لمبا کپڑا پہننا جیسے قمیص، کرتا، دستار یہ کیسا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اگلے لوگوں نے نہیں پہنا ہے لیکن دستار سادہ اس لئے کہ اس سے ہاتھ اور چہرہ صاف کرنے کا مصرف لیتے ہیں لیکن اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ دستار سے ہاتھ چہرہ صاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے تحریمی نہیں، بعض کا قول ہے کہ مکروہ نہیں ہے اگر مصرف لیں تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے یہ اس لئے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ وضو کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دستار مبارک سے چہرہ انور اور دست اطہر پاک صاف کیا ہے اور یہ دونوں ہی روایتیں جامع الصغیر میں ہیں۔

اس کے بعد پھر گذارش کیا کہ تمام کپڑے چھوٹا کرنا آیا ہے یا بعض؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کا حکم مطلق ہے کیوں کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وثیابک فطہر قیل فقصر** چھوٹے کپڑے بنوانے کے معنی یہ ہیں تاکہ وہ نجاست کی آلودگی سے محفوظ رہے اور یہ کفایت مؤنتہ ہے اور یہ بات اکثر کپڑوں کے لئے ہے چنانچہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے ایک کرتا پہنا اس کی آستین انگلیوں سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی حضرت علیؓ نے جتنا فاضل تھا اس کو چاک کر دیا۔

اس کے بعد اس خاکسار نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص بغیر اجازت پیر وہ کپڑا جو درویش سے منسوب ہے جسے کفنی کہتے ہیں اپنے گھر میں سہولت کی خاطر پہنے تو یہ مناسب ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ پہننا چاہئے اچھا ہے، جس کام سے حضوری دل پیدا ہو وہ سب کرنا بہتر ہے اور اس کپڑے کو اس نیت سے پہنے کہ یہ پاکبازوں کا لباس ہے شاید کہ حق سبحانہ تعالیٰ اس کی برکت سے وہ خاص وقت جو اس کے حضوری کا ہے عطا فرمائے اور اس کی لذت اور اس کا ذوق عنایت کرے۔

اس کے بعد خاکسار نے گذارش کی کہ درویشوں کے لئے جامۂ صوف کے پہننے کا کوئی خاص مقام ہے یا جس وقت چاہیں پہنیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ صوف کا پہننا سنت ہے منقول ہے کہ حضور رسالت پناہ ﷺ کی دنیا سے رحلت جامہ صوف ہی میں ہوئی ہے اور امام حسن بصریؒ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ستر ایسے صحابہ رضوان اللہ کو جو جنگ بدر میں شریک تھے دیکھا ہے ان سب کا لباس صوف ہی تھا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اصل گفتگو رنگین کپڑے کے پہننے کے بارہ میں ہے کہ رنگین کپڑا فقیروں کے لئے آسان تر ہے اس لئے کہ پسینہ اور میل اس میں بہت پچتا ہے اور اس کے جلد جلد دھونے کی حاجت نہیں ہوتی۔ مگر ہاں کچھ دنوں کے بعد البتہ دھونا پڑتا ہے اور اس میں اس

کے دل کو اس کام سے فراغت رہتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک درویش اپنے گوشہ عبادت سے باہر آئے ان کا کپڑا میلا تھا ان سے کسی نے کہا کیوں اسے دھو نہیں لیتے؟ انہوں نے جواب دیا اتنی فرصت کہاں ہے؟ اور رنگین کپڑا اختیار کرنے کے معنی یہ ہیں کہ فقرا اپنے اوقات کی نگہداشت میں ہوتے ہیں اس کے دھونے اور صفائی میں مصروف کم ہوتے وگرنہ ہر وہ لباس جو شیخ مرید کو پہنائے کافی ہے خواہ وہ سفید ہو یا اس کے علاوہ۔

اور مشائخ کو ولادت ایسی ہوتی ہے جس میں ان کے قصد و ارادے احسن ہوتے ہیں اور انہیں علم کا وفور رہتا ہے۔

بعض بزرگان طریقت ایسے ہوئے ہیں کہ جنہوں نے خود خرقہ نہیں پہنا ہے مگر راہ حق طئے کئے ہوئے ہیں۔ اور قوم ان سے علوم طریقت اور اس کے آداب سیکھتی ہے اور بزرگان سلف ایسے بھی گذرے ہیں جنہوں نے خود بھی خرقہ نہیں رکھا اور مریدوں کو بھی نہیں پہنایا۔ تو جنہوں نے خرقہ پہنایا ہے اس کا قصد بالکل صحیح اور اس کی اصل بھی درست ہے اور جنہوں نے نہیں پہنایا ان کا قصد بھی صحیح ہے کیونکہ مشائخ کے تمام تصرفات درستگی اور صحت محمول ہیں لیکن بعض متصوفہ نے اس بارہ میں غلو کیا ہے صوفیوں کے ہر لباس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ جب تک ایسا ویسا نہ ہو نہ پہنے "عوارف" میں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ گفتگو اہل تصنع کی ہے دین و حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

مرید کو پیر کے خرقہ پہنانے کا مسئلہ

حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ مرید کو پیر کے خرقہ پہنانے کا مفہوم کیا ہے؟ حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا ذکر بھی عوارف میں آیا ہے یہ پیر اور مرید کے درمیان ایک رابطہ ہے اور یہ کہ مرید نے پیر کو اپنے اوپر حاکم بنا لیا اور خرقہ پہننا اس بات کی علامت ہے کہ مرید نے خود کو پیر کے سپرد کر دیا اور وہ پیر کے حکم کے اندر آ گیا اور پیر کے فرماں برداری میں مرید کا آ جانا یہ ہے کہ اللہ کے حکم اور رسول کے فرمان میں آ جانا ہے اور یہ رسول خدا ﷺ کی بیعت کی اس سنت کو زندہ کرنا ہے جیسا کہ صحابہؓ سے منقول ہے کہ صحابہ نے کہا بایعنا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم علی السمع و الطاعۃ فی العسر و الیسر و المنشط و المکرہ و ان لا ننازع فی آیّ امر و ان نقول بالحق حیث کنا و لا نخاف لو مۃ لائم'' یعنی ہم نے بیعت رسول خدا ﷺ سے اس بات پر کی کہ وہ جو کچھ کہیں گے وہ ہم سنیں گے اور جس بات کا حکم دیں گے دشواری اور آسانی وخوشی اور غم کی ہر حالت میں عمل کریں گے اور جہاں تک ممکن ہوگا کسی کام میں کسی سے ہم جھگڑا نہیں کریں گے۔ جہاں کہیں بھی ہوں گے ہر موقع پر سچ کہیں گے اور دینی معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے) چنانچہ ''خرقہ'' پہنانا بیعت کرنا ہے اور پیر کو اپنے اوپر حاکم بنانا ہے اور بزرگوں نے کہا ہے کہ خرقہ پہننا صحبت میں داخل ہونا ہے اور خرقہ پہننے سے مقصود کلی صحبت ہی ہے اور ایک مرید کے لئے ساری بھلائی صحبت ہی میں ہے اور اسی سے اس کی تمام آب وتاب چمک دمک ہے۔ یہاں پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے دو شعر ارشاد فرمایا ؎

روز م تو بر فروز شبم را تو نور بخش — ایں کارتست کار مہ وآفتاب نیست
بے حلقۂ کمند سر زلف نیکواں — گر کعبہ می رویم دعا مستجاب نیست

اس کے بعد فرمایا یہ اسی سے متعلق ہے جو اکثر مشائخ نے فرمایا ہے لا یفلح من لم یر مفلحاً جس نے امن ونجات کی راہ نہیں دیکھی اس نے فلاح نہیں پائی اور فلاح ایک جامع لفظ ہے طالب حق کے جملہ مقاصد کے لئے بیشک یہ لفظ جامع ہے اور یہ فلاح اور کامیابی رسول خدا ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کی پیروی میں ہے کیونکہ جملہ صحابہ رضوان اللہ اجمعین نے پیغامبر ﷺ کی صحبت ہی سے علوم اور آداب حاصل کئے ہیں جیسا کہ بعض صحابہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول خدا ﷺ نے تمام چیزیں یعنی علوم وآداب سکھا دئے یہاں تک کہ اس کے بیان کرنے کا طریقہ بھی آنحضرت ﷺ سے ہم لوگوں نے سیکھا۔

حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ پیغامبر ﷺ نے کسی کو خرقہ پہنایا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں! منقول ہے کہ ایک دن چند کپڑے حضور ﷺ کی خدمت میں لائے گئے تھے ان کپڑوں میں ایک کرتا سیاہ رنگ کا چھوٹا تھا لوگوں کو

مخاطب فرما کر کہا آپ لوگ کیا کہتے ہیں یہ کرتا کسے پہنائیں سب خاموش رہے پھر خود ہی ارشاد فرمایا ام خالد کو بلاؤ۔ انہیں بلایا گیا خود اپنے دست مبارک سے وہ کرتا انہیں حضور ﷺ نے پہنایا اور دو مرتبہ فرمان ہوا اسے پہن کر پرانہ کرو۔

لیکن کہا گیا ہے کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ جس نیت سے مشائخ خرقہ پہناتے ہیں اور اس پر اعتماد رکھتے ہیں یہ چیز پہلے نہ تھی اور مشائخ رضوان اللہ علیہم کی یہ نیت اور اس پر ان کا اجتماع اور عمل مشائخ کے نزدیک مستحسن ہے۔

خاکسار نے عرض کیا عمامہ کی حد کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کم سے کم سات گز ہے اور یہ سات گز سربند ہے دستار نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔



اڑتالیسواں باب

صحبت اور اس کے مناسبات کے بیان میں

خواجہ خضر نائب مجد الملک جمعرات کی رات مجلس شریف دام شرفہ میں حاضر تھے انہیں دعوت دی گئی تھی، صحبت کے بارے میں تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا صحبت کے لئے بہت سی شرطیں ہیں جب کوئی شخص اس گروہ سالکین کی صحبت اختیار کرے تو اس کے لئے پہلی یہ دو شرط ہے اول یہ کہ وہ شخص اپنی مراد دوسرے کے حق میں ترک کر دے کیونکہ جب وہ اپنی مراد طلب کرے گا تو کہے گا کہ مجھے وہ دے دو اگر مجھے نہ دو گے تو ہم دونوں میں عداوت پیدا ہو گی چنانچہ ایسا شخص صحبت کے لائق نہیں۔

دوسری یہ کہ دوسرے کی حاجت اور مراد کو اپنے لئے خاص کر لے یعنی اس حال میں رہے کہ مجھے اس کی کون سی خدمت کرنی چاہئے اور اس نے کون سا کام کیا اور کیا نہیں کیا؟

دوسرے کی تمام حاجتوں اور ضرورتوں کو اپنے اوپر لازم کرلے اور اس امر میں خود کو قصوروار جانے (کہ مجھ سے حق صحبت ادا نہ ہوا) جب یہ شرط پوری کرلے تو ایسا شخص صحبت کے لائق ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اگر دو شخص آپس میں صحبت رکھتے ہیں اور ان دو میں سے کوئی کسی ایک کی زیر پائی یا جوتا پہننا چاہے اور وہ پہننے کی اجازت طلب کرے تو ایسا شخص صحبت کے لائق نہیں یہ اس لئے کہ جس وقت من وتو کا فرق درمیان میں آیا صحبت باقی نہیں رہی۔ اس گفتگو کے خاتمہ پر دستر خوان بچھایا گیا اور کھانا چنا جانے لگا، شیخ معز الدین اس خدمت کو کھڑے ہو کر انجام دے رہے تھے۔

خدمت کے بغیر کوئی مخدوم نہیں ہوسکتا

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ایک روز صحابہؓ کی جماعت حاضر تھی رسول خدا ﷺ کھانا کھلا رہے تھے اور اس خدمت کو بذات خود انجام دے رہے تھے کہ اس موقع پر ایک اعرابی پہنچے اور پوچھا 'من سید القوم'؟ (قوم کا سردار کون ہے؟) اس سوال سے اس اعرابی کی مراد یہ تھی کہ پیغامبر ﷺ کون ہیں؟ اس جملہ میں جواب دیا 'سید القوم خادمھم' لیکن سید القوم خادمھم ہر شخص کے لئے نہیں یہ اس لئے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو شخص بھی قوم کا خادم ہو وہ سردار قوم بھی ہو یہ مطلق نہیں ہے بلکہ مقید ہے رسول اللہ ﷺ کے حق میں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر واقعی کوئی سردار قوم بطور شفقت و تواضع قوم کی خدمت کر رہا ہے تو اس حدیث شریف کی دلالت ایسے شخص کے حق میں درست ہوگی اگرچہ صورتاً خدمت و خادمیت ہے لیکن از روئے حقیقت وہ مخدوم قوم ہے اس لئے کہ اس تواضع اور شفقت میں اس کے مخدومیت کا کمال و اثبات ہے۔

کمال صحبت کا مفہوم

اس کے بعد فرمایا دو شخصوں کے درمیان صحبت بھائی چارگی کا کمال یہ ہے کہ اگر ایک دوسرے کے مال میں تصرف کریں تو اذن و اجازت کی ضرورت نہیں ہے بغیر اذن کے ایک دوسرے کی چیزوں میں تصرف کریں۔

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ شرع میں اجازت نہ ہونے کی سند ہونی چاہئے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ غیر کے مال و ملک میں اجازت شرط ہے اور یہ اجازت صریحاً ہو یا دلالتاً جب کہ دو شخصوں کے درمیان صحبت کا عہد و پیان ہوا تو گرچہ صریحاً اذن و اجازت نہیں لیکن اس صحبت کے عہد و پیمان کے حکم کے تحت دلالتاً اذن ہے اور اس کی نظیر و مثال ہے جیسا کہ رفقائے حج کی صحبت میں ہوتا ہے اور کتاب الحج میں مرقوم ہے۔

کس کی صحبت اختیار کی جائے؟

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس شخص کی صحبت اختیار کی جائے اس میں پانچ خصلت ہونی چاہئے (۱) ایک یہ کہ وہ صاحب عقل ہو (۲) دوسری وہ اچھے اخلاق کا مالک ہو (۳) تیسری یہ کہ وہ فاسق نہ ہو (۴) چوتھی یہ کہ بدعتی نہ ہو اور (۵) پانچویں وہ دنیا طلبی میں حریص نہ ہو۔

حاضرین مجلس میں سے ایک نے عرض کیا کہ کیا پاکبازوں کی صحبت اختیار کرے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایاہاں! صالحین کی صحبت اختیار کرے لیکن کہا گیا ہے کہ صالحین چار قسم کے ہیں (۱) ایک سالک اور (۲) دوسرے مجذوب (۳) تیسرے سالک و مجذوب ایسے سالک ہیں جو جذب پائے ہوئے ہیں (۴) چوتھے مجذوب سالک یعنی جو جذب و سلوک طئے کئے ہوئے ہیں۔

شیخی کی اہلیت کی شرط

پھر گذارش کی ان میں کے ہر ایک خود شیخ ہیں اور یہ لوگ اقتدا کے لائق ہیں یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا، یوں کہا گیا ہے کہ جو محض سالک ہیں وہ شیخی کی اہلیت نہیں رکھتے۔ نفس کے صفات کے باقی رہنے کے اعتبار سے وہ شیخی کے مقام میں نہیں پہنچے ہیں، اس قول کے مطابق کہ مجاہدہ اور مجادلہ کی تکلیف ان کی روح کے لئے راحت ہو جائے ایسا کہ یہ ان کا حال ہو۔

مجذوب اور ان کے اقسام

مجذوب محض وہ ہیں کہ حق سبحانہ تعالیٰ ان پر اپنی آیات اور نشانیوں کا کشف تعین فرمادیتا ہے ان کے دل سے پردہ ہٹا دیتا ہے اور معاملات کے طور و طریقے کے قید و بند سے آزاد

ہوتے ہیں یہ بھی شیخی کے لائق نہیں اور سالک مجذوب (ایسے سالک جو جذبہ سے آراستہ ہیں) یہ وہ ہیں کہ ان کے کاموں کی ابتدا مجاہدات سے ہوتی ہے اوران کے معاملات میں اخلاص ہوتا ہے پھران کو مجاہدہ کی تکلیف سے میدان حال میں لے آتے ہیں اس کے بعد حنظل تلخ کو شہد کے شربت میں تبدیل کردیتے ہیں اور مشاہدات کے دروازے ان پر کھول دیئے جاتے ہیں غیبی فتوح وکشائش کی بارش ہونے لگتی ہے اس کے باوجود ایسے لوگ اپنے حال میں محبوس ہوتے ہیں اور اپنے حال کے حکموں میں لگے رہتے ہیں یہ اپنے حال کی قید سے آزادنہیں ہوتے ہیں شیخی میں جو کمال تر مقام ہے اس تک پہنچنے کی نسبت سے اتنا بھر کمی رہ جاتی ہے۔

چوتھی قسم مجذوب سالک (وہ مجذوب جو سلوک سے آراستہ ہیں) وہ ہیں کہ یہ اپنے حال کی قید سے آزاد ہوتے ہیں جیسا کہ میں نے اوپر کہا۔

مشائخ کی ذمہ داری

اس کے بعد فرمایا صوفیوں کی راہ میں شیخی کا مرتبہ نہایت ہی اعلیٰ وارفع ہے یہ خلق خدا کو اللہ کی جانب دعوت دیتے ہیں وہ نبیوں کے نائب ہیں، شیخ خداوند تعالیٰ کے لشکر میں سے ہوتے ہیں کہ وہ مریدوں کو سیدھی راہ دکھلاتے ہیں اور طالبان حق کو ہدایت فرماتے ہیں ان کی رہنمائی کرتے ہیں اور یہ سنت اسی طور پر جاری ہے۔

مرید کو مرشد سے نفع وفیضان کی کیفیت

کہتے ہیں کہ جب مرید صادق شیخ کے حکم کے تحت ہوا اور شیخ کی صحبت اختیار کی اور آداب ان سے حاصل کیا تو مرید کے باطن میں شیخ کے باطن سے حال بٹنا شروع ہوجاتا ہے جس طرح ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوتا ہے اور شیخ کی باتیں مرید کے باطن کو سنوارتی ہیں اور وہی مقالات شیخ مرید کے حال کا نفاست اور پاکیزگی کے لئے اس کے باطن میں امانت کے طور پر رکھی جاتی ہے شیخ کے حال کی مرید کی طرف منتقل ہونا صحبت ہی کے ذریعہ ہوتا ہے اور یہ تمام باتیں اس وقت تک نہیں ہوسکتیں جب تک کہ مرید خود کو شیخ کے سپرد نہ کردے اور اپنے آپ کی قید سے نکل نہ آئے اور اپنے ارادہ سے بالکلیہ باہر نہ آجائے اور اپنے ارادہ کو

ترک کر کے شیخ کے ارادہ میں فانی ہو جائے تب صحبت کرنے والے اور جس کے ساتھ صحبت کی گئی (یعنی پیر و مرید) کے درمیان اللہ کی الفت کا ارتباط اور امتزاج ظاہر ہوگا اور اس وقت مرید پیر کا ایک جزو ہو جاتا ہے جس طرح لڑکا ولادت طبعی میں باپ کا ایک جزو ہوتا ہے اسی طرح ولادت معنوی میں مرید پیر کا ایک جزو ہے اس کے بعد یہ شعر ارشاد ہوا ؎

در دولت گرفتہ باش حسن　　　تو چہ دانی مگر کشادہ شود

مرید کی ولادت معنوی

یہ اسی سے متعلق ہے جو کہتے ہیں کہ ولادت معنوی میں مریدوں کو پیروں کے ساتھ رضاعت کا وقت ہے اور فطام (دودھ چھوڑانے کا) کا جس طرح ولادت طبعی میں ہوتا ہے تو رضاعت کا وقت ایسا ہے کہ وہ وقت صحبت کے لئے لازمی ہے اور شیخ یعنی پیر اس وقت کو جانتا ہے مریدوں کو نہیں چاہئے کہ شیخ سے جدا ہو جب تک کہ شیخ کی اجازت نہ ہو اور خود شیخ بھی اجازت جدا ہونے کی نہیں دیتے مگر اس کے بعد کے وہ جان لیں کہ فطام کا وقت آ گیا ہے اور اسے اس بات کی قدرت حاصل ہوگئی ہے اور وہ بذات خود آگے بڑھنے کے لائق ہو گیا ہے یعنی مستقبل ہو گیا ہے اور استقبال اس کی ذات کا یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے فہم کے دروازے کھول دئے گئے ہیں فطام کے وقت کے قبل جس وقت بھی مرید پیر کی صحبت سے جدا ہوگا تو اس کی راہ مسدود ہو جائے گی وہ دنیا طلبی کی طرف لوٹ آئے گا اور ہوا و ہوس کا شکار ہو جائے گا اور یہ مرید کی ہلاکت ہے جس طرح ولادت طبعی میں ہوتا ہے کہ اگر طفل شیر خوار فطام سے پہلے ماں سے جدا ہو جائے تو یقیناً اس بات کا گمان ہے کہ وہ بچہ ہلاکت میں پڑ جائے گا پس مرید میں یہ بات ہونی چاہئے کہ ؎

چوں نیست مراقبلہ جز قبلہ روے تو　　　گر روت بگردانی من قبلہ بگردانم

صحبت کے حصول کی تین قسمیں

حاصل صحبت تین قسم پر ہے (۱) ایک یہ کہ اس شخص کی صحبت اختیار کی جائے جو تم سے اعلیٰ ہو یہ درحقیقت خدمت ہے (۲) دوسرے اس شخص کی صحبت کی جائے جو تم سے کمتر ہو

اس صحبت میں تمہاری جانب سے شفقت اور رحمت ہونی چاہئے اور اس کی طرف سے تمہاری رفاقت اور عزت کا جذبہ ہونا چاہئے اور (۳) تیسری قسم اپنے ہم جنس کی صحبت ہے اس میں دونوں جانب سے ایثار اور فتوت کا ہونا لازم ہے۔

نوجوانوں کی صحبت کی ممانعت

قاضی منہاج الدین دروں حصاری ''وصیت شیخ الشیوخ'' پڑھ رہے تھے جب اس عبارت پر پہنچے 'ولا تصحب الاحداث' (نوجوانوں کی صحبت اختیار نہ کرو) تو حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس احداث سے نوجوان مراد ہیں یعنی جوانوں کے ساتھ صحبت اختیار نہ کرو اس لئے کہ مریدوں کو پیران طریقت پہلی ہدایت یہ کرتے ہیں کہ جوانوں کی صحبت سے دور رہا کرو کیونکہ جوانوں کی صحبت اگر اختیار کرو گے تو وہ ہمہ وقت نفس کی لذت و خواہشات میں سرمست رہتے ہیں مرید چونکہ مبتدی ہے اور شروع ہی سے مجاہدہ اسے درکار ہے تو ہوسکتا ہے کہ جوانوں کی صحبت سے یہ بھی اس میں مبتلا ہو جائے اسی غرض سے ایسوں کی صحبت سے اسے روکا جاتا ہے۔

فاسق وبدعتی کی صحبت کی ممانعت

پھر فاسق اور بدعتی کی صحبت کا تذکرہ آ گیا حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ان دونوں کی صحبت بھی ممنوع ہے جس طرح نوجوانوں کی صحبت منع ہے یہ اس لئے کہ 'الصحبة تؤثر' (صحبت کا اثر ہونا لازم ہے) اور دوسری بات یہ ہے کہ پیغامبر ﷺ نے فرمایا ہے 'المرء علی دین خلیله فلینظر احد کم مع من یخال' (انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اس لئے تم میں سے ہر شخص غور کرے کہ وہ کس کے ساتھ محبت رکھتا ہے) پس جب لوگ اپنے دوست کے دین کو اختیار کریں تو لازم ہے کہ بدعتی اور فاسق اور اس طرح کے لوگوں کی صحبت سے خود کو دور رکھیں۔

اور خواجہ سہیل تستریؒ نے فرمایا ہے آدمیوں کے اس تین فرقہ سے پرہیز کرو 'من الجبار الغافلین و القراء المداهنین و المتصوفة الجاهلین'' یعنی ظلم وزیادتی

کرنے والے غافل اور چاپلوسی کرنے والے خوشامدی اور جاہل صوفیا کی صحبت اختیار نہ کرو۔

امرا کی صحبت سے پرہیز

مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ فرمایا کہ امراء کی صحبت سے دور رہا کرو اور انہوں نے وضاحت فرمائی کہ یہ لوگ ہر وقت شان وشوکت فخر وڈینگ اور دنیاوی لذتوں میں ڈوبے رہتے ہیں جب طالب حق ان کی صحبت اختیار کرے گا تو اسے بھی اس قعر مذلت میں ڈال دیں گے اور اس پر طعن کریں گے تو ہوسکتا ہے کہ اس کی طبیعت بھی اس طرف مائل ہو جائے اور حصول دنیا کا عزم پیدا ہو جائے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ حضور رسول ﷺ نے امراء ودولت مندوں کو مردہ فرمایا ہے اور اس موت سے مراد دل کی مردگی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ موت اور زندگی قلب کی ہے تو جس کا دل ہر وقت دنیا میں مشغول ہے اور مولی کی یاد سے غافل ہے اسے مردہ دل کہیں گے اور جس کا دل ہمہ وقت اللہ کی یاد میں لگا ہوا ہے اسے زندہ دل کہتے ہیں۔

دوست کیسا ہو؟

اس کے بعد فرمایا صحبت نہ کرو ایسے شخص کی مگر جو کہ تمہارے راز کو پوشیدہ رکھے اور تمہارے عیبوں کو چھپائے اور ہر شدت وتکلیف میں تمہارا ساتھ دے اور تجھ کو تمام نیکیوں میں اپنے لئے پسند کرے اور غائبانہ تمہاری نیکیوں کا ذکر کیا کرے اور تمہاری برائیوں کو چھپایا کرے، اگر ایسا دوست نہ ملے تو اس کی صحبت نہ کرو اور اغلب یہی ہے کہ ایسا دوست نہیں ملتا نایاب ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ ؎

صحبت نیکاں زجہاں دور گشت   خانۂ عسل خانۂ زمین گشت

اور فرمایا کہ خواجہ ذوالنون مصریؒ نے کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی دوستی نہ کرو مگر اس کی تابعداری کے ساتھ اور لوگوں کی صحبت نہ کرو مگر نصیحت کرنے کے لئے اور نفس کے ساتھ دوستی نہ کرو مگر اس کی مخالفت کے واسطے اور شیطان کے ساتھ دوستی نہ کرو مگر اس کی عداوت کے لئے۔

اور ایک بزرگ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا دوستی کرو حق تعالیٰ کے ساتھ اور اگر یہ تم سے ممکن نہ ہوا ایسے شخص کی صحبت کرو جو حق تعالیٰ کے ساتھ قربت رکھتا ہو، تا کہ حق تعالیٰ

کی قربت کی برکتیں تجھ تک پہنچ جائیں یہاں یہ شعر زبان گوہر فشاں سے ارشاد ہوا ؎

ہر کہ در کوئے تو عاقبتت خواہد دید　　ہر کہ در خلد رود عاقبتش دیدار است

دیگر

منم و بادیہ حیرت و گمراہے چند　　تو عناں بازکش اے خواجہ کہ گمراہ نہ

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جس کسی کو دوست بنایا جائے وہ اللہ کے لئے اور جس کسی سے دشمنی کی جائے وہ بھی محض اللہ ہی کے لئے کی جائے۔

ایمان کا مضبوط رشتہ

اور حدیث شریف میں ہے کہ ایمان کا سب سے مضبوط ترین رشتہ یہ ہے 'الحب فی اللّٰہ و البغض للّٰہ' (اللہ تعالیٰ کے لئے ہی دوستی اور محبت اور اسی کی خواطر دشمنی ہونی چاہئے) اس حدیث شریف کی رو سے واجب ہوتا ہے کہ آدمی کے دشمنان ہوں مگر اللہ کے لئے۔اسی طرح دوستوں کا بھی ہونا ہے کہ دوست ہوں مگر اللہ کے لئے اور یہ ایسا ہے کہ کہتے ہیں کوئی شخص دوست دشمن سے خالی نہیں ہے۔

کس کے ساتھ صحبت اختیار کی جائے؟

اور جناب عیسیٰ پیغامبر علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرمایا اللہ جل شانہ کی محبت کی جستجو کرو بدکاروں کے ساتھ دشمنی کر کے اور رب العزت کی قربت کی تلاش کرو ان سے دور رہنے میں اور خداوند تعالیٰ کی رضا کی درخواست کرو، ان سے دشمنی کرنے میں۔تو عرض کیا کہ یا روح اللہ کس کے ساتھ صحبت رکھوں ارشاد ہوا کہ ایسے شخص کی صحبت اختیار کرو جو تمہیں حق سبحانہ تعالیٰ کا دیدار کرادے اور اس کی باتوں سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور اس کا عمل تمہیں آخرت کی طرف راغب کرے۔

معیار محبت

روایت ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام پر حق سبحانہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہوئی کہ خالص میرے لئے کوئی عمل آپ نے کیا ہے؟ جناب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ الٰہی آپ کے لئے ہم

نے نماز ادا کی روزہ رکھا صدقہ دیا اور آپ کا ذکر کیا۔ فرمان باری تعالیٰ ہوا، نماز تمہارے لئے روشنی اور چراغ ہے روزہ تمہارا ڈھال ہے اور صدقہ تمہارا چھاؤں اور ذکر تمہارے لئے نور ہے پھر وہ کون سا عمل ہے جو خاص میرے لئے تم نے کیا؟

جناب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا خداوندا مجھے بتا دیجئے کہ وہ کون سا عمل ہے جو خاص آپ کے لئے ہے جواباً ارشاد ہوا اے موسیٰ کیا آپ نے کسی کو میرے لئے خاص دوست بنایا اور کسی کو خاص میرے لئے دشمن بنایا۔ جناب موسیٰ کو اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ تمام اعمال میں افضل ''الحب فی اللّٰہ و البغض اللّٰہ'' ہے۔

یہاں پر اس باریک نکتہ کو اچھی طرح ملحوظ رکھنا چاہئے کہ جو شخص کسی سے محبت کرے اس کے لئے لازم ہے کہ اس کے دوست کو بھی دوست رکھے، اس سے بھی اور اس کے نوکر، چاکر، خادم اور غلام سے بھی محبت کرے اور جو شخص اس کے دوست کی تعریف کرے اور وہ دوست جس شخص کی مدح و ثنا کرے ان سب سے بلکہ ہر اس شئے سے جس میں اس کے دوست کی خوشنودی ہو سب سے پیار و محبت کرے جیسا کہ ایک بزرگ نے کہا ہے 'المؤمن اذا احب المؤمن أحب کلبه 'یعنی جب ایک مومن کسی مومن سے محبت کرتا ہے تو اس کی دوستی کی بنا پر اس مومن کے کتا سے بھی پیار کرے۔ تو جب اس محبت میں پختہ ہو جائے اور اس محبت کا غلبہ حاصل ہو جائے اس طرح کہ اس کی اس محبت کا اشتہار ہو جائے اور وہ اپنی اس محبت میں حریص ہو چنانچہ وہی محبت اس سے آگے تجاوز کر جائے اور اس کی محبت خداوند تعالیٰ کے تمام موجودات میں غالب آجائے اس وجہ سے کہ یہ سب اسی کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ چنانچہ جب کوئی نئی چیز حضور پیغامبر علیہ السلام کے پاس لائی جاتی تو حضور اکرم ﷺ اسے آنکھوں سے لگاتے اکرام فرماتے ارشاد ہوتا 'انه قریب العهد بربنا '(بیشک یہ ہمارے پروردگار سے قریب ہے اپنے وجود کے اعتبار سے) یہ نئی چیز بارگاہ دوست کی جانب سے پہنچی ہے۔ اور ایسا ہی ہے کہ جب کوئی کسی سے محبت کرے تو اس کی محبت اس حد تک ہونی چاہئے کہ اس کے کپڑوں سے بھی اسے پیار ہو اور جو چیز اس کی جانب موسوم ہو اس کے گھر بار اس کے ہمسایہ

سب سے پیار و محبت رکھے اور اسی معنی کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے ؎

من از ینجا نروم یار اگر رفت چہ شد　　آخر این خانہ ہماں و درو دیوار ہماں

خداوند عز وجل کی محبت ایک جماعت کو ایسی حاصل ہے کہ ان کے لئے دوست و دشمن بلا و نعمت سب یکساں ہیں اس میں کوئی فرق نہیں باقی رہتا' فان الکل منه '(بیشک تمام چیزیں اسی کی محبت کا صلہ ہیں) حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر یہ اشعار ارشاد فرمایا ؎

از مہر بتاں سوئے عشاق پیام است　　کز عشق ہر آنکس کہ کند توبہ حرام است

کز عشق گناہی است کز و توبہ گناہ است　　امید وصال و غم ہجراں ہمہ خام است

اور یہ رباعی بھی پڑھی گئی ؎

چوں از تو بجز عشق نہ جونم بجہاں　　ہجراں ووصال تو مرا شد یکساں

بے عشق تو بودنم نباشد ساماں　　خواہی تو وصال جوئی خواہی ہجراں

مخلوق کے اقسام

مجلس شریف میں عوام کی صحبت کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا خلاصہ مخلوق تین طرح پر ہیں۔(۱) عوام (۲) خواص اور (۳) خاص الخواص۔

عوام وہ ہیں کہ اپنی تمامی عمر میں جب سے کہ وہ صاحب عقل ہوئے ہیں کوئی نہ کوئی کام خلاف شرع کئے ہیں حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ خود عوام بھی کہتے ہیں میں کیا کہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان عوام کی نسبت جس کی تمام عمر میں شرع کے خلاف کوئی چیز وجود میں نہ آئی ہو وہ خاص ہیں اور جسے شوق و محبت ہو وہ خاص الخواص ہیں۔ تاہم خصوصیت کی یہ نسبت خاص حضرت رسالت پناہ ﷺ کے لئے آئی ہے اس خصوصیت کی نسبت سے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب کے سب عوام ہیں۔

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ درویشوں کی جو تکیہ گاہ ہوا کرتی ہے اس کی

اصل کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کی روایت نظر سے نہیں گذری ہے لیکن راحت وآرام کے لئے وضع کئے ہیں۔

درویش کی قسمیں

درویشاں دو طرح کے ہوتے ہیں۔ایک وہ کہ ہمہ وقت عبادت میں مشغول ہیں اور ایک وہ کہ ہمہ وقت صحبت میں ہیں وہ لوگ جو صحبت میں مشغول ہیں تکیہ گاہ انہیں کے لئے ہے اور اسے تکیہ صحبت کہتے ہیں اور وہ جو ہمہ وقت عبادت میں مشغول ہیں تکیہ کی انہیں کہاں فرصت ہے؟

مجتہدین کی شان

قاضی اشرف الدین حجرۂ پاک میں ''اصول الشاشی'' پڑھ رہے تھے جب سبق اس جملہ پر پہنچا کہ 'قال اصحابنا کذا' ہمارے رفقا نے ایسا کہا ہے تو پوچھا 'قال اصحابنا و قال علمائنا' دونوں ایک ہی ہے لیکن اس عبارت 'قال اصحابنا' کو اہل اجتہاد کی زباں سے جاننا چاہیئے کیوں کہ مجتہدین کے علاوہ غیروں کے لئے اس جملہ کا کہنا ان کے شایان شان نہیں ہے اور یہ ادب کے خلاف ہے یہ جملہ وہی کہ سکتا ہے جس میں تقابل اور برابری ہو اور یہ حکایت بیان فرمائی۔

خدمت وصحبت

کسی بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آپ فلاں بزرگ سے صحبت رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا یہ نہ کہو کہ صحبت رکھتے ہیں بلکہ یہ کہو کہ خدمت کرتے ہیں۔

کینہ مذموم ہے

شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ اگر کوئی کسی کو اس کے سامنے کھڑا ہو کر برا بھلا کہے اور اس کو اس کے برا کہنے سے ملال ورنج ہو اور کینہ اس کے دل میں پیدا ہو، ایسا کینہ مذموم ہوگا یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ایسے موقع میں ٹالنا مناسب ہے اس کی

بدکلامی کو نکال دے اور اس پر دھیان نہ دے لیکن کینہ مذموم ہے۔

بدکلام شخص سے میل جول کرے یا نہیں؟

پھر گذارش کی کہ ایسے شخص سے صحبت اور میل جول رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

فرمایا کہ تین دن کے بعد وہ خود صلح وصفائی کرلے گا اور اس سے رنجش باقی نہ رہے گی۔ پھر فرمایا اگر اسے سخت کلامی پر اصرار نہ ہوتو میل وموافقت رکھے۔

مولانا نظام الدین درون حصاری نے عرض کیا کہ اگر ہر وقت وہ شخص بدکلامی کرے اور اس پر اسے اصرار ہوتو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ فرمایا خود احتیاط کرے اختلاط و صحبت نہ رکھے یہ اس لئے کہ اگر کسی سے گناہ کا صدور ہوتا ہے تو یہ دو طرح پر ہے ایک یہ کہ ان کا یہ گناہ اسی کی جانب جاتا ہے جیسے شراب کا پینا یا اس کا گناہ دوسرے شخص پر اثر انداز ہوتا ہے جیسے کسی کا مال کوئی غصب کرے یا کسی دوسرے پر ظلم وستم کرے۔ اگر ایسے گناہ میں مبتلا ہے جس کا تعلق صرف اس کی ذات سے ہے ایسے شخص سے میل، جول صحبت کرنے میں بزرگوں کے چند اقوال ہیں بعض لوگ ایسے شخص سے میل جول کو جائز کہتے ہیں اور بعض نہیں کہتے ہیں لیکن جہاں پر اس کا گناہ کسی دوسرے شخص پر اثر انداز ہوتا ہے اس میں سب متفق ہیں کہ ایسے شخص سے ارتباط وصحبت نہیں رکھنا چاہئے تو اس کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے کہ اگر کوئی شخص ہر وقت بدکلامی کرنے پر تلا ہوا ہے اور سخت کلامی میں مبتلا ہے تو وہ معصیت میں ہے لہٰذا ایسے شخص کے ساتھ میل جول صحبت نہیں کرنی چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



انچاسواں باب

تذکیر اور وعظ کے بیان میں

مجلس شریف میں تذکیر و وعظ کا تذکرہ آ گیا۔

قاضی منہاج الدین درون حصاری نے عرض کیا کہ تذکیر کے کیا معنی ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ وعظ و نصیحت کرنا اور لوگوں کو حق کی جانب دعوت دینا ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت ہے کہ 'وذکر فان الذکری تنفع المومنین '(وعظ و نصیحت کی محفلیں قائم کیجئے بیشک نصیحت مومنوں کے لئے نفع بخش ہے۔ اور رسالت پناہ ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا 'اذامررتم بریاض الجنة فارتعوھا قیل وماریاض الجنة قال مجالس الذکر 'یعنی جب تم بہشت کے باغوں سے گزرو گے تو تم اس میں چرو گے اور چگو گے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بہشت کے باغ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ذکر کی مجلسیں۔

خواجہ عطارؒ سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ ذکر کی صرف ایک مجلس لہو ولعب کی ستر

مجلسوں کا کفارہ ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ اس زمانہ میں واعظوں کو امید دلانے والی باتیں زیادہ نہیں بیان کرنی چاہئے بلکہ خوف اور ڈر کی باتوں میں مبالغہ کرنا چاہئے کیوں کہ خوف دلانے والی باتیں راہ حق پر لانے میں زیادہ کارآمد ہوں گی محض امید دلانے والی تقریر سے اس کا کھٹکا ہے کہ لوگ ہلاکت میں نہ پڑ جائیں مگر ایسے لوگوں کے لئے جو ناامید ہو گئے ہوں یا جن کو خوف کا غلبہ ہو ان کے لئے رحمت اور امید کی باتیں بیان کرنا سودمند ہوگا۔ حضرت امیر المومنین علیؓ سے روایت ہے کہ عالم وہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ کرے اور اللہ کے کرشموں اور اس کی گرفت سے بے خوف بھی نہ بنائے واعظوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ ضرورت کے مطابق خوف اور امید دونوں کو اپنے واعظ میں بیان کریں جس طرح ایک معالج دوا ضرورت اور حاجت کے مطابق تجویز کرتا ہے نہ کہ اس ابلہ اور ناداں معالج کی طرح جو یہ سمجھے کہ ہر دوا ہر مریض کے لئے ہر موقع پر مفید ہی ہوگی۔ اور اس شعر کا مطلب یہی ہے ؎

روشن تر از آفتاب رائی　　تا بشناسد مزاج ہر سودائی

مواعظ حسنہ کا معنی کیا ہے؟

حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ موعظت حسنہ جو اس آیت کریمہ 'ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة' میں ہے اس کے معنی کیا ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کہا گیا ہے 'الدعاء الی سبیل اللہ' لوگوں کو حق تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی پر آمادہ کرنا ہے اور ان کو حق تعالیٰ کے احکام کی مخالفت سے روکنا ہے اور بلانا حکمت کے ساتھ یہ ہے کہ جس کام کے لئے لوگوں کو تم کہتے ہو اس قول پر خود تمہارا عمل ہو اور تمہارا فعل تمہارے قول کے خلاف نہ ہو اور موعظت حسنہ یہ ہے کہ وعظ کہنے والے کے وعظ سے علم و خیر کا صدور ہو، خود اسے بھلائی اور نرمی حاصل ہو، وعظ سختی ملامت 'غصہ' شرمندگی و ندامت وغیرہ سے پاک ہو کیوں کہ لوگوں کو اللہ کی طاعت کی طرف بلانا نبیوں کی نیابت کرنا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بزرگان دین جو واعظ، نصیحت اور تذکیر کرتے ہیں وہ ایسا نہیں ہے کہ کچھ لکھا ہوا یاد کرلیا اور اسی کو بیان کردیا بلکہ ان لوگوں کے دل پر جو اللہ کی جانب سے طاری ہوتا ہے اسی بات کو خلق سے بیان کرتے ہیں خلق کو اللہ کی طرف سے اللہ کی باتیں بتاتے ہیں اور اسی معنی کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی۔

شیخ عثمان خیر آبادیؒ کچھ دنوں تک خلق سے کنارہ کش ہوکر جنگلوں میں رہا کرتے تھے ایک دن ان پر غیب سے ندا ہوئی شہر جایئے اور خلق خدا کو دعوت دیجئے لیکن اس شرط پر کہ ایک ہزار بلاؤں کو برداشت کرنا پڑے گا جب یہ فرمان ہوا تو انہوں نے آبادی کی طرف رخ کیا اور شہر میں آئے پھر تو ایسا ہوا کہ بلاؤں کا نزول ہونا شروع ہوگیا کوئی لات مکا مارتا، کوئی اینٹ پتھر اور اسی طرح کوئی کچھ اور کوئی کچھ کرتا۔ حضرت سب کو انگلیوں پر شمار کیا کرتے جب ایک ہزار بلائیں پوری ہوگئیں تو فرمان ہوا اب ممبر پر تشریف لائے اور خلق کو دعوت دیجئے۔ ان کے پاس علم نہ تھا چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی الٰہی! تو جانتا ہے مجھے علم وکمال حاصل نہیں فرمان ہوا آپ ممبر پر جائیں آپ کا کام ممبر پر جانا ہے اور عطا و بخشش یعنی علم و عرفان دینا میرا کام ہے۔ اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ دو شعر ارشاد فرمائے۔

بے مار بسر نمی رود گنج   بے خار نمی دمد گلستاں!

دیگر

عاقلاں از بلا بہ پر ہیز ند   مذہب عاشقاں دگر باشد

وعظ کی صلاحیت کا اصل معیار

اور فرمایا کہ ایک مرتبہ امام ثوریؒ سے کسی نے پوچھا آدمی کب اس لائق ہوتا ہے کہ لوگوں کے جلسہ میں وعظ و نصیحت بیان کرے؟ فرمایا کہ جب معنی کا فہم خدائے تعالیٰ کی جانب سے ہوجائے تب ہوسکتا ہے کہ اس کے بندوں کو سمجھا سکے اور اگر خدائے تعالیٰ کی طرف سے معنی کا فہم نہیں کرتا ہے تو ایسے واعظ کی تقریر سے شہروں میں خرابی عام ہوگی اس لئے کہ جب اس کی باتوں میں معنی کا صدور ہوگا تو اس کی گفتگو ٹھیک جگہ پر پڑے گی اور اگر مسائل مشکلہ

آ جائیں گے تو ان کا حل کر سکے گا اور سننے والوں کو نجات ملے گی اور اگر اس کی تقریر و گفتگو صرف ظاہری الفاظ پر مبنی ہوگی اور معنی سے خالی تو ایسا کلام ٹھیک جگہ پر نہیں پڑے گا اور اگر مسائل مشکلہ آ جائیں تو اس کا حل بھی نہ کر سکے گا چنانچہ خود بھی ہلاک ہوگا اور سننے والے بھی ہلاکت میں پڑیں گے۔ اس کے بعد یہ دو شعر مثنوی کے ارشاد ہوئے ۔

جملہ تاریک است ایں محنت سرائے　　علم دروے چوں ہر رہ نمائے

رہبر جانت دریں تاریک جائے　　جو ہر علم است و علم جانفزائے

اس کے بعد فرمایا بزرگان دین کی نصیحت و وعظ ان کا بیان ایسا نہیں ہوتا کہ کاغذ پر لکھ کر یاد کر لیا یا کتاب سے رٹ لیا اور مطلب کی بات بیان کر دی بلکہ وہ لوگ اللہ کی جانب سے جو انہیں فہم ہوتا اسی کو اس کے بندگان تک پہنچاتے ہیں۔

بزرگوں کی باتیں منجانب اللہ ہوتی ہیں

درویش حضرات جو کچھ کہتے ہیں پہلے وہ اللہ جل شانہٗ سے اپنے دل میں اخذ کرتے ہیں پھر اسی کو اپنی زبان سے مخلوق کے سامنے بیان کرتے ہیں نہ یہ کہ کتاب نوشتہ سے رٹی ہوئی باتوں کو دہراتے ہیں اور اس کی مناسبت سے یہ حکایت حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے بیان فرمائی کہ ایک بزرگ کا قول ہے انہوں نے کہا کہ میں اپنے مریدوں سے جو کچھ کہتا ہوں اور مریدان مجھ سے سنتے ہیں میں ٹھیک اسی وقت اس بات کو سنتا ہوں اور مریدان مجھ سے سنتے ہیں اس پر بعض لوگوں کو انکار پیدا ہوا اور وہ اس کے منکر ہوئے کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ جو کچھ خود کہتے ہیں اور دوسرے لوگ سنتے ہیں ٹھیک اسی وقت وہ اس بات کو خود بھی سنتے ہیں۔

اس کا جواب دیا گیا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے اور اس کی مثال بھی دیکھنے میں آتی ہے مثلاً ایک غوطہ خور سمندر میں غوطہ لگاتا ہے ور سمندر سے جواہر اور جو چیز بھی باہر لے کر آتا ہے اس کے باہر لے کر آنے کے بعد تمام مخلوق دیکھتی ہے کہ موتی جواہر ہے یا کنکر پتھر یا کوئی اور چیز اور خود وہ بھی اسی وقت دیکھتا ہے اس لئے کہ جس وقت سمندر کے اندر اٹھاتا ہے خود نہیں دیکھتا ہے اور نہیں جانتا ہے کہ کیا چیز ہے؟ تو درویش حضرات بھی اللہ جل شانہٗ کی رحمت کے سمندر میں

غوطہ لگاتے ہیں اور معنی باہر لاتے ہیں یہاں یہ شعر ارشاد ہوا ؎

آنچہ من دیدم نیارم گفت باز　　　زیں عجائب تر نیفتد ہیچ راز

اور فرمایا کہ خواجہ سہیل تستری پسر عبداللہؒ کی نقل ہے کہ انہوں نے کہا کہ تیس سال ہوئے کہ میں خدائے تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کرتا ہوں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ان سے باتیں کر رہا ہوں اور یہ رباعی ارشاد فرمایا ؎

بر بوئے کہ از مشک قرنفل شنوی　　　از سایہ آں زلف چو سنبل شنوی

ہمچوں سخن بلبل ازیں گل شنوی　　　گوید ہما گل گر چہ ز بلبل شنوی

اور اس کلام کے معنی بیان کئے ہیں وہ یہ ہے کہ "آیندہ" آنے والے کو نہیں دیکھتے ہیں لانے والے کو دیکھتے ہیں جو بھی کہتے ہیں لانے والے سے کہتے ہیں آنے والے سے نہیں کہتے۔

اور یہ جو کہا کہ میں خدائے تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کرتا ہوں خدا کے ساتھ کوئی گفتگو نہیں کر سکتا مگر وہ شخص جو کہ خدائے تعالیٰ سے سنے اس سبب سے کہ جواب اسی کو دے گا جو کہ مشاہدہ میں ہے اور خطاب اسی سے کرے گا جو اس سے مخاطب ہے اور اس سے خطاب کر رہا ہے اس لئے کہ خطاب کسی سے اور جواب کسی دوسرے سے یہ محال ہے۔

بزرگوں کا یہ قول اس طرح بھی ہے کہ میرے اسرار حق تعالیٰ کے ساتھ ایسے مل گئے ہیں کہ میں کسی ایک شخص کو اس کے سوا نہیں دیکھتا ہوں جو کوئی مجھ سے باتیں کرتا ہے میں اس گفتگو کرنے والے کو علت اور سبب ہی جانتا ہوں اصل میں گفتگو کرنے والا خدا ہی کو سمجھتا اور دیکھتا ہوں۔ حضرت جب اس بیان پر پہنچے تو مثنوی کے یہ دو شعر ارشاد فرمائے ؎

چیز ے کہ در وجود او بخود نیست　　　ہستیش نہادن از خرد نیست

ہستی کہ بحق قوام دارد!!　　　او نیست ولیک نام دارد

اور اس کی مثال یوں ہے کہ اگر کوئی پیام لانے والا کسی بادشاہ کا پیغام لائے تو جواب اس پیغام لانے والے کو نہ دیا جائے گا بلکہ جواب اس بادشاہ کے لئے ہوگا، پیغام لانے والا درمیان میں ایک واسطہ ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ فرمایا' من یطع الرسول فقد اطاع اللہ '

رسول کی اطاعت مرسل یعنی بھیجنے والے کی اطاعت ہے اس لئے کہ رسول سبب ہے اور حکم مسبب ہے۔اس معنی کو کسی نے کہا ہے ؎

گر جملہ توئی ہمہ جہاں چیست — وز ہیچ نیم من ایں فغاں چیست

ہم جملہ توئی وہم ہمہ تو!! — آں چیست کہ غیر تست آں چیست

چوں ہست یقیں کہ نیست جز تو — آوازہ ایں ہمہ گماں چیست

مقام غیرت، مقام غلبات

حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا کہ یہ کلام کس طرح پر ہے کہ خواجہ جنیدؒ نے حضرت شبلیؒ سے کہا کہ میں نے جس علم سے تمہیں پوشیدہ طور پر آگاہ کیا تم اسے کھلا کھلم بیان کرتے ہوتو امام شبلیؒ نے کہا کہ میں بولتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں، ان دونوں عالم میں میرے سوا دوسرا کون ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کلام کا جواب اس طرح پر دیا گیا ہے کہ خواجہ جنید بغدادیؒ کی گفتگو مقام غیرت سے تھی اور جس چیز میں غیرت ہوتی ہے اسے یقیناً چھپایا جاتا ہے اور حضرت شبلیؒ کا کلا مقام غلبات سے ہوتا ہے مغلوب ہر چیز میں مست ہوتے ہیں اور مغلوب کی بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان باتوں میں انہیں معذور سمجھا جاتا ہے ہوشیار نہیں اور فرمایا ؎

گر کسے پرسد کہ پیش روے او — دل چرا شوریدہ و شیدا شود!!

تو جوابش دہ کہ پیش آفتاب — ذرہ سر گرداں و ناپیدا شود

اور وہ جو حضرت امام شبلیؒ نے کہا کہ میں ہی کہتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں اس کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنا وجود ہی نہیں دیکھتے، اللہ کے سوا خود کو دیکھنے والا اس گروہ کے نزدیک خود مومن ہی نہیں ہے لیکن یہ اس بات کی اطلاع دینا ہے کہ میں خلق سے فارغ ہوں جو کچھ بھی کہتا ہوں اس کے لئے نہیں کہتا میری یہ گفتگو میرے خاص وقت کے اسرار ورموز میں سے ہے نہ یہ کہ مخلوق کو الجھن میں ڈالنے کے لئے۔اس موقع پر یہ دو شعر ارشاد

ہوئے ؂

حجاب روئے تو ہم روئے تست در ہمہ حال نہانی از ہمہ عالم ز بسکہ پیدائی
بہر کہ می نگرم صورتت ہمی بینم ازیں بتاں ہمہ در چشم من توئی توئی

وعظ میں گفتگو کیسی ہو؟

کہا گیا ہے کہ عالم کو ایسا ہونا چاہئے کہ جو کچھ اس نے سنا ہے بس ویسا ہی اسے بیان کرے اس میں اپنی جانب سے کمی وبیشی نہ کرے اس طرح کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی جو طرف سے جو کچھ اس کے دل پر نازل ہوا ہے اسی کو دہرا دے اور کہا گیا ہے کہ علم کے معاملہ میں عالم کی خیانت مال کی خیانت سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ چاہئے کہ گفتگو کو زیادہ طول نہ دے اور اس کے بیان کرنے میں دائیں بائیں نہ بہکے اور سامعین کو اپنی طول بیانی سے ملول اور رنجیدہ نہ ہونے دے۔

نقل ہے کہ حضور ﷺ صحابہ کے درمیان وعظ سے کسی کسی وقت ان کی گھبراہٹ اور اکتاہٹ اور ملامت کے خیال سے دوسری چیز بیاں فرمانے لگتے۔ لہٰذا واعظ کو چاہئے کہ جب سامعین کی رنجیدگی اور گھبراہٹ محسوس کرے تو وعظ بند کر دیا کرے اور معلم ناصح کی علامت یہ ہے کہ وہ خود لالچ سے پاک ہو۔

وعظ کا اثر کب ہوتا ہے

نقل ہے کہ جو شخص اپنے علم پر عمل نہیں کرتا اس کی نصیحت اور اس کا وعظ دلوں پر اسی طرح بے اثر ہوتا ہے جیسے کہ پتھر پر بارش کے قطرات ہوتے ہیں۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کی خدمت میں پھول کی نذر

اس موقع پر ایک عزیز زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور کچھ پھول لائے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کے حضور میں پیش کیا ان پھولوں میں سفید پھول بھی تھا اس میں سے تھوڑا حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے دست مبارک میں لیا اور فرمایا سب میں سفید نہایت ہی اچھا ہے اور لطیف ہے۔

ایک باعمل واعظ کے واقعات

پھر حضرت مخدوم عظمۃ اللہ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ مولانا بدرالدین منوکھری ہر چہارشنبہ کوممبر پرتشریف لاتے اور تذکیر و وعظ فرماتے اور لوگوں کو کوئی مشکل پیش آتی یا کوئی حاجت ہوتی جیسے کسی نے کوئی فال نکالا ہو یا دعاء کی درخواست کی ہو یا کسی متعلم کو کوئی علمی مسئلہ میں مشکل پیش آئی ہو ایک شخص ہر ایک کاغذ کے پرچہ پر لکھ کر ممبر پر رکھ دیتا، جب وعظ وتقریر کا نصف یا ایک تہائی حصہ رہ جاتا تو مولانا ان پرچوں کو اٹھا لیتے اور بہ آواز بلند سب کا جواب ارشاد فرماتے اور ہر شخص اپنے سوال کے جواب سے مطلع ہو جاتا چنانچہ ان پرچوں کے درمیان ایک محض سفید و سادہ پرچہ بھی تھا مولانا نے جب اس پرچہ کو اٹھایا تو سفید پایا کچھ لکھا ہوا نہ تھا اسی وقت حضرت مولانا نے ہاتھ اٹھایا اور دعاء کی کہ الٰہی اس بندہ کے گناہوں کے نامہ اعمال کو ایسا ہی صاف شفاف اور سفید فرمادے جیسا کہ یہ سفید کاغذ ہے جس وقت مولانا نے یہ دعائیہ جملہ کہا ہر شخص پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور جس شخص نے یہ سفید پرچہ رکھا تھا اس کا دلی مقصد یہی تھا کہ مولانا کی زبان سے میرے حق میں یہ دعا ہو جائے اور پھر ایک دوسری حکایت بیان کی گئی کہ انہیں مولانا بدرالدین کے وعظ کی مجلس کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے شب برات میں ایک خواب دیکھا کہ گویا حوض کوثر پر پہنچا ہے اس کے بعد اس نے پوچھا یہ کون سا حوض ہے کسی نے کہا یہ حوض کوثر ہے اس شخص نے اس حوض سے پانی پیا ۱۴ر شعبان کی صبح چہارشنبہ کا دن تھا مولانا کے وعظ کی مجلس تھی اس نے خواب کو بعینہ ایک کاغذ پر لکھا اور ممبر پر رکھ دیا جب اس کا وقت آیا کہ مولانا نے ہر ایک شخص کے پرچہ کو اٹھایا اور سب کو جواب دے رہے تھے اس کے بعد اس کاغذ پر مولانا کا ہاتھ آیا دیکھا اور پڑھا اور بلند آواز میں فرمایا تمہیں شرم آنی چاہئے لوگ اس رات میں شب بیداری کرتے ہیں اور تم سوتے تھے یہ بھی کافی نہ ہوا تو کاغذ پر لکھ کر لائے ہوتا کہ لوگ جانیں اور تمہاری تحسین کریں۔

داعی کے لئے باعمل ہونا ضروری

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کہتے ہیں جو شخص اس دعوت

کے کام کے لئے آگے آئے اسے چاہئے کہ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئے، اول اپنے علم کے موافق خود عمل کرے۔ قول وفعل اور حال میں عالم باعمل ہوتب وہ اس قابل ہوگا کہ لوگوں کو دعوت حق دے گا۔ جس واعظ کا فعل صحیح ہوگا اس کے کلام میں تاثیر ہوگی اور اس کی تقریر دلوں میں اترے گی اور جس واعظ کا عمل کچھ نہیں صرف قول ہی قول ہے اس کا کلام، اس کی تقریر رائیگاں اور بیکار ہوگی اور ضائع جائے گی اور عالم باعمل کو اس پر کوئی اندیشہ نہیں ہونا چاہئے کہ لوگ میری دعوت کو قبول نہیں کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ میرے ذمہ پہنچا دینا تھا سو میں نے پہنچا دیا اور ہدایت دینا خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اس کی مناسبت سے یہ حکایت بیان کی گئی۔

واعظ کی نصیحت کا فوری اثر

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک دن ایک مذکر تذکیر کہہ رہے تھے یعنی وعظ کر رہے تھے اور تمام سننے والے رو رہے تھے ایک فاحشہ عورت اس راہ سے گذر رہی تھی اس نے پوچھا کیا رونا دھونا ہے لوگوں نے کہا کہ واعظ صاحب وعظ کہہ رہے ہیں سامعین اپنے گناہوں پر گریہ وزاری کر رہے ہیں تو وہ عورت ہنسی اس نے کہا کہ ابھی جا کر ان تمام لوگوں کو ہنسا دیتی ہوں جیسے ہی اس نے مسجد میں جھانکا اور سر داخل کیا اس کا دل پگھل گیا واعظ صاحب سے اس نے کہا کہ میں ایک گنہگار عورت ہوں میرا گناہ آسمان وزمین سے بھی بڑھا ہوا ہے اگر میں توبہ کروں تو خداوند تعالی میرے گناہوں کو بخش دے گا یا نہیں؟ مقرر نے کہا تیرا گناہ ثعبانہ کے گناہ سے بڑا نہیں ہے اور یہ عورت خود ثعبانہ ہی تھی جیسے ہی مذکر سے یہ بات سنی نہایت ہی شکستگی اس کے دل میں پیدا ہوئی اور اسی جگہ اسی وقت اس نے توبہ کی اور وہ زریں پوشاک جو پہنے ہوئے تھی اسی وقت اس نے فقیروں کو دے دیا پھر چالیس سال تک گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتی رہی اس توبہ کے بعد کسی نے بھی اس کو بالا خانہ (کوٹھے) پر نہیں دیکھا۔ یہاں مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر ارشاد فرمایا۔

بسکہ خرابات شد صومعہ صوف پوش　　بسکہ کنشخانہ گشت مصطبہ دردخوار!

بیان میں مخاطب کے علم و عمل کا خیال ضروری

عالم کو چاہئے کہ جس قسم کی بات ہو اس کو اس طرح پر بیان کرے کہ سننے والے کی عقل میں آجائے اور ان کا دل اس کو قبول کر لے نہ اس طور پر بیان کرے جیسا کہ اسنے خود سمجھا ہے اس دلیل سے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ سے فرمایا' **بلغ ما انزل الیک من ربک**' پہنچا دیجئے جو آپ کے رب کی جانب سے آپ پر اترا ہے اور یہ نہیں ارشاد ہوا کہ' **بلغ ماعرفناک**' پہنچا دیجئے اس کو جو عرفان میں نے آپ کو دیا ہے یعنی جس سے آپ ﷺ کو شناسا کیا ہے اور یہ اس سبب سے کہ جو کچھ آپ پر بظاہر وحی کی گئی ہے مخلوق اس کے سننے کی طاقت رکھتے ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جناب جبرئیل علیہ السلام درمیان میں واسطہ ہیں لیکن جو کچھ آپ پر اسرار کے طور سے کشف فرمایا گیا ہے اس میں جبرئیل کی بھی گنجائش نہیں ہے اور یہ مثنوی زبان مبارک سے ادا ہوئی ؎

ہر گدائے مرد سلطاں کے بود　　　پشۂ آخر سلیماں کے بود

پھر یہ شعر زبان گوہر فشاں پر آیا ؎

بتے کز حسن در عالم نمی گنجد عجب دارم　　　کہ داند در دل تنگم چہ گونہ خانماں سازد

داعی کی شفقت کیسی ہو؟

مجلس شریف میں شفقت کا تذکرہ آگیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ حکایت بیان کی کہ حضرت ابو حفصؒ کے ایک شاگرد نے ان سے درخواست کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ لوگوں میں وعظ کروں حضرت ابو حفصؒ نے پوچھا تمہیں کیا چیز حاصل ہے؟ کہا مجھے خلق پر شفقت حاصل ہے پوچھا تمہاری شفقت مخلوق خدا کے ساتھ کس حد تک ہے؟ عرض کیا کہ مجھے خلق خدا کے ساتھ اس درجہ شفقت حاصل ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن تمام مخلوق کے عوض صرف مجھ کو دوزخ میں ڈال دیں اور سب کو بہشت میں میں لے جائیں میں تنہا دوزخ میں رہوں اس بات پر میں اپنے دل کو راضی اور خوشنود پاتا ہوں۔

اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ دل کو اس بات پر راضی اور خوشنود پانا بڑے تعجب کا کام ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کے بعد شیخ نے کہا ہاں تمہارے لئے جائز ہے کہ ممبر پر آکر لوگوں کے لئے وعظ کہو جب ان کے وعظ کا دن آیا شیخ پوشیدہ طور پر آکر مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے وہ مرید ممبر پر آئے اور تقریر شروع کی ایک سائل اٹھا اس نے سوال کیا اس مرید مقرر نے اپنی دستار اتار کر دے دی شیخ اٹھے اور کہا او کذاب جھوٹے دروغ گو ممبر سے اتر آؤ وہ فوراً ممبر سے اتر گئے اور عرض کیا کہ میں نے کون سی بات جھوٹ کہی؟ شیخ نے فرمایا کہ تم نے شفقت کا دعویٰ کیا تھا شفقت تو یہ ہوتی کہ اس ثواب کے حاصل کرنے کا موقع تم مومنوں کو دیتے جب کہ اس ثواب کو تم نے خود حاصل کرلیا تو یہ شفقت علی الخلق نہ ہوئی۔

خواجہ جنید کے وعظ کا ایک واقعہ

پھر یہ حکایت بیان فرمائے کہ ایک وقت امام سفیان ثوریؒ نے خواجہ جنید بغدادیؒ کو ممبر پر وعظ کہتے ہوئے دیکھا انہوں نے کہا یا ابا القاسم خداوند عزوجل عالم کے علم سے خوشنود نہیں ہوتا جب تک اس علم پر اس کا عمل نہ ہو جائے۔ خواجہ جنیدؒ نے اپنے باطن میں نظر کی اور اس علم کے اندر غور وفکر کیا تو وہ صداقت نہیں پائی جس کی جانب خواجہ ثوری نے اشارہ فرمایا تھا اسی وقت ممبر سے اتر آئے گھر میں آکر بیٹھ گئے وعظ کہنا بند کر دیا اس کے بعد ایسا ہوا کہ لوگ جمع ہوئے اور خواجہ جنیدؒ کو بہ زور وز بردستی باہر لائے حضرت ممبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اگر رسول خداﷺ کا یہ ارشاد نہ ہوتا کہ جب آخری زمانہ آئے گا تو سرداران قوم سب میں حقیر ترین وکمترین بنادئے جائیں گے میں ہرگز وعظ نہیں کہتا، حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس بیان پر فرمایا کہ حضرت جنیدؒ کے اس قول سے اس بات کا اقرار کرنا نہیں ہے کہ میں وہ شخص ہوں کہ باستحقاق علم وفضل گفتگو کرتا ہوں لیکن بے حرمتی اور بے ادبی کی وجہ سے کہتا ہوں کہ اگر اپنی تقریر، وتذکیر اور وعظ میں علم کی نگہداشت ومراعات کا جو حق ہے اس میں صادق نہیں ہوں تو اپنی تقصیر کے اقرار کرنے میں تو صادق ہو جاؤں اور یہ شعر زبان گوہرفشاں سے ارشاد ہوا ؎

مرا چو دل بخرابات میکشد ہر دم　　بکر داہل مناجات وزہد کے کردم

خواجہ سری سقطی کا ایک واقعہ

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ خواجہ سری سقطیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ لوگ میرے پاس اس لئے آنا چاہتے ہیں کہ مجھ سے علم حاصل کریں تو اس وقت میں دعا کروں کہ یا رب العلمین ان لوگوں کو علم عطا فرما دیجئے تا کہ یہ لوگ علم میں مشغول ہو جائیں اور میں ان لوگوں کو تعلیم میں نہ لگاؤں۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس قول کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ آپ کو اس کا یقین ہو کہ خداوند تعالیٰ انہیں علم عطا فرمانے پر مجھ سے کہیں زیادہ قادر ہے اپنی عاجزی کا اقرار کیا اور سب کچھ اس کے حوالے کر دیا اور اس بات کو اچھی طرح جان لیا کہ جب ایک عالم اپنے سے بڑے عالم کو دیکھے تو اس کے سامنے اس کو گفتگو نہیں کرنی چاہئے اور (۲) دوسرے اللہ جل شانہ کی شفقت ان لوگوں پر خود سے کہیں زیادہ پایا جیسے اگر کوئی ایسا شخص ملے جو تم سے کہیں زیادہ شفیق ہو تو ایسی صورت میں کام اس کے سپرد کر دینا چاہئے اور خود کو اس کے مقابلہ میں معطل کر لے۔

خلق خدا پر بزرگوں کی شفقت

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ میں نے کتابوں میں کہیں دیکھا ہے کہ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ جب قیامت کا دن آپہنچے گا تو میں اپنا خیمہ دوزخ کی طرف نصب کروں گا حضرت رسول علیہ السلام کی امت میں سے کسی ایک کو دوزخ میں جانے نہیں دوں گا ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اتنی ساری احادیث نبوی اور نص قرآنی وارد ہے کہ جو یہ گناہ کرے گا اس کی جگہ دوزخ ہے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا بات تو ایسی ہی ہے لیکن قیامت کے دن جس وقت تک حضور اکرم ﷺ میدان حشر میں رہیں گے اس وقت تک کسی گنہگار امت کو حضور ﷺ کی نگاہ مبارک کے سامنے دوزخ میں نہیں داخل کیا جائے گا اور اگر کسی کو دوزخ میں بھیجنا ہی چاہیں گے تو اسے حضور کی نگاہ مبارک سے اوجھل کر دیں گے تو حضور ﷺ کی امت کے اولیاء کے حق میں بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ جب تک ان اولیاء کے سامنے ان کے مریدین ہوں گے ان پر دوزخ کا

عذاب نہ ہو اور اگر عذاب کرنا ہی چاہیں گے تو ان کو ان کی نظروں سے غائب کر دیں گے۔

اسی طرح کے کلمات جو بزرگوں سے منقول ہیں وہ خلق اللہ پر ان کی شفقت کا بیان ہے کہ مُخلوق پر ان بزرگوں کی شفقت اس درجہ ہوتی ہے۔ اور اس گفتگو پر یہ دو شعر ارشاد فرمایا ؎

جانباز در خرابات تا جرعۂ بیابی

مفروش زہد کانجا کمتر خرند طامات

دیگر

وانکہ از دست خود خلاص نیافت در رہ عشق پا بسر افتاد



پچاسواں باب

امر معروف نہی منکر

نیک کاموں کے حکم دینے برے کاموں سے روکنے کے بارے میں اور جو اس کے مناسب ہے اس کے بیان میں

منکر سے اعراض ایمان ہے

مجلس شریف میں قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ اگر اہل علم کسی کو شرع کے خلاف کرتے ہوئے دیکھیں تو امر معروف و نہی المنکر کس شکل میں کریں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا پہلے ہاتھ سے یعنی زور و قوت سے امر معروف کرے اور اگر زور و قوت سے نہیں کر سکتا تو زبان سے اور اگر زباں سے بھی نہیں ہو سکتا تو دل سے مشغول ہو اور دل سے اس طور پر ہے کہ امر معروف کرنے والا خود برے کاموں سے نفرت کرنے والا اور اسے برا سمجھنے والا ہو اور خود کو اپنے عمل سے ایسا ظاہر کرے کہ خلاف شرع

کرنے والے یہ سمجھیں کہ یہ شخص برے کاموں سے متنفر ہے اور اس کو سب سے کمزور ایماں لکھا ہے کیوں کہ یہ درجہ نچلی صورت اختیار کرتا ہے جیسا کہ حضرت خواجہ ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اگر کسی شخص کے خلاف کرتے ہوئے دیکھے تو اسے ہاتھ سے یعنی بزور طاقت کے اور اگر زور وقوت سے نہیں روک سکتا تو زبان سے سمجھائے اور منع کرے اور اگر زباں سے بھی نہیں سمجھا سکتا تو دل سے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے یعنی اہل ایمان کا یہ سب سے کمزور فعل ہے۔

امر بالمعروف کے لئے ایک شرط ہے

اور بعضوں نے یوں کہا ہے کہ امر معروف ہاتھ سے یعنی زور وقوت سے یہ امر شرع کا کام ہے اور زبان سے علماء کا اور دل سے عوام الناس کا۔

پھر عرض کیا عالم کو ایسا ہونا چاہئے کہ اول خود عمل کرے پھر دوسروں کو اس کام کا حکم دے تا کہ اس وعید کے تحت نہ آجائے کہ 'لم تقو لون مالا تفعلون'؟ (ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں)؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ بعضوں کے نزدیک یہ شرط ہے یعنی وہ بات نہ کہے جس پر خود عمل نہیں کرتا اور بعض اس قیاس پر استدلال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہدایت کے لئے یہ اصل نہیں ہے بلکہ فرع ہے جب تم خود اپنی ذات سے صحیح و درست نہیں ہو تو پھر دوسرے کی اصلاح کس طرح کر سکتے ہو، مثل مشہور ہے کہ جب لکڑی ٹیڑھی ہے تو سایہ اس کا سیدھا کیسے ہوگا اور کسی نے اس شعر میں اس مفہوم کو ادا کیا ہے ؎

لا تلم المرء علی فعله　　　وانت منسوب علی مثله

(آدمی کو اس کے اس فعل وعمل پر ملامت نہ کرو جس کو تم خود کیا کرتے ہو)

امر بالمعروف کے لئے عامل کا کامل ہونا ضروری نہیں

لیکن صحیح یہ ہے کہ عصمت کے لئے معصوم ہونا شرط نہیں ہے اگر عصمت کو شرط مان لی جائے تو امر معروف و نہی المنکر کا سد باب ہو جائے یہ اس لئے کہ صحابہؓ بھی معصوم نہیں ہیں پھر

اوردوسرے کیونکر معصوم ہوسکتے ہیں۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک دن میں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم لوگ امر بالمعروف نہ کریں اس وقت تک جب تک خود عمل نہ کرلیں؟ اورنہی المنکر اس وقت تک نہ کریں جب تک کہ تمام منہیات سے خود اجتناب نہ کرلیں ارشاد ہوا' بل مروا بالمعروف وان لم تعملوا به كله و انهوعن المنكرو ان لم تجتنبوا كله '(بلکہ تم بھلائی کا حکم دوگر چہ تم اس پر پورے طور پر عمل پیرا نہ ہواور ناپسند باتوں سے روکو گرچہ تم پورے طور پر خود پرہیز نہ کرتے ہو۔)

مرتکب گناہ، امر بالمعروف نہیں کرے

اسی طرح سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ امر بالمعرورف ونہی المنکر وہی شخص کرے جو مرتکب گناہ نہ ہوتو ایسی حالت میں کوئی شخص بھی امر معروف نہیں کرسکے گا کیونکہ گناہ سے کوئی خالی نہیں لیکن کہا گیا ہے کہ وعظ وہی شخص کہے جو خود نصیحت یافتہ ہو ورنہ اس کے گناہوں کی آگاہی واطلاع کی وجہ سے لوگوں کے دلوں کواس کا وعظ گوارہ نہیں ہوگا بات اسی قدر ہے اس سے آگے نہیں اوراس آیت کریمہ ' لم تقولون مالا تفعلون' کی تاویل کی گئی ہے وعدہ کی اس آیت میں دروغ یعنی جھوٹ بات کہنا مراد ہے۔

'نصیحت کرنے سے پہلے عمل' بزرگوں کی روش

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کام میں دو چیز کہی گئی ہے ایک یہ کہ دنیاوی تعلقات کا کم کرنا تاکہ اسے زیادہ ڈر نہ ہواور خلق سے کسی طرح کی لالچ نہ ہو، تاکہ دل کے خلاف کوئی بات نہ بولنا پڑے اور خوشامد کی کیفیت نہ پیدا ہونے پائے جیسا کہ اس حکایت سے ظاہر ہے کہ ایک بزرگ کے پاس ایک بلی تھی ان کے پڑوس میں ایک قصاب تھا جو ان کی بلی کے لئے گوشت کا تھوڑا چھیچھڑا روزانہ لایا کرتا تھا ایک دن اس قصاب کو غلط کام میں مبتلا دیکھا اس کے بعد وہ بزرگ گھر آئے اوراس بلی کو اپنے گھر سے باہر کردیا پھر قصاب کو انہوں نے خلاف شرع کام کرنے سے منع کیا اس قصاب نے کہا اب آپ کی بلی کے لئے کچھ نہیں دیا

کروں گا ان بزرگ نے کہا پہلے ہی ہم نے اس بلی کو اپنے یہاں سے ہٹا دیا ہے اور تجھ سے اپنی اس طمع کو ختم کرلیا ہے اس کے بعد تجھ سے نصیحت کرنے آیا ہوں۔

امر بالمعروف کے طریقے

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ فقیہ ابواللیثؒ کی بستان میں ہے کہ امر بالمعروف اور نیک کام کی ہدایت کرنے کے چند طریقے ہیں۔ اگر اپنی پختہ رائے کی بنا پر یہ جان لیں کہ اگر اس موقع پر امر بالمعروف کرتا ہوں تو لوگ قبول کرلیں گے اور اس کے قبول کرنے سے نہیں رکیں گے ایسے موقع میں امر بالمعروف واجب ہے اور اس کا ترک کرنا درست نہیں اور اگر خود یہ سمجھے کہ ان لوگوں کو امر بالمعروف کرتا ہوں تو لوگ گالیاں دیں گے قبول نہیں کریں گے یہاں پر ترک افضل ہے اور ایسا ہی اگر یہ جان لیں کہ ان لوگوں کو امر بالمعروف کرتا ہوں تو لوگ مار پیٹ کریں گے اور میں اس کو برداشت نہ کرسکوں گا اور ان لوگوں کو عداوت پیدا ہوگی اور نوبت قتل کی آجائے گی تو ایسی جگہ پر بھی ترک افضل ہے۔ اور اگر یہ سمجھے کہ لوگ مار پیٹ کریں گے اور میں صبر کرسکوں گا کسی سے گلہ نہیں کروں گا تو ایسے موقع پر امر بالمعروف نہی عن المنکر میں کوئی خوف نہیں ہے اور اگر یہ جان لے کہ لوگ اس کی نصیحت کو قبول نہیں کریں گے اور ان لوگوں سے کسی طرح کا نقصان پہنچنے کا اور زیادتی کرنے کا بھی کھٹکا نہیں ہے تو اس موقع پر اسے اختیار ہے خواہ کرے یا نہ کرے اس کے بعد فرمایا کہ ترک کی رخصت ہے لیکن عزیمت یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی المنکر کرتا رہے۔

عظیمت پر عمل کرنے کی اہمیت

اس موقع پر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ جہاں پر قتل کی نوبت آسکتی ہے اس شکل میں عزیمت کیوں کر ہوگی اس لئے کہ مومن کا قتل شرعاً حرام و ممنوع ہے اور جب امر بالمعروف کرتا ہے تو اس کی وجہ سے حرام و ممنوع کام ہوگا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ تحقیق شدہ ہے یہاں تک کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کسی ظالم بادشاہ کو امر بالمعروف کیا اس کے بعد بادشاہ نے اس کو قتل

کردیا 'یکون افضل الشهداء' (ایسا کام کرنے والا شہیدوں میں سب سے افضل ہے)
لیکن دوسری جگہوں میں امر بالمعروف کے شرائط بہت لکھے ہیں امر بالمعروف کرنے والے کو
چاہئے کہ نصیحت اس طرح کرے کہ خود حرام میں نہ پڑ جائے جیسا کہ روایت ہے کہ امیر المومنین
حضرت عمرؓ کے پاس ایک نشہ باز کو لایا گیا تا کہ اس کے نشہ بازی پر حد جاری کی جائے اس نشہ باز
نے امیر المومنین کو گالی دے دی اس کے اس گالی دینے کے سبب حضرت امیر المومنین کے دل
مبارک میں غصہ پیدا ہوا اس وقت حد یعنی سزا روک دی گئی حضرت نے خیال فرمایا کہ اگر اس
وقت اسے کوڑا لگواتا ہوں تو یہ غصہ کے سبب سے ہو جائے گا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کیا ہی حرکت اس شرابی نے کی ٹھیک اسی
موقع پر گالی دے دی اس نے اس وقت خود کو حد یعنی سزا سے چھوڑا لیا۔

اس موقع پر سید شمس الدین ابو طالب ''عوارف'' کے سبق پڑھنے کو حاضر ہوئے تھے
انہوں نے کہنا شروع کیا کہ اس کو اس کی کیا خبر کہ میرے اس گالی دینے سے اس وقت حد اٹھا لی
جائے گی اس نے تو نشہ کی حالت میں گالی دی۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خیر
اس نے اسی لئے گالی دی تا کہ سر دست سزا میں توقف ہو جائے۔

امر بالمعروف کے لئے تجسس نہ کریں

اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی گھر کا دروازہ بند کر کے اس کے اندر خلاف شرع کام کر
رہا ہے تو محتسب کو یہ نہیں چاہئے کہ اس کے اندر جائے اور نہی المنکر کرے یہ اس لئے کہ اس
کے فساد یعنی گناہ کو کھوج لگا کر معلوم کیا اور تجسس حرام ہے کیوں کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
'ولا تجسسوا' (کسی کی کھوج اور ٹوہ میں مت رہو)

امیر المومنین حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ ایک وقت ایک شخص اپنے گھر کے اندر بند ہو
کر برائی کرتا تھا اور گھر کا دروازہ بند رکھتا تھا حضرت کو معلوم ہوا کہ اس گھر میں خلاف شرع کام ہوتا
ہے وہاں پہنچے تا کہ اسے برے کاموں سے روکیں نہی المنکر کریں جب اس کے دروازہ پر پہنچے
دروازہ مقفل تھا آپ دیوار پر چڑھ گئے اور دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔ اس گھر والے نے کہا

کہ اگر میں نے ایک کام خلاف شرع کیا ہے تو امیر المومنین نے کتنے کام خلاف شرع کئے امیر المومنین نے فرمایا یہ کیسے؟ اس نے کہا اول جناب نے تجسس کیا اور حکم یہ ہے کہ ولا تجسسوا، دوسرے یہ کہ دیوار سے حضرت اندر داخل ہوئے اور حکم باری تعالیٰ کا یہ ہے کہ وآتوا البیوت من ابوابھا (اور گھروں میں آؤ دروازے سے) تیسرے بغیر اجازت کے اندر آ گئے اور ارشاد رب العزت ہے یا ایھا الذین آمنو الا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستاذنوا (اے ایمان والو تم اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل مت ہو جب تک ان سے اجازت نہ لے لو) بعدہ امیر المومنین عمرؓ واپس لوٹ آئے اور فرمایا کہ بہتر تو یہ ہے کہ تو توبہ کر لے۔

امر بالمعروف اور نہی المنکر کے حکیمانہ طریقے

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی المنکر اس معنی پر ہے کہ اگر کسی کو شرع کے خلاف فسق و فجور میں دیکھے تو اسے شفقت پیدا ہو کہ یہ شخص میرا دینی بھائی ہے اور اس طرح کی برائیوں کو بھائی کے لئے درست نہیں سمجھتا لہٰذا شفقت پیدا ہوئی اس کی اصلاح کی غرض سے امر بالمعروف نہی المنکر کرے اور کہا گیا ہے کہ چاہئے کہ امر بالمعروف و نہی المنکر نرمی اور لطف کے ساتھ ہو۔

کہتے ہیں کہ ایک دن خلیفہ مامون کو ایک واعظ نصیحت کر رہے تھے اور نصیحت قبول کرانے میں ذرا سختی سے گفتگو کر رہے تھے خلیفہ مامون نے کہا نرمی کے ساتھ بات کیجئے کیوں کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک ایسی ہستی (جناب حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو ان لوگوں (فرعون) کی ہدایت کے لئے بھیجا جو ہم سے اور آپ سے کہیں بدتر تھے اور وہ شخصیت (حضرت موسیٰ علیہ السلام) آپ سے کہیں بہتر اور اعلیٰ و ارفع تھی ان کو ارشاد باری تعالیٰ ہوا فقولا لہ قولا لینا (اس سے بات تم دونوں نرمی سے کرو)

اس کے بعد حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا مشائخ رحمہم اللہ اجمعین اس انداز سے اور اس طریقہ پر امر بالمعروف کرتے تھے کہ اگر کسی کو کوئی شیخ کسی بات سے منع کر دے تو پھر کیا تعجب ہے کہ وہ باز نہ آ جائے بلکہ ان کے کہنے کے ساتھ ہی اسی وقت وہ فسق و فجور سے باز

آجاتا اور اسی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی۔

ایک بزرگ اپنے مریدوں کے ساتھ اپنے شہر سے حج کے لئے روانہ ہوئے اور ایک کشتی میں سوار ہوکر جارہے تھے کہ اس شہر کے بندرگاہ میں سمندر پر سیر وتفریح اور تماشہ کا سامان تھا جوانان شہر کشتی میں سوار ہوکر سمندر میں سیر وتفریح کررہے تھے انہیں کشتیوں میں سے ایک ایسی کشتی نظر آئی کہ جس پر چند نوجوان آلات فسق (یعنی شراب، جام، صراحی اور چنگ ورباب وغیرہ) کے ساتھ سوار تھے اور وہ کشتی اسی طرف آرہی تھی مریدوں نے ان بزرگ سے گذارش کی کہ سارا شہران آوارہ گردوں کے فسق وفجور سے بھر گیا ہے اگر مناسب ہو تو حضرت شیخ ان لوگوں کے لئے بددعا کریں کہ یہ لوگ ہلاک ہوجائیں ان بزرگ نے ہاتھ دعا کے لئے اٹھایا اور کہا خداوندا ان مسکینوں کو جیسی فراخ حالی اور عیش وعشرت اس جہاں میں دی ہے اس جہاں میں بھی انہیں عیش وفراخ حالی عطا فرما تھوڑی دیر کے بعد ان نوجوانوں کی کشتی قریب آگئی ان لوگوں نے دیکھا کہ کشتی میں حضرت شیخ جلوہ فرماہیں آپس میں مشورہ کیا کہ ان آلات فسق کو پھینک دینا چاہئے کیونکہ شیخ اس کشتی میں موجود ہیں ان جوانوں نے تمام آلات فسق کو توڑ ڈالا اور سمندر میں ڈال دیا اور سب کو ختم کردیا یہاں تک کہ ان کی کشتی حضرت شیخ کی کشتی سے آکر مل گئی ان میں کا ہر ایک جوان شیخ کے قدموں میں آگیا اور عرض کیا کہ حضرت! ہم لوگوں کی بیعت لے لیجئے ہم لوگ توبہ کرتے ہیں اور ہر ایک شخص نے توبہ کی اور حضرت شیخ سے بیعت ہوگئے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس عبارت پر فرمایا کہ اس جہاں کا عیش وفراخ اس جہاں کا توبہ ہے اور اسی کی مناسبت سے دوسری حکایت بیان فرمائی کہ ہم نے ''تذکرۃ الاولیاء'' میں دیکھا ہے کہ ایک مرید بیعت کے بعد برگشتہ ہوکر فسق وفجور میں مبتلا ہوگئے یہ خبر ان کے پیر کو لوگوں نے پہنچادی کہ فلاں مرید پھر معصیت اور گناہ میں مبتلا ہوگیا ہے۔اس کے کچھ ہی دن کے بعد حضرت شیخ اپنے مریدوں کے ساتھ ایک راستہ سے گذر رہے تھے ناگاہ وہ مرید سامنے آگیا جیسے ہی اس کی نظر شیخ پر پڑی شرم کی وجہ سے بھاگا اور پیر بھی اس کے پیچھے

دوڑے اور دوڑتے ہی جارہے تھے دیکھنے والوں کو حیرت ہو رہی تھی کہ ایک بوڑھے شیخ وقت دوڑ کیوں رہے ہیں؟ اور دوڑتے دوڑتے وہ مرید ایک ایسی گلی میں گھس گیا کہ اس گلی میں آگے جانے کی راہ بند تھی آگے جانے کی گنجائش نہیں رہی پیر بھی اس کے تعاقب میں اس تک پہنچ گئے شرم وخجالت کے سبب اس نے چہرہ دیوار میں سٹالیا اس کے بعد شیخ بالکل اس کے پاس آگئے اور اس کا ہاتھ تھام کر کہا اے میرے بیٹے میں نے سنا ہے کہ تم پھر مخالف شرع یعنی فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے ہو اگر واقعی ایسا ہے تو سنو ان برے کاموں کو لوگوں کے بیچ نہ کیا کرو اگر تم کو کرنا ہی ہے تو میرے مکان میں آکر کرو، مرید سخت شرمندہ ہوا اور تمام گناہوں سے کلیتاً باز آگیا۔

اس بیان پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ پیران امر بالمعروف اس طور پر اور اس انداز سے کرتے ہیں کہ ان کے اس انداز سے متاثر ہو کر کون ایسا شخص ہے جو معصیت اور گناہ سے باز نہیں آئے گا اور پیروں کا یہ ایک خاص ادب وطریقہ ہے کہ اگر کوئی پیر کسی مرید کے منہیات میں مبتلا ہونے کی خبر پاتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ مرید اس سے باز آجائے تو وہ اس کے سامنے کوئی ایسا قصہ بیان کرتے ہیں جس میں اس کی سرگذشت ہو اور وہ مطلع ہو کر متاثر ہو جائے۔

حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ اگر کوئی فرزند اپنے ماں باپ کو منہیات میں مبتلا دیکھے تو کیا کرے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ان کو بتائے مگر لطف و نرمی کے ساتھ کسی نے خواجہ حسن بصریؒ سے پوچھا کہ فرزند کس طریقہ سے اپنے باپ کو درست کرے؟ فرمایا وعظ کہے مگر اس اندازہ سے کہ وہ غصہ نہ ہو جائے اور اگر وہ اس کی نصیحت سے غصہ میں آجائے تو خاموشی اختیار کر لے۔



اکاونواں باب

خواب کی تعبیر کے بیان میں

خواب کی تعبیر کے آداب اور قسمیں

مجلس شریف میں مولانا ابوالحسن نے عرض کیا کہ کسی نے خواب دیکھا کہ میں نے مخدوم جہاں عظمہ اللہ کی قدمبوسی کا قصد کیا ہے اور مخدوم نے مجھے ہاتھ دیا اس کی تعبیر کیا ہوگی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا بزرگوں کو دیکھنا خود بنفسہ بہتر اور مبارک ہے خصوصا جب کہ یہ مصافحہ اور بوسے کے لئے ہاتھ دیں یا کوئی بات ان سے سنیں۔

اس کے بعد فرمایا خواب کی تعبیر کی بہت سی قسمیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ خواب بیان کرنے کے وقت یہ دیکھے کہ بیان کرنے والے کے ہاتھ کی جنبش کدھر ہے اگر داہنی طرف یا آسمان کی طرف ہے تو اس کی تعبیر اچھی ہوگی اور اگر برخلاف اس کے ہے یعنی اس کے ہاتھ کی حرکت بائیں طرف یا نیچے کی طرف ہوتی ہے تو تعبیر بری ہوگی اور اس کو ''تعبیر بہ فعل سائل'' کہتے ہیں اور ''تعبیر بہ سمع'' بھی ہوتی ہے اور یہ معبر تعبیر کہنے والے کی جانب سے

ہے سائل کے سوال یعنی تعبیر پوچھنے کے وقت تعبیر کہنے والا کان لگائے رکھے کہ کس طرح کی آواز اس وقت سنائی دیتی ہے اگر کوئی ایسی چیز سنے جس کا سننا فال نیک اور مبارک ہو جیسے اذان کی آواز آئے یا کسی کے تلاوت قرآن کی آواز سنے یا ذکر خداوند تعالیٰ یا تذکرہ انبیاء و اولیاء یا اسی طرح کی اور کوئی چیز اس وقت سنے تو ایسی صورت میں اچھی تعبیر بیان کرے اور اگر اس کے برعکس ایسی چیز سنے کہ جس کا سننا نیک فال نہ ہو جیسے کسی کے گالی بکنے کی آواز یا رونے کی آواز اس وقت آئے تو ایسی حالت میں اس وقت تعبیر بری ہوگی اور اسی طرح ''تعبیر بہ بصر'' بھی ہے اور یہ بھی معبر کی جانب سے ہے یعنی سائل کے سوال کے وقت نگاہ کرے۔ اگر ایسی چیز دیکھے کہ جس کا دیکھنا فال نیک ہو مثلاً کسی خوبصورت اور صاحب جمال پر نظر پڑے یا اسی طرح کی کوئی اور چیز دیکھے تو اس وقت تعبیر اچھی ہوگی اور اچھی تعبیر دے یا کوئی بدصورت کریہہ المنظر آدمی کو دیکھے یا اسی طرح کی کوئی اور چیز پر نظر پڑے تو ایسی صورت میں تعبیر بری کی جائے گی' تعبیر کہنے والوں کی اصطلاح میں پہلی قسم کو ''تعبیر بسمع'' اور دوسری قسم کو ''تعبیر ببصر'' کہتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ حضرت شیخ فریدالدین نے ایک خواب دیکھا اس خواب کی تعبیر معلوم کرنے میں حضرت نے بہت غلو فرمایا ہر شخص سے اس خواب کی تعبیر پوچھتے تھے اور ہر شخص تعبیر کرتے تھے لیکن حضرت کو تسلی حاصل نہیں ہوتی تھی یہاں تک کہ اسی نیت سے انہوں نے قرآن سے فال دیکھی لیکن یہاں بھی ایسی آیت نکلی کہ نہ جس میں خیر کا ذکر تھا اور نہ شر کا اس پر بھی انہیں اطمینان حاصل نہیں ہوا تو اس کے بعد حضرت شیخ نظام الدینؒ نے کہا کہ حضرت نے جو خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر اچھی ہے۔ حضرت شیخ فریدالدینؒ نے فرمایا یہ آپ نے کیسے جانا؟ عرض کیا کہ جس وقت حضور خواب بیان فرما رہے تھے حضرت کے دست مبارک کی حرکت آسمان کی جانب تھی اور ہم نے حضور والا سے سنا ہے کہ جب کوئی اپنا خواب بیان کرے اور خواب کے بیان کرتے وقت اس کے ہاتھ کی حرکت آسمان کی جانب یا دائیں طرف ہو تو اس کے خواب کی تعبیر اچھی اور مبارک

ہوگی اور اگر ہاتھ کی جنبش یا حرکت بائیں طرف یا نیچے کی طرف ہو تو اس کی تعبیر بری ہے چنانچہ حضور عالی (حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ) کے ہاتھ کی حرکت آسمان کے جانب تھی تو یقیناً اس خواب کی تعبیر مبارک اور اچھی ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ نے اس موقع پر حضرت نظام الدینؒ کے مناقب میں سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ہم نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظ میں دیکھا ہے کہ مجھے ایک چیز میں مشکل پیش آتی تھی کہ مرنے کے بعد جنت میں داخل ہونے سے قبل یعنی قبر میں رویت باری تعالیٰ کا دیدار ہے یا نہیں؟ ایک رات مولانا ویس کو خواب میں دیکھا ان سے پوچھا کہ مرنے کے بعد جنت میں داخل ہونے سے پہلے رویت ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا کیونکر اور کس کو؟ اس جواب سے مجھے تشفی نہیں ہوئی یہاں تک کہ ایک دوسری رات کو میں نے ''گلچیں'' جو میری منہ بولی بہن تھی اس کو خواب میں دیکھا اس سے بھی ہم نے پوچھا اس نے جواب دیا کہ ہاں رویت ہے اور میں نے ایک دوبار دیکھا ہے۔

اس کے بعد حصرت شیخ نظام الدینؒ نے فرمایا سبحان اللہ ویس نے دیکھیں اور دیکھے گلچیں۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہاں یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

ما میکوشم و دیگراں می کوشند تا بخت کرا بود کرا دارد دوست

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا شیخ نظام الدینؒ کا بڑا بلند مقام ہے کہ جو مشکل بیداری میں پیش آتی اسے خواب میں پوچھ لیتے تھے ان کے لئے خواب اور بیداری دونوں برابر اور یکساں ہوتا اور یہ مقام بہت ہی بلند اور ارفع ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا لطف خاص ہے۔

خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا

حاضرین مجلس میں سے کسی نے سوال کیا کہ اس قول کے مطابق کہ خواب میں خداوند تعالیٰ کو دیکھنا کیا جائز ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ محمد ابن سیرین کے اس قول کے مطابق

کہ جو خداوند عزوجل کو خواب میں دیکھے دونوں جہاں میں مامون اور خوش قسمت ہو جائے اور اس سے ایسے اعمال کا صدور ہو کہ بہشت اس کے لئے واجب ہو جائے اور دنیا و آخرت دونوں کے غم سے آزاد ہو جائے اور اگر اسی خواب کو کوئی کافر دیکھے تو وہ دولت ایمان سے مشرف ہو اور اگر فاسق دیکھے تو اسے توبہ کی توفیق عطا ہو اگر ظالم بادشاہ دیکھے تو وہ عادل ہو جائے اور اگر بیمار دیکھے شفا پائے اور اگر سردار قوم دیکھے تو اس کی سرداری میں زیادتی ہو اور اپنی مرادوں کو پائے اور اگر فقیر گدا گر دیکھے بہت زیادہ مال پائے اور تونگر ہو جائے اور جس شہر میں یہ خواب دیکھا جائے اس شہر میں عدل وانصاف ظاہر ہو اور امن وامان ہو اور شر وفساد دور ہو جائے اور مفسدین مقہور ہوں اور اختلاف دور ہو سچائی کا ظہور ہو۔

صحیح وغلط خواب

خاکسار نے عرض کیا کہ اگر کسی نے اس طرح کا خواب دیکھا تو ہوسکتا ہے کہ شیطانی ہو شیطان نے خود کو اس شکل میں اس شخص کو دکھلایا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہوسکتا ہے اور اس کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ اگلے زمانہ میں بغداد میں قلندوں کی ایک جماعت پہنچی جب وہاں کے لوگوں نے ان قلندروں کو دیکھا کہ یہ لوگ مذہب اہل سنت والجماعت سے علاحدہ ہیں علماء کو خبر کی علماء نے اتفاق کیا کہ ان لوگوں کی بدعت دوسروں میں پھیلنے کے پہلے انہیں قتل کر دیا جائے مولانا برہان الدین متقیؒ گھر سے باہر آئے اور بادشاہ وقت کے پاس روانہ ہوئے بادشاہ نے سنا کہ مولانا برہان الدین متقی آرہے ہیں کہا کہ مجھے یقین ہے کہ مولانا کسی دنیاوی کام کے لئے ہرگز تشریف نہیں لارہے ہیں ضرور کوئی نہ کوئی دینی مہم پیش آئی ہے اسی لئے ان کی یہ تشریف آوری ہے الغرض مولانا روانہ ہوئے اور ادھر بادشاہ نے چند قدم آگے بڑھ کر استقبال کیا آخر آکر بیٹھے اور کہنا شروع کیا کہ ایک گروہ اس نیت سے کہ اہل سنت والجماعت کے خلاف لوگوں کو آمادہ کریں نکلا ہے اور اس شہر میں پہنچا ہے ابھی جب تک کہ یہ بدعت نہیں پھیلی ہے اس کے قبل ان کا قتل ضروری ہے بادشاہ نے کہا بہت بہتر ہے آپ لوگ ہمارے پیشوا و

مقتدا ہیں جایئے فتویٰ لکھئے میں قتل کر دوں گا۔مولانا برہان الدین وہاں سے اٹھے کہا چلوں فتویٰ لکھوں اور بھیج دوں مولانا گھر آئے وضو کیا تاکہ استخارہ کر کے فتویٰ لکھیں مولانا کو غنودگی آئی حجرہ کے آگے تھے، ناگاہ اپنے والد کی صورت دیکھی کہ سامنے وہ تشریف رکھتے ہیں اور کہہ رہے ہیں اے برہان الدین یہ کیا کہتے ہو اس سے باز آؤ خلق خدا کو خدا پر چھوڑ دو یہ کہا اور غائب ہو گئے مولانا مصلیٰ پر بیٹھے سخت متامل ہوئے کہ فتوی لکھوں یا نہیں اگر نہیں لکھتا ہوں تو بادشاہ سے وعدہ کر آیا ہوں وہ منتظر ہوں گے اگر لکھتا ہوں تو خود والد ماجد نے منع کیا ہے اسی تامل میں تھے کہ پھر غنودگی آ گئی مولانا نے خواب میں رسول خداﷺ کی زیارت کی فرمارہے ہیں کہ اے برہان الدین ہرگز تم یہ نہ سمجھو کہ وہ تمہارے والد کی صورت تھی ارے وہ تو شیطان لعین تھا جو تمہارے والد کی شکل میں صورت بنا ہو کر آیا تھا کہ تمہیں اس کام سے روک دے اسی وقت جلد فتوی لکھو' مولانا خواب سے بیدار ہوئے فتوی لکھا اس کے بعد اس گروہ کو قتل کر دیا گیا۔

اس موقع پر شمس الدین مہتمم خانقاہ معظم نے کہا کہ میں نے بھی ایک رات رسولﷺ کی خواب میں زیارت کی ہے اس طرح کہ گویا میرے آگے ایک دیوار ہے اور میں یہ جان رہا ہوں کہ اس دیوار کے اس طرف حضور اکرمﷺ ہیں، میں خواب ہی میں اپنے آپ سے کہہ رہا ہوں کہ میں حضورﷺ کی امت میں ہوں اور حضورﷺ دیوار کے اس طرف ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں حضور کی زیارت سے مشرف نہ ہوں؟ اس موقع پر میں نے دعا کی کہ خداوندا! اس دیوار کو میرے آگے سے ہٹا دے اس دعا کے ساتھ ہی دیوار سامنے سے ہٹ گئی میں خدمت اقدس رسالت پناہﷺ میں حاضر ہوا قدمبوسی کی اور دست مبارک بھی چوما جس وقت وہ اس خواب کو بیان کرر ہے تھے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کو ذوق پیدا ہوا اور ایسا کہ آخر مجلس تک مکیف رہے اس کے بعد یہ حدیث شریف زبان مبارک سے ادا ہوئی کہ ' من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یمثل '(جس نے خواب میں مری زیارت کی اس نے مجھی کو دیکھا شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔)

ایک ہی خواب کی علیحدہ علیحدہ تعبیر

خاکسار نے عرض کیا کہ اگر خواب میں کسی بزرگ نے کسی کو حمائل (قرآن شریف) دیا تو یہ خواب کیسا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا نہایت ہی بہتر ہے ایسا خواب کہاں میسر ہوتا ہے دیکھنا یہ ہے کہ اس خواب کا دیکھنے والا کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے اگر درویشوں کا خادم ہے تو اس کے دین کے کام سنور جائیں گے اور اگر اہل دنیا میں سے ہے تو دنیا کی فراغت حاصل ہوگی اور خواب کی تعبیر میں ایک اصل یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے کی طرف غور کرے کہ جس گروہ سے ہے اسی کی مناسبت سے تعبیر کی جائے گی اگر ایک ہی خواب دو شخصوں نے دیکھا تو اس خواب کی تعبیر دونوں کے حال کے مطابق کی جائے گی جیسے کالا کپڑا خواب میں دیکھنا اگر اہل علم دیکھے تو وہ قاضی کے عہدہ پر فائض ہوگا اور اگر اہل کلاہ (امیر و صاحب عزت) دیکھے تو بادشاہ ہو جائے اگر یہی خواب عوام الناس میں سے کوئی دیکھے تو وہ اندوہ وغم میں مبتلا ہو، خواب ایک ہی ہے لیکن تینوں کے خواب کی تعبیر میں فرق و تفاوت ہے۔ اور ایسا ہی ایک شخص خواجہ ابن سیرین کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں آذان دے رہا ہوں اس کے حق میں انہوں نے تعبیر کر دی کہ تم حج کرو گے اور اسی مجلس میں ایک دوسرے شخص نے کہا میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ میں آذان دے رہا ہوں اس کے حق میں یہ تعبیر دی کہ تم چوری کے الزام میں گرفتار ہو گے خواجہ ابن سیرین کے کسی شاگرد نے سوال کیا کہ خواب ایک ہی ہے لیکن تعبیر دونوں کے حق میں مختلف ہیں اس کے کیا معنی ہیں، تو ابن سیرینؒ نے کہا پہلے آدمی کی پیشانی پر میں نے صلحا کی علامت دیکھی اس آیت 'و اذن فی الناس بالحج' (پکار دیجئے لوگوں میں حج کے واسطے) کے موافق تعبیر کہی اور دوسرے کی پیشانی پر علامت مفسدوں کو دیکھی اس کے حق میں اس آیت 'ثم اذن مؤذن ایتها العیر انکم لسارقون' (پھر پکارا پکارنے والے نے اے قافلہ والو تم تو البتہ چور ہو) کے مطابق کی چند دنوں کے بعد لوگوں نے دیکھا ویسا ہی ہوا جیسی کہ تعبیر کی گئی تھی وار اس تعبیر کو "تعبیر بالکتاب" کہتے ہیں۔

خواب کی تعبیر ہر ایک آدمی سے نہ معلوم کریں

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خواب کے بارے میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ خواب دیکھنے والے کو چاہئے کہ ہر شخص کے نزدیک اپنا خواب بیان نہ کرے ہاں! اس شخص کے سامنے اپنے خواب کو بیان کرے جو تعبیر سے واقف ہو اور متقی پرہیزگار صلاح وتقویٰ سے آراستہ ہو اور بیان کرنے کا موقع ومحل ہو، تاکہ خواب دیکھنے والے کے مناسب تعبیر دے اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی خواب کو دوبار دیکھیں تو اس ایک ہی طرح کے خواب کی تعبیر دومختلف طرح پر ہوگی جیسا کہ رسالت پناہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک عورت نے خواب دیکھا کہ ایک کڑی اس کی چھت کی ٹوٹ کر گرگئی ہے وہ عورت حضور رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنا خواب بیان کیا، رسول علیہ السلام نے پوچھا راہ میں یہ خواب تو نے کسی سے بیان تو نہیں کیا ہے؟ اس نے کہا جی نہیں پھر حضور ﷺ نے پوچھا تیرا کوئی شخص تجھ سے جدا ہو گیا ہے؟ کہا کہ میرا شوہر سفر میں گیا ہوا ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا وہ صحیح سلامت تیرے پاس آجائے گا۔

پھر اسی عورت نے یہی خواب دوبارہ دیکھا تو اس نے کہا ایک بار یہی خواب دیکھا تھا سرکار دوعالم ﷺ نے تعبیر ارشاد فرمایا تھا اس مرتبہ بھی یہی دیکھا ہے چلوں حضور ﷺ کے حضور میں عرض کروں۔ اس نیت سے گھر سے چلی اثنائے راہ میں حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ رسول ﷺ سے ملاقات ہوگئی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہاں جارہی ہو؟ اس نے کہا حضور ﷺ کی خدمت میں، پوچھا کس غرض سے؟ تو اس نے کہا میں نے ایسا خواب دیکھا ہے جارہی ہوں کہ حضور ﷺ سے تعبیر اس کی سنوں حضرت صدیقؓ نے کہا اس کے لئے کیا جارہی ہو اس کی تعبیر یہ ہے کہ تمہارا شوہر مر جائے گا اس نے سونچا خواب وہی ہے اور تعبیر دوسری یہ کیوں کر ہوا چلوں حضور ﷺ سے تعبیر سنوں چنانچہ وہ حاضر ہوئی اپنا خواب بیان کیا رسول خدا ﷺ نے پوچھا کہ راہ میں کسی کے سامنے اس خواب کو تو نے بیان کیا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا کہ اس نے کیا تعبیر دی؟ کہا انہوں نے اس خواب کی تعبیر کہی کہ تیرا شوہر مر جائے گا اس موقع پر رسول علیہ السلام نے فرمایا 'الفال علی ما جری' (جو فال بیان کیا جاتا ہے وہ ہو جاتا ہے)۔

خاکسار نے عرض کیا کہ اس بنا پر تو یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا اور کسی سے بیان کیا اس نے تعبیر اچھی دی تو چاہئے کہ تعبیر اچھی ہی ہو؟

مختلف تعبیرات

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا 'الفال علی ماجری' سے تو یہی آتا ہے اور بعضوں کا قول بھی یہی ہے اس کے بعد اس علم تعبیر کے متعلق خواجہ ابن سیرین علیہ رحمہ کی بزرگی کا تذکرہ آگیا اس کی مناسبت سے مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک رات حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے خواب دیکھا کہ میں برہنہ ہوں اور کوڑے پر کھڑا ہوں اور مجھے کوڑے مار رہے ہیں اور کچھ کہہ رہے ہیں خلق کا انبوہ ان کے گرد جمع ہے اس خواب سے حضرت غمگین ہوئے ایک پارسا آدمی کو کہا کہ تم ابن سیرین کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ایک شخص نے ایسا خواب دیکھا ہے میرا نام نہ لینا یعنی میرے بارے میں نہ کہنا وہ ابن سیرین کے پاس آئے خواب بیان کیا ابن سیرین نے خواب سنتے ہی کہا یہ تمہارا خواب نہیں ہے اور نہ کسی دوسرے کا ہے اگر یہ خواب کوئی دیکھ سکتا ہے تو یہ حسن بصریؒ ہی دیکھ سکتے ہیں۔

پھر کہا خود کو برہنہ دیکھنا اس کی تعبیر یہ ہے کہ انہوں نے دنیا سے ہاتھ اٹھالی ہے اور یہ کہ کوڑے لگائے گئے اور کوئی چیز بیان کررہے تھے اور لوگوں کا ہجوم ان کے آگے کھڑا تھا تعبیر اس کی یہ ہے کہ لوگ ان سے علم حاصل کریں گے اور لوگ ان کے علم سے فائدہ اٹھائیں گے وہ شخص حضرت حسن بصریؒ کے سامنے آئے اور تعبیر بیان کی خواجہ حسن بصریؒ شاداں وفرحان ہوئے اور خوش ہو گئے اٹھے اور ابن سیرینؒ کے پاس پہنچے اور کہا بیشک آپ بہت بڑے استاد اور اس علم تعبیر میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

اسی طرح کہتے ہیں کہ مروان بن عبدالملک نے خواب دیکھا کہ دشمن نے اس کو زیر کردیا ہے اور اس دشمن نے زمین پر اس کو پچھاڑ دیا ہے اور نیزہ گھونپ دیا ہے اور زمین پر چار میخا کردیا ہے جب بیدار ہوا تو نہایت ہی ملول ہوا ایک شخص کو ابن سیرینؒ کے پاس بھیجا اور کہا کہ ان سے کہنا کہ ایک شخص نے ایسا خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر کیا ہوگی وہ شخص ابن سیرینؒ

کے پاس آیا اور خواب بیان کیا ابن سیرینؒ نے سنتے ہی کہا یہ تمہارا خواب نہیں ہے بلکہ یہ خواب مروان بن عبدالملک کا ہے یہ کہ دشمن نے اس کو زمین پر پچھاڑ دیا ہے نیزہ و چار میخا آہنی ٹھوک دیا ہے تعبیر اس کی یہ ہے کہ روئے زمین کی بادشاہی اس کو نصیب ہوگی اور عالم اس کے قبضہ میں ہوگا اور اس کی مضبوط حکومت ہوگی وہ شخص مروان بن عبدالملک کے پاس آیا اور تعبیر بیان کی مروان تعبیر سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ نظر و قابلیت ہر آدمی میں ممکن ہے گر چہ لوگوں پر ہوس و خواہشات کی تاریکی چھا گئی ہے۔ اور یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

کاں چشمہ کہ خضر از آب خورد حیواں　　　در منزل تست لیک تو اپنا شتہ

پھر یہ شعر ارشاد ہوا ؎

ہر کہ او در آفتاب خود رسید　　　تو یقین میدان کہ نیک و بد بدید

خواب کے اقسام

حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا کہ جھوٹا خواب بھی ہوتا ہے؟

فرمایا ہاں! جھوٹا خواب بھی ہوتا ہے اور جھوٹے خواب کی تین قسمیں ہیں ایک کو خواب ہمت کہتے ہیں، دوسرے کو خواب علت اور تیسرے کو خواب اضغاث واحلام۔ خواب ہمت یہ ہے کہ آدمی کو عالم بیداری میں جس چیز کا اندیشہ ہوتا ہے، خواب میں اسی طرح کی چیز نظر آتی ہے جیسے بھوکا پیاسا ہو، خواب میں روٹی پانی اور کھانے کی چیز دیکھے۔

خواب علت، اسے کہتے ہیں کہ آدمی کو کوئی بیماری ہو یا درد وغیرہ ہو اس کی وجہ سے پریشان ہو اور روتا ہو تو خواب میں بھی اسی طرح کی ہولناک و مکروہ چیزیں دیکھے گا۔

خواب اضغاث واحلام وہ ہے کہ جسے شیطانی خواب کہتے ہیں اور وہ خواب شیطان دکھلاتا ہے ایسا کہ جس سے غسل واجب ہوتا ہے ایسے خواب کی کوئی اصل نہیں۔

خواب کی تعبیر ہر شخص کے اپنے مقام کے اعتبار سے ہے

خاکسار نے عرض کیا کہ جس طرح مومن کے خواب کی تعبیر ہوتی ہے کافر کے

خواب کے خواب کی بھی تعبیر ہوتی ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں ہوتی ہے لیکن کہا گیا ہے کہ مسلمان کا خواب کافر کے خواب سے بہتر ہے اور عالم کا خواب جاہل کے خواب سے اور آزاد کا خواب غلام کے خواب سے اور ہوشیار کا خواب مست ونشہ باز کے خواب سے اور مستور کا خواب ہتک کرنے والے کے خواب سے اور بادشاہ کا خواب اس کی رعیت اور امیر ووزیر کے خواب سے بہتر ہوتا ہے اور جو جتنا پارسا متقی وصالح ہوگا اس کا خواب اتنا ہی صحیح ودرست ہوگا اور اس کی مناسبت سے یہ حکایت بیان ہوئی۔

کافر اور یہود کے خواب کی تعبیر میں فرق

فرمایا کہ امیر خیبر کی بیوی یعنی زوجہ نے خواب دیکھا، کہتے ہیں کہ اس رات وہ امیر خیبر کے بغل میں سوئی ہوئی تھی اور اسی رات امیر خیبر نے اس سے قربت چاہی اسی وقت وہ عورت حائضہ ہوگئی اور پھر اس نے یہ خواب دیکھا کہ چاند وسورج اس کے گود میں آگئے ہیں نیند ٹوٹ گئی بیدار ہوئی اپنے شوہر سے کہا یہ خواب میں نے دیکھا ہے یہ سنتے ہے غصہ میں آکر ایک ایسا طمانچہ اس نے اس کے رخسار پر مارا کہ نیلا ہوگیا۔ اس نے کہا کہ اگر یہ خواب سچا ہے تو اس خیبر کے قلعہ کو محمد ﷺ فتح کرلیں گے تجھے اسیر بنا کر لے جائیں گے اور اپنے حرم میں داخل کرلیں گے۔ دوسرے دن پیغامبر ﷺ نے خیبر کے قلعہ کو فتح کرلیا اور حضرت صفیہ ؓ کو اسیر بنالیا جب حضور ﷺ نے ان کا چہرہ دیکھا تو پوچھا کہ تمہارا رخسارہ نیلا کیسے ہوگیا؟ صفیہ ؓ نے اپنے خواب کا قصہ اور شوہر کی تعبیر پیغامبر ﷺ سے بیان کیا فرمایا کہ اس ملعون نے یہی تعبیر کہہ دی؟ میں نے اس (واقعہ) کو بالکل عیاں اور واضح دیکھ لیا تھا۔

بچوں کے خواب کی تعبیر کی حیثیت

بچوں کے خواب کے بارے میں دو قول ہے ایک یہ کہ ان کا دل گناہ کے زنگار سے پاک ہے اس لئے ان کا خواب سچا ہوتا ہے اور اس کی تعبیر جلد سامنے آتی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ وہ بچے ہیں اور ناسمجھ ہوتے ہیں اس لئے ان کے خواب کا کوئی اعتبار نہیں۔

خواب کی تعبیر میں جلد بازی نہ ہو

اس کے بعد فرمایا کہ اپنے خواب کو کسی کے سامنے نہ بیان کرے اور اس میں اس کو کوشش کرنی چاہیئے یہ اس لئے کہ تعبیر خود سامنے آجائے گی پھر اس کی کیا ضرورت ہے کہ کسی کے سامنے خواب بیان ہی کیا جائے۔

اسی موقع پر مولانا نظام الدین مخدوم جہاں عظمہ اللہ کے ماموں زاد بھائی نے عرض کیا کہ جناب یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا کہ **لاتقصص رویاک علی اخوتک** (اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا) انہوں نے بھائیوں سے کہہ دیا تو والد کی وصیت کے خلاف عمل ان سے وجود میں آیا اس کے بارے میں کیا ہے ؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تفسیر میں ایک قول آیا ہے کہ جناب یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے خود نہیں کہا بلکہ جناب یعقوب علیہ السلام کی حرموں میں سے کسی ایک حرم سے بیان کیا اور انہوں نے حضرت کے بھائیوں سے کہدیا اور یوں بھی ہے کہ جس وقت یعقوب علیہ السلام یہ وصیت فرمارہے تھے اس وقت ان کی حرم میں سے کوئی ایک پردہ کے پیچھے تھیں اور سن رہی تھیں انہوں نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے کہدیا۔

بُرے خواب دیکھنے کے وقت کیا کرے

پھر گذارش کی کہ لکھا ہے برے خوابوں کو کسی کے سامنے نہیں کہنا چاہیئے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے نہیں کہنا چاہیئے اور اگر کسی نے برا خواب دیکھا تو کہا گیا ہے کہ تین مرتبہ اپنے بائیں طرف تھوک دے اور تین مرتبہ **سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر** کہے حق سبحانہ تعالیٰ اس برے خواب کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

گھوڑا کو خواب میں دیکھنا بہتر ہے

مولانا نظام الدین مذکور نے پھر پوچھا کہ گویا ایک بزرگ بادشاہی سواری پر سوار ہوئے ہیں اور لوگ صف بستہ ان کے عقب میں ہیں اس کے بعد ان بزرگ نے ان میں سے ایک کو اشارہ فرمایا کہ اے فلاں سامنے آؤ اور اپنے گھوڑے کو تیز تر کرو اس کی تعبیر کیا ہوگی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا نہایت بہتر ہے گھوڑا دیکھنا ہی مراد پانا ہے اور خاص کر گھوڑے کو جولان یعنی تیز تر کرنا از حد بہتر اور خوب ہے۔

لعاب دہن کی تعبیر

شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ اگر درویشوں کے غلاموں اور خدمت گاروں میں سے کسی نے یہ دیکھا کہ ایک بزرگ نے اپنا لعاب دہن اس شخص کی منہ میں ڈال دیا ہے تو اس کی تعبیر کیا ہوگی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا بغایت نیک اور نہایت بہتر ہے اور اس سے اس کا اشارہ ہے کہ ان بزرگ سے اس کو نعمت ملے گی اور اس معنی کی نسبت سے یہ حکایت بیان ہوئی۔

حضرت حسن بصریؒ کی عظمت کا واقعہ

روایت ہے کہ خواجہ حسن بصری رسول اللہ ﷺ کی ایک حرم کے بہت پیارے تھے اور وہ حرم پاک حسن بصریؒ کو نہایت عزیز رکھتی تھیں غایت شفقت و محبت کی وجہ سے ایک رات آپ کو دودھ اتر آیا حضرت حسن بصریؒ ان کا دودھ پیتے تھے۔

اور دوسری روایت ہے کہ بچپن کے زمانہ میں حضرت حسن بصریؒ کھیلتے ہوئے آئے پیاس معلوم ہوئی دیکھا کہ ایک کوزہ پانی سے بھرا ہوا ٹھلیا کے اوپر رکھا ہوا ہے گئے اور اس کوزہ مبارک سے پانی پی لیا پھر اس کوزہ پاک کو ویسے ہی اس جگہ رکھ دیا اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کو تشنگی معلوم ہوئی حضور ﷺ گھڑے کے پاس تشریف لائے اور کوزۂ مبارک کو اٹھایا دیکھا کہ پانی مختصر سا ہے حرم محترم سے پوچھا کوزہ بھرا ہوا تھا اس کا پانی کس نے پیا حضرت ام المومنینؓ نے فرمایا حسن بصریؒ پیاسے تھے انہوں نے پی لیا ہے، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس مقدار میں حسن بصری نے اس کوزہ سے پانی پیا ہے میرے علم میں سے اتنا ان کو حاصل ہوگیا۔

حلوہ کی تعبیر

مولانا نجم الدین حضرت مخدوم کے بھانجہ نے عرض کی کہ اگر کوئی یہ خواب دیکھے کہ کسی بزرگ نے اسے حلوہ دیا ہے تو اس کی تعبیر کیا ہوگی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا خواب دیکھنے والا ان بزرگ کے ساتھ بیداری میں اکثر اوقات نشست و برخواست رکھتا ہے اور حلوہ کھانے میں ان کے ساتھ کبھی شریک ہوا ہے اگر ان کی صحبت میں رہا ہے تو اس خواب کو اسی پر قیاس کریں گے کہ حسب عادت جو بیداری میں ان کے ساتھ معاملہ تھا وہی اس نے خواب میں دیکھا اور اگر اس کے برعکس ہے کہ ان بزرگ کے ساتھ نشست و برخاست نہ تھی تو تعبیر یہ ہوگی کہ غیب سے اسے کوئی چیز ملے گی۔

جوں نکالنے کی تعبیر

خاکسار نے عرض کیا کہ کسی نے یہ خواب دیکھا کہ کوئی بزرگ اس کے سر سے جوئیں نکال رہیں اس کی تعبیر کیا ہوگی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا انشاء اللہ غم واندوہ اس سے دور ہوگا۔

خواب کی تعبیر کا انتظار کیا جائے

پھر اس خاکسار نے گذارش کیا کہ خواب میں اور بیداری میں جو کچھ ظہور پذیر ہوا ایک مدت تک اس پر انتظار کرے؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں انتظار میں رہے۔

برہنہ کی تعبیر

پھر خاکسار نے پوچھا کہ اگر کسی بزرگ کو سرتاپا برہنہ ایسا کہ ستر عورت بھی پوشیدہ نہیں خواب میں دیکھے تو اس کی تعبیر کیا ہوگی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر وہ بزرگ اہل دین میں سے ہیں تو خواب دیکھنے والے کے حق میں زہد کی تحقیق اور دنیا کا ترک حاصل ہوگا اور اگر اہل دنیا میں سے ہیں تو ان کے چھپے ہوئے راز کھل جائیں گے اور اگر وہ شخص خود کو برہنہ دیکھے تو بھی اس طرح کی تعبیر اس کے حق میں ہوگی۔

برہنہ پیشاب کی تعبیر

پھر اس عاجز نے پوچھا کہ اسی بزرگ کو دیکھا کہ وہ برہنہ ہیں اور پیشاب کر رہے ہیں یہ کیسا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا بول و براز دیکھنا اس کی اصل تعبیر یہ ہے کہ مال کسی ذریعہ سے حاصل ہوگا اور پیشاب اور پائخانہ کرتے ہوئے دیکھنا اس کی ایک تعبیر یہ بھی ہوتی ہے کہ غم واندوہ سے نجات ملے گی۔

آدھی روٹی کی تعبیر

پھر پوچھا کہ خواب میں کسی بزرگ سے آدھی روٹی پائی یہ کیسا ہے؟

فرمایا یہ نہایت ہی اچھا ہے کسی بزرگ کو بنفسہٖ دیکھنا اچھا ہے پھر یہ کہ ان سے کوئی چیز پائی اور کوئی اچھی بات فوائد علمیہ وغیرہ میں سے سنی تو یہ نعمت و دولت کے حصول کی بشارت ہے۔

کسی بزرگ کے عطیہ کی تقسیم کی تعبیر

پھر اس غریب نے عرض کیا کہ اگر کوئی خواب میں یہ دیکھے کہ کسی بزرگ سے کوئی چیز اس نے پائی اور جتنے لوگ اس میں تھے اس نے ان سب کو تقسیم کر دیا تو جس طرح اس خواب کے دیکھنے والے کے حق میں اثر ہوگا اسی طرح ان لوگوں کے حق میں بھی جن کو تقسیم کیا ہے اثر ہوگا یا نہیں؟

ارشاد ہوا ہاں! ان لوگوں کے حق میں بھی اثر ہوگا جس طرح خواب دیکھنے والے کے حق میں تعبیر ہوتا ہے مثلاً کسی نے خواب میں کوئی چیز کسی سے پائی اسی طرح خواب دیکھنے والے سے جس کسی نے خواب میں کوئی چیز پائی تو تعبیر ایک ہی ہوگی۔

حضرت مخدوم کے خواب کی تعبیر

مجلس شریف میں کسی نے عرض کیا کہ مولانا رشید الدین سرشتہ دار کا انتقال ہوگیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے آیت 'انا للہ وانا الیہ راجعون' پڑھی اور فرمایا کہ کل میں نے ان کو خواب میں دیکھا تھا کہ وہ میرے پاس آئے ہیں اور معذرت کر رہے ہیں، میں ان کو بیس سال سے اس دفتر داری کے کام میں دیکھ رہا ہوں ان کو اس کام میں اچھی مہارت تھی عرضی دعویٰ واقعات فیصلے دستاویز اور فرامین اس طرح کی ساری چیزیں انہیں یاد ہوگئی تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔



باونواں باب

سخاوت اور بخالت کے بیان میں

بخل، فضل اور عدل کی تشریح

مجلس شریف میں قاضی اشرف الدین نے عرض کیا بخل کی حد کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ 'البخل منع الواجب 'بخل واجب کی ادائیگی سے باز رہنا ہے۔ جو چیز دینا واجب ہے اگر نہ دے تو یہ بخل ہے اور اگر جس چیز کا دینا واجب ہے اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہ دینا چاہے تو یہ فضل سے باز رہنا یا رکنا ہوگا خواہ دے یا نہ دے۔ دیدے تو صاحب فضل ہوگا اور اگر نہ دے تو یہ عدل ہے۔

پھر انھوں نے عرض کیا کہ واجب سے رکنا، اس کی ادائے گی سے باز رہنا، خود حرام ہے؟ فرمایا کہ بخل اسی کو کہتے ہیں اور شیخ نظام الدینؒ کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ جو شخص ادائے واجب کرتا ہے وہ بخیلوں کے زمرہ سے باہر آجاتا ہے اور جو شخص کوئی چیز بے طلب از خود دیتا ہے وہ سخی ہے"۔

لیکن ایک دوسری جگہ یوں مرقوم ہے کہ بخیل وہ ہے جو ادائے واجب سے رکے اور سخی وہ ہے جو واجب کو ادا کرتا ہے''۔

سخی اور جواد میں فرق

سخی اور جواد میں فرق کیا ہے، سخی وہ ہوگا جو ادائے واجب کرے اور جواز خود کوئی چیز کسی کو عطا کرے وہ جواد ہوگا۔ کشف المحجوب میں مذکور ہے کہ علماء کے نزدیک جواد و سخا ایک معنی میں ہے مخلوق کی صفات میں۔ لیکن حق سبحانہ تعالیٰ کو جواد کہیں گے سخی نہیں اس موافقت کی بنا پر کہ حق تعالیٰ نے خود کو اس نام سے موسوم نہیں کیا ہے اور پیغامبر علیہ السلام سے بھی ایسی کوئی روایت نہیں ہے۔ اور اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے وہ اس کو جائز نہیں سمجھتے کہ کوئی شخص حق سبحانہ تعالیٰ کا وہ نام رکھے جو عقل ولغت کے اعتبار سے ہو مثلاً خداوند تعالیٰ 'عالم' ہے اس پر اجماع ہے کہ اسے 'عالم' کہنا چاہئے لیکن عاقل وفقیہہ نہیں کہا جائے گا گرچہ عالم کے ہم معنی ہے لیکن ایسا کتاب وسنت اور اجماع سنت و جماعت سے ثابت نہیں۔ اسی طرح اس واقفیت کی صحت کی بنا پر اسم 'جواد' حق تعالیٰ پر اطلاق کریں۔

اللہ کی طرف بخل کی نسبت کرنا منع ہے

اس کے بعد فرمایا کہ اہل سنت والجماعت کے مذہب اور بد مذہبیوں کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے بد مذہباں کہتے ہیں کہ جہاں تک بندہ کے ساتھ بھلائی کرنے کا معاملہ ہے وہ خدائے تعالیٰ پر واجب ہے جیسے کوئی شخص بیمار ہے صحت خدائے تعالی کے ذمہ ہے اور اگر کوئی شخص پیاسا ہے تو پانی دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے یہ لوگ کہتے ہیں اگر نہ دے تو یہ بخل ہوگا۔

ہم لوگ کہتے ہیں کہ بخل کی تعریف واجب کی ادائے گی سے باز رہنا ہے اور یہ چیزیں حق سبحانہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہیں اگر وہ دے دیتا ہے تو یہ اس کا فضل ہے اور اگر نہ دے تو عدل ہوگا پس تم لوگ حد بخل میں غلطی پر ہو اور نہیں جانتے کہ بخل کیا ہے؟

جوانمردی، سخا، جود اور ایثار کے مراتب

اس کے بعد فرمایا 'رسالہ قشیری' میں مرقوم ہے کہ اول مرتبہ جوانمردی اور سخا کا ہے۔

اس کے بعد مرتبۂ جود ہے اور جود کے بعد مرتبہ ایثار ہے اور اس کی صورت بیان کی ہے۔ ایسا شخص جو کچھ مال دیدے اور کچھ محفوظ رکھے وہ صاحب جود ہے۔ اور جو شخص خود تکلیف اٹھائے اور کسی دوسرے کو سب کچھ دے دے اور سب کھانا کھلا دے وہ صاحب ایثار ہے اور یہ سب صفات جو بیان کئے گئے ہیں وہ خلق کے صفات میں ہیں اور یہ تینوں کام مردوں کا ہے۔ اس کے بعد یہ شعر زبان مبارک سے ارشاد ہوا ؎

چوں تو دائم نفس خود را پروری　　　کمتر آید از مخنث رگوہری

سخاوت و بخالت میں فرق

اس کے بعد فرمایا کہ سخاوت عجب چیز ہے یہ عیبوں کو چھپاتی ہے برخلاف اس کے بخالت ہے کہ وہ اچھائی کو چھپا دیتی ہے۔

جوانمرد کا مقام

پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک روز یہاں پر امراء و ملوک کا قصہ بیان ہو رہا تھا اسی درمیان میں کسی نے نصر اللہ کا ذکر کر دیا 'خواجہ حاجی' مولانا عزیز الدین امام کے خسر موجود تھے نصر اللہ کا نام سنتے ہی انہوں نے زمین چوم لی۔ میں نے پوچھا اتنے سارے امراء و ملوک کا قصہ بیان ہوا آپ نے کسی کے نام کے ساتھ ایسا نہیں کیا نصر اللہ کا نام سنتے ہی زمین چوم لی اس کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا کہ نصر اللہ جوانمرد ہے یعنی فیاض ہے۔

سخاوت کا واقعہ

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کبھی بھی اس کی زبان پر "نہیں" کا لفظ نہیں آیا جس کسی نے اس سے کچھ مانگا چاہا ہزار بار ہو یا پانچ سو بار وہ یہی کہتا کہ "ہاں ہے" اور نہیں کا لفظ اس کی زبان پر کبھی نہیں آتا نصر اللہ کی سخاوت تمام لوگوں کو معلوم ہے اس میں جہالت تھی مگر جہالت اپنے تمام عیبوں کے ساتھ اس کے سخاوت کے تذکرہ میں ختم ہو جاتی اور یہ حکایت بیان فرمائی۔ کہ ایک روز افتخار الدین، مجد الملک کے لڑکے اور سید حمزہ اور نصر اللہ تینوں شخص میرے پاس آئے باتوں باتوں میں سید حمزہ نے نصر اللہ سے کہا کہ آپ کی وہ گھوڑی

کیا خوبصورت ہے؟ مجھے دے دیجئے فوراً اس نے کہا جاؤ لے لو، اسی درمیان افتخار الدین نے کہا فلاں بچھڑا بھی بہت ہی اچھا ہے نصر اللہ نے کہا آپ کو پسند ہے جایئے لے لیجئے اور ان دونوں نے نہیں چھوڑا لے ہی لیا اسی وقت سید حمزہ اٹھ کر چلے گئے اس نے بھی اپنے کسی آدمی کو پروانہ لکھ کر دیا کہ گھر جا کر دے آیئے کہ فلاں مادہ گھوڑی اور فلاں بچھڑا دیدیا جائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حاتم کندی کافر تھا اس جیسے سینکڑوں اس زمانہ میں ہیں ایسے لوگوں کی مثال ہر تعریف وستائش کے موقع پر کہتے ہیں کہ یہ حاتم ثانی ہے اور ہم لوگ کسی کی سخاوت میں مبالغہ کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں شخص حاتم ثانی ہے۔

اعراف کی تحقیق اور عالمانہ تشریح

اسی درمیان مولانا نظام الدین نے عرض کیا کہ اعراف کون سی جگہ ہے اور اعراف میں کون لوگ رہیں گے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اعراف دوزخ وبہشت کے درمیان ایک جگہ ہے اس جگہ نہ تو بہشت ہی کی راحت پہنچتی ہے اور نہ دوزخ کا عذاب اور اعراف میں کون لوگ ہوں گے اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ کافروں کی وہ اولاد جو بلوغ سے قبل مر گئے ہیں وہاں رہیں گے اور دلیل میں یہ کہتے ہیں چوں کہ انہیں ایمان میسر نہیں اس لئے بہشت میں نہیں جائیں گے اور وہ کفر میں بھی نہیں ہے لہٰذا دوزخ میں بھی نہیں جائیں گے تو مصلحت یہ ہے کہ ایسی جگہ رکھے جائیں جہاں نہ تو بہشت کی راحت ہو اور نہ دوزخ کا عذاب پہنچے۔

بہتر عمل والے کافر کا ٹھکانہ

پھر مولانا نظام الدین نے عرض کیا کہ کہا جاتا ہے کہ حاتم کو بھی اعراف میں جگہ ملے گی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا خیر جو کہیں، لیکن کافروں کے لئے دوزخ میں داخل ہونا کتاب وسنت سے ثابت ہے اس بیان سے کہ وہ اعراف میں رہے گا رفع عذاب ہوتا ہے یعنی کافر کو عذاب ہونے کی اور اس کے جہنم میں داخل ہونے کی نفی ہوتی ہے تو قائل کا یہ قول مخالف شرع ہوتا ہے۔

ہاں ! کافر کے حق میں عذاب کی تخفیف کی دلیل جا بجا آئی ہے اور اس کے عمل خیر کا یہ تقاضہ ہے لیکن امام زاہد نے اپنی تفسیر میں اس مسئلہ کی تحقیق اس طرح کی ہے کہ کافر کے حق میں تخفیف عذاب کا قول کافر کے لئے کلیتاً رفع عذاب کا تقاضہ کرتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ اگر کافر سے کوئی اچھا کام عمل میں آیا اس بنا پر تخفیف عذاب مان لیا جائے پھر اس اچھے کام سے بھی زیادہ بہتر عمل اس سے وجود میں آئے تو اور زیادہ تخفیف عذاب مانا جائے گا پس اس طور پر ہوسکتا ہے کہ کافر کا عمل خیر اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ برابر بھی عداب نہ ہو۔ اور کافر کے لئے عذاب نہ ہونا قرآن کے خلاف ہے کیوں کہ کافر کے حق میں عذاب قطعی طور پر قرآن سے ثابت ہے۔ اگر چہ بعض جگہوں میں پایا جاتا ہے کہ کافر کا عمل خیر تخفیف عذاب کا متقاضی ہے لیکن امام زاہد نے اسی طور پر تحقیق کی ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا۔

کافروں کے درمیان عذاب میں فرق

لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ جہنم میں کافروں کے درمیان ایک دوسرے کے عذاب میں فرق ہو اور یہ روایت ''مصاد العباد'' کی ہے جیسا کہ منافق کے حق میں ہے 'ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار' (بیشک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے) اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ جہنم میں جتنا زیادہ نیچے جائے گا اتنا ہی عذاب میں سختی ہوگی جس طرح بہشت میں جتنا زیادہ بلند درجہ ہوگا راحت و آرام زیادہ پائے گا تو جب منافقین درک اسفل (نچلے طبقہ) میں ہوں گے تو ان کو عذاب سخت ترین ہوگا بہ نسبت ان لوگوں کے جو کہ جہنم کے بالائی طبقے میں ہوں گے تو اس طور پر نچلے طبقہ والوں کی بہ نسبت بالائی طبقے والوں کے عذاب میں تخفیف ہوگی اس بنا پر جو کفر میں برا شخص ہے اور دوسرا اس برے سے بھی زیادہ برا اور سخت ہے دونوں کی برائی کے اعتبار سے دونوں کے حق میں عذاب ویسا ہی ہوگا۔ ایک کافر ہے کہ اس کا کفر تقلیدی ہے اور یہ کفر اس نے تقلیدا اختیار کیا ہے اور دوسرا وہ کافر ہے کہ جو دلائل و غوامض کفر یہ کو جان کر مبتلا ہوا ہے اور اس بنا پر کفر اختیار کیا ہے تو دونوں کے عذاب میں فرق ہوگا کافر مقلد کو عذاب کفر تقلیدی کا ہوگا اور استدلالی کافر کو عذاب اس کے کفر

کی مناسبت سے ہوگا تو ایسی تخفیف کفاروں کے درمیان میں ہوگی اور اس تخفیف سے رفع عذاب کا اقتضا نہیں ہوتا یہ اس لئے کہ کفر کا عذاب سب کے لئے جہنم ہی کے اندر ہے لیکن کفر کے درجات کی بنا پر ہر ایک کے لئے عذاب کے درجات ہوں گے جیسا کہ مومنوں کے درمیان ہے تقلیدی مومن اور استدلالی مومن دونوں ہی دخول جنت میں برابر ہیں لیکن دونوں کے درجات میں فرق ہے مومن استدلالی کا جو درجہ ہے وہ مقلد مومن کا نہیں۔

قورخاں کی سخاوت متعلق

قاضی احمد حافظ نے قورخاں کی تعریف شروع کی کہ قورخاں کو بھی سخاوت تھی نماز و روزہ کی بھی پابندی تھی اور شب بیدار بھی تھے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس گروہ صوفیہ کے لوگ نماز و روزہ کو کیا پوچھیں گے ہاں! ایثار کی صفت بھی تھی یا نہیں اگر اہل ایثار کے گروہ سے ہے تو خیر کیونکہ ایثار خود اس گروہ صوفیہ کا کام ہے اور اس کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک وقت کسی بزرگ کے سامنے کسی نے کہا کہ فلاں امیر بہت نمازی ہیں اور بہت روزہ رکھتے ہیں تو ان بزرگ نے کہا کہ اس نے دوسروں کا کام اختیار کرلیا ہے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا تمام لوگوں کا کام ہے اور جو بھی چاہے یہ کام کرسکتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ تم سے کسی دوسرے کو فائدہ پہنچے، طاعت وعبادت نفس کی مخالفت کے لئے ہے اگر نفس کی مخالفت کے لئے کرتا ہے تو طاعت وعبادت ہے اور جس میں نفس کی مخالفت نہیں ہوتی اور نفس پر بار نہیں پڑتا اس کا کرنا اور نہ کرنا دونوں ہی برابر ہے۔ اور اگر بیوہ عورتیں بھی چاہیں تو سو رکعت نماز اور مہینہ بھر روزہ رکھ سکتی ہیں اس کے بعد قصہ بیان فرمایا کہ ایک شخص نے اپنی اصلاح کرنی چاہی اور اس کام میں مشغول ہوئے ظاہری طور پر جتنا ممکن تھا خود کو آراستہ کیا لیکن سخت کلامی اور بے ہودہ گوئی بھی ان میں تھی لاکھ چاہا کہ یہ سخت کلامی دور ہوجائے اور زبان بیہودہ گوئی سے رک جائے ایسا نہ ہو سکا جتنی مرتبہ اس کی درستگی میں مشغول ہوئے کچھ بھی نہ ہوسکا اس کے بعد انہوں نے اپنے

آپ سے کہا اے نفس! اگر اس کے بعد زبان نرم نہ ہوئی تو ہر ایک سخت کلامی اور فضول بکواس کے عوض ایک مہینہ کا روزہ رکھوں گا بہت دنوں تک اس عمل میں مشغول رہے جب بھی فضول بات یا سخت کلامی زبان پر آئی روزہ بڑھاتے گئے ایک ماہ دو ماہ تین ماہ کا روزہ رکھا ایسا ہوا کہ نفس اس کا عادی ہو گیا اور جسم میں روزہ رکھنے کی قوت باقی نہ رہی مگر سخت کلامی فضول گوئی نہیں گئی انہوں نے کہا کہ اس عمل سے یہ ٹھیک نہیں ہوا ہے اب نماز کی منت مان لوں چنانچہ انہوں نے یہ منت مان لی کہ اب ایک بدکلامی بھی زبان پر آئی تو اس کے عوض یعنی ہر بدکلامی کے مقابلہ میں سو رکعت نماز ادا کروں گا ایک مدت تک اس پر معمل رہے ہر ایک بیہودہ بات جو زبان سے نکلتی اس کے عوض سو رکعت نماز پڑھتے یہاں تک کہ بیس سو تیس سو رکعت نماز پڑھتے پھر بھی زبان نرم نہیں ہوئی۔ پھر انہوں نے یہ منت مان لی کہ اب درہم و دینار خرچ کروں گا اگر اب کوئی بیہودہ بات زبان سے نکلی تو روپیہ اشرفی مال واملاک جو کچھ میری ملک میں ہے خدا کی راہ میں سب کچھ دے ڈالوں گا اور خرچ کر دوں گا جس وقت یہ منت انہوں نے مان لی ان پر لرزہ طاری ہو گیا پھر ان کی زبان سے کبھی سخت کلامی اور بیہودہ بات نہیں نکلی۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس عبادت پر یہ ارشاد فرمایا کہ نفس کی ساری مراد درہم و دینار کے ساتھ وابستہ ہے جب تک نفس کی تنبیہہ نماز و روزہ کے ذریعہ کرتے رہے وہ اپنی مراد پاتا رہا نماز و روزہ اس پر گراں نہ گذرا ہاں جب نفس کی تنبیہہ و تدارک روپیہ اشرفی کے ذریعہ کیا تو اس نے سمجھا کہ میری مراد کی راہ بند ہو گئی نفس عاجز و مطیع و فرماں بردار ہو گیا۔

ایک قرآنی آیت کی تشریح

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس آیت کریمہ 'رب ھب لی ملکا' (اے میرے پروردگار مجھے ایسی بادشاہت دیجئے) کی یہ تاویل ''تفسیر کبیر'' میں میں نے دیکھی ہے کہ ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا کہ جب لوگوں کے نزدیک ایسی بات ہے کہ دنیا کو برا سمجھتے ہیں اور دشمن رکھتے ہیں پھر اس کی طلب نبیوں سے ہو جب کہ وہ تمام لوگوں سے بہت زیادہ عالم و عارف ہوتے ہیں یہ کیونکر ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں

ایسا ہی ہے کہ تمام انبیا عارف ترین ہوتے ہیں اور یہ لوگ دنیا کو نہایت ہی برا سمجھتے ہیں اور اسے بڑا دشمن جانتے ہیں لیکن جناب سلیمان علیہ السلام نے اپنے نفس کا معائنہ کیا تو دیکھا کہ ہمارے نفس میں کسی قسم کا کبر باقی نہیں ہے اور یہ نفس ہر طرح پر ٹھیک اور درست ہے تو حضرت نے اپنے آپ سے کہا کہ کسی طرح اس کا امتحان کروں کہ خود کو درست اور پاکیزہ دکھلا رہا ہے ہوسکتا ہے خود کو سیدھا دکھلا رہا ہے مگر سیدھا نہ ہو تو اس کا امتحان کرنا چاہئے کہا کہ نفس کی مراد اور اس کی خواہش کو دیکھوں ہر اس چیز کا شمار کیا جس میں اس کی آرزو ہوتی ہے بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ نفس کی انتہائی خوشی بادشاہی میں ہے اس کی انتہائی آرزو اس میں ہے کہ اسے بادشاہی ملے، ملک کی خواستگاری کی، تاکہ نفس کی سچائی اور اس کا جھوٹ ظاہر ہو جائے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس بیان پر فرمایا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ آپ کی سلطنت مشرق سے مغرب تک تھی؟ اور ایسی کہ کسی بادشاہ کو ایسی سلطنت ملی مشرق سے مغرب تک نہیں ملی سب کے سب آپ کے فرمان اور حکومت میں تھے بلکہ یہاں تک کہ ہوا، دیو، پری اور جملہ پرندگان بھی آپ کے حکم کے تابع تھے جس صفت کی آپ کی سلطنت تھی ویسی مملکت اور جلالت کے باوجود کسی وقت بھی آپ کے نفس نے اس بادشاہی اور مملکت سے ذرہ برابر خوشی اور لذت حاصل نہیں کی آپ کی غذا و خوراک بھی اس سلطنت سے نہ تھی بلکہ زنبیل (تھیلہ) بنتے تھے اور اس سے جو کسب کرتے تھے اسی سے جو کے آٹے کی دو ٹکیہ پکا لیتے تھے ایک فقیر کو دے دیتے اور ایک خود تناول فرماتے اس طرح آپ نے نفس کی آزمائش کی تو دیکھا کہ نفس بالکل سیدھا اور درست ہے اور اسی سے بزرگوں کی یہ روش ہے کہ جب صفات مذمومہ کی ہر صفت کو اپنے آپ سے دور کر لیتے ہیں اور نفس کو اس میں بالکل درست پاتے ہیں تو اسی طرح نفس کے راستی اور سچائی کے دعویٰ کی جانچ کرتے ہیں کہ نفس موافقت کرتا ہے یا نہیں؟

آیت کریمہ کی تشریح

قاضی مذکور نے عرض کیا کہ اس آیت کریمہ 'ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناو یتیماو اسیر ا' (اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت میں مسکین اور یتیم اور اسیر کو) کا

نزول کس کے حق میں ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کا نزول امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ کے حق میں ہے اور اس کا قصہ یوں ہے کہ امیر المومنین حسن و حسین رضی اللہ عنہما علیل ہو گئے تھے حضور پرنور رسول خدا ﷺ ان دونوں کو دیکھنے کے لئے آئے سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرہ اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہما سے فرمایا ماشاء اللہ دونوں اچھے ہیں آپ دونوں منت مان لیجئے اس نذر کی برکت سے خداوند تعالی انہیں شفاعطا فرمائے گا امیر المومنین حضرت علیؓ اور سیدۃ النساء فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہما نے تین روزہ کی نذر مان لی اس وقت فضہ نامی ایک کنیز بھی آپ کے پاس تھیں انہوں نے بھی ان دونوں کی موافقت میں منت مان لی اس کے بعد اللہ رب العزت نے امیر المومنین حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو شفاعطا فرمایا اس کے بعد منت ادا کرنے کے لئے روزہ رکھنا شروع کیا۔ پہلے دن جب روزہ رکھا تو شام کے وقت تین روٹیاں پکائیں افطار کے لئے جب روٹیاں سامنے رکھی گئی تو اس وقت ایک مسکین نے آکر دروازہ پر صدادی کہ ' یا اهل بيت النبوة والرحمة انی مسكين من مساكين المسلمين اطعمونی اطعکم اللّٰہ فی الجنة علی مأدبها '(اے اہل بیت نبوت و رحمت میں مسلم مسکینوں میں سے ایک مسکین ہوں مجھے کھلائے اللہ آپ کو جنت میں وہاں کے دسترخوان سے کھلائے گا) امیر المومنین حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما اپنی اپنی دونوں روٹیاں اس مسکین کو دے دیں اور ان کنیز نے بھی اپنے حصہ کی روٹی ان دونوں کی موافقت میں اس مسکین کو دے دی۔ پھر دوسرے دن بھی ان لوگوں نے روزہ رکھا افطار کے وقت تین روٹیاں پکا کر سامنے رکھیں تو ٹھیک اسی وقت ایک یتیم نے در اقدس پر حاضر ہو کر عرض کیا 'یا اهل بيت الوحی والنبوة انا يتيم من يتامی المسلمين اطعمونی يطعكم اللّٰہ فی الجنة علی مأدبها ' (اے اہل بیت وحی و نبوت میں مسلم یتیموں میں سے ایک یتیم ہوں مجھے کھلائے اللہ تعالی آپ کو جنت میں وہاں کے خوان سے کھلائے گا) امیر المومنین علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما نے اسی وقت اپنی اپنی روٹیاں اس یتیم کو دیدیں اور کنیز نے بھی ان کی موافقت میں اپنے حصہ کی روٹی دے دی پھر تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا افطار کے وقت ایک اسیر قیدی نے در پاک پر آکر بطور طعن صدادی کہ ' یا اهل

بیت النبوۃ ما انصفتمونی ولا تطعمونی یطعکم اللہ فاناأسیر محمد ﷺ '(اے اہل بیت نبوت آپ لوگوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا اس حال میں کہ مجھ کو کھانا نہیں کھلایا اللہ تعالیٰ آپ کو کھانا کھلائے میں تو حضرت محمد ﷺ کا اسیر ہوں) امیر المومنین حضرت علیؓ لقمہ دہن مبارک میں لے چکے تھے اس لقمہ کو منہ سے نکال دیا اور روٹی اس قیدی کو دے دی حضرت سیدۃ النساء نے بھی اپنی روٹی دے دی ان کی موافقت میں کنیز نے بھی اپنی روٹی اٹھائی اور اسے دے دی اس طرح تینوں روٹیاں اس اسیر کو دے دی گئیں۔

اس کے بعد جناب جبرئیل علیہ السلام نے یہ آیت کریمہ لے کر حضور رسول علیہ السلام کے پاس آئے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس تقریر پر فرمایا سبحان اللہ یہ کنیز کفرستان کے کس مزبلہ میں پڑی ہوئی تھیں ان لوگوں کی موافقت میں وہ کام کیا جیسا کہ فرزندان اہل بیت رسول علیہ السلام کی مدح اس آیت میں کی گئی ہے وہ کنیز بھی اس مدح و تعریف میں داخل ہو گئیں اس کے بعد فرمایا کہ صحبت عجیب چیز ہے۔

پھر فرمایا کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس واقعہ کے پہلے اس آیت کریمہ کا نزول ہو چکا تھا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اس کام کا صدور چونکہ انہیں اہل بیت سے ہوا اس لئے مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کا نزول انہیں کے حق میں ہے چنانچہ اس طرح کا کام کسی اور سے وجود میں آیا ہی نہیں پس یہ ضروری ہے کہ اس آیت کے نزول کو انہیں کے حق میں رکھا جائے گا۔

اصول تفسیر کا ایک مسئلہ

علم القرآن میں ایک قسم یہ ہے کہ اگر کوئی حکم کسی کام کے متعلق نازل ہوا ہے اور وہ فعل کسی سے وجود میں نہیں آیا ہے۔ سب سے پہلے جس شخص سے وہ فعل وجود میں آئے گا اس آیت کے نزول کو اسی کے حق میں رکھا جائے گا اور جن دوسروں سے بعد میں وہ فعل عمل میں آئے گا وہ لوگ اس پہلے شخص کے متبع ہوں گے۔

فتوت و مروت میں کیا فرق ہے

حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا فتوت و مروت کے کیا معنی ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اصل فتوت یہ ہے کہ ہمیشہ دوسروں کے کام میں امادہ ومستعد رہے فتوت یعنی دوسروں کے کام آنے کی بڑی خوشخبری حضور اکرم ﷺ سے منقول ہے فرمایا حضور ﷺ نے **لا یزال اللّٰہ فی حاجة العبد مادام العبد فی حاجة اخیہ المسلم** ' (برابر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی میں لگا رہتا ہے)

اور خواجہ ابوعلیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا اس صفت کے کمال کو کوئی نہیں پا سکا سوائے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے۔ قیامت کے دن سبھی نفسی نفسی کہیں گے مگر حضور ﷺ امتی امتی فرمائیں گے۔

اور خواجہ ابوبکر وراق سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا **الفتی من لا خصم له** (فتوت یہ ہے کہ اس کے کرنے والے کا کوئی دشمن نہ ہو) یہ بہت بڑی بات ہے اس کے تحت جملہ علوم آتے ہیں۔

اور محمد بن علی ترمذیؒ نے فرمایا '**الفتوة ان تکون خصمالربک علی نفسک**' یعنی فتوت یہ ہے کہ تم اللہ کے لئے اپنے نفس کے دشمن بن جاؤ۔

اور امام محاسبیؒ نے کہا '**ان الفتوة ان تنصف بنفسک یغیرک ولا تشتھی الانصاف یغیرک علی نفسک**' یعنی اپنی ذات سے دوسروں کے لئے انصاف کرو اور اپنے لئے دوسروں سے انصاف نہ چاہو۔

لیکن مروت کے بارے میں امام نصر آبادی فرماتے ہیں کہ مروت فتوت کی ایک شاخ ہے '**وھو الاعراض عن الکونین والألفۃ بینھما**' (مروت کونین یعنی دونوں جہاں سے اعراض اور ان دونوں کے درمیان اللہ سے الفت ومحبت کا نام ہے۔)

اس موقع پر یہ مثنوی زبان گوہر فشاں سے ادا ہوئی ؎

چوں بدریا می توانی راہ یافت ۔۔۔ سوے یک شبنم چرا باید شتافت
چوں منی را عشق دریائش بود ۔۔۔ در سرم ایں شور و سود ایش بود

واللہ اعلم بالصواب.



تیرپنواں باب

مناسبت اور لگاؤ کے بیان میں

دو آدمی ایک کنگھی کو استعمال نہ کریں

مجلس شریف میں قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ جس چیز کے عمل میں لانے کے لئے وعید آئی ہے جیسے کہ ٹوٹی ہوئی کنگھی کے استعمال سے افلاس آتا ہے اور اگر ایک کنگھی کو دو شخص استعمال کرے تو مفارقت و جدائی پیدا ہوتی ہے اس کے لئے کوئی مناسبت بھی ہے یا نہیں (یعنی ایسا کس وجہ سے اور اس میں کیا لگاؤ ہے)؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کوئی مناسبت نہیں اور کوئی بھی اس کی مناسبت اور لگاؤ کو نہیں جانتا اس لئے کہ یہ شریعت کے اسرار ہیں اور اسرار شرع کو کوئی نہیں جانتا سوائے ارباب معنی کے کیونکہ ارباب معانی بے سنے ہوئے اور بغیر کتاب دیکھے ہوئے قوت معانی اور کشف معانی سے جان لیتے ہیں کہ کیا نسبت اور لگاؤ ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس فعل کا اثر وہی ہو اور دوسرا نہ ہو۔

متعلم اور اہل مکاشفہ میں فرق کیا ہے

پھر گذارش کی کہ متعلم اگر اس بارہ میں غور وفکر کرے اور اس کی کوئی مناسبت اس کو معلوم نہ ہوتو۔فرمایا کہ متعلموں کی وہاں تک کہاں رسائی ہے؟ اس کا تعلق کشف سے ہے سوائے اہل مکاشفہ کے اس معنی کی اطلاع کسی دوسرے کونہیں ہوسکتی اور ایسا ہی شرع کے مقدرات میں ہے جیسا کہ منقول ہے کہ جوشخص اس نماز کو پڑھے شرع کا فرمان ہے کہ دس پیغمبروں کا ثواب اسے ملے گا اب اس نماز کے ادا کرنے والے کو دس پیغمبروں کا ثواب مقدر ہوا اس میں کیا مناسبت ولگاؤ اور کیا معنی ہے کہ دس ہی پیغمبر کا ثواب مقرر ہوا پندرہ کا کیوں نہیں ہوا اور دس سے کم کا کیوں نہیں ہوا؟ اور ایسا ہی دعاؤں کے بارے میں ہے وہ دعائیں جو صبح کی نماز کے لئے مخصوص ہیں اور وہ دعائیں جوظہر کی نماز کے لئے خاص ہیں ایسا کیوں کہ یہ صبح ہی کے نماز کے لئے خاص ہوئیں اور وہ ظہر کی نماز کے لئے مختص ہیں اس میں کیا معنی ہے اور اس میں کیا مناسبت اور لگاؤ ہے؟ اس کے برعکس کیوں نہیں ہوگا اور ایسا ہی رکعتوں کی تعداد میں صبح کی نماز کے لئے دو رکعت، ظہر کے لئے چار، عصر کے لئے چار، مغرب کی نماز کے لئے تین، عشاء کے لئے چار اور ان نمازوں کی تخصیص پانچ وقت۔ایسا ہی زکوٰۃ میں چالیس درہم میں سے پانچ درہم اس کی اطلاع سوائے ارباب معانی کے اور کسی کونہیں ہوتی اس لئے کہ یہ لوگ معنی کی ادائیگی کے لئے لفظ کی جانب آتے ہیں اگر کوئی لفظ استعمال کرنا چاہیں تو اسی وقت اس کی مناسبت سے معانی ان کی نگاہ میں بے تکلف آجاتے ہیں۔

بیچارے متعلم کو یہ بات کہاں حاصل ہے؟ اس لئے کہ وہ لفظ کو اصل جانتے ہیں اور معنی کو لفظ کے تابع سمجھتے ہیں چنانچہ وہ لفظ سے معنی کو طلب کرنا چاہیں گے جو مشکل ہے یہ کب اور کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ لیکن ارباب معانی کے نزدیک معنی اصل ہے اور لفظ اس کے تابع ہے اہل معانی جب چاہیں عالم ظاہر میں معنی کو لائیں تو اس کے لئے ایسے الفاظ طلب کرتے ہیں جو اس معنی کے مناسب ہو عالم ظاہر میں دوسروں کو سمجھانے کے لئے اس معنی کو لفظ کا جامہ پہناتے ہیں تو معنی اصل ہوا۔

طالب معنی اور اہل مکاشفہ میں فرق

پھر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ اگر سب کو چھوڑ چھاڑ کر تحصیل معنی میں لگ جائیں تو معنی روشن ہوگا یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تحصیل معنی کہاں تک کریں گے جب تک کہ محرم قرآن نہیں ہوتے اس کے بعد ہی مفہومات اور اشارات قرآنی کو پا سکتے ہیں اور قرآن کے جملہ معانی سے واقف ہولیں تب ان کو پا سکتے ہیں اور تحصیل معانی کب تک اور کہاں تک؟ مگر ہاں! وہ شخص جو دل کی اصلاح میں مشغول ہو تو دل کا دروازہ اس پر کھل جائے جب کہیں حاصل ہو جس قدر دل میں صفائی آئے گی اسی قدر معنی اس پر کھلیں گے یعنی بمقدار صفائی دل معنی قرآن آشکارا ہوں گے، اس کے بعد یہ شعر ارشاد ہوا ؎

آن نقد کہ در خزانۂ دل باشد　　　آساں آساں بداں رسیدن نتواں

اور مثنوی کے یہ دو شعر پڑھے گئے ؎

عقل تو اندر سر موئے بسوخت　　　ہر دو لفظ باید زپر سبیدں بسوخت
کس نداند کنہ یک ذرہ تمام　　　چند گوئی چند پرسی والسلام

پھر زبان گوہر فشاں سے یہ شعر فرمایا ؎

در پردۂ دل میزن و در پردہ ہمی گوے　　　کیں پردہ چہ پردہ است دریں پردہ چہ راز است

اور زبان گوہر بار سے یہ ارشاد ہوا کہ ارباب معانی اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق آگاہی پاتے ہیں اور اس وقت اس کا ذوق ملتا ہے جب کہ سب کچھ ان پر کھلتا ہے وگرنہ محض تقلید میں باتیں ہوتی ہیں۔

اپنے عہد کے طریقہ تعلیم پر تنقید

پھر ارشاد فرمایا اس وقت حصول علم قاعدہ اور قانون کے ساتھ نہیں ہے اور کوئی بھی قاعدہ اور قانون کے ساتھ علم حاصل نہیں کرتا الا ماشاء اللہ اور مثنوی کے یہ اشعار زبان شکر فشاں سے ادا ہوئے ؎

در ہمہ علم سامری وارند   از بروں موسیٰ از دروں مارند
ہمہ بسیار گوئے کم دانند   ہمہ غولان در بیابان اند
بجدل کوثر بعلم ابتر   بسخن فربہ و بدیں لاغر
دیں طلب کن گرت غم دیں است   کہ کلید در دیں از دین است

اور وہ لوگ کہ جو اہل غرور ہیں اپنی رکیک عقل سے مناسبت کے معلوم کرنے میں پیش پیش ہیں جیسا کہ فلسفیوں کا مقولہ ہے کہ جس چیز کی خاصیت اور اس کی مناسبت کی تحقیق نہیں ہوتی وہ چیز ہی نہیں ہے حالانکہ بہت ساری چیزیں اپنے تعجب خیز خاصیتوں کے ساتھ روشن ہیں لیکن کسی کو اس کی خبر نہیں کہ اس میں یہ خاصیت کس سبب سے ہے جیسے سنگ مقناطیس کہ وہ لوہے کو اپنی جانب کھینچ لیتا ہے تمام علماء اور حکما نہیں جانتے کہ یہ خاصیت کہاں سے ہے اور اس کی مناسبت کیا ہے؟ اور اسی طرح اطباء جب یہ چاہتے ہیں کہ مریض کے علاج کے لئے معجون بنائیں تو کسی جڑی بوٹی سے ایک درہم کسی سے دو درہم کسی سے تین درہم لیتے ہیں اور معجون بناتے ہیں لیکن کوئی یہ نہیں جانتا کہ اس کی یہ خاصیت کس سبب سے ہے اور اس میں مناسبت کیا ہے؟ پھر یہ رباعی پڑھی گئی ؎

آں کیست کہ در کار تو سر گرداں نیست   و اندر رہ تو بے سر و بے ساماں نیست
گر سوختۂ پے نبرد کار ترا   معذور بود کہ کار تو آساں نیست

نقش ولادت

پھر فرمایا اس کی قدرت کے عجائبات کے سامنے اہل علم واہل عقل سرگرداں وحیراں ہیں چنانچہ یہ شکل نوشتہ میں آئی ہے کہ مٹی کے دو سفالی پر جو کوری ہو اس پر لکھا جائے اور ولادت کے وقت حاملہ کے ہاتھوں میں دیا جائے کہ دونوں آنکھوں سے اسے دیکھے پھر قدموں کے نیچے رکھ کر ذرا زور لگائے بہ آسانی ولادت ہو جائے گی یہ شکل نو خانہ ہے اور حروف جُمل بقاعدہ ابجد ہے جس طرف سے شمار کریں پندرہ آئے گا جملہ علماء وحکماء اگر یہ چاہیں کہ معلوم کریں کہ یہ خاصیت کس سبب سے ہے اور اس کی اس خاصیت میں مناسبت کیا ہو تو نہیں جان سکتے۔ اور وہ شکل یہ ہے:۔

مطبوعہ میں		
ب	ط	د
ز	ھ	ج
و	ا	ح

قلمی نسخہ میں		
۲	۹	۴
۷	۵	۳
۶	۱	۸

(یہ نقش آسانی ولادت کے لئے ہے اور مجرب ہے۔ مترجم)

کنگھی کرنے کا شرعی وقت

خاکسار نے عرض کیا کہ کنگھی کرنے کا کوئی خاص وقت معین ہے یا جس وقت چاہے کرلے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ کوئی مطلق روایت اس کے متعلق نگاہ سے نہیں گذری اور وقت وجگہ بھی معین نہیں ہے لیکن ایک متعلم دیوالے کا یہاں آیا تھا وہ کہتا تھا کہ صبح نماز فرض کی نماز کی ادائیگی کے بعد آفتاب کے طلوع ہونے کے قبل مکروہ کہا گیا ہے کہ اس وقت کنگھی نہ کی جائے اس میں چنداں صحت معلوم نہیں ہوتی کہ ایسی روایتیں ہر جگہ مطلق آئی ہیں۔

کنگھی، تولیہ اور برہنہ غسل کے متعلق روایات

مولانا حافظ کے لڑکے نے عرض کیا کہ دو شخص کو ایک کنگھی سے بال نہیں جھاڑنا چاہئے اس میں کیا معنی ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس سے مفارقت جدائی پیدا ہوتی ہے اور ایک رومال اور تولیہ جس سے ہاتھ منہ صاف کرتے ہیں اس سے دوسرے کو ہاتھ منہ صاف کرنا منع بھی ہے اس سے بھی تفرقہ جدائی پیدا ہوتی ہے۔

پھر پوچھا کہ ٹوٹی ہوئی کنگھی استعمال کرنا بھی منع ہے اس میں کیا معنی ہے؟ فرمایا کہ اس سے غربت وافلاس فقر آتا ہے اور اس فقر سے فقر اضطراری مراد ہے جیسے 'کاد الفقر ان یکون کفرا' (محتاجی، قریب ہے کہ کفر تک پہنچادے) اور جیسے **الفقر سواد الوجه فی الدارین** (افلاس محتاجی دونوں جہاں کی روسیاہی ہے)۔ خاکسار نے عرض کیا ننگے ہو کر نہانا کیسا ہے؟

فرمایا کہ مکروہ ہے اس لئے کہ ہر شخص کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں۔ تالاب ہو یا ندی نہر ہو خواہ بند غسل خانہ ہو ہر جگہ برہنہ ہو کر غسل کرنا مکروہ ہے۔



چوّنواں باب

سفر کے بیان میں

مجلس شریف میں شیخ احمد دیوالے اور ان کے بھائی ذکریا دہلی سے عزم سفر کر کے آئے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کی شرف زیارت سے مشرف ہوئے۔

سفر میں خیر ہے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے ان سے پوچھا آپ عزیزان کہاں سے آئے ہیں عرض کیا شہر دہلی سے حضرت مخدوم نے فرمایا آنا مبارک ہو! اور یہ بھی فرمایا کہ اگر چہ مسافرت میں تکلیف و مشقت بے شمار ہوتی ہے آدمی اپنے اصلی وطن کو چھوڑ کر دور چلا جاتا ہے لیکن اس میں آدمی کے لئے راحت و خیر ہے خود حضور رسول اللہ ﷺ کو فرمان ہوا کہ مکہ سے مدینہ کا سفر کریں اگر اس میں رسول خدا ﷺ کے لئے خیر نہ ہوتی تو حق سبحانہ تعالیٰ کا فرمان سفر نہ ہوتا۔

سفر با مقصد ہونا چاہئے

اس کے بعد فرمایا اگر کوئی شخص سفر اختیار کرنا چاہے تو اس وقت سفر کرے جب اس کے

پاس معانی واسرار دین جمع ہوئے ہوں یا حصول معنی کا درد اور اس کی لگن ہو، ورنہ اتنے سارے مسافر لوگ سفر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے ایسے ایسے شہر دیکھے۔ یا فلاں سرزمین کی سیر کی ہے یا فلاں بزرگ سے ملاقات کی ہے اگر چہ یہ دیکھنا فائدہ سے خالی نہیں ہے مگر کوئی خاص نفع بخش بھی نہیں یہاں تک کہ اگر کسی بزرگ کی زیارت کے لئے جائے اور اس سے معنی کا استفادہ نہ کرے اور اس کے مقام ومنزلت کی معلومات حاصل نہ کرے تو اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔

بزرگوں کے احوال کی خبر کیونکر ہوسکتی ہے؟

خاکسار نے عرض کیا کہ بزرگوں کے حال ومقام کی دوسروں کو خبر کیونکر ہوسکتی ہے؟

فرمایا ان کے احوال کے قرینہ سے اور ان کے اقوال کی روشنی میں ہر شخص اپنے اندازہ و استعداد کے موافق مطلع ہوگا اگر چہ یہ بزرگان یہ نہیں کہتے کہ ان کے یہ کلمات ان کے حال ومقام کے مخبر ہیں۔ ہاں! اطلاع اسی کو ہوگی جو اس کا اہل بھی ہو۔ اور اسی کی مناسبت سے یہ حکایت بیان ہوئی۔

درویش کسے کہتے ہیں؟

فرمایا کہ کشف المحجوب میں مرقوم ہے کہ تین چار شخص ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے پوچھا کہ درویش کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ادنی درجہ کا یہ ہے کہ جس کسی کو درویش کے نام سے یاد کرتے ہیں اس میں یہ تین چیزیں ہونی چاہئیں، ایک یہ کہ قدم رکھ سکتا ہو دوسرے بات سن سکتا ہو تیسرے پیوند لگا سکتا ہو۔ اس کے بعد یہ چاروں یار واپس آئے اور وہ شخص جس نے بزرگ سے سوال کیا تھا اس نے اپنے ان تین ساتھیوں سے پوچھا کہ وہ تین چیزیں جنہیں ان بزرگ نے فرمایا اس سے تم لوگوں نے کیا سمجھا ان تینوں نے کہا کہ صاف وظاہر ہے، بات سن سکتا ہو، پیوند لگا سکتا ہو اور راہ چل سکتا ہو، اس میں کیا مشکل ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور معنی ہے جو تمہارے فہم میں آیا ہے اسے بیان کرو؟ اس سوال کنندہ نے کہا اللہ بہتر جانتا ہے میں نے یہ سمجھا ہے کہ انہوں نے جو کہا "قدم رکھ سکتا ہو" اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ قدم جو وہ رکھے تفکر اور تحیر سے خالی نہ ہو۔ اور یہ جو کہا کہ پیوند لگا سکتا ہو یعنی ہر ایک پیوند جو لگائے وہ جاہ ومنزلت کی نیت سے نہ لگائے بلکہ فقر کی نیت

سے لگائے اور یہ جو کہا بات سن سکتا ہو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ بات جو سنے اسے دل کے کان سے سنے، مجھے تو ان کی ان باتوں سے یہی مفہوم سمجھ میں آیا ہے یاروں نے جھگڑا شروع کر دیا کہ یہ معنی تم کہاں سے بیان کرتے ہو اور کیونکر یہ سمجھا جائے کہ ان کلمات کے یہی معنی اور مفہوم ہیں؟ اس کے بعد اس نے کہا ٹھیک ہے ہم سب ان بزرگ کی خدمت میں چلیں جو کچھ آپ لوگوں نے سمجھا ہے اور جو ہم نے سمجھا ہے، ان کے سامنے رکھیں دیکھیں وہ کیا فرماتے ہیں؟ پھر چاروں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے جو ان لوگوں نے سمجھا تھا بیان کیا آخر میں سائل سے پوچھا تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا ''قدم رکھ سکتا ہو'' کے معنی یہ ہیں کہ جو قدم بھی رکھے وہ تفکر اور تحیر سے خالی نہ ہو اور ''پیوند لگا سکتا ہو'' یعنی جو پیوند بھی لگائے وہ بہ نیت فقر ہو، جاہ و منزلت کی نیت سے نہیں اور ''بات سن سکتا ہو'' کے معنی ہیں کہ جو بات بھی سنے بگوش دل سنے ان بزرگ نے کہا اَصَبْتَ یعنی تم اصل مفہوم کی تہہ تک پہنچے ہاں ایسا ہی ہے جیسا تم نے سمجھا ہے۔

بزرگوں کی بات غور سے سننا چاہئے

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا جب کسی بزرگ کی خدمت میں جائے تو دل کو حاضر رکھے اور یہ جاننے کی کوشش کرے کہ ان کی جنبش و حرکت کس معنی سے ہے اور کس مقام سے یہ بول رہے ہیں؟ نہ یہ کہ ان کی باتیں ان کے کلمات صرف ظاہری کان سے سنے۔ یوں تو بہت سارے لوگ جاتے ہیں صورت دیکھتے ہیں۔ اور ان کی باتیں سنتے ہیں اور لوٹ آتے ہیں۔

سفر میں دو چیزوں کا خیال ضروری

پھر فرمایا جو شخص سفر کرنا چاہے اس میں یہ دو چیز ہونی چاہئے ایک یہ کہ وہ خود ارباب معانی میں سے ہو یا کسی ایسے شخص کے ہمراہ سفر کرے کہ جو صاحب اسرار و معانی ہو، تا کہ اس کی رہنمائی کر سکے ورنہ سفر اختیار کرنا کیا اور ایسا سفر کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے کہ کسی بزرگ سے فائدہ نہ اٹھائے اور ان کے مقام سے لطف اندوز نہ ہو اور کوئی نعمت نہ پائے اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی۔

غیر مسلم کی عبادت یا دعاء سے متاثر مت ہو

فرمایا کہ ایک مسافر یہاں میرے پاس آئے تھے انہوں نے پہاڑوں کا سفر بہت کیا

تھا انہوں نے یہ قصہ بیان کیا کہ میں ایک کہسار میں پہنچا اس پہاڑ میں بہت بڑا بتخانہ اور بہت سارے صومعے بنے ہوئے تھے اس بت خانہ میں قوم ہنود کے عبادت گذار لوگ اور ان کے زاہد اقامت رکھتے تھے اور اس کے قریب ہی آبادی تھی اور ایک شہر آباد تھا اس شہر میں داخل ہوا، اس سال وہاں قحط سالی تھی بارش بالکل نہیں ہوئی تھی۔ میں بازار میں بیٹھا ہوا تھا تو میں نے دیکھا کہ اس شہر کا راجہ تمام باشندگان شہر کو ساتھ لے کر نکلا ہے اور بے شمار تحفہ اور ہدیہ ساتھ ہے اور سارے لوگ ایک سمت جا رہے ہیں کسی سے میں نے پوچھا راجہ اور اتنی مخلوق کہاں جا رہی ہے؟ کہا کہ امسال بارش نہیں ہوئی ہے اسی لئے گھروں سے نکل کر پہاڑ کی طرف اپنے مذہب کے عبادت گذاروں کے پاس بارش کی درخواست کے لئے جا رہے ہیں میں نے کہا چلوں میں بھی چلوں تماشہ دیکھوں میں بھی چلا اس کے بعد وہ راجہ جب پہاڑ کے قریب پہنچا، بتخانہ اور صومعہ جیسے ہی اسے نظر آیا گھوڑے سے اتر گیا اور پا پیادہ وہاں سے نہایت تعظیم و ادب کے ساتھ روانہ ہوا، یہاں تک کہ بتخانہ کے دروازہ تک پہنچا اور کھڑا ہو گیا اس کی مجال نہیں تھی کہ بغیر اجازت ان پجاریوں کے بت خانہ کے اندر قدم رکھے جملہ تحفہ اور ہدیہ کو سامنے دروازہ پر رکھے ہوئے دھوپ میں کھڑا رہا اور تمام پجاری کوئی ستر سال کے کوئی نوے سال کے تھے جو بتوں کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے ناگاہ ان پجاریوں میں سے کسی ایک نے اس بت خانہ کے اندر سے راجہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کیا ہے اور کس لئے آئے ہو؟ راجہ نے بھی ہاتھ کے اشارے سے جواب دیا، ہاتھ آسمان کی جانب اٹھایا کہ بارش کی درخواست کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ پھر ہر ایک پجاری نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا شروع کیا، کچھ دیر کے بعد ایک بوڑھا ضعیف منحنی دبلا پتلا آدمی ان پجاریوں میں سے اٹھا اور بت خانہ کے صحن میں آکر دھوپ میں کھڑا ہو گیا اور دونوں آنکھیں بند کر کے سورج کی طرف اٹھائے ہوئے اپنی زبان میں کچھ کہا اور کہتا رہا۔ بعض ہندوؤں سے معلوم ہوا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ میں اس سورج کے نیچے سے نہیں ہٹوں گا اس وقت تک جب تک تو بارش نہ بھیجے گا کچھ وقت گذرا کہ بارش کا سماں بندھا بدلی چھا گئی اور بارش شروع ہو گئی۔

پھر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس مسافر درویش سے میں نے پوچھا تم نے اس کو کس چیز پر محمول کیا اس نے کہا ہم نے دیکھا کہ اس کی دعاء سے بارش ہوئی اور ہونے لگی۔

تو حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو غور کیا تو دیکھا کہ اس مسافر کی ساری پونجی لٹ چکی ہے اور اس کا دل اور باطن مردہ ہو رہا ہے قریب ہے کہ برگشتہ ہو جائے اور پجاری کے دین کا اقرار کر لے۔

اس کے بعد ہم نے اس مسافر درویش سے کہا کہ ہرگز ہرگز ایسی چیزوں پر اعتقاد نہ کرنا یہ سب باطل ہیں۔ پھر اسی طرح دو تین چیزیں جو تفسیر میں آئی ہیں اس سے بیان کیا تب اس کی دلجمعی ہوئی اور اس نے کلمہ شہادت پڑھا۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر اس مسافر کے اندر معنی ہوتا تو ہرگز ایسی چیزوں سے یہ خطرہ اس کے دل پر پیدا نہ ہوتا۔

مطلوب کا نام جاننا ضروری ہے

اس کے بعد ایک دوسرے موقع پر مجلس شریف میں ایک مسافر درویش پہنچا اور شرف زیارت سے مشرف ہوا حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا ''ارول'' سے۔ پھر فرمایا بزرگوں کی روش ہے کہ اگر ان کے پاس کوئی کہیں سے آتا تو وہ اس سے پوچھتے کہاں سے آئے ہو؟ اور تمہارا کیا نام ہے؟ فرمایا کہ ''عوارف'' میں مذکور ہے کہ بزرگوں کی جو روش و رسم ہے اس کی ایک نہ ایک اصل ہوتی ہے کہ جیسا کہ روایت ہے ایک روز رسول خدا ﷺ کی مجلس شریف میں ایک شخص آئے اور سلام کیا اور بیٹھ گئے پھر مجلس اقدس میں دائیں بائیں دیکھنا شروع کیا حضور ﷺ نے پوچھا کیا دیکھ رہے ہو اس نے عرض کیا ایک دوست ہے اس کو ڈھونڈ رہا ہوں ارشاد ہوا اس کی قیام گاہ جانتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، پوچھا نام معلوم ہے کہا جی نہیں! رسول اکرم ﷺ نے فرمایا '**اذا احببت رجلا فاسال عن اسمه و ابيه و عن مكانه**' (جب تم کسی کو دوست بناؤ تو اس کا نام اس کی ولدیت اور اس کی سکونت کو معلوم کر لیا کرو) یہ اس لئے کہ اگر دوست سے ملاقات کا ارادہ ہو یا جب وہ بیمار ہو

جائے تو اس کی عیادت کو جانا ہو اس کا نام اور جائے قیام نہیں جانتے تو کس طرح اس کے پاس پہنچو گے، اگر یہ سب معلوم ہے تو پوچھتے پوچھتے پہنچ سکتے ہو۔

بزرگوں کے سفر کی روش مختلف ہوتی ہے

حاضرین مجلس سے کسی نے عرض کیا کہ سفر کرنے میں مشائخ کی روش کیا ہے مسلسل سفر ہے یا اقامت ہے یا کسی وقت سفر ہے اور کسی وقت اقامت؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا سفر کے بارے میں مشائخ کی روش مختلف ہے کچھ ایسے ہیں کہ ابتدا میں انہوں نے سفر کیا اور آخر میں اقامت اور کچھ وہ ہیں کہ آخر میں انہوں نے سفر کیا ہے اور ابتدا میں اقامت اور کچھ ایسے گذرے ہیں کہ انہوں نے اقامت ہی اختیار کی ہے سفر نہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ ان کو سفر ہی سفر ہے اقامت نہیں۔

پھر پوچھا اس میں ہر ایک کے معنی کیا ہیں؟

فرمایا کہ عوارف میں اس کی تشریح کی گئی ہے کہ جس نے آغاز میں سفر کیا اور انتہا میں اقامت کی وہ لوگ وہ ہیں کہ ان کو اس کام کا درد دامن گیر ہوا ہے اور جہاں وہ تھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اس درد کا مداوا کرتا۔ لہٰذا سفر ضروری تھا انہوں نے سفر کیا جب ان کی حاجت سفر میں پوری ہوگئی تو انہوں نے سوچا جس غرض سے سفر کیا تھا وہ چیز حاصل ہوگئی۔ لہٰذا اقامت اختیار کرلی۔ اور جو آغاز میں مقیم تھے آخر میں سفر کیا وہ وہ لوگ ہوئے ہیں کہ جنہیں اس کام کے درد پیدا ہونے کے بعد اسی جگہ طبیب مل گئے جہاں وہ مقیم تھے اپنے درد کا علاج ان سے حاصل کیا اس کے بعد انہیں خوف ہوا کہ اقامت کی وجہ سے کوئی ایسی چیز پیدا نہ ہو جس سے خلل پڑے لہذا آخر میں انہوں سفر اختیار کیا۔ اور جو اول سے آخر تک سفر میں رہے وہ ویسے لوگ ہیں کہ جب ان کو یہ دولت سفر میں میسر ہوئی تو انہیں خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اقامت کی وجہ سے خلل پیدا نہ ہو جائے لہذا انہوں نے سفر کو لازم کرلیا۔ اور وہ جنہوں نے اول سے آخر تک اقامت ہی اختیار کی وہ ایسے لوگ ہیں کہ اس درد کے بعد ان کو جہاں وہ مقیم تھے وہیں طبیب مل گئے ڈر ہوا کہ کہیں سفر کرنے سے کوئی خلل پیدا نہ ہو جائے سفر سے مقصود تو اسی دولت کا حصول اور اسی درد کا

مداوا تھا وہ حاصل ہے لہذا انہوں نے مقیم ہونے کولازم کرلیا۔ پھر مثنوی کے یہ دوشعر پڑھے گئے ؎

لاجرم چوں مختلف افتاد سیر ہمروش ہرگز نہ بودہ ہیچ طیر
معرفت اینجا تفاوت یافتہ است آں یکے محراب وایں بت یافتہ است

الغرض سفر کرنے میں فوائد ومعانی بے انتہا ہیں اور سفر کے جملہ مقاصد میں ایک مقصد مشائخ بزرگوں کی لقاوزیارت ہے اور برادران صادقین کا دیدار ہے اور مریدوں کے لئے ہر صادق کا دیدار مفید ہے اور اسی لئے کہتے ہیں کہ مردان خدا کا دیدار ویسا ہی مفید ہے جیسا کہ ان کا کلام سننا اور بعضوں کا قول ہے کہ دیدار مردان خدا جس کو مفید نہیں ہوتا اس کو ان کے کلمات بھی مفید نہیں ہوتے۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں حق سبحانہ تعالیٰ نے بعض سانپ میں ایسی خاصیت رکھی ہے کہ اگر وہ سانپ کسی کی طرف نگاہ کرے اور دیکھ لے تو اس کے دیکھنے کے ساتھ آدمی ہلاک ہو جائے تو اگر اپنے خاص بندوں میں اس تبارک وتعالیٰ نے ایسی خاصیت رکھی ہو اور ایسی نگاہ عطا کی ہو کہ وہ اگر کسی طالب صادق کی طرف نظر کریں تو اس شخص میں ایک حال شریف اور کیف لطیف پیدا ہو جائے کیا تعجب ہے اور پھر یہ شعر زباں مبارک پر آیا ؎

چندیں چہ بخانہ طلبی گمشدگاں را آنقوم خرابی طلب وبیوطناں را

نگاہ مرد مومن کی تلاش

پھر فرمایا کہ شیخ الشیوخؒ نے عوارف میں ذکر فرمایا ہے کہ میرے پیر منیٰ کی مسجد خیف میں طواف کررہے تھے اور لوگوں سے مصافحہ کرتے جاتے تھے ان سے اس کیفیت کو لوگوں نے پوچھا؟ کہاں خداوند عزوجل کے کچھ ایسے بندے ہیں کہ اگر وہ کسی کی جانب نظر کریں تو اس شخص کو سعید بنادیں یعنی کسب سعادت سے بہرہ مند کردیں میں بھی اسی کی طلب میں ہوں کہ کسی کی نگاہ پڑ جائے اور یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

ماہ رخا ہر کہ دید زلف تو کافر بماند لیک ہر آنکس کہ دید او بتو دیندار شد

سفر کے اہم مقاصد

سفر کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ جن چیزوں سے انس و محبت ہے ان سے علیحدہ ہونا سفر کے معلومات و مفہومات کے ذریعہ نفس کے سکون کا خاتمہ، سفر سے نفس کو نیچے گرانا اور سفر کے ارادہ سے دوستوں اور محبوں کی مفارقت اور جدائی اختیار کرنا۔ سفر سے دوسرا مقصد نفس کی پوشیدگیوں سے برہنہ ہو جانا، نفس کی رعونت اور دعویداری سے آدمی کا باہر آجانا ہے اور سفر سے مقصود آثار قدرت کا دیکھنا، ان سے عبرت حاصل کرنا، تفکر کی وسیع سر زمین میں نگاہوں کی سیر، زمینوں، پہاڑوں، بیابانوں کے اجزا کا مطالعہ اور جمادات کے ذرات اور سنگریزوں کی تسبیحات کو ان کی زبان حال سے سننا اور سمجھنا ہے۔

ایک وقت جناب عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا اتنی زیادہ سیاحت آپ کس مقصد سے کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اس سرزمین کی تلاش میں جہاں اللہ کے بندوں میں سے کسی خاص بندہ نے قدم رکھا ہوتا کہ ان کے قدموں کی خاک میری شفاعت کرے ؎

به امید آنکه جائے قدمے نہادہ باشی
همه خاکہا و سبزه بد و دیدگاں برفتم

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے اس جواب پر فرمایا سبحان اللہ آفتاب نبوت یعنی ایک نبی کو یہ گدائی اور مفلسی کا عجز و انکسار اور دوسروں کو صد ہزار دعوی و پندار اور یہی وہ بات ہے جو کہتے ہیں کہ جو شخص جتنا بڑا عارف ہے اس بارگاہ میں وہ خود کو اتنا ہی زیادہ مفلس و گدا شمار کرتا ہے۔ پھر یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

قابل سنگ حرم نآمد حسن　　　کاش خشتے بودے از بتخانہ

سفر سے اس گروہ مشائخ کے فوائد و مقاصد حد شمار میں کب آسکتے ہیں؟ اس آیت کریمہ کے اشارہ سے معلوم کرنا چاہئے کہ فرمایا 'ففررت منکم لما خفتکم فوھب لی ربی حکما و جعلنی من المرسلین' (پھر میں نے فرار یعنی سفر اختیار کیا جب تمہارا ڈر دیکھا پھر مجھ کو میرے رب نے حکم بخشا اور مقرر کیا مجھ کو پیغام پہنچانے والا)۔

افضل ترین سفر کون؟

اس کے بعد مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ آداب المریدین میں ہے کہ افضل ترین سفر سفر جہاد ہے پھر سفر حج (حرمین ومقامات مقدسہ) اس کے بعد سفر زیارت قبر مبارک رسول اللہ علیہ السلام پھر سفر زیارت مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس اس کے بعد سفر زیارت مشائخ اور برادران صالحین پھر سفر دشمنوں کے مظالم سے بچنے کے لئے اور حقوق کی ادائیگی کے لئے اس کے بعد آثار اور عبرت کی جگہوں کی طلب میں سفر کرنا ہے اس کے بعد نفس کی ریاضت کے لئے اور ذکر میں گم رہنے کے لئے سفر کرنا ہے۔

عیش وعشرت کے لئے سفر مذموم ومکروہ ہے

لیکن سفر کرنا دل کے عیش وخوشی کے لئے اور شہروں میں گھومنا دنیا طلبی کے لئے اپنے حرص وہوس کی متابعت میں مذموم ہے اور برا ہے اور حضرت خواجہ ابوتراب نخشبیؒ سے منقول ہے کہ مریدوں کے لئے حرص وہوس کی متابعت میں سفر کرنے سے زیادہ نقصان دہ اور کوئی چیز نہیں، مریدوں میں کسی چیز سے اتنا بگاڑ نہیں پیدا ہوتا جتنا کہ سفر باطل سے۔

سفر حج سے متعلق پیشین گوئی

اور رسالت پناہ ﷺ سے منقول ہے کہ فرمایا حضور ﷺ نے ایک وہ زمانہ آئے گا کہ میری امت کے امراء حج کو جائیں گے دل کی تفریح کے لئے اور درمیانی طبقہ کے لوگ تجارت کے لئے اور قراء ریا کے لئے اور فقراء امت سوال وطلب کے لئے۔

سفر سے پہلے والدین کو راضی کرلے

دوسری بات یہ ہے کہ سفر ماں باپ اور استاد کی رضا کے بغیر نہ کرے تاکہ سفر میں عاق (نافرماں فرزند) نہ ہوجائے۔ اور سفر کی صعوبتوں اور تکلیفوں کی برکتوں سے کچھ نہ پائے اور محروم ہوجائے۔



پچپنواں باب

قبروں کی زیارت اس کے آداب

اور کچھ اس کے مناسبات کے بیان میں

مجلس شریف میں قاضی بدرالدین ظفر آبادی دامت نعمتہ نے عرض کیا کہ زیارت قبور کے آداب کیا ہیں اور کس طرح وہاں حاضر ہونا چاہئے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ مشائخ نے اس کے بہت سے طریقے لکھے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی زیارت قبر کے لئے جانا چاہے تو اول گھر میں دو رکعت نماز ادا کرے اس طور پر کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ ایک بار آیت الکرسی ایک بار قل ہو اللہ یعنی سورہ اخلاص تین بار پڑھے پھر سلام کے بعد اگر کسی قبر معین کے لئے جانا ہے تو یہ دعاء کرے کہ اس دو رکعت نماز کا ثواب فلاں کی روح کو میں نے بخشا اور اگر عام مردوں کی زیارت کا ارادہ ہو تو یوں دعاء کرے کہ اس دوگانہ کا ثواب جملہ مردوں کی روح کو میں نے بخشا ،نقل ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اس مردہ کے قبر میں ایک نور بھیجتا ہے اور اس نماز ادا کرنے والے کے حق میں بہت

ثواب عنایت کرتا ہے اس کے بعد روانہ ہو جب مزار کے قریب پہنچے تو جوتے اتار لے اور جب قبر پر پہنچ جائے تو کھڑا رہے اس کھڑے ہونے کے بارے میں مختلف طریقے لکھے ہیں کہ کہاں پر اور کیسے کھڑا ہو؟ بعض جگہ آیا ہے کہ پیٹھ قبلہ کی جانب کرے اور میت کے سینہ کے سامنے کھڑے ہو اور بعض جگہ ہے کہ رخ قبلہ کی جانب رکھے اور قبر کو پیٹھ کے پیچھے کر کے کھڑا ہو لیکن صحیح یہ ہے کہ پشت قبلہ کی جانب کرلے اور رخ میت کی طرف، میت کے سینہ کے سامنے کھڑا ہو کیونکہ سینہ محل تعظیم ہے اس لئے کہ سینہ خداوند تعالیٰ کے معرفت کی جگہ ہے جب سینہ کے سامنے کھڑا ہو لے تو سلام پیش کرے جیسا کہ منقول ہوا ہے 'اذا اردتم زیارۃ القبور فقوموا بین یدیہ وسلموا کما تسلمون الاحیاء' (جب تم قبروں کی زیارت کرو تو اس کے سینہ کے سامنے کھڑے ہو اور سلام کرو اس طرح جس طرح زندوں میں سلام کرتے ہو) اور سلام اس عبارت میں کرے السلام علیکم یا اھل الدیار من المومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات، یرحم اللّٰہ المتقدمین منا والمتاخرین، واناانشاء اللّٰہ بکم لاحقون، أسال اللّٰہ لنا ولکم العافیۃ' (اے اس بستی کے رہنے والے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں مومن مرد اور مومن عورتیں تم پر سلام اور اللہ ہم میں سے پہلے جانے والوں پر بھی رحم فرمائے اور بعد میں جانے والوں پر بھی اور بے شک ہم بھی عنقریب تم سے ملنے والے ہیں۔ اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ سے عافیت کے طلبگار ہیں) اور اگر قبر شہید کی ہو تو کہے سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار (دنیا میں صبر کرنے کے صلہ میں تم پر سلامتی ہو) اور اگر ایسی جگہ ہو جہاں مسلمانوں کی قبریں اور کافروں کے گور ملے ہوئے ہوں تو ویسی جگہ کہے السلام علی من التبع الھدی (سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی راہ پر چلا) اور فتاوی ظہیری میں ہے کہ اگر کوئی شخص قبرستان کے پاس سے گذرے اور اہل قبور پر سلام نہ کہے تو یہ ان کی خفت ہے جس طرح زندوں کے حق میں ہوتا ہے پھر سلام کے بعد بیٹھ جائے اور یہ کہے بسم اللّٰہ علی ملۃ رسول اللّٰہ۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص قبر پر یہ کلمہ کہتا ہے تو حق سبحانہ تعالیٰ چالیس سال تک کے

لئے اس گور سے عذاب قبر اور قبر کی تاریکی اور اس کی تنگی کو دور فرما دیتا ہے پھر اس کلمہ کے بعد پڑھے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر و ھو علی کل شیئی قدیر حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس کی برکت سے حق سبحانہ تعالیٰ ان قبروں میں رہنے والوں کو روشنی عطا فرماتا ہے اور اس کے پڑھنے والے کو بخش دیتا ہے اور اس کے حق میں ہزار ہزار نیکی کی نعمت لکھتا ہے اور ہزار ہزار درجے عنایات فرماتا ہے۔

پھر قاضی بدرالدین مذکور نے عرض کیا کہ بیٹھنا کس طرح چاہئے اپنے اور تربت کے درمیان کچھ فاصلہ رکھے یا متصلا بالکل قریب ہو کر بیٹھے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کے بارے میں حکم وہی ہے جیسا کہ اس کی زندگی میں ہوتا تھا جس طرح اس کی زندگی میں نشست و برخاست تھی اسی طریقہ کو ملحوظ رکھے۔ جس طرح اس کی زندگی میں ادب کا خیال رکھتا تھا اسی ادب کا یہاں بھی لحاظ رکھے جس طور پر اس کی حیات میں فاصلہ رکھتا تھا اسی طرح یہاں بھی کھڑے ہونے اور بیٹھنے میں فاصلہ رکھے اس بارہ میں جو حال زندگی میں تھا اس کا اعتبار ہوگا اسی حال کو اس کے مرنے کے بعد اختیار کرے۔

خاکسار نے عرض کیا قبر پر چند سورتوں کا پڑھنا آیا ہے۔

فرمایا کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا آیا ہے۔ سورہ یٰسین، سورہ ملک اور اذازلزلت الارض، الھکم التکاثر، اس کا پڑھنا بھی منقول ہے ان چاروں سورتوں کو پڑھے یا ان میں سے جو ہو سکے۔

اس کے بعد فرمایا دفن کی پہلی شب مرنے والے کی قبر پر مشغول ہو کیونکہ جو کچھ ہے وہ پہلی ہی رات ہے اور کام بھی پہلی ہی رات کو ہے دفن کے بعد جب لوگوں کی جماعت پھر پھرتی اور واپس ہے وہی وقت مرنے والے سے سوال کا ہوتا ہے دعاء و نماز میں اس وقت مشغول ہو اور میت کو کلمہ شہادت کی تلقین کرے وہ اس طور پر ہے کہ اس وقت جس گھڑی دفن کر کے لوگ لوٹتے ہیں قبر کے قریب ہو جائے اور اس کو تلقین کر کے کہے 'اشھد لا الہ الا

اللّٰہ و اشھد ان محمد رسول اللّٰہ' اوراس طرح کی دوسری چیزیں جو کہ تلقین کے لئے آئی ہیں میت کے لئے تلقین شہادت کا یہی اشارہ کیا گیا ہے اس لئے مردے سنتے ہیں اور جان لیتے ہیں۔ جب پڑھا جاتا ہے تو اسے تلقین ہوتی ہے۔ اور دفن کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا آیا ہے اس طور پر کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی ایک بار، قل ھو اللّٰہ تین بار، الھکم التکاثر دس بار اس نماز کا ثواب اس مردہ کو بخش دے اور اس فضیلت میں منقول ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اس مردہ کی قبر میں ہزار فرشتے کو بھیجتا ہے اور ہر فرشتہ کو ایک نور دیتا ہے اور اس مردہ کو ہزار شہید کا ثواب دیتا ہے۔ فرمایا کہ اس نماز کے پڑھنے کا بے انتہا ثواب ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر کسی بزرگ کے مقبرے میں کوئی بزرگ پہنچتا ہے تو اس کی روح کے لئے یہ دوگانہ پڑھتا ہے اور ایسا بزرگوں نے کیا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر خاکسار نے مخدوم جہاں عظمہ اللہ کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ دفن کی پہلی رات کو دو رکعت نماز ادا کرنا آیا ہے۔ بایں طور کہ ہر رکعت میں سورئہ فاتحہ ایک بار آیت الکرسی تین بار اور اذا زلزلت الارض دس بار، تو حق سبحانہ تعالیٰ ہزار شہید کا ثواب اس مردہ کو عطا فرماتا ہے۔

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ یہ دو رکعت نماز قبر کے نزدیک ادا کرے یا گھر میں؟

فرمایا کہ قبر کے پاس ہو تو بہت بہتر ہے اور فرمایا کہ قیامت کی منزلوں میں سے پہلی منزل قبر ہی ہے جب پہلی منزل میں مردہ کو دشواری نہ ہو تو امید ہوتی ہے کہ اور دوسری منزلوں میں بھی دشواری نہ ہوگی خدانخواستہ اگر پہلی منزل ہی میں دشواری اور مشکل پیش آئی تو اللہ پناہ میں رکھے دوسری منزلوں میں بھی مشکلات کا خوف ہے تو چاہئے کہ دفن کے بعد دعاء، صدقہ، نماز میں مشغول ہوں اور میت کی مدد کریں تا کہ اسے آسانی ہو۔

پھر خاکسار نے عرض کیا کہ مردہ کو کلمہ شہادت کی تلقین کا فائدہ اس وقت ہوگا جب کہ سنیں اور جانیں۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا مردہ کو خبر ہوتی ہے اور وہ سنتے ہیں اور دیکھتے بھی ہیں اور سب چیزوں پر قدرت رکھتے ہیں مگر کچھ کہہ نہیں سکتے ارباب مکاشفہ ان کی باتوں کو سنتے، سمجھتے ہیں یہ اس لئے کہ صاحبان مکاشفہ اور یہ مردے دونوں ہی ایک عالم میں ہیں اور ارشاد ہوا کہ رُوح کی باتوں کو روح جانتی پہچانتی ہے۔ پھر فرمایا مردے جو کچھ جانتے ہیں دیکھتے اور سنتے ہیں وہ سب ارباب مکاشفہ پر اچھی طرح کھلے ہوئے ہیں یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں اوران پر سب کچھ نہایت روشن ہوتا ہے۔

قاضی بدرالدین مذکور کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا تھا تیسرے دن مخدوم جہاں کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوئے عرض کیا کہ حضور مخدوم کوئی چیز مجھے تلقین فرمادیں تاکہ میں خود اس قبر پر جاکر پڑھوں۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھیں جیسا کہ منقول ہے کہ جب کسی قبر پر پہنچے تو دس بار سورہ اخلاص پڑھے یہ دو حال سے خالی نہیں ہے اس قبر کے رہنے والے اگر مغفور ہوئے ہوں یا نہیں اگر وہ مغفور نہیں ہیں تو ان کی مغفرت ہو جائے گی اور اگر وہ مغفرت پائے ہوئے ہیں تو سورہ اخلاص کے پڑھنے والے کی مغفرت ہو جائے گی۔

اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ دس بار سورہ اخلاص کے پڑھنے میں اپنی مغفرت کی امید ہے تو اگر کسی بزرگ کے مزار پر حاضر ہو دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے تو پڑھنے والے کی مغفرت ہو جائے گی۔

اور آیت الکرسی کے پڑھنے کے بارہ میں تفسیر میں ذکر آیا ہے کہ جو شخص آیت الکرسی پڑھے اور یوں کہے کہ اس کے پڑھنے کا ثواب گذرے ہوئے اہل اسلام کی روح کو بخش دیا تو حق سبحانہ تعالیٰ مشرق سے مغرب تک جتنی قبریں ہیں سب میں چالیس نور عطا فرمائے اور پڑھنے والے کو ساٹھ پیغامبران علیہم السلام کا ثواب عطا فرمائے گا اور ہر حرف کی تعداد میں ایک فرشتہ پیدا کرے گا جو قیامت تک تسبیح و تہلیل کرتے رہیں گے اور اس کا ثواب پڑھنے والے کے نامۂ اعمال میں لکھیں گے۔

مجلس شریف میں قبر کے بوسہ دینے کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ قبر کو بوسہ دینا اور سر اور ہاتھ رکھنا نہیں آیا ہے مگر ماں باپ اور استاد کا قبر کو اگر برکت کے لئے چومے تو جائز قرار دیا ہے اور بزرگان دین میں سے کسی بزرگ کی قبر کو بھی بوسہ دے کیونکہ معناً وہ بھی استاد کے درجہ میں آتے ہیں۔

قاضی بدرالدین ظفر آبادی مذکور نے عرض کیا کہ جدہ دادی کے قبر کو بوسہ دینا میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ دادی کی قبر کو بوسہ دینا بہت کم دیکھا گیا ہے ہاں دادی بھی ماں کے معنی میں آتی ہے اس لئے اس کے قبر پر ہاتھ رکھنا اور اس کو بوسہ دینا درست ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ماں باپ کی قبر کو بوسہ دینا اس روایت ؎ کی بنا پر جائز رکھتے ہیں کہ عہد رسالت پناہ ﷺ میں ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر یہ کام ہو جائے تو بہشت کے در کو اور حورعین کو بوسہ دوں گا اس کے بعد حضور رسول مقبول ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ نذر ماننے والا کس طرح اپنی نذر اتارے گا؟ رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی ماں کے قدم کو بوسہ دے گویا بہشت کے در کو اس نے بوسہ دیا اور باپ کی پیشانی کو چومے گویا حورعین کو بوسہ دیا۔

؎ رسالہ موسومہ مسایل ضرریہ یعنی خلاصہ مسائل حنفیہ مصنفہ مولوی امداد حسین دہلوی مطبوعہ نامی پریس لکھنو صفحہ ۱۰۸ میں اس روایت کو کفایہ شعبی کے حوالہ سے لکھا ہے:۔

کتاب الکلام المبین فی آیة رحمة للعلمین مصنفہ مولوی عنایت اللہ مطبوعہ مطبع نظامی کانپور معجزہ ۲۱۶ ص ۱۱۳ میں ہے کہ بزارؓ نے بریدہؓ سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ معجزہ طلب کیا، درخت نے گواہی دی وہ مسلمان ہو گئے اور حضور ﷺ کے دست و پائے مبارک کو بوسہ دیا۔

چنانچہ امام نودی نے اپنی کتاب اذکار میں لکھا ہے اور شفا قاضی عیاض کے اردو ترجمہ شمیم الریاض کے جلد اول صفحہ ۲۹۲ میں ہے کہا قاضی عیاض نے کہ ہم سے احمد بن محمد بن غلبوں نے یہ سند خود ابن عمرؓ سے بیان کیا ہے اور بریدہؓ سے مروی ہے کہ درخت نے گواہی دی اس پر اعرابی نے کہا کہ اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اگر کسی کو حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔ عرض کیا اجازت دیجئے کہ آپ ﷺ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دوں اجازت ہوئی اور انہوں نے بوسہ دیا۔

فائدہ:- معلوم ہوا کہ بزرگان دین رحمہم اللہ کی تعظیم کے لئے قدمبوسی جائز ہے۔ (مترجم)

اس کے بعد پھر پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اگر اس کے ماں باپ مر چکے ہوں تو کیا کرے؟ پیغامبر ﷺ نے فرمایا ماں باپ کی قبر کو بوسہ دے اور اسی روایت کی بنا پر ماں باپ کی قبر کے چومنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

اس کے بعد پھر پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اگر ماں باپ کی قبر کا پتہ نہ ہو تو وہ کیا کرے ارشاد ہوا ایک دوسری قبر ماں باپ کی قبر کی نیت سے بنائے اور اسے بوسہ دے۔

حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ تربت کے اوپر پھول رکھنا کیسا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا پھول قبر میں رکھنا اچھا ہے کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ جس وقت تک پھول تر رہتا ہے وہ تسبیح خواں ہوتا ہے اس تسبیح سے مردہ کو انس ہوتا ہے جیسا کہ پیغمبر علیہ السلام نے درخت کی شاخ مردے کی قبر پر گاڑی ہے اور ارشاد ہوا جس وقت تک وہ شاخ ہری رہے گی اس وقت تک حق سبحانہ تعالیٰ اس مردہ سے عذاب اٹھالیتا ہے۔

اسی طرح دو قبروں کے پاس حضور ﷺ کا گذر ہوا فرمایا کہ دونوں پر کچھ عذاب ہے کھجور کے درخت کی ایک شاخ لی اور اس کے دو ٹکڑے فرما کر دونوں کی قبر میں کھونس دیا اللہ تعالیٰ نے عذاب میں آسانی فرمادی اس وقت تک جب تک کہ یہ خشک نہ ہو جائیں۔

امام غزالی کے مضامین اور فتویٰ کبیری میں ہے کہ قبر پر کانٹا اور گھاس کو کوڑنا اور اس کا اس لئے بونا تاکہ وہ تر رہے مکروہ ہے۔

حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ قبر پر پھول رکھنا بہتر ہے یا فقیروں کو خیرات کرنا؟

فرمایا پھول ڈالنے سے فقیروں کو دینا اولیٰ ہے امام ابو حفص ؒ سے کسی نے پوچھا کہ مردہ کے ثواب کے لئے نماز پڑھنا افضل ہے یا صدقہ دینا؟ فرمایا کہ صدقہ دینا افضل ہے اگر اس پر دین نہ ہو کیونکہ صدقہ خیرات کا نفع اور فائدہ پہنچائے اور نماز کے ساتھ بھی صدقہ دے سکتا ہے اور صدقہ کے بغیر بھی نماز ادا کر سکتا ہے۔

اور کتاب عالم و متعلم میں مذکور ہے کہ میت کے لئے انتقال کے سات دن تک صدقہ دینا مستحب ہے۔

خواجہ محمود متصرف خطہ بہار کے بھتیجے تاج الدین نے عرض کیا کہ اگر کسی نے یہ نذر مانی ہو کہ فلاں کے مزار پر پھول رکھوں گا ایسی صورت میں اگر فقیر کو دے دے تو نذر یعنی منت اتر

جائے گی یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ایسی صورت میں نذر پوری ہو جائے گی یہ اس لئے کہ اسے اولیت دی گئی ہے اور حاصل غرض زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا ہے جس طرح زکوٰۃ کے بارے میں ہے کہ اگر زکوٰۃ میں بھیڑ و بکری واجب ہوئے ہوں تو اس کی قیمت ادا کرنا اولیٰ ہے۔

حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ کیا امام اعظم کے نزدیک مقبروں میں قرآن کا پڑھنا مکروہ ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں! لیکن امام محمدؒ کے قول کے مطابق مکروہ نہیں ہے اور مشائخ نے اس قول پر عمل کیا ہے اور ایک بزرگ نے امام اعظم کے اس قول کی تاویل کی ہے کہ جہراً پڑھنا مکروہ ہے اگر آہستہ پڑھے تو کوئی خوف نہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ فتاویٰ کبیری میں مرقوم ہے کہ جب کسی دوست یا قرابت دار کی قبر کی زیارت کو جائے تو قرآن کا پڑھنا احسن ہے لیکن وصیت کرنا اس کا (بے معنی ہے) **ولا معنی لصلة القاری بقرأته** (اور اسی طرح قرآن پڑھنے کا صلہ وعوض یہ بھی بے معنی ہے)۔

یہ اس لئے کہ یہ بمنزلہ اجرت کے ہے اور یہاں اجرت باطل ہے۔

حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ گورستان کی زیارت مستحب ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں ہفتہ میں اہل گورستان کی زیارت مستحب ہے حدیث میں آیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ارشاد ہوا یا **بنی اذهب کل جمعة الی المقبرة و تفقد واهم ای تنوی وصول الثواب لهم** (اے میرے بیٹے ہر جمعہ کو قبر کی زیارت کے لئے جایا کرو اور تمہاری نیت صاحب قبر کے لئے ایصال ثواب کی ہو)

اور اسی طرح ملفوظ الفقہ میں مذکور ہے چاہیے کہ اولاد اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی کی قبر کی زیارت ہر جمعہ کو کیا کرے اس سلسلہ میں حدیث بھی آئی ہے۔

اور زیارت کے لئے ان تین دنوں کی فضیلت ہے دوشنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ اور ان مواسم متبرکہ یعنی زمانہ خیر و برکت میں مثلاً عشرۂ ذی الحجہ اور عیدین اور عاشورہ کے دن۔



چھپنواں باب

حیات وممات یعنی موت وزندگانی کے بیان میں

مجلس شریف میں ایک عزیز نے عرض کیا کہ 'ان اولیاء اللّٰہ لا یموتون بل ینقلبون من دار الی الدار ' (بیشک اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ منتقل ہوتے ہیں ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف) اس حدیث کے کیا معنی ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس موت سے موت معنوی مراد ہے یعنی اولیاء حق کو وہ موت نہیں ہے جو عام لوگوں پر طاری ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ وارد کرے کہ یہ صاف طور پر محسوس ومعائنہ ہوتا ہے کہ جس طرح دوسرے لوگ مرتے ہیں ان کو لے جاتے ہیں دفن کرتے ہیں اسی طرح انہیں بھی کرتے ہیں پھر یہ کیا ہے؟ اس شبہ کے جواب میں کہتے ہیں 'بل ینقلبون من دار الی الدار ' یہ موت نہیں ہے بلکہ یہ لوگ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا موت دو طرح کی ہے موت معنوی اور موت صوری، موت صوری

وہ ہے جو روح کے نکل جانے کے سبب سے ہوتی ہے۔اور موت ''معنوی'' اسے کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ سے محجوب ہو جائے لیکن یہ دونوں موت اور دوسروں کو ہوتی ہے ہاں! اولیاء حق کو موت صوری جو کہ روح کے نکل جانے سے واقع ہوتی ہے یعنی جسے موت طبعی کہتے ہیں وہ تو ہے لیکن ان کا مشاہدہ ومکاشفہ حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ جیسا کہ زندگی میں تھا ویسا ہی رہتا ہے بلکہ اور زیادہ ہو جاتا ہے کیونکہ زندگی میں جن چیزوں کے ساتھ تعلق تھا موت طبعی کے بعد وہ تعلق اب باقی نہیں رہتا، لہٰذا موت طبعی کے بعد ان کا مشاہدہ اور مکاشفہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ اور زیادہ ہو جاتا ہے۔اور مثنوی کے یہ اشعار زبان مبارک سے ارشاد ہوئے ؎

گر بہ شوق او دلت شد مبتلا   مرگ ہرگز کے بود بر تو روا!

کے بمیر دہر کرا با اوست دل   دل لبدودہ دوست دار دوست دل

دل چو با او در وصال آمد ہمی   مردن او بس محال آمد ہمی

ہر کہ از ہستی او دل شاد گشت   محو از ہستی شد و آزاد گشت

موت صغریٰ، موت کبریٰ

اس کے بعد فرمایا موت صغریٰ ہے اور موت کبریٰ ہے اور حیات صغریٰ ہے اور حیات کبریٰ۔موت صغریٰ وہ ہے جو روح کے نکل جانے سے حاصل ہوتی ہے اور موت کبریٰ یہ ہے کہ حق سبحانہ کے مشاہدہ سے محجوب ہو جائے۔

وصال کے بعد اولیائے حق کے زندہ رہنے کی وجہ؟

حیات صغریٰ یہ ہے کہ روح کے ساتھ زندہ ہو، جیسے ہی کہ روح نکلی یہ زندگانی بھی ختم ہوگئی اور حیات کبریٰ یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے مشاہدہ ومکاشفہ میں اولیاء حق باری تعالیٰ کے ساتھ زندہ رہتے ہیں اور وجود حق سبحانہ تعالیٰ کے وجود کے ساتھ زندہ رہتے ہیں چونکہ وجود حق تعالیٰ کو زوال نہیں ہے تو ان اولیاء حق کی زندگانی کو بھی زوال نہیں ہوگا اور اسی معنی کے اعتبار سے یہ حیات کبریٰ ہے۔اس موقع پر یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

دل بہ تو زندہ است مگر جان توئی   منت جاں چیست کہ جانان توئی

دوسرے لوگ جو زندہ ہیں وہ روح کے ساتھ زندہ ہیں جتنے دن روح جسد میں رہی زندہ رہے جیسے ہی کہ روح جسد سے نکل گئی ان کی جان چلی گئی اور اسی کو حیات صغریٰ کہتے ہیں۔

روح کے قبض اور موت کے فرشتہ

مجلس شریف میں ارواح کے قبض ہونے اور موت کے وقت فرشتے کے رونما ہونے کا تذکرہ آگیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ملک الموت کی نمو داری خاص نہیں ہے ملک الموت کو روح کی کیا خبر اور قالب کے ساتھ روح کا کیا تعلق ہے اسے وہ کیا جانیں؟ اس معاملہ میں ملک الموت بھی حیران ہیں اور بشر بھی‘ فرشتے کیا جانیں کہ روح کا قالب کے ساتھ کس طرح کا تعلق ہے اور ایسا ہی بشر کیا جانیں؟

پھر فرمایا سبحان اللہ! آدمی وہی شکل وہی، قالب وہی، سو ہزار موزوں افعال و حرکات اس شخص سے وجود میں آتے رہے اس گھڑی روح کے نکل جانے کے بعد کیا ہو گیا؟ تو معلوم ہوا کہ اس قالب میں کوئی اور چیز تھی کہ جس سے یہ تمام حرکات و سکنات ظہور میں آرہے تھے۔

اس درمیان مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ روح کا تعلق قالب کے ساتھ ہر وقت رہتا ہے یعنی زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں روح کا تعلق قالب کے ساتھ ہمہ وقت ہے حیات میں بھی اور ممات میں بھی یعنی جس طرح روح کا تعلق حیات میں قالب کے ساتھ ہے موت کے بعد بھی روح کا قالب کے ساتھ تعلق رہتا ہے مگر مرنے کے بعد اس کا تعلق قالب کے ساتھ نہ ہو تو یہ قول کہ قبر میں عذاب ہوگا اور یہ قول کہ قبر میں راحت و آرام ملے گا ختم ہو جائے چنانچہ القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفرة النیران (قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور آگ کے گڑھوں سے ایک گڑھا) کا کیا فائدہ؟ راحت و عذاب کا احساس تو اس وقت ہوگا جب کہ روح کا تعلق قالب کے ساتھ ہو۔ ہاں روح کا تعلق جسد سے ویسا نہیں جیسا کہ حیات میں تھا۔ حیات کی حالت میں روح کا

تعلق ایسا تھا کہ جسد پر اس کا تصرف ہوتا تھا لیکن ممات کی حالت میں تعلق حیات کی حالت کے تعلق سے جدا گانہ ہے اگر ویسا ہی تعلق ہوتا تو مرنے کے بعد بھی قالب سے ویسے ہی حرکات وافعال کا صدور رہوتا تو معلوم ہوا کہ تعلق ہوتا ہے مگر یہ تعلق نہایت لطیف ہے کہ جس کی خبر نہ تو فرشتے کو ہے اور نہ بشر کو۔ اور اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں کہ دونوں حال میں تعلق ہے لیکن اس تعلق کی اطلاع کسی کو نہیں، سوائے ارباب مکاشفہ کے، وہ بھی اسی مقدار میں جتنا کہ علم اس تعلق کا انہیں دیا گیا ہے اتنا ہی وضاحت اور کشف ہوتا ہے۔

جیسی روح ویسا معاملہ

خاکسار نے عرض کیا کہ انتقال کے وقت فرشتہ کی نمودار ی ہیبت وخوف کے ساتھ ہوتی ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل سعادت یعنی خوش بختوں کے حق میں ملک الموت کی نمودار ی دہشت وخوف کے ساتھ نہیں ہوتی، ان خوش نصیبوں کے حق میں فرشتہ کو اس طریقہ پر ظاہر کرتے ہیں کہ ان کو اس میں راحت، انس، خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔ مگر اللہ پناہ میں رکھے کسی کا خاتمہ اس کے برعکس ہو تو بھی ملک الموت کی نمودار ی ہیبت وسختی کے ساتھ نہیں کرتے بلکہ اس طرح نمودار کرتے ہیں کہ اس میں مرنے والے کو روح نکالنے میں عذاب اور درد ہو۔

توبہ واستغفار کے ذریعہ موت کی تیاری

پھر فرمایا کہ بہت بڑا کام اس سے ہوا جو اس حالت مرگ میں ہوشیار گیا، کیونکہ یہ وہ وقت وحالت ہے کہ اس حال کو کبھی دیکھا نہیں اور یہ وقت اس پر کبھی گذرا نہیں، وہ سب اس وقت سامنے ہے ان سب حالتوں سے گذرتا ہے' اس وقت اور اس حال میں خود کو سنبھال لے اور کام میں مشغول ہو جائے یعنی توبہ استغفار ذکر حق اور کلمہ میں تو یہ بہت بڑا کام ہو، کیونکہ اگر کسی کو بخار آجاتا ہے یا کوئی اور رنج وتکلیف ہوتی ہے تو وہ اس قدر چیختا چلاتا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں، پھر کس طرح ایسی مشکل گھڑی جس میں اس وقت آدمی گرفتار ہے (ایسی حالت میں

خدا ہی مددگار رہو تو بیڑا پار ہو سکتا ہے)

اولیاء کے لئے سکرات نہیں

اس کے بعد ارشاد ہوا ارباب معرفت کو موت اور سکرات موت وغیرہ کا خوف نہیں ہوتا جس طرح عوام کو ہوتا ہے یہ اس لئے کہ عرفا اس سے قبل ہی ایسے ہو چکے ہیں کہ دوسرے لوگ مرنے کے بعد جیسے ہو جائیں گے (یعنی مر چکے ہیں مرنے کے قبل) اس موقع پر یہ شعر ارشاد ہوا ؎

بو العجب قومے کہ پیش از مردن خود مردہ اند
پیش از اں کاید نویدے، رخت آنجا بردہ اند

اور اسی سے کہتے ہیں کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے بعض دوست ایسے ہوں گے کہ ملک الموت جب تک ان کے پاس پہنچے وہ خود جان سپرد کر چکے ہوں گے اور یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

درشوق تو عاشقاں چناں جاں بدہند　　کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

اولیاء موت کو خوش آمدید کہتے ہیں

اور جو کچھ موت کے وقت اور سکرات موت میں دوسروں پر گذرے گا ارباب معرفت پر وہ سب حیات ہی میں گذر چکا ہے ان کے لئے دونوں حال یکساں اور ایک ہو گیا ہے بلکہ یہ لوگ اگر ملک الموت کو آتے ہوئے دیکھیں گے تو کہیں گے خوش آمدید مرحبا تم نے آنے میں دیر لگائی اور وہ سب یہ کہیں گے ؎

مرحبا مرحبا خوش آمدہ　　نیک و موزوں و دلکش آمدہ

پھر یہ شعر زبان گوہر فشاں سے ارشاد ہوا ؎

ہر کرا عشق تو بمیراند　　او خود اندر کفن نمی گنجد

اور فرمایا کہ ان ارباب معرفت کو مرنے میں ایسے ایسے اور دوسرے کمالات اور دوسرے معانی حاصل ہوں گے اور کھلیں گے کہ جس کی حد نہیں تو پھر یہ موت کی تمنا کیونکر نہ کریں۔

انتقال کے بعد معانی کا کشف

مولانا کریم الدین دام ورعہ نے تعجب کے طور پر عرض کیا کہ انتقال کے بعد تمام

کمالات اور معانی کا کشف ہوتا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جہاں حیات میں موت معنوی سے ملکوت کا کشف ان کو ہوتا ہے تو موت حقیقی میں بطور اولیٰ کشف ہوگا، اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

اس کے بعد فرمایا کہ اس درجہ خوش وقت ہیں وہ لوگ کہ ان کے لئے کوئی فرق ہی باقی نہیں رہا ہے حیات ومُمات دونوں ایک ہوگئی ہیں۔

حیات ومُمات میں فرق اس کے لئے ہے کہ جس نے خود کو درست نہیں کیا ہے اور اپنے اعمال پر نگاہ ہے اور اس کا علم رکھتا ہے کہ یہ کرنے کے اعمال ہیں اور یہ نہیں کرنے کے۔ چند چیزوں میں خود کو ٹھیک کرنا چاہئے جب اپنے اعمال پر نگاہ پڑتی ہے تو ان میں سے کچھ بھی اپنے اندر نہیں پاتا اس موقع پر موت سے ڈریں گے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس حالت میں موت آپہنچے اور آگ کے عذاب میں آجائیں یہ سب اہل علم کو ہوتا ہے خصوصاً ارباب سلوک کو جو کہ ابھی تک سلوک میں ہیں یہ خوف ان لوگوں کو ہوتا ہے یہ اس لئے کہ ان کی نظر اپنے اعمال و افعال پر ہوتی ہے اور جب اپنے پوشیدہ عیبوں کی اطلاع پاتے ہیں تو ان کی نظر میں وہ بت و زنار جو، ان کے باطن میں چھپا ہوا ہے سامنے آجاتا ہے اس جگہ اصل ایمان بھی اپنے اندر نہیں پاتے اور ان کی ہمت کمال ایمان پر ہوتی ہے حسب ہمت وہ اقرار جو زبان پر رکھتے ہیں وہ اقرار بھی نہیں کرتے اور ان سب کو نیست و نابود سمجھتے ہیں۔

پھر فرمایا ارباب سلوک کھانے پینے بولنے اور کرنے کے باوجود جب اصل ایمان اپنے اندر نہیں پاتے تو یہ ظاہر ہے کہ کس درجہ اضطراب میں ہوں گے؟ پھر یہ رباعی ارشاد ہوئی ؎

ہمواره من از عشق تو جوشاں باشم در درد و فراق تو خموشاں باشم

خاکسار نے عرض کیا کہ سالکین کو جتنے خطرات پیش آتے ہیں وہ شرک کے علاوہ ہوتے ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ شرک کے علاوہ جو خطرے ہوتے ہیں وہ اہل کمال کو پیش آتے ہیں لیکن وہ شخص جو سلوک میں ہے اور ابھی تک اس کے باطن کے بت و زنار باقی ہیں اور اس سے وہ پاک نہیں ہوئے ہیں وہ خود اسی حال میں ہیں اور ان کو خطرات کی

کیا خبر؟ یہ حال ان کا ہے لیکن وہ اہل کمال جوان بت وزنار سے پاک ہو چکے ہیں ان کے لئے آسان ہے، کیونکہ ان اہل کمال میں ایک کمال ہو یا دو کمال اس میں ایک کا نقصان ہو یا دو کا نقصان ان کے لئے ہو گا، ان کی لذّت کی طلب میں لگے ہوئے ہیں اگر وہ کمال رہ گیا تو یہ آسان ہو گا اور اگر ان کے درجات میں سے یا کمالات میں سے ایک درجہ یا ایک کمال کا نقصان ہو گیا تو اس سے کیا ہوتا ہے؟

لیکن دوسروں کے لئے جو ابھی تک سلوک میں ہیں بات یہ ہے کہ اصل چیز ان کو حاصل نہیں ہوئی ہے اور اہل کمال کو اصل کا حصول ہو چکا ہے اور جن چیزوں سے گذرنا چاہئے ان سے گذر چکے ہیں، کوئی کجی ان میں باقی نہیں رہ گئی ہے اور ساری کجی سیدھی ہو چکی ہے تو ایسے لوگوں کو کیا خوف ہو گا ان لوگوں کے حق میں وہی بات آئے گی کہ ملک الموت کو دیکھتے ہی کہیں گے ''مرحبا خوش آمدید'' بہت دیر سے آئے۔

غسل میّت کا مسئلہ

مجلس شریف میں غسل کا تذکرہ آ گیا کہ یہ غسل میّت کی تطہیر کے لئے واجب ہے یا ان کے اکرام کے لئے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جتنی روائتیں نظر سے گذری ہیں ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ غسل میّت، میّت کی پاکی اور طہارت کے لئے ہے اور جو لوگ اس کی کرامت کے لئے کہتے ہیں انہیں نے تطہیر کے یہ معنی بیان کئے ہیں اور یوں کہا ہے کہ اتنے سارے مردے جن کے لئے غسل مخصوص ہوا ہے وہ ان کی طہارت و پاکی ہی کے لئے ہے لیکن طہارت و پاکی کا مطلب یہ سب مردہ کے اکرام ہی کے لئے ہے۔

انتقال کے بعد کی کیفیت

مولانا قاسم نے گذارش کی جب کوئی شخص انتقال کر جاتا ہے تو دنیا اسے یاد رہتی ہے یا دنیا کو بھلا دیتا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خواب کی شکل میں یاد رہتی ہے اور اس کی

مثال یوں دی گئی ہے کہ ایک بادشاہ ہے کہ وہ اپنی خواب گاہ اور استراحت کی جگہ سے نکل کر باہر آیا اور تخت شاہی پر آ کر بیٹھا اب وہ تخت پر اپنا شاہانہ جمال و کمال کے ساتھ بیٹھا ہے تو اس وقت اس کو وہ اپنی آرام گاہ جس درجہ میں یاد رہتی ہے اسی طرح انتقال کے بعد کی کیفیت ہوتی ہے۔

مٹی قبر پر ڈالنے کی شرعی حیثیت

قاضی منہاج الدین درون حصاری نے عرض کیا کہ مردے کے دفن کے وقت حاضرین ہاتھوں سے قبر میں مٹی ڈالتے ہیں اس کی اصل کہاں سے ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ روایت ترغیب الصلوٰۃ میں آئی ہے لکھا ہے کہ مٹھی میں خاک لے کر قرآن سے کچھ اس پر پڑھیں اور پھر مردے کے قبر پر اس کو ڈالیں تو وہ مردے کے لئے مونس ہوتا ہے۔

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ مردے کے لئے جو چیز پڑھتے ہیں کیا اسے مردہ سنتا ہے کہ نہیں؟

فرمایا مردہ سنتا ہے لیکن جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتا ہے اور اس کی مناسبت سے یہ حکایت فرمائی کہ جنگ بدر کے دن قریش کے سروں کو کاٹ کر ایک گڑھے یا کنواں میں ڈال دیا گیا۔ رسول خدا ﷺ اس کنواں کے مونڈیر پر تشریف لا کر ہر ایک کا نام لیتے جاتے اور کہتے جاتے تھے اے فلاں بن فلاں تجھے میں نے ایسا نہیں کہا تھا یہاں تک کہ ہر ایک کا نام اسی طور پر لے کر فرماتے جاتے تھے، اس کے بعد صحابہؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ لوگ مردہ نہیں ہیں؟ فرمایا کہ مردہ ہیں اور سنتے ہیں لیکن جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔

حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا رسول ﷺ کے اس سوال سے کیا غرض تھی اور اس کے معنی کیا ہیں؟

فرمایا کہ معنی تو ضرور ہی ہے کیونکہ اگر معنی نہ ہوتا تو حضور ﷺ ہرگز ان سے یہ نہ کہتے، لیکن یہ حضور ﷺ ہی کو خبر ہے کہ اس سے آپ ﷺ کا کیا مفہوم تھا۔



ستتاونواں باب

خرابی خاتمہ موت کی شدتوں اور موت کی تمنا کے جائز و مکروہ ہونے کے بیان میں

اہل بدعت سے مراد کون ہیں؟

مجلس شریف میں شیخ معز الدین نے عرض کیا کہ اس طرح کی روایت آتی ہے کہ سوئے خاتمہ خاص اہل بدعت کے لئے ہوسکتا ہے۔ اہل بدعت سے کون لوگ مراد ہیں' وہ لوگ جو بدعت کے اختیار کئے ہوئے ہیں لیکن اس پر اعتقاد نہیں رکھتے' یا وہ لوگ جو بدعت میں مبتلا ہیں اور اس پر اعتقاد بھی رکھتے ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اہل بدعت سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ ایسی ہی چیزوں پر ہو اور بدعت یہ ہے کہ جو اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے خلاف ہو، نہ محض کسی بدعت کے اختیار کرنے سے۔ اور یاد آتا ہے کہ ایسے لوگوں کے حق میں یہ لکھا ہے

کہ اس معنی کے اعتبار سے ان لوگوں کا خاتمہ خراب ہوسکتا ہے کہ جب یہ لوگ کسی ایسی چیز میں اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے خلاف اپنا عقیدہ رکھتے ہوں۔ جانکنی کے وقت وہ چیزیں جو اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے موافق ہیں اور اپنے اندر نہ پائیں اور نہ دیکھیں اور یہ گمان کریں کہ میرے عقیدہ کے سوا کچھ درست نہیں ہے اور میرا یہ عقیدہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا تو یہاں پر اللہ پناہ میں رکھے کل کا انکار ہوتا ہے ایسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ بدعت کی نحوست سے خاتمہ کی خرابی پیدا ہو۔ مگر وہ شخص جو کسی بدعت میں مبتلا ہو لیکن اس پر عقیدہ نہ رکھتا ہو اور اس بدعت پر مصر بھی نہ رہا ہو، اس کی زندگی میں بدعت کا صدور ہوتا رہا ہو اس کے بعد اس نے توبہ استغفار کرلیا ہو تو اس کے حق میں یہ نہیں آتا ہے جیسا کہ میں نے کہا۔

اس کے بعد فرمایا ہر اس بدعت کا ہونا جس کے لئے وعید آئی ہے اسے اس وعید پر محمول کریں گے۔ جب کہ اس بدعت کے کرنے پر اس کو اصرار ہو۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ طاعت ایمان کے درخت کے لئے پانی کی حیثیت رکھتا ہے یعنی ایمان کا درخت طاعت سے مضبوط و مستحکم ہوتا ہے اور اس کی آبیاری سے ایمان میں استحکام آتا ہے اور دل کے اندر مضبوط گھنا اور تناور ہوتا ہے کسی طرح کی ہوا اور طوفان سے نہیں ہلتا جس طرح کہ وہ درخت کہ جس کی پرورش اچھی ہوتی ہے اس کی جڑیں بہت دور تک زمین میں گڑی ہوئی ہوتی ہیں اور گھنا گنبد نما مضبوط ہوتا ہے کسی طرح کی ہوا طوفان بجلی کا کوندنا اس کی جڑ نہیں اکھیڑ پاتا اسی طرح جب ایمان کا درخت طاعت کے پانی سے پرورش پاتا ہے تو اس کی جڑیں دل کی گہرائی تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں اسے موت کی ہوا نہیں ہلا سکتی لیکن صرف ایمان ہی ہے طاعت و بندگی نہیں تو اتنا زیادہ مستحکم نہیں ہوتا یہ بمنزلہ اس درخت کے ہے جو بے پرورش و پرداخت کے کھڑا ہو گیا ہے معمولی ہوا سے بھی ہل جائے گا تو ایسی صورت میں بھی سوء خاتمہ ہوسکتا ہے۔

خاتمہ کس شکل میں ہوگا

اس کے بعد فرمایا پہلی گھاٹی تو یہی ہے کہ خاتمہ کس شکل میں ہوگا۔ اگر اس مشکل

گھڑی میں اللہ کے کرم سے آسانی پیدا ہوگئی تو دوسری گھاٹیوں اور مشکلات میں امید ہوتی ہے کہ بآسانی گذر جائے۔ اور موت کے وقت سے قیامت کے دن تک ہزاروں ہزار مشکلات اور کٹھن گھاٹیاں سامنے آئیں گی جہاں نہ مال ہوگا نہ اسباب نہ عجز ہی کام آئے گا نہ کوئی تدبیر چلے گی نہ وہاں مائیں ہوگی نہ باپ نہ بیٹی نہ بیٹا کوئی کام نہ دے گا یہاں کا معاملہ ہی دوسرا ہے اور یہ عالم ہی دوسرا ہے یہاں سوائے اس ارحم الراحمین کے فضل و کرم کے اور کوئی معاون و مددگار نہیں ہوگا، حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر شہد آمیز یہ شعر ارشاد فرمایا ۔

باشنائیت افتادہ ام دریں غرقاب   تو دست دہ کہ مرادست و پانمی جنبد
حکیم چند نصیحت کنی دل مارا   مگر کز آب تو ایں آسیا نمی جنبد

موت کی تمنّا

مجلس شریف میں تمنائے مرگ کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ موت کی تمنّا دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ کسی شخص کی نگاہ اپنے دین زمانہ اور وقت پر پڑے اور وہ یہ سمجھے کہ اگر خداوند تعالیٰ اس زمانہ میں مجھے موت دے دے تو اپنے دین کو سلامت لے جاؤں ایسی تمنا جائز ہے یہ اس لئے کہ سلامتی دین کے لئے ایسی تمنا کی ہے نہ یہ کہ دین کے اذکار سے منقطع ہونے کے لئے۔

اور دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی شخص افلاس و غربت میں مبتلا ہے اسے فکر، تردد، رنج و غم اور مشکلیں پہنچی ہیں ان سب کو برداشت نہیں کرے اور کہے کہ اے اللہ مجھے موت دے دے یہ تمنا مکروہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا جس نے اپنے اعمال و افعال درست کر لئے ہیں اسے چاہئے کہ ہر وقت موت کو یاد کیا کرے۔

اس موقع پر بات یہ آ گئی کہ مومن جو موت کی تمنا نہیں کرتا ہے وہ اپنے افعال کو دیکھنے کی بنا پر نہیں کرتا، کہتا ہے کہ اگر تھوڑی فرصت اور مل جائے تو اپنے اعمال و افعال کو درست کرلوں۔

موت کے وقت مومن کا حال

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اسی بنا پر کیا گیا ہے کہ مومن موت کے وقت مضطر اور حیران ہوگا جس طرف بھی دیکھتا ہے خرابی ہی خرابی پاتا ہے اس طرف دیکھا خراب ادھر دیکھا خراب اس لئے کہ اس کٹھن گھڑی میں دوسرا کوئی شغل ہی نہیں ہوتا، نہ باپ یاد آتا ہے نہ ماں، نہ کوئی دوست ومحبّ اور نہ کوئی کام ہی، نہ زہد، نہ شیخی اور کچھ بھی نہیں، تو خود کو ہر طرف سے خراب ہی خراب پاتا ہے، ایسے حال میں زیادہ دل شکستگی ہوتی ہے اور اگر اس دل شکستگی کے حال میں دعا کرے تو قبولیت کی امید ہوتی ہے بہت ساری کتابوں میں ایسے واقعات نظر سے گذرے ہیں۔

ایک شرابی کی مغفرت

ایک بزرگ کے ہمسایہ میں ہر وقت نشہ میں چور ایک شرابی رہتا تھا کوئی نیک کام اس سے وجود میں نہیں آتا تھا اپنی ساری زندگی اس نے شراب نوشی میں گذاری اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا اس کے جنازہ کی نماز کے لئے وہ بزرگ نہیں گئے اس کے بعد ایک رات انہوں نے خواب دیکھا کہ اگر اس کے جنازہ پر حاضر ہوتے تو اس میں میری خوشنودی ہوتی، اگر اس کے جنازہ کی نماز تم نے نہیں پڑھی تو اس کے قبر پر جاؤ، وہ بزرگ اس کی قبر پر حاضر ہوئے اور مناجات کی خداوندا! کوئی خیر، کوئی طاعت، کوئی نیک کام کسی وقت نہ تو اس کو کرتے دیکھا اور نہ سنا یہ نعمت اس نے کیونکر پائی؟ فرمان ہوا ہاں! ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے کہا، لیکن اس نے سکرات موت جانکنی کے وقت اپنے آپ میں نظر کی خود کو خراب وخستہ پایا بہت دل شکستہ ہوا اسی حال شکستگی میں نہایت عجز وانکساری کے ساتھ اس نے یہ مناجات کی 'یا مالک الدنیا والآخرۃ ارحم علیٰ من لیس لہ الدنیا والاخرۃ' (اے دنیا اور آخرت کے مالک رحم فرما ایسے شخص پر کہ جس کے پاس نہ دنیا ہے اور نہ آخرت) تو اللہ نے کہا کہ اس شکستہ دلی کی حالت میں دعا کرنے سے میں نے اسے بخش دیا۔ اس کے بعد فرمایا بیچارہ آدمی ایک ضعیف وکمزور چیونٹی ہے اور ہزاروں ہزار سختیاں دشواریاں اس کو درپیش ہیں ان میں سے کسی ایک کی خبر نہیں اگر ایک دو تین چار دس بیس کٹھنائیاں

اور دشواریاں ہوں تو ہوں یہاں تو ہزاروں ہزار دشواریوں کا سامنا ہے وہ کیسے کیا کرے؟

کاملین کے نزدیک بشریت عذاب ہے

مکتوبات عین القضاۃ میں میں نے دیکھا ہے کہ عوام کو قبر میں داخل ہونے کے وقت سے قیامت تک جو کچھ مشاہدہ ہوگا اللہ کے ولیوں کو دنیا ہی میں راہ سلوک میں ان سب کا معنوی مشاہدہ ہوتا ہے جیسا کہ اولیا اللہ کے لئے راہ سلوک میں بشریت کی فنا اور زائل ہو جانے کا نام موت قرار دیا گیا ہے کوتاہ نظر لوگ آدمی کے جسم کا اعتبار کرتے ہیں اس ظاہری صورت کا اعتبار نہیں؟ اعتبار تو اس کا ہے کہ اس صورت میں جو چیز مدفون کردی گی ہے اور جب بشریت کے فنا ہونے کے بعد بشریت سے نکل آئے تو وہی ان کے لئے حشر ہے (یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونا) بعض عوام جب اس عالم سے جاتے ہیں تو اس جہاں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور جب اولیاء اللہ بشریت سے نکل آتے ہیں تو ان سب کا مشاہدہ اسی عالم میں کرتے ہیں، گویا یہ ان کا حشر ہوتا ہے اس عالم کی جتنی چیزیں ہیں اپنے مشاہدہ سے وہ بتلا دیتے ہیں اور جبکہ ان اولیاء اللہ نے معنوی مشاہدہ کرلیا تو ان کے نزدیک ظاہری مشاہدہ کا کیا اعتبار؟ جیسا کہ کسی بزرگ سے کسی نے پوچھا 'ھل فی القبر عذاب' (کیا قبر میں عذاب ہے؟) کہا القبر کلھا عذاب (قبر میں عذاب ہی عذاب ہے) ان بزرگ نے قبر کے اس عذاب سے بشریت مراد لی ہے، اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ یقیناً بشریت ہی عذاب ہے اور فرمایا وہ سب اوّل سے آخر تک اس شعر میں آگیا ہے ؎

مارا بجز ایں جہاں جہانے دگر است　　جز دوزخ و فردوس مکانے دگر است

اور یہ مشاہدہ نہ دوزخ ہے نہ جنت اور نہ یہ جہاں ہے اور نہ وہ جہاں، علاحدہ ہی ایک دوسرا عالم ہے۔ اس موقع پر یہ شعر ارشاد ہوا ؎

رویت نگریم و سجدہ آریم　　در مذہب ما ہمیں نماز است

اہل مشاہدہ کے نزدیک ہر مسئلہ کا حل ہے

اس کے بعد فرمایا کہ عقائد کا ہر وہ مسئلہ جو مشکل ہو گیا ہو ایسے لوگوں سے وہ ہر ایک

مسئلہ حل ہو جاتا ہے وہ لوگ ہم لوگوں کے سامنے ایسا بیان کر دیں کہ تشفی ہو جائے یہ اس لئے کہ وہ سب ان کے مشاہدہ میں ہے جو کچھ کہیں گے وہ مشاہدہ سے کہیں گے۔

جیسا کہ منقول ہے کہ مولانا وجیہہ الدین پائلی کو مشکل مسئلہ پیش آیا جس کا حل نہیں ملتا تھا ایک روز قبرستان کی طرف جا رہے تھے اثنائے راہ میں صوفیوں کی سیرت کے ایک آدمی دکھائی دئے ان کے دیکھنے سے مولانا کے دل میں انکار کے طور پر یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح اتنے سارے درویش ہیں یہ بھی ویسے ہی ہوں گے جب اس درویش نے اپنے اشراق باطن سے مولانا کے اس انکار کو معلوم کیا، کہا پوچھو کیا مشکل پیش آئی ہے۔ مولانا وجیہہ الدین شرمندہ ہو گئے اور ہر وہ مسئلہ جو مشکل ہو گیا تھا ان سب کو پوچھا اس درویش نے ایک ایک مسئلہ مشکلہ کا ایسا جواب دیا کہ مولانا کی تشفی ہو گئی یہاں تک کہ مسئلہ قضا و قدر کا بھی سوال کیا اس فقیر نے ہر طور پر جواب دیا اور ایسا کہ مولانا کو کامل تشفی و تسلی ہو گئی اور جتنی مشکلیں تھیں وہ سب ختم ہو گئیں

'یہاں حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر پڑھا ؎

مرد ایں رہ آں زمانے کز دوکوں — مفلسے باشی دریں ویرانہ خوش

تو ازیں مرغاں بداں عطار را — کز دوعالم آیدش یلدا نہ خوش

موت اجلی اور موت ابتلائی میں فرق

مجلس شریف میں قاضی اشرف الدین درون حصاری نے عرض کیا کہ کیا دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کو موت دیکر زندہ کر دیتے ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ہاں چنانچہ حضرت عزیر پیغامبر علیہ السلام کو موت دے دی تھی اور سو سال کے بعد پھر زندہ کر دیا اور انہیں ایسا معلوم ہوا کہ بس ایک گھڑی موت و حیات کے درمیان گذری ہے۔

لیکن ایسی موت موت اجلی نہیں ہوتی بلکہ موت ابتلائی ہوتی ہے کہ کسی کے حق میں ابتلا کے طور پر ایسا ہوتا ہے اور جو شخص موت اجلی سے مرتا ہے وہ زندہ نہیں ہوتا، ہاں! قیامت میں زندہ ہوگا۔

زندگی میں ہی بہشت میں داخلہ

اس کے بعد فرمایا کہ جناب ادریس پیغامبر علیہ السلام ابھی تک بہشت ہی میں ہیں اور ان کا قصہ یوں ہے کہ جس وقت ادریس علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر لے گئے انہوں نے جناب جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ مجھے آرزو ہے کہ دوزخ کو دیکھوں جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ دوزخ دکھا دیں دوزخ دکھا دیا پھر کہا میری آرزو ہے کہ موت کو دیکھوں پھر حکم ہوا یہ بھی دکھا دیجئے اور سکرات موت کا مزا بھی چکھا دیجئے اور یہ بھی ہو گیا جب یہ ہو چکا تو کہا میری تمنا ہے کہ بہشت کو دیکھوں حکم ہو گیا، جناب جبرئیل علیہ السلام نے ان کو بہشت میں پہنچا دیا اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اب بہشت دیکھ چکے باہر تشریف لائیے جناب ادریس پیغامبر علیہ السلام نے کہا موت کا مزہ چکھ لیا دوزخ دیکھ لیا اور بہشت میں آ گیا اب بہشت سے باہر کس لئے آؤں جبرئیل علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ چھوڑ دیجئے کہہ دیجئے کہ وہیں رہیں۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس بارے میں اختلاف ہے کہ پھر ان کو بہشت سے باہر لایا جائے گا اور سکرات موت ہو گی یا یہی کافی ہو جائے گی بعضوں کا قول ہے کہ بہشت سے باہر نہیں لائے جائیں گے اس لئے دخول جنت اور ورود دوزخ، موت کے بعد ہے اور موت بھی ہو چکی اس لئے بہشت سے باہر نہیں لائے جائیں گے، لیکن اکثریت اس کی قائل ہے کہ موت اور سکرات موت بدرجہ کمال نہیں ہوا اور دخول جنت و ورود دوزخ اگرچہ ہوا مگر اس طرح نہیں جس طرح تمامی مخلوق کے ساتھ ہو گا جیسا کہ جناب آدم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا کہ جنت سے باہر لائے گئے اور پھر جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



انٹھاونواں باب

خانہ کعبہ کی عمارت اور آسمانوں کی تخلیق اور جو کچھ اس کے مناسب ہے اس کے بیان میں

بیت المعمور

مجلس شریف میں مولانا کریم الدین نے عرض کیا کہ پہلے پہل خانۂ کعبہ کی بنیاد جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ڈالی یا ان کے قبل بھی یہ عمارت تھی؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے بعضوں کا قول ہے کہ اس سے پہلے بھی عمارت تھی اور وہ اس طرح تھی کہ جب جناب آدم علیہ السلام بہشت سے زمین پر آئے تو انہوں نے مناجات کی کہ خداوند! جب تو نے مجھے بہشت سے زمین پر بھیجا ہے تو بہشت سے کوئی ایسا مکان بھی زمین پر بھیج دے جہاں میں تیری عبادت کروں اور اس مناجات کے بعد جناب جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بیت المعمور کو بہشت سے زمین پر لے جائیں جبرئیل علیہ السلام نے اس جگہ جہاں اس وقت کعبہ ہے بیت المعمور کو لایا اور رکھا اس کے بعد جناب

آدم علیہ السلام، کوہ سراندیپ سے آکر ہر سال بیت المعمور کی زیارت وطواف کرتے جیسا کہ تفسیر واثم میں لکھا ہے کہ 'اربع مائة مرة' یعنی چار سو مرتبہ آدم علیہ السلام نے حج بیت المعمور کیا ہے۔

اس کے بعد طوفان نوح علیہ السلام کے وقت جبرئیل علیہ السلام کو فرمان ہوا کہ بیت المعمور کو اس جگہ سے اٹھالائیں تاکہ عذاب کا پانی وہاں نہ پہنچے، جناب جبرئیل علیہ السلام نے اٹھالیا اور چوتھے آسمان پر لے گئے پھر حکم ہوا کہ ایک پتھر اس زمین میں رکھدیں تاکہ عذاب کا پانی اس زمین میں بھی نہ پہنچے اس کے بعد ایک پتھر جناب جبرئیل علیہ السلام نے اس زمین میں رکھ دیا پھر طوفان نوح علیہ السلام آپہنچا، پھر پانی خشک ہوا اور طوفان ختم ہوگیا۔

تعمیر کعبہ

اب جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا وقت آیا جناب خلیل اللہ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فلاں جگہ پتھر رکھا ہوا ہے وہاں جایئے اور ایک مکان تعمیر کیجئے اور خلق کو اس گھر کے حج کے لئے پکار دیجئے اس وقت حضرت خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ نے اس گھر کی بنیاد ڈالی۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس مکان کی ابتدا ہی جناب خلیل اللہ علیہ السلام کے ذریعہ ہوئی ہے اور یہ آپ کی پہلی خانقاہ صانها الله عن البواء بالفضل والکرم روئے زمین پر تعمیر ہوئی ہے۔

ایک اہم تحقیق

حاضرین مجلس میں سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا ''حجرہ'' کوٹھری یا کمرہ پوش کو کہتے ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ پہلے پہل جس نے اینٹ کی بنیاد رکھی وہ فرعون کا وزیر ہامان تھا اور اول اول جس نے اینٹ کے مکان کی تعمیر کی وہ فرعون تھا۔

تعمیرات میں اسراف مکروہ

حاضرین مجلس میں سے ایک نے سوال کیا پھر تو اینٹ کے مکان کی تعمیر مذموم ہونا چاہیئے کیونکہ یہ تو اس کی سنت ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ تعمیرات میں اپنے مال کو صرف کرنا بعضوں کے نزدیک مکروہ ہے اس حدیث شریف کے حکم کے تحت جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے 'انہ قال اذا راد اللہ بعبد شرا اھلک مالہ باللبن والطین' (جب اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کسی بندہ کے ساتھ خرابی کا تو ہلاک کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مال کو اینٹ اور مٹی سے) اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ 'من یبنی فوق مایکفیہ جاء یوم القیامة حاملا علیٰ عنقہ' (ضرورت سے زیادہ جو مکانات بنائے گا وہ قیامت کے دن اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہوگا)۔ لیکن بعض علماء کا قول ہے 'لا باس بہ' (اس میں کوئی حرج نہیں) اور وہ لوگ اپنے قول کو اس نص قرآنی سے لیتے ہیں قال اللّٰہ تعالیٰ تتخذون من سھولھا و قصوراً وّ تنحتون الجبال بیوتاً فاذکروآ الاء اللّٰہ' (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نرم زمین میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مکانات اور محل کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے، لیکن فقیہ ابو اللیث رحمتہ اللہ نے لکھا ہے کہ آخرت کے کاموں میں مال کا صرف کرنا افضل ہے اگر تین چیزوں سے پرہیز کرے اوّل یہ کہ مال حرام ذرائع سے حاصل نہ ہوا ہو۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں اور ذمیوں پر ظلم نہ کرے۔ تیسرے یہ کہ اللہ کے فرض کئے ہوئے کسی فریضہ کو ضائع نہ کرے، تو دنیا کے کاموں میں اور مکانوں کی تعمیر میں مال کا خرچ کرنا حرام نہیں۔

آسمان، زمین، بہشت اور دوزخ کی تخلیق

قاضی صدرالدین نے عرض کیا کہ آسمانوں کی تخلیق کے قبل کوئی اور چیز پیدا ہوئی تھی یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ پہلے آسمانوں کی تخلیق ہوئی پھر دوسری چیزوں کی۔

پھر سوال کیا بہشت و دوزخ بھی نہیں تھی؟

فرمایا خبر تو یہی ہے کہ اس کے بعد ہی مخلوق ہوئی جیسا کہ اور دوسری مخلوقات۔

اس کے بعد پوچھا کہ کیا بہشت و دوزخ دنیا ہے؟

فرمایا دنیا یہ جہاں ہے، بہشت و دوزخ وہ جہاں ہے جسے آخرت کہتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ دنیا کے بارے میں بزرگوں کے بہت سے اقوال ہیں لیکن تحقیق یہ ہے جس کو ''شرح تعرف'' میں بیان کیا ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہے وہ چیزوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے اوصاف اور اس کی خاصیتیں لکھی ہیں نہ کہ اس کی حقیقت بیان کی گئی ہے اور وہ چار چیز، دنیا، قلب، روح اور نفس ہے۔

کل شیئ ھالک کا مطلب

ایک سیّد صاحب پچھمی ہندوستان سے آئے تھے اور مجلس شریف میں تشریف فرما تھے انہوں نے عرض کیا کہ بہشت کی جگہ کون سی ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ بہشت عرش کے نیچے ہے اور بہشت کی چھت عرش ہے۔

اس کے بعد پھر گذارش کی کہ ساری چیز بجز حق سبحانہ تعالیٰ فنا ہو جائے گی جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے کلّ شیئ ھالک الا وجھہٖ (ہر چیز فانی ہے سوائے اس کی ذات کے اور پھر دوسری جگہ ارشاد ہے ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام (اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات، عظمت و بزرگی والی تو جب کہ بہشت و دوزخ حق تعالیٰ کے ماسوا ہے اس کو فنا کیوں نہیں؟

آسمانوں کی خلقت کی کیفیت

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ چند چیزیں ایسی ہیں کہ وہ اللہ رب العزت کی بقا کے ساتھ یعنی اس کے باقی رکھنے سے باقی رہیں گی اور وہ اس آیت کریمہ کے ساتھ مخصوص ہیں و یوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السمٰوٰت ومن فی الارض الا من شاء اللہ (اور جس دن پھونکا جائے گا صور تو گھبرا جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں

مگر جسے خدا چاہے وہ گھبراہٹ وہلاکت سے محفوظ رہے گا) مفسرین نے اس آیت کی تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو استثناء کیا ہے وہ بہشت و دوزخ، ارواح، عرش، کرسی، لوح وقلم ہے۔ ہاں! اس آیت **کل شیئ ھالک الا وجھه یعنی یقبل له ھلاک** یعنی جتنی چیزیں ہیں وہ قابل ہلاک ہونے کے ہیں اور اس تاویل پر کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ بہشت، دوزخ، ارواح، عرش، کرسی، لوح اور قلم سب کے سب ہلاک ہونے کے قابل ہیں۔ لیکن اللہ رب العزّت کے باقی رکھنے سے باقی رہیں گی جس طرح اس وقت ہم لوگ ہلاک ہونے کے قابل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ باقی رکھے ہوئے ہے اس لئے باقی ہیں۔

پہلی تخلیق

قاضی صدرالدین نے عرض کیا کہ قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ پہلے پہل ایک موتی پیدا ہوا اس کے بعد دوسری چیزیں پیدا کی گئیں۔ پھر ستر سال تک کوئی نہیں رہا اس کے بعد اور ایسی چیزیں پیدا ہوئیں تو اس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں کے پیدا ہونے کے قبل یہ سب چیز پیدا ہو چکی تھی۔

آسمانوں کی خلقت کی کیفیت

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ آسمانوں کی خلقت کی کیفیت کے بارے میں ہے۔

پھر گذارش کی کہ ان سب کو ستر سال تک ویسے ہی رکھا یہ کیسے مشتہر ہوا کیوں کہ آسمانوں کی پیدائش کے قبل زمانہ نہ تھا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کی مقدار ہے یعنی ستر سال کی مقدار میں جس طرح اس آیت میں **فی ستّة ایّام** یعنی چھ دنوں کی مقدار میں اور فرمایا کہ پہلے زمین پیدا کی گئی ہے اس کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی اور یہ قول امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، دلیل میں یہ آیت لائی گئی ہے کہ کہا اللہ تعالیٰ نے **ثم استویٰ الی السماء** (پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف قصد فرمایا) یعنی **خلق السماء** (آسمان پیدا کیا) اس کے بعد **خلق الارض** (پھر پیدا

کیا زمین) ھکذا قال الاخفش (ایسا ہی اخفش نے بھی کہا ہے) اور خرابی اس کے برعکس ہے پہلے آسمان توڑ پھوڑ دیا جائے گا اس کے بعد زمین۔ مخلوق میں یہ طریقہ رائج ہے کہ اگر چاہتے ہیں کہ کسی مکان یا عمارت کو توڑ دیں تو پہلے بالا خانہ اور چھت سے توڑنا شروع کرتے ہیں۔

زمین کے فنا ہونے کی صورت کیا ہوگی

پھر گذارش کی کہ زمین کو بھی مٹا دیا جائے گا اور یہ کس طرح ہوگا؟

فرمایا کہ ہاں! زمین بھی ختم کی جائے گی اور یہ اس کے بعد ہوگا جب خلق دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اہل بہشت، بہشت میں جالیں گے اور اہل دوزخ دوزخ میں۔ اور یہ دلیل ہے کہ عرصۂ محشر کی زمین یہی زمین ہوگی اور تغیر صفت میں ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا یوم تبدل الارض غیر الارض (جس دن بدل دی جائے گی زمین اس زمین کے سوا) اور اس کی تفسیر وہی کی گئی ہے کہ اس مدت تک کہ عرصات کی زمین چاندی کی بنائی جائے گی خلائق اس وقت تک پل صراط پر ہوں گے۔

پل صراط اور امور آخرت

اس موقع پر قاضی صدرالدین نے استفسار کیا پل صراط پر چلنا ہے نہ کہ ٹھہرنا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جتنے وقفہ میں کہ گذریں گے اور اتنا ہی مقدار یا مدت میں چاندی کی بنا دیں گے۔

اس کے بعد فرمایا کہ آخرت کے امور زیادہ تر قدرت پر ہوتے ہیں یعنی جو چاہتے ہیں وہ کن فیکون کی قدرت سے اسی وقت اور اسی حال میں موجود ہو جاتی ہے اور بغیر کسی ذریعہ اور واسطہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہاں آج کل حکموں کا جاری ہونا کسی ذریعہ اور واسطے کے ہوتا ہے وہاں بے واسطہ ہوتا ہے۔

پھر قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ ''تعرف'' میں مذکور ہے کہ ''ازل'' ابتدائے افلاک ہے اور ''ابد'' انتہائے افلاک، اس عبارت سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ازل ابتدائے افلاک ہے تو ابد افلاک سے نہ ہو؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ''تعرف'' کی عبارت کو دیکھنا ہے کہ کس مفہوم میں اس طریقہ پر یہ عبارت آئی ہے؟ لیکن حاصل یہ ہے کہ ازل افلاک کے پہلے ہے پس ازل کو افلاک کے کہیں گے اور ابد کو افلاک کے بعد کہیں گے اور وقت درمیانی ہے لیکن اور دوسری جگہ ازل وقت سے قبل اور ابد وقت کے بعد کو کہتے ہیں اور وقت درمیانی چیز کو کہتے ہیں اور یہ قول سب میں بہت ہی خوب ہے، کون جانے کہ ''تعرف'' میں کس مفہوم میں یہ عبارت آئی ہے؟

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ازل و ابد سے گذر جائیں اور خدا سے ازل و ابد کو پوچھیں۔ طالب جب کہ وقت سے آگے بڑھ جاتا ہے تو وقت کے قبل اور وقت کے بعد دونوں ہی سے آگے گذر جاتا ہے جبکہ وقت میں ٹھہراؤ نہیں کرتا ان دونوں میں بھی نہیں کرے گا اور یہ شعر زبان مبارک پر آیا ؎

برتر ز ہست و نیست قدم برنہادہ ایم　　بیروں ز کفر و دیں رہ دیگر گرفتہ ایم

اور اس بات کو کم حوصلہ متعلم نہیں سن سکتا لیکن وہ شخص جو اس کفر کو پہچانتا ہے۔ وہ تو یہی کہتا ہے کہ ؎

ماہ رویا عشق تو در کافری ست　　ایں چنیں صد کافری دین من ست



انسٹھواں باب

ولادت پیدائش وغیرہ کے بیان میں

مجلس شریف میں ایک عزیز نے عرض کیا کہ جب لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں بنگ صلوٰۃ دیتے ہیں اس کی اصل کیا ہے؟

بچے کی پیدائش پر اذان وتکبیر

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ سنت ہے کہ ایک کان میں تکبیر کہیں اور دوسرے کان میں اذان کہی جائے تا کہ دیو اور اجنہ اسے نہ ڈرائیں۔ روایت ہے کہ چھوٹے بچے جو روتے ہیں وہ اسی سبب سے کہ دیو ڈراتے ہیں اور اسی کے خوف سے انہیں رونا آتا ہے اور فرمایا کہ دیو یعنی شیاطین اور اجنہ عالم میں اتنے زیادہ ہیں کہ جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا اگر فرشتے آدمیوں کی حفاظت نہ کریں تو ایک ہی دن میں سب کو ختم کر دیں چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ ہر آدمی پر ننانوے فرشتے مقرر ہیں آنکھ پر ناک پر اور اسی طرح جملہ اندام پر۔

یہ مقام بلاغت کی بات ہے

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ شیخ نظام الدینؒ کے ملفوظ میں یہ حکایت لکھی ہے کہ ایک بزرگ کو سماع میں غلو تھا لوگوں نے ان کے سماع سننے پر زبان ملامت دراز کی یہاں تک کہ سماع کے حرام ہونے کے بارے میں استفتاء لیا شہر کے مفتیوں نے سماع کے حرام ہونے پر جواباً فتویٰ لکھا۔ ان میں سے ایک عالم جوان کے پاس آیا کرتے تھے انہوں نے بھی سماع کے حرام ہونے پر فتویٰ لکھا تھا یہ خبر ان بزرگ کی خدمت میں لوگوں نے پہنچائی کہ فلاں عالم صاحب جو یہاں آیا کرتے ہیں انہوں نے بھی سماع کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے اس کے بعد وہ عالم ان بزرگ کے پاس ایک دن آئے ان بزرگ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ وہ دوسرے علماء جنہوں نے سماع کے حرام ہونے کا فتویٰ لکھا وہ تو ابھی شکم مادر میں ہیں لیکن تم تو نوزائیدہ بچے ہو اور ابھی شیر خوار ہو، اس حکایت کے آخر میں حضرت شیخ نظام الدینؒ نے فرمایا ہے لیکن اس وقت اس ولی بزرگ نے کوئی چیز باہر نکالی وہ چیز جو باہر نکالی وہ کیا تھی اور یہ جو کہا کہ دوسرے تمامی علماء ماں کے پیٹ میں ہیں تم تو نوزائیدہ ہو مگر ابھی تک شیر خوار بچے ہو اس جملہ کے کیا معنی ہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اولیاء اللہ اور بزرگان دین جو کچھ بھی کہتے ہیں مشاہدہ اور معائنہ سے کہتے ہیں اپنی جانب سے کچھ اضافہ نہیں کرتے جو کچھ ان پر کھلتا ہے اور دیکھتے ہیں بعینہ اسی عبارت میں کہتے ہیں۔ ان بزرگ نے ویسا ہی کیا ہے المقصود وہ بزرگ مقام بلوغیت پر پہنچے ہوئے تھے کیونکہ یہ بات جو انہوں نے کہی کہ اور لوگ شکم مادر میں ہیں اور تم نوزائیدہ ہو اور ابھی تک طفل ہو، وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو مقام بلاغت حاصل ہو۔

ماں کے پیٹ اور نفس سے ولادت کا مفہوم

بزرگوں کا قول ہے کہ ولادت دو ہے ایک ولادت یہ ہے کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہو اور دوسری ولادت یہ ہے کہ نفس سے باہر نکل آئے آدمی جب تک ماں کے پیٹ میں ہے اِس جہاں اور اُس جہاں دونوں سے غائب ہے جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تو اس جہاں کا معائنہ اور مشاہدہ کیا وہ جہاں اس سے غائب ہے جب جب نفس سے باہر آ گیا تو اس جہاں کا

مشاہدہ اور معائنہ کرتا ہے اور اسی معنی کے اعتبار سے ہے کہ جس وقت سالک صفات مذمومہ سے نکل آتا ہے اسے پیدائش کہتے ہیں اور مولانا روم علیہ الرحمۃ والغفران کا یہ شعر اسی معنی میں ہے ؂

مانند طفلے در شکم کو پرورش دارد زخون　　یکبار زاید آدمی من بارہا زائیدہ ام

آدمی جب تک نفس کے رحم میں ہے مشائخ کہتے ہیں کہ شکم مادر میں ہے تو وہ عالم جو ان بزرگ کی صحبت میں تھے اسی قدر نفس سے باہر آئے تھے گویا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہو چکے ہیں لیکن ان کے طور وطریقے اور ان کے کاموں کو نہیں کئے ہوئے تھے اس لئے ابھی تک بچّہ ہی تھے بلوغیت کو نہیں پہنچے تھے، بلوغیت کو اسی وقت پہنچتے ہیں جب کہ نفس سے بھی باہر آجائیں اور مشائخ کی روش ان کے طور طریقے اختیار کئے ہوئے ہوں اور دوسرے وہ علماء جو نفس سے باہر نہیں ہوئے تھے وہ ابھی تک ماں کے شکم میں ہیں اور اس معنی میں کہ کچھ باہر کیا (یعنی ان بزرگ نے مذکورہ بالا عبارت میں جو فرمایا کوئی چیز باہر نکالی اس کا مطلب) یہ تھا کہ نفس سے بھی باہر آگئے تھے اور مقام بلوغیت میں پہنچے ہوئے تھے اور وہ مجاہدہ، مجادلہ اور بزرگوں کے تمام کاموں کو کر چکے تھے اور اسی معنی میں بہاء الدین کی مثنوی کے یہ اشعار ہیں ؂

چوں بنائے خلقتم راحق نہاد　　آمدم اول بہ اقلیم جماد
وز جمادے مردم نامی شدم　　وزنما مردم بحیواں پر زدم
چوں ز حیواں مردہ ام آدم شدم　　پس چہ بینم من کہ مرداں کم شدم
جملہ دیگر بمیرم از بشر　　تا بر آرم از ملائک بال و پر
وز ملائک بایدم حسن وجوہ　　کل شئ ھالک الا وجھہ
بعد ازاں با نور احمد ہمدم　　با براق عشق زاں مہ بگذرم

چھوٹی اولاد سب سے پیاری کیوں ہوتی ہے؟

جمعہ کے روز شیخ بخاریؒ نے نہایت ہی آرزو وتمنا سے مجلس شریف میں استدعاء کی کہ ان چند رفقاء کے ساتھ جو اس آستانہ عالیہ کی خدمت میں مخصوص ہیں کل اشراق کے وقت

تشریف لایا جائے چنانچہ صبح کے وقت وہاں گئے ناشتہ کا دسترخوان چنا گیا کمال الدین اپنے چھوٹے لڑکے کو بھی ساتھ لے گئے تھے اس لڑکے کو دیکھ کر حضرت مخدوم جہاں نے فرمایا کہ ماں باپ کو سب سے چھوٹی اولاد پر عجب شفقت ہوتی ہے! تمام اولاد سے زیادہ چھوٹی اولاد کو چاہتے ہیں یوں تو شفقت تمامی اولاد پر ہوتی ہے۔ لیکن چھوٹے پر شفقت اس لئے ہوتی ہے کہ صاحب الاولاد ہونے میں وہ سب سے قریب العہد ہوتا ہے۔ اس موقع پر شیخ خضر پارہ دوزؒ کی حکایت بیان کی گئی۔

کہتے ہیں کہ شیخ خضر جب پیدا ہوئے تو ان کی ماں کا انتقال ہو گیا باپ نے اپنی گود میں پرورش کی ایک دن گود میں لے کر حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے گذارش کی کہ میرے اس چھوٹے سے بچے کو قبولیت کا شرف عنایت فرمایا جائے حضرت شیخ مودود چشتیؒ نے فرمایا ''خوردک تو بزرگ است'' تمہارا یہ چھوٹا بچہ بزرگ ہے اس کے بعد قبول فرمایا اور طاقیہ (کلاہ) عنایت ہوا ایک مدت کے بعد جب خضر جوان ہوئے تو ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اس واقعہ کو لوگوں سے انہوں نے سنا، سننے کے بعد حضرت مودود چشتیؒ کی زیارت کا قصد کیا جیسے ہی حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے خواجہ مودودؒ نے فرمایا ''خضرک بزرگ شد'' چھوٹا خضر بزرگ ہو گیا اور بزرگ ہو جائے گا۔

اس کے بعد کھانا کھانے کے درمیان فرمایا کہ گرمی کا زمانہ ہے کھانا کھاؤ اور نہایت اچھے طریقہ پر ارشاد ہوا کہ گرمی کا حق ان قلندروں کے لئے چھوڑ دو پھر فرمایا کہ شیخ خضر قلندروں کی گروہ سے نہیں ہوگا لیکن جس وقت قلندروں کی جماعت میں ہوگا تو ان کی موافقت میں ان کے طریقہ پر جیسی ان کی روش ورسم ہے ویسا ہی کرے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔



ساٹھواں باب

سماع اور اس کے حلال وحرام اور مکروہ ومباح ہونے کے بیان میں

مجلس سماع کی شرعی حیثیت

مجلس شریف میں سماع کے حلال وحرام ہونے کا تذکرہ آگیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا سماع کے مسئلہ میں اختلاف ہے نہ تو اسے مطلقاً حرام کہتے ہیں اور نہ مطلقاً حلال، یہ اس لئے کہ اس کے ظاہر میں فسق وفتنہ ہے۔ لیکن باطن میں فسق وفتنہ نہیں ہے اور اس کا جواب چندطور پر دیا گیا ہے احیاء العلوم میں ہے کہ اگر کسی شخص پر اللہ رب العزت کی محبت غالب ہے اور وہ شخص اللہ کی لقا کا مشتاق ہے تو سماع ایسے شخص کے حق میں اس کے شوق دید کا محرک ہے اور اللہ تعالیٰ کی قربت پر آمادہ کرنے والا اور اس کے دل کی اس آگ کو روشن کرنے والا ہے ابھارنے والا اس کے دل سے احوال شریف کو نیکیوں اور انکشافات سے باہر نکالنے والا ہے ایسا کہ بیان میں نہیں آسکتا اور اس کو صوفیوں کی

زبان میں وجد کہتے ہیں ایسے شخص کے حق میں سماع حلال ہے کیونکہ جس شخص کے دل پر خداوند تعالیٰ کی محبت غالب ہے اسے وصال کے تذکرہ سے دیدار خداوند تعالیٰ کی یاد تیز ہو جاتی ہے اور فراق وجدائی کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کے حجاب کی یاد آ جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کی محبت میں ان باتوں کے بٹنے کا اور اس کے غور وفکر وتامل اور کسی معانی و چیز کے اخذ کرنے میں وہ محتاج نہیں ہے بلکہ لفظ کے سنتے ہی اس کے فہم پر وہ معنی یعنی محبت حق تعالیٰ جو اس کے دل پر غالب ہے اور تیز تر ہو جاتا ہے۔

سلف صالحین اکابر مشائخ نے لحن وترنم کے ساتھ اشعار سنے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کے حضور میں اشعار پڑھے گئے ہیں اور رسالت پناہ ﷺ نے اسے منع نہیں فرمایا۔

لیکن کوئی ایسا شخص جسے دل پر ایسے مخلوق کے عشق ومحبت کا غلبہ ہو جس کا دیکھنا اور اس کی طرف نگاہ کرنا حرام ہو، سماع سے وہی چیز اس کے دل میں اترے گی اور ابھرے گی تو سماع ایسے شخص کے حق میں حرام ہے اس بنا پر کہ حرام کی طرف راغب ہے تو حرام ہوگا اور اسی کو استاد ابو علی دقاقؒ نے فرمایا **السماع حرام للعوام لبقاء نفوسهم ومباح للزهاد لحصول مجاهدتهم ومستحب لا صحابنا لحيوٰة قلوبهم** (عوام کے لئے سماع حرام ہے کیونکہ سماع سے علاحدگی میں ان کے نفس کی حفاظت ہوتی ہے زاہد کے لئے مباح ہے اس لئے کہ انہیں اس سے مجاہدہ میں تقویت حاصل ہوتی ہے اور ہمارے رفقاء کار صوفیاء حضرات کے لئے مستحب ہے ان کے دلوں کو زندگی اور تازہ حیات میسر ہوتی ہے) چنانچہ صالحین میں سے کسی نے خواجہ خضر کو دیکھا پوچھا کیا فرماتے ہیں سماع کے بارہ میں کہ صوفیوں میں اختلاف ہے خواجہ خضر نے کہا یہ زنگار (زنگ) کی صفائی ہے اور اس پر ثابت قدم سوائے علماء رحمہم اللہ کے اور شخص نہیں رہ سکتا ہے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہاں یہ شعر ارشاد فرمایا ؎

منزل عشقش دل ما گشت وبس　　　بنسبت عشقش درخور ہر منترے

سماع کے حرام ہونے کے بارہ میں جس قدر دلیلیں اور وعیدیں ہیں وہ ایسے شخص کے حق میں ہیں کہ جس کے لئے سماع حرام ہے لیکن کوئی ایسا شخص ہے کہ جس کے دل پر خداوند

تعالیٰ کی محبت غالب ہے اس شخص کے حق میں سماع حلال ہے اور مخلوق کی ایسی محبت جس کے دیکھنے سے حرام کا غلبہ ہو۔ سماع ایسے شخص کے حق میں حرام ہے اس شخص میں نہ ہو تو ایسے شخص کے حق میں ایسا ہی مباح ہے جس طرح اور اقسام میں مباح ہے۔ مگر وہ شخص جو کہ سماع کو اپنی عادت بنالے اور اسی میں لگا رہے یہاں تک کہ اوراد و وظائف ترک کر دے تو اس وقت ایسا شخص بے وقوف سمجھا جائے گا یہاں تک کہ اس کی گواہی شرع میں قابل قبول نہیں ہوگی۔

سماع کی چار قسمیں

حضرات مشائخ رضوان اللہ علیہم کی کتابوں میں سماع کی چار قسمیں کی گئی ہیں۔

(۱) حلال، (۲) حرام، (۳) مکروہ اور (۴) مباح۔

(۱) ایسا سماع کہ جس کے سننے سے دل کلیتاً حق سبحانہ تعالیٰ کی جانب مشغول رہے اور مجاز میں مشغول نہیں رہے یہ سماع حلال ہے۔

(۲) اور ایسا سماع جس کے سننے میں دل کلیتاً مجاز میں مشغول ہو اور دوسری چیزوں مثلاً فسق و فجور میں بھی مشغول ہو تو یہ سماع حرام ہے۔

(۳) اور ایسا سماع کہ جس کے سننے سے دل کچھ حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو اور کچھ غیر حق کے ساتھ مشغول ہو اور اگر دونوں مشغولی برابر ہو تو وہ سماع مکروہ ہے۔

(۴) اور ایسا سماع کے جس کے سننے میں دل حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہے اور مجاز کے ساتھ بھی لیکن مجاز کے مقابلہ میں حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ زیادہ ہے تو یہ قسم مباح ہے۔

حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ سماع شادی وخوشی کے اوقات میں حلال ہے یا حرام؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ احیاء العلوم میں مذکور ہے اگر یہ شادی مباح ہے تو سماع بھی مباح ہوگا جیسا کہ سماع سرود کے ساتھ ایام عید میں اور عرسوں اور کسی گمشدہ کے آجانے کی خوشی میں اور فرزند تولد ہونے کے وقت اور ختنہ اور حفظ قرآن ختم ہونے کے اوقات میں اس روایت کی بنا پر کہ جب پیغامبر ﷺ کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے اور

مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو حضور ﷺ کے سامنے دف پر لحن وترنم کے ساتھ یہ شعر پڑھا گیا ؎

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا مادعی للّٰہ داع

(وداع کی گھاٹی سے بدر کامل (چاند) ہم پر طلوع ہوا ہے اور ہم پر شکر اس وقت تک واجب ہے جب تک اللہ کی طرف دعوت دینے والے دعوت دیتے رہیں)

اور یہ حضور ﷺ کا پہنچنا شادی محمود (قابل تعریف خوشی) ہے پس اس خوشی کا اظہار بذریعہ شعر ونغمہ اور رقص وحکایات یہ بھی محمود ہوگا۔

وجد ورقص کی شرعی حیثیت

قاضی صدر الدین نے عرض کی کہ رقص کے حرام ومباح ہونے کے بارے میں کیا اقوال ہیں؟ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا رقص کے متعلق حکم تین طرح کا ہے منقول ہے کہ اگر محرک رقص یعنی جو چیز اسے رقص کے لئے حرکت میں لانے والی ہے وہ حلال ہے تو رقص بھی حلال ہوگا اور اگر محرک حرام ہے تو رقص بھی حرام ہوگا اور اگر محرک مباح ہے تو رقص بھی مباح ہی ہوگا۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ ایک روز رسول خدا ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''انت منی وانی منکم'' تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں تو میں نے رقص کیا فَحَجَلَ یعنی حرکت میں آئے رقص کرنے لگے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ارشاد ہوا اشبحت خلقی و خلقی تم خلق اور خُلق یعنی صورت اور سیرت میں مجھ سے مشابہہ ہو فَحَجَلَ وہ بھی متحرک ہوئے یعنی رقص میں آگئے اور جب زید رضی اللہ عنہ سے ارشاد ہوا 'انت اخو ناومولانا' تم میرے بھائی اور معاون ہو فَحَجَلَ وہ بھی جنبش میں آئے اور رقص کرنے لگے۔

نغمہ اور گانا کی شرعی حیثیت

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ کسی غیر عورت اور لڑکے کا گانا سننا کیسا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کی اگر اس کے گانا سننے سے فتنہ کا خوف ہو تو کہا گیا ہے کہ حرام ہے ایسا ہی امرو نابالغ لڑکے کا گانا بھی حرام ہے چنانچہ ایسی روایت حضرت

رسالت پناہ ﷺ سے آئی ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں اس کنیز سے جو گانا گاتی تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سنا ہے اور وہ روایت یوں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک کنیز گانا گا رہی تھی حضور نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے، وہ کنیز گاتی رہی پھر حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ آگئے وہ لونڈی بھاگی رسالت پناہ ﷺ نے تبسم فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ کس بات پر آپ ہنس رہے ہیں؟ پیغامبر ﷺ نے فرمایا اس کنیز کے گانے اور آپ کو دیکھنے کے بعد اس کے بھاگنے پر ہنسی آگئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں ہرگز اس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک اس سے گانا نہ سن لوں جبکہ حضور ﷺ نے سنا ہے تو میں بھی سنوں گا۔ یہاں تک کہ پیغامبر ﷺ نے اس جاریہ لونڈی کو طلب کیا اور واقعہ کو عدم خوف فتنہ پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ ان کے لئے فتنہ کا کوئی خوف نہیں تھا، اتنی بات ذہن نشیں کر لینی چاہئے کہ لوہاروں کی جماعت کو ان انفاس قدسیہ یعنی ن پاکبازوں پر ہرگز قیاس نہیں کرنا چاہئے۔

اور شیخ ابو طالب مکی رحمتہ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ایک بزرگ تھے جنہیں عطار کہتے ہیں، وہ دو کنیز ایسی رکھے ہوئے تھے جو گایا کرتی تھی اور وہ اور ان کے رفقا اس سے گانا سنا کرتے تھے۔ اور شیخ رحمت اللہ نامی ایک بزرگ نے کہا ہے کہ ہم نے ابو مروان قاضی سے پوچھا تھا کہ وہ چند ایسی کنیزیں رکھے ہوئے تھے جو کہ گانے والیاں تھیں اور ان لونڈیوں سے صوفیوں کو گانا سنوانے کے لئے علاحدہ کئے ہوئے تھے۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر یہ شعر پڑھا ؎

عشقت رسید و ملک دل بگرفت شاہنشاہ شد
عقلم فضولی می نمود از شغل یکسو کردیش!

اور شیخ الشیوخ رحمتہ اللہ علیہ نے عوارف میں شیخ ابو طالب مکی رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول کو بھی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ میرے نزدیک بہتر یہی ہے کہ اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ نقل جو میں نے بیان کی

احیاء العلوم یا عوارف المعارف میں پردہ سے یا بے پردہ سننے کی تفصیل نہیں کی گئی ہے، لیکن ایک دوسری جگہ مرقوم ہے کہ بیگانہ عورت سے سننا حرام ہے اگر وہ عورت بری ہو کیونکہ بیگانہ عورت پر نگاہ جس طور پر بھی ہو حرام ہے۔ ہاں اگر آواز پردہ کے پیچھے سے سنیں تو یہ سنا بھی اگر اس میں فتنہ کا خوف ہو تو حرام ہے اور اگر فتنہ کا خوف نہیں ہو تو مباح ہے اس دلیل سے کہ عید کے دن دو لونڈیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گانا گا رہی تھیں۔ پیغامبر ﷺ ان کی آواز سن رہے تھے اور وہ عورتیں عیسائی تھیں مثوبۃ یعنی روئے مبارک کے آگے کپڑے کا پردہ تھا۔ لہٰذا عورت کے گانے کی آواز سننا حرام نہیں ہے لیکن جہاں فتنہ کا خوف ہو تو حرام ہو گا۔

ایک عزیز نے گذارش کی تواجد کسے کہتے ہیں؟

وجد کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ شرح تعرف میں مذکور ہے کہ وجد ہے اور تواجد ہے۔ ہر وہ اندوہ کہ جس میں سوزش اور الم ہو اسے صوفیاں وجد کہتے ہیں۔ اور یہ چند قسم پر ہے، ہو سکتا ہے کہ عذاب کے خوف سے ہو، یا ہجر و فراق کے درد سے یا یہ درد فراق شوق و محبت کی سوزش سے ہو، ان معنوں میں سے جو چیز اس کے اندر سوزش کنندہ اور درد دینے والی ہو گی تو ان معنی میں جو بھی اس کے دل میں ظاہر ہو گا وہ اس کے باطن میں سوز پیدا کرے گا اس کو صوفیا سمجھیں گے کہ اس شخص کو وجد پیدا ہوا ہے اور امیر حسن کا یہ شعر اسی معنی میں ہے ؎

بازار حسن گرم است از آتش دوداں　　　ایں دود کجا خیزد از طائفہ خاماں

تواجد کیا ہے؟

جب یہ وجد دل میں پیدا ہوا اور اس کا غلبہ شروع ہوا مضطرب ہو گیا اس اضطراب میں نعرہ اور نالہ لگانے لگا اس نعرہ واضطراب کو تواجد کہتے ہیں، یہاں یہ شعر ارشاد ہوا ؎

گفتی ترا چہ سوز وچہ شور است درسماں　　　ایں آں سوال ہاست کہ آں را جواب نیست

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ سماع کے قبل فاتحہ پڑھتے ہیں اس کی روایت آئی ہے یا نہیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ فاتحہ کا پڑھنا معین ہو، یہ نظر سے نہیں گذرا ہے لیکن عوارف ہیں خواجہ دینوری سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسالت پناہ ﷺ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سماع کے متعلق کیا آپ ﷺ نے انکار فرمایا ہے؟ ارشاد ہوا میں انکار نہیں کرتا ہوں لیکن ان لوگوں سے کہئے کہ سماع قرآن کی قرأت سے شروع کریں اور سماع کے بعد بھی قرآن کی تلاوت کر کے سماع ختم کریں۔

سماع کی سماعت کس کے لئے؟

پھر عرض کیا کہ اگر کوئی مرید اس نیت سے سماع سنے کہ میرے پیر نے سماع سنا ہے میں بھی سنوں، یا نہیں سنوں کیونکیہ میرے پیر کو جو حال و معنی ہے وہ مجھ میں نہیں ہے۔ یہ دونوں نیت کیسی ہے؟

فرمایا مرید کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے ابتدائی وقت میں سماع کی شرکت کریں کیونکہ سماع کے آفات اور اس میں پندار باطل بہت زیادہ ہے اور حق و باطل کی تمیز پیران پختہ اور راہ رفتہ ہی کو ہوتی ہے اور وہ مرید جس کو ابھی تک احوال دل پیدا نہیں ہوئے ہیں اور معاملات کی خبر بھی نہیں رکھتا یا ایسا ہے کہ احوال دل کو پیدا ہو گئے ہیں لیکن ابھی تک اس کی شہوت ختم نہیں ہوئی ہے اس کے لئے سماع سے پرہیز واجب ہے اور اسی لئے سماع سے منع کرتے ہیں کیونکہ اس کا نقصان نفع سے کہیں زیادہ ہوگا۔ چنانچہ منقول ہے کہ مشائخ کے مریدوں میں سے کسی نے پوچھا مشائخ کو سماع میں میلان نہیں ہوا ہے جواب دیا کہ تمہاری طرح یہ لوگ بھی ہیں تم بھی تو سنتے ہو؟

خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا جس مرید کو دیکھو کہ سماع سے اسے رغبت ہے تو یہ سمجھ لو کہ بطالت کے باقیات میں سے ابھی اس کے اندر باقی ہے۔

ذوق سماع کی اہمیت

قاضی صدر الدین نے عرض کیا کہ اگر کوئی محض آواز سنے اس آواز کے سننے سے

اسے ذوق پیدا ہوتو یہ کیسا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس کا کیا کہنا ہے یہ مرتبہ بہت بلند ہے یہ تو اہل استغراق کو ہوتا ہے کہ جو آواز ان کے کان میں پہنچی اسے وہ اللہ تعالیٰ سے سنتے ہیں۔ اور جس چیز میں نگاہ کرتے ہیں حق تعالیٰ ہی کو دیکھتے ہیں جیسا کہ خواجہ عثمان مغربی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ **من ادعی السماع و لم یستمع من صوت الطیور وضرب الباب و تصفیق الرماح فھو مغتر مدعی** یعنی جو سماع کا دعویٰ کرتا ہے اس کو پرندوں کی آواز اور دروازے کے کواڑ اور نیزے کی آواز میں ذوق سماع نہ ہو تو وہ مغرور مدعی ہے اور بعضوں نے کہا ہے **من لم یحرکه الربیع و ازھارہ والعود فھو فاسدالمزاج لیس له علاج** یعنی جس کسی کو پودوں کی بہار اور اس کے شگوفے کونپلوں کی تازگی اور ستار اور تانت کی آواز سے جنبش پیدا نہ ہو وہ فاسد المزاج ہے ایسا شخص قابل علاج نہیں۔

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ سماع کی مجلس ہو رہی ہو اور وہاں درویشوں میں سے کوئی شخص نہ ہو اگر وہاں اس نیت سے جاتے کہ معنی پیدا ہوگا یا بزرگان دین اولیاء اللہ کی یاد آئے گی تو ایسی مجلس میں جائے یا نہیں؟

سماع کے اداب کے شرائط

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ذوق و معنٰی ایسی مجلسوں میں کہاں میسر۔ اس کے بعد فرمایا کہ سماع کے آداب میں یہ تین چیزیں ہیں۔

اخوان زمان مکان

اخوان وہ کہ سب ایک دل ایک حال کے ہوں یعنی سب کے سب درویش ہوں اور درویشوں کے ماننے والے اور مقتدا ہوں واہی تباہی نہ ہو نہ کریں اور متکبرین نہ ہوں جیسا کہ کہا ہے۔ **لا یحضر فی مجلس سماع من یتبسم و یستحی** یعنی مجلس سماع میں وہ شخص شریک نہ ہو جو ہنسنے والا تمسخر کرنے والا لہو کا مرتکب مضحکہ کرنے والا ہو۔

اور **زمان** یعنی وقت ایسا ہو کہ کسی طرح کی دوسری مشغولیت اور کسی طرح کا دوسرا

تعلق نہ ہو تمام تعلقات سے فارغ ہو مثلاً طہارت کا وقت ہو یا کھانا کھانے کا وقت ہو یا نماز کا یا ایسا وقت کہ جس میں دل پراگندہ اور منتشر ہو تو ان وجوہ سے سماع کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور ایسی سبب سے رات کے وقت کو اولیت دی گئی کہتے ہیں کہ رات کو دلجمعی ہوتی ہے اور مشغولیتوں سے فراغت رہتی ہے۔

اور **مکان** اچھا اور مروح ہو۔ اور مشائخ وصلحا کی جگہ ہو اور سماع کی جگہ ناپسندیدہ اور تاریک نہ ہو اور وہ مکان کسی ظالم شخص کا نہ ہو اور راہ گزر بھی نہ ہو تا کہ وقت خراب نہ ہو۔

بناوٹی صورت سماع میں بنانا شرعی طور کیسا ہے؟

قاضی شمس الدین نے عرض کیا کہ سماع میں تکلیف دو طرح پر ہے محمود اور مذموم اگر جاہ ومنفعت کی طلب میں ہے تو یہ مکر وفریب اور خیانت ہے یہ درست نہیں اور اگر تکلف حقیقت کی طلب کرے تو یہ بمنزلہ رونی شکل بنانے کے ہیں اور یہ محمود ہے کیونکہ شرع اس پر وارد ہے اور وہ یہ ہے کہ پیغامبر ﷺ نے فرمایا ہے اذا ایتم اهل البکاء فابکوا فان لم تبکو فتباکوا یعنی جب تم دیکھو رونے والے کو تو تم بھی روؤ گریہ کرو اور اگر رونہ سکو تو خود کو رونے والوں کے مانند بنالو۔

وجد قرآن سے بھی آتا ہے اور اشعار سے بھی

تاج الدین حافظ اودھی زیارت کے لئے آئے تھے اور مجلس شریف میں حاضر تھے انہوں نے پانچ آیت قرآن کریم کی تلاوت کی حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کو اس میں بے انتہا ذوق پیدا ہوا اور آبدیدہ ہو گئے جب وہ پانچوں آیت کی قرات سے فارغ ہوئے تو حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک بزرگ کے متعلق ہے کہ جب وہ سماع سنتے تھے تو بے انتہا ذوق وشوق ان کو پیدا ہوتا تھا لیکن اگر کوئی قرآن کی قرأت کرتا تو وہ ذوق وشوق جو سماع سے ان کو حاصل ہوتا تھا قرآن سننے میں ذوق وشوق اپنے اندر نہیں پاتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ مجھے جو ذوق وشوق سماع میں حاصل ہوتا ہے یہ رحمانی نہیں ہے کیونکہ اگر رحمانی ہوتا تو اول کلام حق تعالیٰ کے سننے سے وہ ذوق وشوق حاصل ہوتا اس لئے کہ تمام کلام میں کلام حق سبحانہ تعالیٰ

افضل واعلیٰ اور برتر ہے جب اس میں نہیں ہوتا تھا وہ رحمانی ہی تھا لیکن انہوں نے عجز سے خود کو ایسا سمجھا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اس میں دو چیز ہے آیا وہ ذوق وشوق جو انہیں سماع میں حاصل ہوتا تھا وہ ان کے اندر تھا یا نہیں؟ اگر ان کے اندر تھا تو خود ان کو نظر میں اس کی کوئی حقیقت نہیں تھی اور اس طور پر انہوں نے خود کو خود بینی سے باہر لایا اور اگر حقیقتاً وہ کیفیت ذوق و شوق کی ان کے اندر نہ تھی تو یہ ان کی صداقت میں ان کا بہت بڑا کلام ہے

اس کے بعد فرمایا ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ ذوق وشوق جو سماع میں ہوتا تھا سچا ہو؟ اگر چہ قرأت قرآن میں نہ ہو۔ اس اعتبار سے کہ اشعار کے معنی عشاق کے احوال کے موافق ہوتے ہیں بخلاف اس کے قرات قرآن میں سب کا سب موافق حال عشاق نہیں ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص اس آیت کی تلاوت کرے کہ جب کسی کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کی عورت پر چار مہینہ دس دن کی عدت لازم ہے' یا اس طرح کے آیتہً ہو کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو اس کی ماں کو تیسرا حصہ ترکہ ملے گا اور اسی طرح کی دوسری آیتیں تو ایسی آیتوں کی قرات میں وہ ذوق نہیں ہوگا جو کہ اشعار کے سننے سے ہوتا ہے۔

اور دوسری بات یہ کہ اشعار کے معنی سننے والوں کے لئے سریع الفہم ہیں۔ جلد بہ آسانی سمجھ میں آجانے والے ہیں شعر سنتے ہی اپنے حال میں اتر آتا ہے اور اس سے حال و وجد پیدا ہو جاتا ہے لیکن قرآن کی قرات سننے میں اس لغات معنی تاویل وغیرہ میں مشغول ہونا ہوتا ہے جب کہیں دل میں وہ اترتا ہے اور ان سب کا علم ہونا چاہئے اور اس کا ادراک آدمی پر دشوار ہے اسی وجہ سے وجد و تواجد نہیں ہوتا ہو۔

قرآن سننے سے وجد نہ آنے کے بارے میں جواب

ایک مرتبہ کسی نے خواجہ ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ لوگوں کا یہ کیا حال ہے کہ اشعار وغیرہ کے سننے سے جنبش ہوتی ہے لیکن قرآن کی قرات سننے سے وہ حرکت میں نہیں آتے؟

فرمایا کہ یہ حقیقت ہے کہ قرآن کی وہ عظمت ہے کہ اس کی بزرگی کے غلبہ اور شدت

کی وجہ سے آدمی کے لئے ممکن نہیں ہے کہ اس میں حرکت وجنبش کر سکے اور سماع میں قول و اشعار ترویحات ہیں تو یقیناً اس میں جنبش ہوگی۔

قرآن سنکر وجد میں جان بھی گئی ہے

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ ایسا بھی ہوا ہے کہ جان گئی ہے چنانچہ صحابہ اور تابعین رضوان اللہ کی نقل ہے کہ ان حضرات کو تلاوت قرآن سے وجد پیدا ہوا ہے ایسا کہ قرآن سننے میں جان دے دی ہے کچھ ایسے گذرے ہیں کہ قرات قرآن سنتے ہی انتقال کر گئے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں کہ بیہوش ہو گئے ہیں اور کسی پر گریہ طاری ہو گیا ہے اور کسی نے نعرہ لگایا ہے۔

اور امام شبلی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ رمضان المبارک کی ایک رات میں میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا امام نے یہ آیت پڑھی ولئن شئنالنذھبن بالذی او حینا الیک اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر آپ پر وحی بھیجی ہے سب سلب کر لیں۔ کسی نے ایک نعرہ لگایا لوگوں نے سمجھا کہ اس کی جان جسم سے نکل گئی وہ درویش زرد پیلے ہو گئے اور ان پر لرزہ طاری ہو گیا اور یہ کہتے تھے۔ الاحباب بمثل ھذا الخاطب (ہمارے صوفیاء بھی اسی مخاطب کی طرح ہیں) اور بار بار اس جملہ کی تکرار کر رہے تھے۔

آداب المریدین میں مذکور ہے حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے کسی نے یہ آیت پڑھی ان لدینا انکالا و جحیما و طعاما ذاغصة و عذاباً الیماً (بیشک ہمارے پاس ہیں بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ اور گلے میں پھنستا کھانا اور دردناک عذاب) فصفق یعنی حضور ﷺ نے دستک دی ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ ایک دن کسی نے یہ آیت پڑھی فکیف اذا جئنا من کل امّة بشھید و جئنا بک علیٰ ھٰوء لاء شھیداً (سو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو بھی ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے؟ فبکی طویلاً حضور ﷺ نے بہت دیر تک گریہ فرمایا۔

سماع کے فوائد کی مثال

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ سماع کے بارے میں یوں آیا ہے کہ سماع سننے سے کوئی نئی

چیز علا حدہ سے تم میں آجاتی ہے ایسا نہیں ہے بلکہ وہ چیز جو تمہارے باطن میں ساکن ہوگئی ہے سماع اس کو حرکت میں لے آتا ہے اور اس کی مثال یوں دی گئی ہے کہ جیسے کسی لڑکے کا انتقال ہوگیا ہو اور وہ اپنے لڑکے کی جدائی کے غم واندوہ میں مبتلا ہو۔ اس کی اور اس کے خوبیوں کی یاد اس کے دل میں ہو پھر کچھ دنوں کے بعد کسی کا لڑکا مرگیا یہ شخص اس کی تعزیت کے لئے وہاں گیا وہاں نوحہ و نالہ سنا تو اس شخص کو اپنے لڑکے کی یاد آگئی اور وہاں اس وقت لوگ اپنے لڑکے کی یاد میں جو کچھ کہہ رہے ہوں گے اور رو دھو رہے ہوں گے وہ سب اس کے حال کے موافق ہوگا وہ تمام دردوغم جو اس کے دل میں تھا وہ سب اس وقت تازہ ہو جائے گا بس سماع سے بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا عجب چیز ہے۔ قوالان شعر پڑھتے ہیں اس شعر سے ذوق پیدا ہو جاتا ہے اگرچہ وہ سماع کے بعد چلے جاتے ہیں لیکن وہ ذوق چند روز تک باقی رہتا ہے یہاں تک کہ نماز میں بھی وہ کیفیت کبھی کبھی دل میں آجاتی ہے جیسے کوئی وہ شعر پڑھ رہا ہو۔

اور شعراء اپنے شعر میں جن احوال واوصاف کو نظم کرتے ہیں وہ سب ایک ایک احوال واوصاف راہ سلوک میں سالکوں کے اندر ہوتا ہے جب ان اشعار کو سنتے ہیں تو اپنے حال کے موافق پاتے ہیں ان میں سے کچھ ایسے ہیں کہ اسی مقام میں ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اس احوال و اوصاف سے آگے گذر چکے ہیں وہ گذرے ہوئے احوال انکے سامنے ہوتے ہیں۔ مگر کم تر شعراء ایسے ہیں کہ جن کے وہ احوال واوصاف اپنے ہوں جو انہوں نے کہے ہیں بہت کم کہنے والے ایسے ہیں جن کا اپنا حال شعر کے مضمون کے موافق ہوتا ہے۔

بعض کا قال، حال ہوتا ہے

مگر شیخ سعدیؒ اور مولانا روم رحمہم اللہ علیہم وغیرہ ایسے ہیں کہ ان کا کلام ان کے اپنے احوال ہوتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ یہ عجیب چیز ہے حال دوسرے کا اوصاف دوسرے کے ان احوال واوصاف کو ایک شخص کی زبان سے ادا کرا دیا۔ اہل معنی کے لئے جان لیوا ہوگیا۔ اشعار کے سننے سے ان کی روح پرواز کر گئی ہے۔ سماع میں جان ہی دے دی ہے یقیناً ایسے لوگ اہل

مصیبت ہیں ان کے نوحہ کے مطابق اگر کسی مصیبت میں نوحہ گر نوحہ کرتا ہے تو ایسی صورت میں یہ مصیبت زدگان دم ہی توڑ دیتے ہیں۔ اور دوسرے محض رسمی ہیں وہ رسم کو سامنے رکھتے ہیں اس کی مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی گئی کہ ایک وقت ایک بزرگ کا ایک لڑکا صاحب نعمت تھا بچپن ہی میں وہ واعظ کہا کرتا اور مخلوق کو اس میں بہت زیادہ ذوق وراحت وکیفیت پیدا ہوتی تھی کہ ویسا دوسروں کے واعظ وتذکیر میں نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن اپنے والد ماجد سے انہوں نے پوچھا کہ اس میں کیا معنی ہے کہ لوگ میرے تذکیر وواعظ میں نوحہ وگریہ وزاری کرتے ہیں اور سننے میں ان کو گریہ ہوتا ہے یہ بات دوسروں کے وعظ وتقریر میں نہیں ہے انہوں نے جواب دیا لیست نائحة الثكلى كالنائحه المستاجرة یعنی مرنے والے بچہ پر نوحہ کرنے والی ماں کا مقابلہ کرایہ کی نوحہ کرنے والی کیسے کرسکتی ہے۔

بعض لوگوں کی غذا سماع ہے

اس کے بعد فرمایا بعضوں کے لئے سماع غذا ہوجاتا ہے اور ان کے لئے سماع کھانا پینا بن جاتا ہے اس مناسبت سے یہ حکایت بیان فرمائی گئی۔

فرمایا کہ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کی نقل ہے کہ میرے پیر کے لئے بیس سال تک سماع غذا ہوگیا تھا اور اس بیس سال کی مدت میں انہیں کھانے اور پینے کی حاجت نہیں رہی اور نہ ہوئی اس بات پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کبھی کبھی موافقت کے لئے کھالیا ہو، مگر ہاں! طبعاً کھانے کی رغبت نہ ہو۔

خاکسار نے عرض کیا کہ کیا یہ قوت دل کی قوت سے حاصل ہوتی ہے؟

ارشاد ہوا ہاں یہ قوت دل کی صفائی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔



اکسٹھواں باب

اشعار اس کی تشریح تاویل زلف وخال، گرہ اور اس کے حل اور جو اس کے مانند ہیں اس کے بیان میں

خانقاہ معظم اور حجرہ مخدوم کی تعمیر کے موقع پر مشائخ کی دعوت

خانقاہ معظم کی عمارت مکمل ہوئی تھی ملک مجد الملک ضوعف قدرہ نے دعوت کا انتظام کیا تمام لنگرداروں صوفیوں اور مریداں خواجہ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ کو مدعو کیا تھا شروع سے آخر تک صحن جماعت خانہ میں سماع کی مجلس ہوتی رہی اور ذرا اس سے علاحدہ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کے لئے ایک حجرہ اور رواق بنایا گیا تھا اور مخدوم جہاں عظمہ اللہ اس بلغاری مصلا پر جو سلطان محمد تغلق خلد اللہ ملکہ نے دہلی سے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کے لئے بھیجا تھا اس پر جلوہ افروز تھے الغرض قوالوں نے سماع میں یہ شعر گایا ؎

گفتم اے خورشید حشر آخر بریں سوتا بشے!
گفتا کہ خسرو باش تا صبح قیامت بردمد

قاضی اشرف الدین نے عرض کی کہ آخر مصرعہ کو وعدہ پر محمول کریں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا پہلا مصرعہ یعنی گفتم کہ اے خورشید حشر آفریں سوتابشے محبت کی عجلت بیان ہے اور آخری مصرعہ محبوب کے ناز وادا کی دلیل ہے اور یہ شعر پڑھا ؎

دوستاں گو بند فرد اور سرش خواہم رسید
اینچنیں بختے کہ من دارم بفردا کے رسم

پھر سوال کیا دیدار کا وعدہ قیامت کے لئے ہے یعنی دیدار قیامت میں ہوگی اس وقت جو محبت عجلت کا تقاضہ کر رہی ہے کیا یہ بے ادبی نہیں ہے؟

فرمایا عاشق کے محبت کا غلبہ عجلت کا تقاضہ کر رہا ہ اس معنی کے اعتبار سے معذور یں میں ہوں گے۔

اس موقع پر ایک مسافر درویش جو مجلس سماع میں موجود تھے سماع سے اٹھے اور حجرہ میں مخدوم کے پاس آئے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے ان فقیر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا یہ منزل اور مقام آپ لوگوں کا ہے بادشاہ وقت کی اطاعت ضروری ہے اس کے بغیر چارہ نہیں۔ اور ملک مجد الملک کو بادشاہ کے جانب سے یہ تاکید ہے اسے قبول کرائیں اور یہ سب جو کچھ بھی ہے انہیں درویشوں کا صدقہ ہے ورنہ یہ شخص اسلام کے لائق بھی نہیں پھر مصلا کے لائق کیونکر ہو سکتا ہے اس پر ان درویش نے کہا کہ مخدوم آپ کو کسی نے خانقاہ اور مصلا سے نہیں پہچانا آپ کو جو پہچانتا ہے وہ اللہ سے پہچانتا ہے اور ہم جو یہاں آئے ہیں وہ آپ ہی کی قوت باطن سے آئے ہیں اور آپ ہی کے طفیل میں یہاں آئے ہیں اس ملک و دیار میں آپ کے دم قدم کی برکت سے اسلام پھیلے گا اور اسلام قوی تر ہوگا اس بات پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ جو بات درویشوں فقیروں کی زباں سے نکلتی ہے ویسا ہی ہوتا ہے اور یہ مصرعہ پڑھا ”آنرا خود سلطان بود اور ہر چہ گوید آں بود“ (یعنی بادشاہ کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ قانون ہو جاتا ہے)

عاشقانہ شعر میں حال کے مطابق معنی لیا جاتا ہے

تاج الدین حافظ اودھی بھی مجلس سماع سے اٹھ کر آئے اور پانچ آیتیں قرآن کی قرأت کیں، اس کے بعد گذارش کی کہ اشعار میں خدو خال اور زلف جو آتا ہے سننے والا اسے کس پر محمول کرے اور کیا معنی لے؟ اس کی تشریح وتاویل کیا ہوگی؟ جیسا کہ اس مصرعہ میں ہے ع

''خیال خال رخ تو بکشت عالم را''

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اشعار میں عاشقوں کی عادت کے مطابق زلف وخال اور جمال وصورت، فراق ووصال کے گفتگو کا ذکر آتا ہے اس کا کہنا اور سننا حرام نہیں، حرام اس وقت ہوگا جبکہ اپنے خیال کو کسی غیر محرم عورت جس سے وہ محبت کرتا ہے یا کسی مرد کی طرف لے جائے اس کا یہ خیال حرام ہوگا لیکن صوفی حضرات لوگ جو خداوند تعالیٰ کی محبت میں مستغرق رہتے ہیں اور اسی عشق ومحبت میں سماع سنتے ہیں انہیں ایسے اشعار سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، ایسے لوگ اپنے حال کے مطابق معنی اخذ کرتے ہیں مثلاً زلف سے کفر کی ظلمت اور نور سے نور ایمان مراد لیتے ہیں اور ایسا بھی ہے کہ زلف سے اللہ کے الوہیت کی مشکلات کا سلسلہ ان کی فہم میں آئے جیسے یہ قطعہ ہے ؎

گفتم بشمارم سریک حلقہ زلفش — تا بوکہ بتفصیلش سر جملہ سرارم
خندید بمن بر سر زلف مشکینش — یک پیچ بہ پیچت روغلط کرد شمارم

اس قطعہ میں زلف سے سلسلہ مشکلات کا معنی فہم کریں اور سمجھیں اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ عقل کے تصرف سے اس تک پہنچے اور اللہ کی الوہیت کے عجائبات کو ایک بال کے برابر پہچان لے اگر اس میں ایک پیچ بھی پڑ جائے تو اس کی ساری معلومات اور اس کا شمار غلط ہو جائے اور جب شراب مستی کا قصہ سننے میں آئے جیسا کہ یہ شعر ہے ؎

گر منئے دو ہزار رطل پر پیمانی — تا مئے نخوری نباشدت زیبائی

تو اس سے یہ ذہن میں آئے کہ دین کے کام داستان محبت اور اس کی درستگی سے درست نہیں ہوتے جب تک یہ تمہارا حال نہ ہو جائے اگرچہ بے انتہا داستان عشق ومحبت اور

زہد و توکل وغیرہ کا بیان کرتے رہو۔ اور کتابیں اس پر لکھتے رہو، کوئی فائدہ اس کا نہیں پہنچے گا جب تک کہ وہ بیان عشق اور وہ محبت تمہارا اپنا حال اور تمہاری صفت نہ ہو جائے اور جب خرافات کا تذکرہ سنیں جیسا کہ یہ شعر ہے ؎

ہر کو بخرابات نشد بے دیں است　　　زیرا کہ خرابات اصول دیں است

یعنی ان صفتوں کی آبادی جب تک ویران نہ ہو جائے اور معانی و اسرار کے جواہر جو کہ آدمی کے جوہر میں خمیر و مدفون ہیں وہ ظاہر و پیدا نہیں ہوتے یہ ویرانہ آباد نہیں ہو سکتا اور جب شعر میں کفر کا لفظ لاتے ہیں اور سنتے ہیں جیسا کہ اس شعر میں ہے ؎

کافر نشوئی عشق خریدار تو نیست　　　مرتد نشوی قلندری کار تو نیست

اس سے مفہوم لیتے ہیں کہ کفر کے لغوی معنی چھپانے کے ہیں اسی لئے کاشتکار کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ دانہ مٹی میں چھپا دیتا ہے تو یہاں پر معنی اس طور پر لیتے ہیں کہ جب تک جملہ احوال و اعمال اور ہستی نظر سے پوشیدہ نہ ہو جائے عاشقی درست نہیں ہو سکتی اور لفظ کفر سے بہت سے معنی اخذ کئے ہیں جس طرح زلف کے لفظ سے حق تعالیٰ کی قربت کا بھی مفہوم لیتے ہیں جیسا کہ کہا ہے لیقربونا الی اللّٰہ زلفیٰ (تا کہ یہ ہمیں اللہ سے نزدیک کر دیں) اور اس سے قبل ہم کہہ چکے ہیں کہ مرتد ہونے کے معنی مرنے کے ہیں لفظ ارتداد سے یہ مفہوم لیتے ہیں کہ جب تک اپنے آپ سے بیگانہ اور علاحدہ نہ ہو جائے قلندری صحیح نہیں ہو سکتی، اس کے بعد یہ دو شعر زبان مبارک پر آیا ؎

گفتی کہ چرا می بری از خویش و ز پیوند　　　آنرا کہ سرتست سر ویش نباشد

طعنہ چہ زنی حال پریشاں حسن را　　　در عشق کسے عاقبت اندیش نباشد

اور ہوتا ہے کہ عربی کے کسی شعر کا وہ معنی لیتے ہیں جو معنی اس عربی شعر کے نہیں ہوتے لیکن اہل ذوق صوفی کو تو حال آ جاتا ہے ان کا مقصود شعر کی تشریح نہیں ہوتی جیسا کہ کہا ہے (شعر) ؎ مازارنی فی النوم الاخیالکم (ہم سوائے تمہارے خیال کے خواب میں بھی کچھ نہیں دیکھتے) اس پر ایک صوفی کو حال آ گیا ان سے لوگوں نے کہا یہ کیا حال ہے کچھ

سمجھتے بھی نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے انہوں نے کہا کیوں نہیں سمجھتے ارے وہ کہہ رہا ہے کہ ہم زار ہیں در ماندہ ہیں اور خطرہ میں ہیں، ہر شخص کی نگاہ اپنے حال پر ہوتی ہے اسی کے مطابق معنی سمجھتا ہے اس کی سمجھ ہی کچھ اور ہوتی ہے صوفیوں کے جملہ کار، بار عظیم اور با خطر ہیں اور نہایت پوشیدہ کسی چیز میں غلط راہ اختیار نہیں کرتے۔

زلف وخال کا معنی

ایک دوسرے موقع پر مجلس شریف میں زلف وخال کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا زلف اور خط و خال اور جو اس طرح کی چیزیں ہیں حقیقتاً اس کے مقابلہ میں معنی ہوتے ہیں کہ یہ سب عاریتاً اس سے آئے ہیں چنانچہ عین القضاۃ رحمتہ اللہ علیہ کے ''زبدۃ'' میں خال یعنی تل کو نور محمد ﷺ قرار دیا ہے اور زلف کو نور ابلیس اور اس میں مقامات بیان کئے ہیں اس موقع پر لکھا ہے کہ راہ سلوک میں سالک کے مقامات ہوتے ہیں کسی وقت اس مقام میں ہوتے ہیں کہ جب تل کا تذکرہ سنتے ہیں تو نور محمدی ﷺ کی ان پر تابش ہوتی ہے اور خال کا معنی نور محمدی ﷺ پر محمول کرتے ہیں اور کسی وقت اس مقام میں ہوتے ہیں کہ جب زلف کا ذکر ان کے سامنے ہوتا ہے تو اس سے وہ ابلیس کے نور کا معنی لیتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ عین القضاۃؒ نے لکھا ہے کہ اشعار کے معنی کا کوئی طریقہ معین نہیں ہے، سننے والے کے دل میں جو معنی ہے جب کوئی شعر سنتا ہے تو اس میں اپنے حال کے مناسبت سے معنی سمجھتا ہے اور اس کی مثال آئینہ سے دی ہے کہ آئینہ میں صورت کے منعکس ہونے کا کوئی خاص طریقہ معین نہیں ہے کہ آئینہ جو بھی دیکھے ایک معین صورت نظر آئے بلکہ جو بھی دیکھے گا اپنی ہی صورت کا عکس دیکھے گا اسی طرح اشعار میں ہے کہ جو بھی سنتا ہے اپنے اندازہ کے مطابق سنتا ہے اس کے دل میں جو حال ہے اسی پر شعر کا معنی لیتا ہے۔

شعر کا حقیقی ومجازی معنی علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے

قاضی اشرف الدین نے یہ شعر پڑھا، اور گذارش کی کہ اس شعر کو حقیقت میں کسی پر

محمول کریں؟ ؎

بت محل نشین من مگر حالم نمید اند　　　　که میداند مرادر باد ومحمل تند میر اند

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا ''بت محمل نشین من'' مجاز میں تو اس کا محمول ظاہر ہے۔ مگر حقیقت کی جانب اس کا معنی اس طور پر لیں کہ میرا محبوب منزہ اور مقدس ہے دوسرا معنی حق سبحانہ تعالیٰ کے جلال وعظمت کی طرف لے جائیں۔

پھر پوچھا ''مگر عالم نمید اند'' اس کو کس معنی میں لیا جائے؟ فرمایا کہ اس سے اس کے علم کی نفی نہیں کی جائے گی اسے اس معنی پر محمول کریں گے کہ ہر وہ بلا، سختی اور اندوہ جو بشر کو ہے اور جو تکلیف، رنج اور الم پہنچی ہے وہ خود اس میں نہیں ہے اس کو اس سے کیا غرض؟ تو اس کا معنی اس طور پر لیں کہ جو حال میرا ہے اور وہ رنج والم جو اس کی جانب سے مجھے پہنچا ہے وہ خود اسے نہیں ہے۔ ''حق تعالیٰ کے علم کی نفی نہیں ہے'' کیونکہ وہ عالم ہے اور چیز کا جاننے والا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ شعر کے سنتے ہی اس کے معنی کا عمل یعنی کس معنی میں ہے فوراً اس شخص کو حاصل ہوسکتا ہے کہ جس کو جملہ معانی کا مشاہدہ ہو چکا ہو؟ تو جیسے ہی شعر سننا اس کے حال کے مقابل ہوا۔ اور اسی پر اس کے معنی کو لے گیا اور دوسروں کو جسے معانی کا مشاہدہ نہیں ہے وہ اس کے معنی کے فہم میں تکلف کرے گا اور ہاں! ایسی قوت ہونی چاہئے کہ اگر کوئی شعر سنے تو اسی مقدار میں اس کا معنی لے کہ حقیقت میں جو اس کا معنی ہے یا یہ کہ اس کی حقیقت تک نہیں پہنچا۔ اور معنی اخذ کرنے والے کے لئے یہ لازم ہے کہ اصول دین پر اسے پورا عبور حاصل ہو، تا کہ معنی کے سمجھنے میں اس سے لغزش نہ ہو۔

اور ایک رات خانقاہ معظم میں اجتماع تھا اور مجلس ہورہی تھی حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ مجلس میں تشریف فرما تھے۔ قوالوں نے سماع میں یہ شعر پڑھا ؎

چرا چوں تو بتے در پردہ باشد　　　　مگر از نیک چوں من بت پرستی

اگر چشم خوشت خوں حسن ریخت　　　　چہ میرنجی خطائے کردہ مستی

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ ''خطا'' کے لفظ کو حقیقت میں کس معنیٰ کی طرف

محمول کریں جیسا کہ اس شعر میں ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ حقیقت میں خطا کا لفظ نہیں ہاں! اس لفظ سے ہر وہ ایک معنی جو مطلب کے لائق ہو، وہی مراد لیں گے اور وہی مراد بھی لینا چاہئے۔ مثلاً اس کی بے نیازی'' اور مستی'': کے لفظ سے استعارہ اس کی لا ابالی کا ہے یعنی جو وہ چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اس میں اسے کسی کا خوف نہیں پھر، فرمایا'' چشم خوشت'' کو قہاری اور جباری کی صفت کی طرف لے جائیں گے۔ اسلئے کہ قہاری و جباری کی صفت ہی قتل و خون اور شکستگی دل کرتا ہے۔

اب ہم بیان کرتے ہیں'' چہ میرنجی'' کیوں پریشان ہو۔ اس کی اضافت محبوب کی جانب کی جائے گی یا عاشق کی جانب؟ اگر معشوق کی جانب کی جائے گی تو پہلے ہم عشق مجازی کے معنی بیان کرتے ہیں، اس کے بعد مناسب طور پر عشق حقیقی میں لے جاسکتے ہیں تو مجاز میں اس کا معنی ہم اس طور پر کہتے ہیں کہ جب چشم معشوق نے عاشق کا خون کیا تو معشوق کو عاشق کے اس قتل پر افسوس و رنج پیدا ہوا۔ تو یہاں پر اپنی خونخوار آنکھوں سے ناخوش اور رنجیدہ ہوا۔ اس کے بعد عاشق نے جب معشوق کی آنکھوں میں رنج وافسوس کا معائنہ کیا تو کہتا ہے'' چہ میرنجی خطائے کرد مستی'' کیوں پریشان ہو کیا کوئی گناہ ہو گیا؟ یہ معنی مجاز میں ہوا لیکن عشق حقیقی میں اس معنی کو لے جانا اس کے لائق اور شایان شان نہیں تو جو معنی حقیقت کے عشق کی بارگاہ کے لائق ہے وہ لینا چاہئے اس معنی کو اس پر محمول کریں جیسا کہ کے روایت آئی ہے کہ کل قیامت کے دن وہ جل شانہٗ اپنے عشاق کے قتل پر عذر خواہ ہوگا، لہٰذا رنجیدہ ہونے کو ایسی عذر کی جانب لے جائیں تو عاشق جب عذر کو دیکھے گا تو کہے گا کہ یہ بے نیازی ہے کیونکہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اس میں اسے کسی کا خوف نہیں، اپنی بے نیازی سے عاشق کا خون کیا ہے عذر کی کیا حاجت ہے اس کے بعد ارشاد ہوا کہ شعروں کے معنی کا عمل اہل معانی ہی جانتے ہیں اور چاہئے کہ کلام کے اصول پر حاوی ہو، تاکہ اس کے معنی کے محمل اور اس کے مفہوم میں لغزش نہ ہو اور یہ بھی لازم ہے کہ راہ سلوک کی کتابوں کا اسے مطالعہ ہو، تاکہ جب کوئی شعر سنے تو

کتابوں کے موافق اس کا معنی سامنے آئے اور اس شعر کا اطلاق اسی پر کرے۔

اہل معنی معنی ہی سے مطلب بیان کرتے ہیں

پھر گذارش کی کہ اشعار میں سے کوئی شعر یا مصرعہ ایسا لے لیں جس کا معنی عمل کریں یا یہ کہ پوری غزل کو حقیقت پر لے جائیں؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا جو لوگ اہل معنی ہیں وہ جو بھی سنتے ہیں اسے معنی ہی سے بیان کرتے ہیں اور عشق حقیقی میں اس کے معنی مناسب پاتے ہیں، اہل معنی کے لئے یہ درست ہے کہ تمام اشعار کا معنی اور مفہوم حقیقت کی جانب لے جائیں لیکن اگر کوئی مبتدی ہے اور معنی اسے اتنا بھر حاصل نہیں، اس کے سامنے شعر آئے کہ اس کے محمل و مفہوم تک پہنچے اس کے لئے یہی لازم ہے کہ وہ یہ اعتقاد کرے کہ اس عبارت کے ہر لفظ کے معنی ہیں۔ حقیقی میں اس معنی کی مناسبت تک میری رسائی نہیں، یہی سمجھ لے اور اسے چھوڑ دے اگر اس میں چوں وچرا ایسے ویسے کرے گا تو اس کے معنی تک پہنچنے میں لغزش کا خوف ہے۔

"بت رہا کردکا" وسیع مفہوم

ایک دوسری مجلس شریف میں قوال حضرات جو ظفر آباد سے آئے تھے سماع کی مجلس کر رہے تھے ایک مجلس میں یہ شعر پڑھا ؎

بت پرستے زاہد ایت روئے داد! بت رہا کرد و در بتگر گرفت!

شیخ معز الدین نے سماع ختم ہونے کے بعد گذارش کی کہ "بت رہا کرد و در بتگر گرفت" اس مصرعہ کا محمول توحید کے چوتھے درجہ پر ہوگا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اس مصرعہ کا اطلاق ہر جگہ ہوگا۔ کوئی شخص نفس سے جتنا بھر باہر نکلا اس مقدار میں اس سے بت کا ترک ہوا اور اتنا ہی بھر وہ خدا کی طرف متوجہ ہوا۔ اور خدا کی جانب آنا بت گر کے در سے لگنا ہے یعنی بت بنانیوالے کا در۔ اور یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو سالک کو حق تعالیٰ کی طرف سے غافل کر کے اپنی طرف مشغول کرے اسے ارباب سلوک بت و زنار سے تعبیر کرتے ہیں، ان کے نزدیک بت و زنار کے معنی یہی ہیں کہ

غیر اللہ کی طرف ہو تو اس حال کی نسبت سے اس پر بھی محمول ہوگا مثلاً ایک عام آدمی نے جس مقدار میں دل سے تصدیق کی اور زبان سے اقرار کیا وہ اسی مقدار میں نفس سے باہر آیا تو اتنا بھر اس نے بت کا ترک کیا اور بت گر کے در کو اختیار کیا اور یہ در بتگر کا اختیار کرنا ہوا تو اس کا یہ معنی ہر جگہ چسپاں ہوگا۔ ہاں! کمال اس میں ہے کہ توحید کے چوتھے درجہ پر محمول ہو۔

اس کے بعد حاضرین مجلس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ توحید کے اس چوتھے درجہ کی جو وضاحت ہم نے کی اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے اور اسے دل میں رسا بسا لیجئے تا کہ جب کبھی مشائخ کے کلمات یا اشعار سننے میں آئیں تو سمجھ میں آجائے کہ یہ کلمات یا اشعار توحید کے ان چار درجوں سے باہر نہیں ہے یا تو یہ اوّل مرتبہ میں ہے یا دوسرے مرتبہ میں یا تیسرے یا چوتھے درجہ میں، تو جو بھی سنے اپنے حال میں سنے اور اپنے حال کے اندازہ میں سمجھے کہ یہ قول یا شعر توحید کہ فلاں درجہ سے ہے اسی پر اسے محمول کرے۔ یہ اس لئے کہ اگر کوئی کلمہ یا قول یا شعر مرتبہ اوّل سے سنے اور چاہے کہ اسے تیسرے یا چوتھے درجہ پر محمول کرے تو خواہ مخواہ تکلیف میں پڑے گا اور کھینچ تان کرے گا، اس پر چوتھے مرتبہ میں نہیں لے جا سکتا۔ ہاں اگر توحید کا چوتھا درجہ اس کا حال ہے تو مشائخ کے جملہ اقوال اور اشعار جب سنتا ہے تو جان لیتا ہے کہ یہ کس مرتبہ کی بات ہے اسی درجہ پر اس کا عمل کرتا ہے اور اگر وعدہ خوشخبری خاص عوام کے لئے ہو تو اس کو بھی عوام ہی کے لئے منحصر نہ رکھے بلکہ اسی صورت میں موقع و محل کی نسبت سے تقسیم کر لے جیسے اگلے شعر میں کیونکہ ہدایت ہر شخص کے حق میں ہوتی ہے۔

توحید کے چار مراتب

توحید کے اول مرتبہ میں اس تقلید میں انکے حق میں لے جائے اس لئے کہ انہوں نے بھی بقدر تقلید بت کا ترک کیا ہے؟ ہدایت پائی ہیں اور بتگر کے در کو اختیار کیا ہے اور توحید کے دوسرے درجہ میں وہ لوگ ہیں جو اس کی وحدانیت کی دلیل رکھتے ہیں یہ بھی ہدایت یافتہ ہیں اور اپنے استدلال کے بقدر بت کا ترک کیا ہے اور بت ساز کے در سے لگے ہیں اسی طرح توحید کے تیسرے درجہ کے لوگ ہیں جو تمام چیزوں کو حق تعالیٰ سے دیکھتے ہیں اور کسی چیز کا

وجود بنفسہ نہیں دیکھتے بلکہ حق تعالیٰ ہی سے دیکھتے ہیں اس مقدار میں وہ بھی ہدایت یافتہ ہیں اورانہوں نے بھی بت کا ترک کیا ہے اور بت ساز کے درکو اختیار کیا ہے۔

اہل توحید کا چوتھا درجہ یہ ہے کہ ان کی نظر میں کوئی چیز سوائے حق تعالیٰ کے آتی ہی نہیں ہے، اس لئے کہ تیسرے درجہ میں غیر حق کا اثبات ہوتا ہے لیکن ان چیزوں کو حق تعالیٰ سے دیکھتا تھا۔ ہاں درجہ چہارم میں غیر حق کا اثبات کسی صورت اور کسی طور پر نہیں ہے، حق ہی دیکھتا ہے تو ان کے حق میں ہدایت بھی بدرجہ کمال اور ان کا ترک بت بھی بدرجہ کمال ہے۔

اس کے بعد پھر مجلس ہوئی قوالوں نے سماع شروع کیا اور اس مجلس میں یہ شعر پڑھا ؎

صیاد ہمو صید ہمو دانہ ہمو دام ہم ساقی وہم حریف وہم خانہ ہمو

حقیقی توحید کا مقام

پھر جب سماع سے فارغ ہوئے تو حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ صیاد کا محمول تو ظاہر ہے مگر دانہ وہی دام وہی کو اس معنی کی طرف لے جائیں گے کہ ''کُلُّهٗ مِنهٗ '' سب اسی سے ہے، جب سب کچھ اسی سے ہوا تو پھر دوسرا کیا ہے ''ہمہ اوست'' تو سب وہی ہے اس جملہ پر ارشاد ہوا کہ منه بدأ واليه يعود (مبدا اور معاد جہاں سے آتا ہے وہیں جاتا ہے)

اور دوسرے طور پر یوں کہتے ہیں کہ جملہ موجودات اسی کی ایجاد سے ہے اور ایجاد اس کی صفت ہے تو ''ہمہ اوست ہو'' دوسرا کیا ہے۔

اس موقع پر خاکسار نے عرض کیا کہ اس نظریہ سے غیر کا وجود ہی نہیں ہے اور جب کہ ''ہمہ اوست'' سب اسی سے ہے اور اسی سے قائم بھی ہے؟

فرمایا کہ ہاں! اس نظریہ سے غیر نظر ہی نہیں آتا اور یہ مقام حقیقی توحید کا ہے یعنی حقیقت توحید کا یہ مقام ہے، جب تک اس مقام پر نہیں پہنچتا شرک جلی اور خفی سے باہر نہیں آتا۔ توحید مطلق بلا شرک یہی ہے اور یہ اشعار زبان گہر بار سے ارشاد ہوئے ؎

گر جملہ توئی ہمہ جہاں چیست در ہیچ نہ ام من ایں فغاں چیست

ہم جملہ توئی وہم ہمہ تو آں چیز کہ غیر تست آں چیست

چوں ہست یقین کہ نیست جز تو　　آوازہ ایں گماں چیست

اور ارشاد ہوا کہ مثنوی کے یہ اشعار بھی اسی موقع کے لائق ہیں ؎

چیز یکہ وجود او بخود نیست　　ہستیش نہادن از خرد نیست

ہستی کہ بحق قیام دارد　　او نیست ولیک نام دارد

پھر ارشاد ہوا کہ یہ سب توحید کے چوتھے مرتبہ پر ہے۔

زلف وخال کا معنی اہل وجد صوفیا کے نزدیک

مولانا نظام الدین درون حصاری نے ایک دوسرے موقع پر گذارش کی کہ زلف و خال کا محمول کس پر کیا جائے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ سالکین طریقت کو راہ سلوک میں شیطان کے نور کا معائنہ ہوا ہے، تو اگر خال کا لفظ سنتے ہی شیطان کے نور پر لے جاتے، سیاہی کے اعتبار سے اور لفظ زلف اس رو سے کہ اس میں پیچ وخم ہوتا ہے اور اس پیچ سے کسی کو بتخانہ سے نکال کر مسجد میں سجدہ ریز کر دیتے ہیں اور کسی کو مسجد سے بتخانہ پہنچا دیتے ہیں، ایک کو کافر بنا دیا دوسرے کو مومن اور ان میں کا ہر شخص خون جگر پی رہا ہے کہ اس راز کو سمجھے کہ ایسا کیوں ہوا اور ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ لیکن اس کو نہیں سمجھ سکتا تو لفظ زلف سننا ایسا ہی ہے۔

اور یہی خوف وخطر مسئلہ قضا وقدر کے جاننے میں بھی سامنے ہوتا ہے اس میں بھی آدمی عاجز ہو کر رہ جاتا ہے۔

ایک شعر کی حسین تشریح

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ توحید میں خواجہ ثنائی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ شعر ہے ؎

ملک قہرم و ظلم ملک بحر برم　　ملک شرقم عزبم ملک آنم و جانم

یہ شعر تعریف وستائش کے لائق کیسے ہے؟ کیونکہ اس بارگاہ کے لئے ظلم نہیں اور یہاں ملک ظلم کہا گیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا معنی اس طور پر لیا جائے گا کہ ظلم

اللہ تعالیٰ کی مشئیت اور اس کے ارادہ سے ہے، اس لئے کہ ظلم حق تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اور جو چیز بھی بندہ سے صادر ہوتی ہے وہ سب اسی کی پیدا کی ہوئی ہے تو اس معنی کی رو سے خداوند تعالیٰ ظلم کا خالق ہوا اور جو کچھ بھی ہے وہ سب مخلوق ہے اور بادشاہ کو اس کا حق ہے تو "ملک ظلم" کہا اور ان کا یہ کہنا دراصل ظلم کی مخلوقیت بیان کرنا ہے اور اس کی صفت کو بتانا ہے اور حق تعالیٰ کی خالقیت کی صفت کا اثبات ہے۔

خواجہ سنائی کی زندگی کے عجیب واقعات

اس موقع پر خواجہ سنائی کی منقبت اور ان کے اشعار کی تحسین وتعریف میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ کتابوں میں کہیں دیکھا ہے کہ خواجہ سنائی کے والد نے ایک خواب دیکھا تھا غزنی میں ایک بزرگ تھے ان کے سامنے یہ خواب بیان کیا ان بزرگ نے خواب کی یہ تعبیر دی کہ تمہارا ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا کہ علم و دانش میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہوگا کچھ دنوں کے بعد ویسا ہی ہوا کہ خواجہ سنائی پیدا ہوئے ان کے والد نے کہا کہ اس بزرگ نے جو تعبیر کی تھی ویسا ہی ہوا کہ اللہ نے لڑکا دیا الغرض دن بدن خواجہ سنائی بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ جوان ہو گئے لیکن ان میں علم و دانش کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ ان کے والد کو فکر ہوئی کہ اس بزرگ کی تعبیر کے موافق کوئی اثر ظاہر نہیں ہے۔ یہ کیا ہے؟ مجھے ان سے اعتقاد ہے انہوں نے لڑکے کی پیدائش کی تعبیر کی تھی۔ ویسا ہی ہوا لیکن اس کے علم و دانش کے متعلق جو کہا تھا اس کا نشان کچھ بھی نہیں ہے، اس مدت میں اس بزرگ کا انتقال ہو چکا تھا۔ سوچا اگر اس عالم میں ہوتے تو ان سے کہتے اس کے بعد ایک دوسرے بزرگ کے پاس گئے اور اس واقعہ کو بیان کیا یعنی خواب کا دیکھنا ان کی تعبیر پھر لڑکے کا تولد ہونا مگر نشان علم و دانش کا فقدان یہ سب بالتفصیل بیان کیا اس بزرگ نے قصہ سن کے کہا جائیے ان کے مقبرہ میں اس لڑکے کو ایک چلہ مجاوری کرنے کو کہئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے خواجہ سنائی کے والد نے ویسا ہی کیا، لڑکے کو ان کے مقبرہ میں چلہ کرنے کو کہا وہاں ایک جگہ درست کر دی اور بتا دیا کہ اس طرح نفل نمازیں پڑھنا اور یوں ختم قرآن کرنا اور ان کے قبر کے نزدیک جا کر یہ کہنا کہ میرے بارے میں آپ نے ایسا فرمایا تھا مگر اس کا اثر ابھی

تک کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا ہے۔

خواجہ سنائی، والد کے ارشاد پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ چلہ ختم ہونے کے قریب پہونچا مگر کوئی اثر پیدا نہ ہوا ان کے والد روزانہ حال دریافت کرنے کے لئے آیا کرتے اور پوچھتے کیا حال ہے کچھ دیکھا کچھ سنا کوئی بشارت ہوئی؟ خواجہ سنائی کہتے کہ ابھی تک تو کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہوئی ہے۔ اس کے بعد چلہ کے آخری دن جب کہ چلہ کے ختم ہونے کا وقت قریب ہوا خواجہ سنائی نے دیکھا ایک دیوانہ چلا آتا ہے جس کا سارا جسم پھوٹا ہوا ہے اور ہر جگہ سے خون ٹپک رہا ہے خواجہ سنائی کو اس کے اس حال سے تنفر پیدا ہوا آخر کار وہ دیوانہ ان کے پاس آ گیا اور کہا کھانے کی کوئی چیز ہے؟ خواجہ نے کہا ہے وہ کھانا جو افطار کے لئے رکھے ہوئے تھے پیش کیا اس دیوانہ نے کھانے میں ہاتھ ڈالا اور خون اس کے بازو سے ٹپکا اس کھانے میں گرا، خواجہ سنائی کو تنفر اور کراہت اور زیادہ پیدا ہوئی پھر اس دیوانہ نے کہا آؤ تم بھی کھاؤ انہوں نے دیکھا کہ خون کھانا کے اندر گرا ہے یقیناً بشریت کا تقاضہ ہے طبیعت کس طرح قبول کرے کھانے کے لئے نہیں گئے جب اس دیوانہ نے یہ حال دیکھا تو کہا سنو اے بھائی جب تک خون نہیں کھاؤ گے اپنی مراد کو نہیں پاؤ گے یہ کہا اور لقمہ اٹھایا اور اپنے ہاتھ سے خواجہ سنائی کے منھ میں ڈالدیا، خواجہ سنائی نے کھالیا کچھ دیر کے بعد ان کے والد تشریف لائے پوچھا چلہ ختم ہو رہا ہے کچھ دیکھا اس سوال کے درمیان صاحبزادہ کو دیکھا کہ ان کا تو حال ہی بدلا ہوا ہے صاحبزادہ نے تمام حال یعنی اس دیوانہ کا آنا اس کا کھانا طلب کرنا اپنا تنفر و کراہیت پھر کھانا کھانے کے لئے ان کا بلانا اور لقمہ کا منھ میں ڈالدینا والد کے سامنے بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ ان دیوانہ نے یہ جملہ کہا کہ ''تا خون نخوری بجائے نرسی'' جب تک خون نہیں کھاتے اپنے مقام کو نہیں پاؤ گے جب ان کے والد نے یہ سنا تو کہا اٹھو چلو اب گھر چلو، اسی وقت سے خواجہ سنائی میں ایک دوسرا علم اور دوسرا حال پیدا ہو گیا۔ اس حکایت کو ختم کرنے کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے چند مرتبہ اس جملہ کو دہرایا 'تا خون نخوری بجائے نرسی' اور فرمایا کہ دیکھا کس درجہ اور کہاں اس بزرگ کی نظر تھی جو یہ تعبیر دی تھی۔

چلہ سورۂ فاتحہ

اس موقع پر قاضی صدرالدین کو ارشاد ہوا کہ دینی اور دنیاوی کاموں کے سرانجام اور فتح یابی کے لئے ایک چلہ سورۂ فاتحہ بسم اللہ کے ساتھ اکتالیس بار پڑھیں۔

شعر کی روشنی میں تشریح

خاکسار نے عرض کیا کہ امیر خسروؒ کے اس شعر کا اطلاق کس طور پر ہوگا ؎

ما بہ نعمت ہائے شیخ خود بسندہ کردہ ایم　　　نیست ما را حاجت آمرش آمرزگار

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص بھوکا ہو اس کے بعد اسے کھانا مل جائے اور کھانا کھا کر سیر ہوگیا تو جب وہ آسودہ ہوگیا اسے پھر کھانا کھانے کی حاجت نہ ہو، کھانے کی طلب باقی نہیں رہی لیکن اور دوسری چیزوں کی حاجت ہو، وہ دوسری چیزیں اور نعمتیں طلب کرے، تو ان کو اپنے شیخ پر عقیدہ تھا۔ اس کی عقیدہ کی بنا پر اپنے شیخ کو آمرش کا سبب سمجھا، اور جب کوئی مغفرت یافتہ ہوگیا اسے اس کی حاجت باقی نہیں رہی مگر اور دوسری چیزوں اور دوسری نعمتوں میں جو کہ مغفرت و بخشائش سے بھی برتر و اعلیٰ ہے اس کی حاجت ہو۔

قاضی اشرف الدین نے عرض کی کہ حضرت شیخ نظام الدین علیہ الرحمۃ کے ملفوظ میں مذکور ہے حضرت نے فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ کبیر نے ایک شعر پڑھا میں نے بارہا غور و فکر کیا کہ کیا معنی حضرت شیخ پر منکشف ہوا؟ لیکن کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ شعر یہ تھا ؎

کر دی ضما بر سرما بار دگر!　　　من ہیچ نہ کردیم خدا میداند!

قاضی صاحب نے پوچھا اس شعر کے معنی کیا ہیں اور اس کا محمل کیا ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہاں پر شیطان کا قصہ موافق آتا ہے وہ کہتا ہے تو نے آدم کو مجھ پر بزرگی دی اور میں تیرے سوا کسی کو بزرگی دینے پر تیار نہیں ہوں اور یہ آدم علیہ السلام کو اس کا سجدہ نہ کرنا ہے اس کا یہ کہنا خدا جانتا ہے یعنی تو جانتا ہے اس کے بعد فرمایا جون سا معنی سننے والے کے حال کے موافق ہو اسی پر عمل کرے، شعر کے ایک ہی معنی نہیں ہوتے۔

عین القضاۃ رحمتہ اللہ نے بہت اچھا ضابطہ مقرر کیا ہے۔ یعنی اشعار کے لئے ایک

معنی معین نہیں ہے یعنی جس وقت آدمی کوئی شعر سنے جو معنی اس کے دل میں ہے اسی پر اس شعر کو لے جائے اسی معنی میں اس شعر کو سنے اور اپنے حال کے اندازہ کے موافق جو خود اس کے اندر ہے اسے پائے گا اور اس کی مثال آئینہ سے دی ہے آئینہ کی اس مثال کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے اسے لکھنا مکرر ہو جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔



باسٹھواں باب

آداب کے بیان میں

مشائخ کے حقوق

مجلس شریف میں مشائخ کے حق آداب کا تذکرہ آ گیا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا حق آداب مشائخ، مشائخ کے قدر و منزلت اور مقام کے مطابق ان کے ساتھ ادب و تعظیم کا لحاظ رکھنا ہے اور اس کی مناسبت سے یہ حکایت فرمائی کہ ایک شخص نے خواجہ منصور مغربیؒ سے سوال کیا کہ خواجہ عثمان کے ساتھ کتنے دنوں تک آپ نے صحبت پائی؟ آپ نے فرمایا ان کی خدمت رہے نہ کہ صحبت میں کیونکہ صحبت تو برادری والے اور اپنے اقربا کے ساتھ ہوتی ہے پیروں اور بزرگوں کی خدمت ہوتی ہے۔

قاضی اشرف الدین نے عرض کیا کہ سراج العارفین ملفوظ شیخ نظام الدین علیہ رحمۃ اللہ میں مذکور ہے کہ رسول خدا ﷺ کسی وقت چوزانو نہیں بیٹھے ہیں اس میں کیا معنی ہے؟

بیٹھنے کے آداب

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ واللہ اعلم ! اس کا محمول اکثر احوال میں ہوگا یعنی بیشتر احوال میں حضور ﷺ چوزانو نہیں بیٹھے ہیں کیونکہ ''کافی'' میں لکھا ہے کہ پیغامبر علیہ السلام بعض حالتوں میں چوزانو بیٹھے ہیں مسجد نبوی ﷺ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عام نشست چوزانو تھی۔ ''جوہر'' میں امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رات کی نفلیں پڑھنے والا چوزانو بیٹھے نماز کے شروع سے آخر تک اور ''ھدایہ'' کی روایت کہ لا یتربع فی الصلوٰۃ (نماز میں چوزانو نہ بیٹھے) یہ اس اعتبار سے نہیں ہے کہ چوزانو بیٹھنا مشروع نہیں ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ مربع اور چوزانو بیٹھنے میں ترک سنت ہے اور دوزانو بیٹھنا ہر معنی کے اعتبار سے ادب ہے اور چوزانو بیٹھنا اس اعتبار سے ہے کہ اس کی رخصت ہے لہٰذا کہنے کا مطلب ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ بعض حالتوں میں چوزانو بیٹھے ہیں اور حضور ﷺ کی وہ ذات اقدس ہے جن کی شرف میں یہ ہے کہ ادبنی ربی فاحسن تادیبی (مرے رب نے مجھے بہترین آداب سکھائے)۔

حضور اکرم ﷺ کی تعریف کے لئے نہ زبان اور نہ الفاظ

حضور ﷺ کی توصیف وثنا کسی کی زبان میں طاقت نہیں کہ بیان کر سکے اور کسی کے قلم میں یہ قدرت نہیں کہ وہ لکھ سکے، جیسا کہ خواجہ عطارؒ نے کہا ہے ؎

او فصیح عالم و من لال آن — کے توانم داد شرح حال آں

انبیاء در وصف او حیراں شدہ — سر شناساں نیز سر گرداں شدہ

سجدہ تعظیمی مباح ہے

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے پوچھا کہ اس ملفوظ میں وہ حکایتیں جنہیں امیر حسن نے بیان کی ہیں وہ بھی لکھی ہیں یا مکررات سے احتراض کیا ہے۔

قاضی اشرف الدین نے کہا کہیں کہیں لکھنے کی حاجت ہوئی ہے جیسا کہ یہ حکایت کہ شیخ نظام الدینؒ کی مجلس میں ایک شخص آیا اور اس نے سر زمین پر رکھا ایک مسافر شخص وہاں

موجود تھا اس نے اسے منع کیا اور کہا کہ سجدہ صرف خدا کے لئے ہے اور مخالفت کی طور پر اسے کہتا رہا اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا اس نے غلط نہیں کیا ہے۔ مباح ہے۔

شیخ زادہ اور مولانا قوم الدین کا واقعہ

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ بزرگوں کی مجلس میں اس طرح بات کرنا بے ادبی ہے۔ مسافر نے جو کچھ کہا اس کے کہنے کا یہ کیا موقع تھا کیا شیخ کو اتنی سی بات معلوم نہ تھی؟ اور سجدہ کا حکم معلوم ہے کہ تحیت کے طور پر اگلی امتوں میں سجدہ مشروع تھا۔ اگر کوئی شخص اس وقت تحیت کے طور پر سجدہ کرے تو کفر لازم نہیں آتا۔ اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ شیخ زادہ ناگوری جب ظفر آباد گئے ہوئے تھے اس زمانہ میں مولانا قوام الدین کی مجلس میں سماع ہو رہا تھا، وہ بھی اس مجلس میں تھے، انہوں نے بھی کہنا شروع کیا سماع سننا جائز نہیں ہے، نہیں سننا چاہیئے، ایک بار کہا مولانا توام الدین نے سن لیا دوبارہ کہا پھر بھی مولانا خاموش رہے اس کے بعد بار بار کہتے رہے، مولانا قوام الدین نے فرمایا اے لڑکے لڑکپن چھوڑو زیادہ نہ بکو۔

اس پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ جو شیخ زادہ کہہ رہے تھے مولانا کا مقام انہیں معلوم نہیں تھا۔

بڑوں کے سامنے مسئلہ نہ بیان کیا جائے

اور سنار گاؤں میں ملک القضاۃ قاضی حسام الدین کا ایک لڑکا ان کے اور لڑکوں میں بہت ہی خوب تھا درویش مزاج تھا اور کلاہ پائے ہوئے تھا جب اس کا انتقال ہوا تو قاضی حسام الدین بے انتہا اضطراب اور بے چینی و بے قراری کا اظہار کر رہے تھے گرچہ اس بارے میں انہیں امر بالمعروف اور نہی المنکر پر خاصہ عبور تھا اور اس پر عمل بھی تھا ان کی مجلس میں تمام صدور اور اکابر حاضر ہوا کرتے تھے خاص کر اس موقع پر سبھی موجود تھے۔ غصہ کے طور پر قاضی حسام الدین نے اسی طرح بیقراری اور اضطراب کا اظہار کر رہے تھے اور کرتے رہے ایک متعلم یعنی مولوی صاحب بھی موجود تھے غصہ کے طور پر قاضی حسام الدین سے کہنا شروع کیا اور منع کیا،

قاضی صاحب نے ایک مرتبہ سنا اور سر ہلا کر رہ گئے وہ متعلم اسی طرح بک بک کرتا رہا ایک بار کہا دو بار تیسرے بار قاضی حسام الدین کو ضبط کی طاقت نہ رہی کسی کو اشارہ کیا کہ اسے ہاتھ پکڑ کر یہاں سے باہر کردو، تمام اہل مجلس کو یہ بات پسند ہوئی، یہ کیا موقع ہے کہ بزرگوں کی مجلس میں اس طرح زبان درازی کی جائے؟

اس پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ بزرگوں کی مجلس میں سوائے خاموشی کے اور کچھ درست نہیں اس طرح کی بات سے بزرگوں کو ناخوش کرنا ہے ان بزرگوں کی مجلس میں ان کے سامنے کسی کا زبان کھولنا بے ادبی ہے، ہاں! ان کی اذن واجازت سے کچھ بولے۔

پیر کا ادب

ایک بزرگ کی نقل ہے کہ انہوں نے اپنی عمر میں اپنی پشت دیوار سے نہیں لگائی تھی ایک دن لوگوں نے دیکھا پشت دیوار سے لگائے بیٹھے ہیں پوچھا آج آپ دیوار سے اڑ کر بیٹھے ہیں؟ کہا ہاں! میرے پیر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ لہٰذا اب میرے لئے دیوار سے پشت لگا کر بیٹھنا مناسب ہے۔

اور اسی طرح ایک اور بزرگ تھے ان سے اگر کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ جواب نہیں دیتے تھے اور کہتے کہ میرے شیخ ابھی بقید حیات ہیں، ایک وقت دیکھا گیا کہ وہ مسئلوں کا جواب ارشاد فرما رہے ہیں لوگوں نے ان سے اس بات کو پوچھا، کہا میرے پیر کا اس وقت انتقال ہو گیا لہٰذا اب مجھے جواب دینا مناسب ہے، بزرگوں کا اس ادب کے ساتھ دل کی نگہبانی کرنا بہت بڑا کام ہے۔

مقام ادب

مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ استادوں کی نافرمانی کرنے کی توبہ نہیں ہے اور ادب کے معاملہ میں اس گروہ کے نزدیک اس کی اصل یہ ہے کہ ایک دن بنی تمیم کی ایک جماعت پیغامبر ﷺ کے پاس آئی ہوئی تھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ قعقاع ابن بعد کو ان لوگوں پر امیر مقرر فرمایا جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گذارش کی کہ اقرع ابن

حابس کو ان لوگوں پر امیر مقرر فرمایا جائے اس بارے میں ان دونوں حضرات میں تکرار ہونے لگی اور دونوں کی آواز اونچی ہوگئی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یا ایھا الذی اٰمنو الا تقدموا بین یدی اللّٰہ و رسولہ (اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو) امام کلبیؒ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے ای لا تستبقوا رسول اللّٰہ بقول و لا بفعل حتیٰ یکون ھو الذی یامر کم بہ (یعنی رسول اللہ ﷺ سے قول و فعل میں سبقت نہ کرو جب تک کہ وہ ایسا کرنے کا حکم نہ دیں)۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ساتھ ادب کرنے کا یہ حکم صحابہ اور آپ کے رفقا کو اس آیت کریمہ میں دیا کہ لا ترفعوا صواتکم فوق صوت النبی (اپنی آوازیں اونچی نہ کرو نبی کی آواز سے) اور اس کی شان نزول یہ ہے کہ قیس بن شماس اونچا سننے والا اور بلند آواز تھا جب بھی کسی کو بات کرتا تو حضور کو تکلیف ہوتی تھی۔ چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ بھیجی تاکہ دوسرے لوگ بھی ادب کو سیکھیں اور اس پر عمل کریں یہاں تک ہوا کہ حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پیغامبر ﷺ کے سامنے گفتگو کرتے ہوئے نہیں سنا گیا یہاں تک کہ سمجھانے کی حاجت آجاتی اور ایسا ہی امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ حضور رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی بات نہ بولوں گا، ہاں! مگر اس وقت جب کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہوگا۔

تو مریدوں کو پیروں کے ساتھ اور جوانوں کو بوڑھوں کے ساتھ ایسا ہی ادب ہونا چاہئے ہرگز کسی طرح کی گستاخی نہ کریں کبھی بلند آواز سے ان کے سامنے گفتگو نہ کریں اور نہ زیادہ ہنسیں اور نہ زیادہ بولیں، ہاں! جب کہ بڑے بوڑھے یا پیران خود کسی کو گستاخ بنالیں تو یہ اور بات ہے۔

پیر کی عظمت کا معاملہ

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ رسالہ امام قشیریؒ میں مرقوم ہے کہ جس شخص سے اس کا پیر خوشنود، ہو جب تک اس کا پیر زندہ ہے اس کا بدلہ نہیں ملتا، تاکہ اس کے شیخ کی عظمت اس کے دل سے زائل نہ ہو جب اس کے پیر کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کو پیر کی خوشنودی کا ثمرہ ملنا

شروع ہو جاتا ہے اور اگر کسی کے پیر کا دل مرید سے رنجیدہ ہو تو بھی جب تک وہ پیر زندہ ہے اسے کسی طرح پر نقصان پہنچنے نہیں دیتا کیونکہ اس کے پیر کی شفقت اور مہربانی کا یہ تقاضہ ہوتا ہے کہ وہ مرید کرم کا محتاج ہے جب وہ شیخ انتقال کر جاتا ہے تو پھر اس کو پیر کی رنجش کا نقصان پہنچنے لگتا ہے۔

بزرگوں کی عظمت اور ادب

پھر اسی طرح کی حکایت بیان ہوئی کہ ایک دفعہ خواجہ شقیق بلخی اور خواجہ ابوتراب نخشبی رحمہم اللہ خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے مہمان ہوئے جب کھانا چنا گیا ایک جوان جو حضرت بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ اسے ان دونوں بزرگوں نے کہا کہ اے جوان آتو بھی کھانے میں شریک ہو، اس جوان نے کہا میں روزہ میں ہوں۔ خواجہ ابوتراب نخشبیؒ نے کہا کھالے اور ایک مہینہ کے روزہ کا ثواب حاصل کرلے اس جوان نے نہیں کھایا پھر خواجہ شقیق بلخیؒ نے فرمایا آ کھالے اور ایک سال کے روزہ کا ثواب حاصل کرلے پھر بھی اس خادم نے نہیں کھایا۔ خواجہ بایزید بسطامیؒ نے کہا، چھوڑیئے ایسے کو جسے اللہ نے اپنی حفاظت سے علاحدہ کردیا ہے۔ اس کے بعد ابھی ایک سال بھی نہیں گذرا تھا کہ وہ چوری کے الزام میں گرفتار ہوا اور اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے۔

بزرگوں کے واقعات سے سبق لیں

حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ اگر کسی مرید کو یا کسی شخص کو بزرگوں کے معاملہ میں کوئی چیز دشوار معلوم ہو تو کیا کرے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اگر پیروں یا بڑے بوڑھوں کا کوئی حال یا کام ایسا ہو جو مرید کو یا جوانوں کو دشوار معلوم ہو اور اس کی سمجھ میں نہ آئے تو ایسی صورت میں جناب موسیٰ اور خضر علیہم السلام کے قصہ کو یاد کرے کہ کس طرح خواجہ خضر نے وہ چند کام کئے جس سے جناب موسیٰ علیہ السلام کی سمجھ میں نہیں آیا اور ان کو انکار پیدا ہوا۔ پھر جب خواجہ خضر نے اس کے اسرار اور راز کو ظاہر کردیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس سے توبہ کی۔ تو مریدوں اور جوانوں کو

جو پیروں اور بزرگوں کے کسی کام میں اور ان کے حال میں دشواری معلوم ہوتی ہے تو سمجھ میں نہیں آتا، یہ تو محض علم کی کمی کے سبب سے ہوتا ہے ان سے جو ایسی چیز وجود میں آرہی ہے اس کی ایک حقیقت ہے اور ان مریدوں اور جوانوں کو اس میں عذر و اعتراض علم اور حکمت کے نہ ہونے کے سبب سے ہے۔

استاد اور بزرگ کا ادب کریں

اور یہ قصہ بیان فرمایا کہ خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے کسی نے ایک دفعہ حضرت سے ایک مسئلہ پوچھا۔ حضرت جنید بغدادی نے مسئلہ کا جواب دیا اس مرید نے اس جواب پر اعتراض کیا، خواجہ جنید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر مجھ پر اعتماد نہیں تو میرے پاس سے دور ہو جاؤ۔

اور ایک بزرگ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص استاد سے یہ کہے کہ ایسا کیوں، ایسا کیوں نہیں تو وہ شخص کبھی بھی فلاح نہیں پاتا۔

اور کہا گیا ہے کہ مریدوں اور جوانوں کے لئے یہ ادب لازم ہے کہ اگر وہ پیروں یا بزرگوں سے کوئی بات کریں خواہ وہ بات دینی ہو یا دنیاوی تو کلام کرنے میں جلدی نہ کریں اور نہ ان کے پاس جانے میں، جب تک بزرگان کے حال سے یہ نہ معلوم کرلیں کہ میری گفتگو سننے کے لئے تیار ہیں اور فارغ ہیں۔ اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ایسا ہی ادب چاہئے جیسا کہ دعاء وغیرہ کے لئے اوقات مقرر ہیں اور اس کے آداب ہیں اور بہت ساری شرطیں ہیں، اس لئے کہ دعاء میں وہ حق سبحانہ تعالیٰ سے مخاطب ہے ایسا ہی بزرگوں سے گفتگو کرنے کے بھی آداب و شروط ہیں اور یہ سب بھی تمام معاملات خداوندی ہیں اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے کے قبل اللہ ہی سے ادب کی توفیق طلب کرے کہ پروردگار مجھے توفیق عطا فرما اس چیز کی اور اس ادب کی جو تجھے پسندیدہ ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ نے صحابہ اکرام کو حضور ﷺ کے ساتھ گفتگو کرنے میں ادب کا لحاظ رکھنے کے لئے تنبیہہ کی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ یا ایھا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقة (اے ایمان والو جب

تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے صدقہ دے لو) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضور ﷺ سے بہت زیادہ سوال کیا کرتے اوران کواپنے سوال کے جواب پانے میں مشکل ہو جاتی تو تقاضہ شروع کر دیتے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کوادب بتایا اور حضور ﷺ سے فرمایا کہ ان سے راز کی باتیں نہ کہیں جب تک کہ اس سے قبل صدقہ نہ دے لیں ابتدائے زمانہ میں ایسا ہی تھا جب یہ اصحاب کے لئے بہت دشوار ہو گیا تو اللہ رب العزت نے کرم فرمایا اور رخصت ہوئی یہ آیت منسوخ ہوگئی لیکن احترام وفوائد جوادب کے بارے میں ہے وہ باقی ہے۔

تمام اعضائے انسانی کے اداب ہیں

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ جان لینا چاہئے کہ ہر عضو کے لئے ایک ادب اور وہ عضواس ادب کے لئے مخصوص ہے اور بعض مشائخ کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے ساتھ حسن ادب یہ ہے کہ تمہارے اعضاء میں سے کوئی عضو بھی خداوند تعالیٰ کے رضا کے خلاف جنبش نہ کرے اور زبان کا ادب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ خداوند تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے اور اپنے بھائی کی اچھائی بیان کرے اوران کے لئے دعا کرتا رہے۔ انہیں پند ونصیحت کیا کرے اور ایسی بات ان سے نہ کرے جس سے انہیں کبیدگی پیدا ہو۔ اور ہر موقع پر کلام موافق ماحول کے کرے کیونکہ بزرگوں کا قول ہے "بکل مقام مقال"۔

کان کا ادب یہ ہے کہ فحش گانا بری باتیں اور معیوب قسم کی گفتگو سننے سے پرہیز کرے بلکہ ذکر خداوند تعالیٰ وعظ، نصیحت اور علم وحکمت اور جن باتوں سے دین ودنیا کا فائدہ ہے اس کے سننے میں مشغول ہو۔

اور آنکھ کا ادب یہ ہے کہ غیر محرم کے دیکھنے سے نگاہ نیچی کر لے اور لوگوں اور بھائیوں کے عیوب اوران کے گناہوں کی پردہ پوشی کرے۔

اور ہاتھ کا ادب یہ ہے کہ داد ودہش اور بذل واحسان میں ہاتھ کشادہ رکھے، عزیز و اقارب اور بھائیوں کی خدمت کرے، لوگوں کے گناہوں کے کام میں مدد نہ کیا کرے۔ اور

پاؤں کا ادب یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اور اپنے نفس کی اصلاح اور خویش و اقارب کی امداد کے لئے کھڑا رہے۔ ہاں! ان کے معاصیت اور گناہوں کے کام میں ان کی استعانت نہ کرے۔

اور دل کا ادب یہ ہے کہ اچھے احوال کی نگہبانی کرتا رہے اور برے خیالات کو دل سے نکالتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایتوں، اس کی نعمتوں اور عجائبات خلقت خداندی میں غور وفکر کیا کرے اور دل کا ادب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھے اور جملہ مومنوں کے ساتھ اچھا خیال رکھے اور دل کو غل، غش، حسد، خیانت اور برے عقیدوں سے پاک وصاف رکھے' اور جتنے برے عقائد ہیں وہ سب کے سب دل کی خیانت میں داخل ہیں۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے ارشاد فرمایا یہاں پر اس کی ایک اصل ہے اسے جان لینا چاہئے وہ یہ ہے کہ تمام اعضاء کی صلاح، دل کی صلاح سے وابستہ ہے اور تمام اعضاء کا فساد بھی دل ہی سے لگاؤ رکھتا ہے اور شرع اس پر وارد ہے کہ ' الا ان فی جسد المضغة اذا صلحت صلح الجسد بصلاحها و اذا فسدت فسد بفسادها سائر الجسد کله الا وهی القلب (آدمی کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو اس کی درستگی سے تمام بدن درست ہو جاتے ہیں اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن تباہ ہو جاتے ہیں اور وہ دل ہے) اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا دل کا معاملہ بڑا مشکل ہے اور اس تک پہنچنا بے حد دشوار ہے دل وہ خزانہ ہے کہ جو اس خاکداں میں مدفون ہے خواجہ نظامیؒ نے اپنے اس شعر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

خاک تو آمیختہ رنجہا بر سر ایں خاک بسے گنجہا

اور فرمایا دل خداوند تعالیٰ کے دیدار کا آئینہ ہے جیسا کہ خواجہ عطار رحمۃ اللہ نے کہا ہے ؎

بادشاہ خویش را در دل ببیں عرش رازد ذرّہ حاصل ببیں
تا بہ بینی بردے آں در دل نگر ہست دل آں آئینہ در دل نگر
گرتو میداری جمال یار و دوست دل برانہ کائینہ دیدار اوست

یہ وہ اشارہ ہے جو دل کے متعلق انہوں نے کیا ہے ورنہ درحقیقت کس کا زہرہ ہے کہ دل کے بارے میں کچھ کہہ سکے یا کچھ لکھ سکے، خواجہ حسن کا یہ شعر اس بارے میں کیا خوب ہے ؎

اے حسن ایں چہ مینویسی تو　　　قلم آہستہ دار فرماں نیست

دل تین طرح کے ہیں

حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا سارا دل ایک طریقہ پر ہے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ خواجہ سری سقطیؒ فرماتے ہیں دل تین طرح کے ہیں، ایک مثل پہاڑ کے ہے، اسے کوئی شخص ہلا نہیں سکتا اور دوسرا درخت کے مانند ہے کہ جسے ہوا دائیں بائیں ہلا دیا کرتی ہے' تیسرا وہ دل ہے جس کی مثال چڑیوں کے پر کی ہے جو صحرا میں پڑا ہوا ہو۔ ہوا جس طرف چاہے اڑا کر لے جائے اسے کہیں قرار نہیں۔

دریا اور تالابوں پر اللہ والوں کا حکم

شمس الدین خوارزمی مسافر مجلس شریف میں حاضر تھے انہوں نے سوال کیا کہ ایک تیز رو بے باک وشوخ دریا تھا جس کی تیزی بڑھی ہوئی تھی کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے دریاؤں کو تنبیہ وادب کیا ہے اور درّہ مارا ہے تا کہ اس سے لوگ سیراب ہوں لیکن جب اس دریا کے پاس حضرت کا گذر ہوا تو اس کو کچھ نہ کہا، ویسے ہی اس کے پاس سے گذر گئے اور فرمایا کہ چھوٹا ہے۔

''دریا اور اس کے پانی کو حکم دینا یہ کس طور پر ہوا؟''

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ اسی طریقہ پر ہوا ہوگا جیسا کہ تفسیر میں ہم نے دیکھا ہے کہ فرعون دریائے نیل کے کنارے پہنچا اور کہا کہ الٹا رواں ہو، رود نیل الٹا بہنے لگا اور جب کہا کہ رک جا تو رک گیا اس کے بعد ایسا ہوا کہ دریائے نیل سال میں ایک بار رک جایا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کے خلافت کا زمانہ آیا لشکر اسلام نے مصر پر چڑھائی کی اور مصر کو فتح کر لیا اس سال دستور قدیم دریا رکا ہوا تھا اہل اسلام یعنی امیر المومنین کے جو لوگ مصر میں رکے ہوئے تھے اور وہاں موجود تھے اہل شہر کو ان لوگوں نے جمع کیا، ان

سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے کہ ہر سال دریا رک جاتا ہے اور پھر کس وجہ سے بہنے لگتا ہے؟ شہر والوں نے کہا ہر سال جب دریا رک جاتا ہے تو ہم لوگ دو آدمی اس میں زندہ ڈال دیتے ہیں اس کے بعد یہ رواں ہو جاتا ہے، اہل اسلام نے جب یہ قصہ سنا تو کہا آدمی کو بھینٹ چڑھانا کیا؟ معنی کیا؟ ہم خود بلا اس کے ایسا نہیں کر سکتے، عین اس واقع کو خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں لکھ کر بھیجنا چاہئے دیکھیں کیا حکم ہوتا ہے؟ چنانچہ تمام قصہ امیر المومنین کی خدمت میں لکھ کر بھیجا گیا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کاغذ کے ایک ٹکڑا پر یہ لکھ کر بھیج دیا کہ "میں خلیفہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اگر تو مطیع اور فرمان بردار ہے تو میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اللہ کے حکم سے فوراً رواں ہو جا" اس رقعہ کو لے کر دریا پر گئے اور پانی میں ڈال دیا، رقعہ کا ڈالنا تھا کہ اسی وقت دریا بہنے لگا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا دریا اور اس کے پانی کو ادب کرنا اسی طور پر ہوتا ہے اسی طرح کسی قصبہ یا شہر میں ایک تالاب یا نہر تھا جس کا پانی پینے سے لوگ ہلاک ہو جاتے تھے، ایک درویش صاحب ولایت وہاں پہنچے ان سے لوگوں نے کہا انہوں نے پانی کو حکم دیا وہ شیریں ہو گیا اور اس سے وہ زہریلی تاثیر زائل ہو گئی۔ اپنے اصلی حالت پر لوٹ آیا ایسا کہ لوگ اس سے پانی پیتے اور ہلاک نہیں ہوتے تھے پانی کو تنبیہہ کرنا اس طرح پر بھی ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد پھر شمس الدین صاحب مذکور نے عرض کیا منقول ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درّہ بھی لگوایا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ میری نظر سے یہ نقل نہیں گذری ہے اگر روایت آئی بھی ہوگی تو بہت ہی کم اور اس کا فائدہ بھی کیا ہوگا؟ جمادات کو درّہ لگانا بے سود اس لئے ہے کہ درّہ لگانے کا مقصد جسم کو تکلیف کا احساس دلانا ہے پانی کو کیا دکھ پہنچے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر ہو بھی تو دوسرا کوئی مطلب ہوگا جو میری سمجھ میں نہیں آتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔



ترسٹھواں باب

وعدہ اور وعید کے تذکرہ اور شیطان پر لعنت کے بیان میں

قرآنی وعید کے دراصل مخاطب امت محمدیہ ہیں

مجلس شریف میں قاضی منہاج الدین درون حصاری نے گذارش کی کہ لئن اشرکت لیحبطن عملک (اگر آپ ﷺ نے کرلیا تو آپ ﷺ کے اعمال رائگاں جائیں گے) یہ آیت رسول علیہ السلام کے بارہ میں آئی ہے اور رسول علیہ السلام شرک سے معصوم ہیں تو کیسے یہ بات آپ کے لائق ہوگی؟ اور حضور ﷺ کے متعلق یہ محال ہے۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ محال ہے کیا؟ محال یہ ہے کہ ممکن نہ ہو، بر بنائے عقل کسی چیز کا وجود مان لینے کو اسی طرح جائز کہا ہے یہ کہ ممکن ہو عقل میں اس کا وجود مان لینا اور یہ کہ ایک چیز کا ہونا مان لیا جائے اور نہ ہونا مان لیا جائے اپنی ذات میں اس کو جائز کہتے ہیں یعنی وہ چیز جس کا علم خداوندی سے یا تقدیر خداوندی سے یا عصمت خداندی سے لگاؤ کیا

جائے تو اسی کو امکان میں شمار کیا جائے گا اور اسی موقع پر کسی وجود یا عدم وجود کو لگاؤ پیدا کیا تو وہ بھی جائز میں شمار ہوگا مثلاً اسی موقع پر کسی چیز کا وجود مانا جائے اور عصمت مانی جائے تو یہ جائز ہوگا بشری تقاضوں کے لحاظ سے جیسا کہ توحید اور اس طرح کے مسائل کے بارہ میں بحث آتی ہے مثلاً فرعون اور نمرود اور اس جیسے دوسروں کے حق میں ایمان کا ہونا اگر چہ ان کے لئے ایمان کا ہونا محال ہے۔ بہ نسبت تقدیر و علم خداوندی کے لیکن اس اعتبار سے کے بشر ہیں بلا اس کے کہ نسبت کریں علم و تقدیر کے ساتھ ان چیزوں کا امکان ماننا ممکن ہوگا اور نہ ہونا کیونکہ ان کے کفر کی وعید ہے۔ اور دوسری بات جو اصل ہے وہ یہ ہے کہ یہ وعید اور دوسری وعیدیں جس میں آپ ﷺ مخاطب ہیں وہ دراصل غیروں کی تنبیہہ کے لئے آئی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا تفسیر میں یہ گفتگو بھی آئی ہے کہ وہ وعید جو کہ رسول علیہ السلام کے تذکرہ میں ہے کیسے حضور ﷺ سے مطابقت کی جائے گی جبکہ حضور ﷺ معصوم ہیں اس کا جواب بھی اسی موقع پر ہے کہ وعدہ اور وعید کے تحت میں جو نہیں آتا ہے وہ خداوند عز و جل ہے رسول ﷺ بندہ تو ہیں اور بندے وعدہ و وعید کے تحت میں آتے ہیں اور ایسا ہی نہیں جو رسول علیہ السلام کے حق میں وارد ہوئی ہے اس کا بھی جواب یہی دیا گیا ہے امر و نہی کے تحت میں جو نہیں آتا ہے وہ حق سبحانہ تعالیٰ ہی ہے رسول علیہ السلام چونکہ بندہ ہیں تو امر و نہی کے تحت میں آنے کی بات آئے گی۔

حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا کہ وعدہ میں تمام مومنین برابر ہیں؟

وعید خود کے لئے اور وعدہ دوسرے مومن کے لئے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا یہ مسئلہ دو طور پر ہیں، ایک یہ کہ صرف ایمان کی بنا پر بہشت میں داخل ہونے کا وعدہ ہے اس میں تمام مومن برابر ہیں، جس طرح ایمان میں سب مومن برابر ہیں اور دوسرے یہ کہ بہشت میں درجات یہ وعدہ کے عمل سے متعلق ہے اس میں فرق ہے جیسا کہ عمل میں فرق ہے۔ پھر فرمایا کہ وعدہ اور وعید کا حکم علم ظاہر سے سبھی کو معلوم ہے لیکن اس گروہ کی روش وعدہ اور وعید میں باوجود ان کی پاکبازی اور صداقت کے دوسری ہی ہے تمام امیدیں یہ دوسروں کے حق میں رکھتے ہیں اور جملہ خوف اپنے حق میں ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ ساری وعیدیں انہیں کے حق میں آئی ہیں اور تمام کے تمام وعدے دوسروں کے لئے ہیں۔ دوسروں کے لئے نیک گمان رکھتے ہیں اور اپنی ذات میں اس حد تک خوف زدہ وبدگمان ہیں، اور یہ اس گروہ صوفیاء کے لئے زبردست اصل ہے پھر یہ شعر ارشاد ہوا ۔

گر حجاب تو بروں از حد است　　　　ہیچ حجاب تو ز پندار نیست

پردہ پندار سوز و بداں　　　　دردو جہانت بہ از یں کار نیست

یہاں تک کہ اس گروہ کے اکابر کہتے ہیں کہ بندہ ایمان کی حقیقت کو اس وقت پہنچتا ہے کہ جب اس کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ آسمان سے جتنی بلائیں نازل ہوتی ہیں ان کو اپنی نحوست کے سبب سے سمجھتے ہیں اور اگر ان کو خود نیکی اور راحت پہنچتی ہے تو سمجھتے ہیں کہ یہ اور لوگوں کے طفیل میں مجھے ملی ہیں حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کے یہاں مثنوی کے دو شعر پڑھے ۔

ز تو گر انصاف آید در وجود　　　　بہ زعمرے در رکوع و در سجود

خود فتوت نیست دیگر در جہاں　　　　برتر از انصاف دادن در جہاں

اس کے بعد یہ حکایت بیان ہوئی کہ خواجہ فضیل عیاضؒ سے پوچھا کہ عرفہ کی شب لوگوں کا کیا حال رہا انہوں نے فرمایا کہ رب کے سبب بخشے گئے ہیں اگر ان لوگوں کی بخشائش نہیں ہوتی تو وہ محض میری ہی شامت کے سبب سے نہیں ہوتی چونکہ میں بدترین خلائق ہوں اس موقع میں حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے یہ شعر ارشاد فرمایا ۔

نیست از تو یک نفس خوشنود دوست　　　　از تو ہستی یک نفس خوشنود خویش

ہمہ از دست غیر نالہ کنند　　　　سعدی از دست خویشتن فریاد

شیطان پر لعنت ہمیشہ ہمیش کیوں؟

مولانا نظام الدین دروں حصاری ماہ شعبان کی تہنیت کے لئے مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ اس آیت ''وان علیک لعنتی الیٰ یوم الدین '' (اور بیشک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک) معنی میں وضاحت کی ضرورت ہے کہ لعنت اس کے حق میں ابد تک کیونکر ہوتی ہے۔

تفسیر امام زاہد میں بس اسی قدر مرقوم ہے کہ ہر وہ چیز جو انتہا سے وابستہ ہے اس کے معنی قیامت تک کے آتے ہیں یہ اس مردود کے لئے تھا اس عبارت سے تشفی نہیں ہوئی اس کے لئے کوئی مثال ہونی چاہئے تھی یہاں پر دی نہیں گئی ہے۔

اس کے بعد مولانا نظام الدین چند طور پر اس کا جواب دیتے رہے۔ آخر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کوئی دوسری چیز پیش کیجئے کیونکہ اس کا یہ جواب نہیں ہوا۔ پھر مولانا نظام الدین نے کہا کہ اور آیت اس کے حق میں خلود کے بارہ میں آئی ہے۔ اس پر حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ لعنت ابدی اس آیت سے ثابت ہوتی ہے نہ اس آیت سے؟ اور بدی لعنت کا ثبوت اس آیۃ سے ہونا چاہئے یہ گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ قوال جو مجلس شریف میں حاضر تھے انہوں نے سماع شروع کیا اور سماع میں یہ شعر پڑھا ؎

چوں کساں گر لائق رحمت نہ ایم! لعنتے بفرست بر مانا کساں!

معلم الملکوت ہونا چاہیے

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ کو اس شعر پر بے حد ذوق پیدا ہوا۔ اور بے انتہا اشکبار ہوئے، سماع کے ختم ہونے کے بعد فرمایا کہ معلم الملکوت ہونا چاہئے تاکہ لعنت اس کے لائق ہو، اس کے بعد فرمایا عجب معاملہ ہے کہ ایک ملعون ہوتا ہے مارا جاتا ہے اس پر اسے اس درجہ فخر ہے اور یہ دعویٰ ہے کہ میرے معشوق نے مجھے کسی قابل تو سمجھا اور یاد تو رکھا، خواہ کالی کمبل دے خواہ سپید سب ایک ہے، فرق تو خام کاری کچے ہونے کے سبب ہے کیونکہ دوست کے ہاتھ سے جو بھی ملے حنظل، اندرائن ہو یا شہد وشکر ہو یا زہر لطف ہو یا قہر سب یکساں ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

از تفاوت باشدت از دست شاہ سنگ با گوہر نہ تو مرد راہ

گر عزیز از گوہرے وز سنگ خوار پس ندارد شاہ اینجا باتو کار

سنگ گوہر را نہ دشمن واں نہ دوست ایں نظر کن تو کہ آں از دست اوست

گر ترا سنگے زند معشوق مست بہ کہ از غیرے گہر آری بدست

کہتے ہیں کہ اس ہجراں نصیب راندہ درگاہ کو اس لعنت پر چنداں ناز ہے کہ کسی

دوسرے کے طرف رخ نہیں کرتا۔ایک دفعہ کسی نے اس کو دیکھا، کہا کہ لعنت کی یہ سیاہ کمبل کا ندھے سے کیوں نہیں اتار پھینکتا؟ اس نے جواب دیا ؎

می نفروشم گلیم می نفروشم — گر بفروشم برہنہ ماند دوشم

اس کے بعد فرمایا ارباب محبت اور اصحاب معرفت کو ابلیس کے اس حال سے ایسی غیرت ہوتی ہے کہ اس سوز میں جلتے رہتے ہیں کہتے ہیں کہ مجھ جیسوں کی اس گلی میں گذر نہیں اور نہ اس کی ہوا بھی لگی ہے۔جیسا کہ امام شبلی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

جاں من از ہر دو عالم چشم دوحت — ایں زماں از غیرت ابلیس سوخت

چوں خطاب لعنتی او راست بس — ایں اضافت آید افسوسم بکف

اور فرمایا کہ یہ شعر بھی یہاں پر اسی مناسبت سے ہے ؎

مرا افسوس می آید کہ تیرے میخورد دشمن

من آخر دوستم جاناں دلم خوش کن بہ بیگانے

لیکن یہ عالم ہی دوسرا ہے اور اس عالم کے لئے لوگ ہی دوسرے ہیں ہر شخص کی اس عالم میں گذر نہیں اور یہ شعر ارشاد ہوا ؎

ہر گدائے مرد سلطان کے شود — پشۂ آخر سلیماں کے شود

شیطان ملعون کیونکر ہوا؟

حاضرین مجلس میں سے کسی نے گذارش کی کہ گنہگاراں گناہوں کے سبب سے لعنت ابدی کے مستحق نہیں ہیں شیطان سجدہ نہ کرنے کے باعث گنہگار تھا لعنت کا مستحق کیونکر ہوا؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا وہ خداوند تعالی کی حکمت کے نفی کرنے سے کافر ہوا کیونکہ اس نے کہا کہ خلقتنی من نار و خلقته من طین (تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے) یعنی اس میں کوئی حکمت نہیں ہے کہ جو جوہر شریف سے بنا ہے وہ اس کو سجدہ کرے جو جوہر کثیف سے ہوا ہے وکان من الکافرین (اور وہ تھا ہی کافروں میں) ای صار من الکافرین (ہو گیا کافروں میں سے) اس معنی کی تائید میں ہے اور فرمایا کہ لعنت کے معنی رحمت حق

سبحانہ تعالیٰ سے دور ہونا ہے، اللہ پناہ میں رکھے! اور رحمت سے دوری دو طریقہ پر ہے۔ ایک رحمت خداوندی سے مطلقاً دوری ہے اور یہ کافر کے حق میں ہے، دوسرے رحمت خداوندی سے مقید دوری ہے۔ اور مطیع کے حق میں رحمت سے دوری کے معنی یہ نہیں ہیں کہ رحمت سے مطلق دوری ہے، مقید دوری رحمت مومن گنہگاران کے حق میں ہے جیسے کہ **لعن اللّٰہ الناظر والمنظور الیہ** اور دوسرے **المحتکر ملعون** (ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے)۔

ہر وہ وعید جو عاصی کے حق میں ہے اسی طور پر ہے جیسا کہ کہا گیا اس کے بعد قوالوں نے سماع شروع کیا اور یہ شعر سماع میں آ گیا ؎

دل را سپر ناوک مژگاں تو کردہ ام ‏ ‏ ‏ ‏ تا غمزہ خونخوار تو بیکار نباشد

دوست کی بے نیازی

اس سماع کی مجلس کے ختم ہونے کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا غمزہ و خونخوار کی صفت کو بے خوفی و بے نیازی پر محمول کریں گے اس لئے کہ قہاری و بے نیازی کا خاصہ ہی قتل، غارت، رد، دُردرانا اور مارنا، نگاہ سے گرا دینا وغیرہ ہے اور عشاق کے اس گروہ کو اس قہر کی لت ہوتی ہے وہ عادی ہوتے ہیں اسی میں انہیں مزا ملتا ہے ایسی باتیں سنتا وہی ہے اور اس گروہ کو اس میں وہی سب پیش آتا ہے مگر اور دوسرے لوگ جنہوں نے اس قہر کا مزا ہی نہیں چکھا ہے انہیں اس طرح کے اشعار سے یا ایسی باتوں سے کیا ذوق پیدا ہوگا؟ اگر سمجھیں گے بھی تو علم کے ذریعہ سمجھیں گے قہر حالی کی لت کو وہ کیا جانیں، اس موقع پر حضرت مخدوم نے یہ شعر پڑھا ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست ‏ ‏ ‏ ‏ حال شیرا نے کہ شمشیر بلا بر سر خورند!

پھر مثنوی کے یہ دو شعر ارشاد ہوئے ؎

انچہ ایشاں رادریں رہ رخ نمود ‏ ‏ ‏ ‏ کے تواند شرح آن پاسخ نمود

چوں ترا دیوانگی آمد پدید ‏ ‏ ‏ ‏ ہرچہ تو گوئی بداں نتواں شنید

مومن کے لئے ہمیشہ دوزخ نہیں

خاکسار نے گذارش کی کہ وہ گنہگار مومن جو اس عالم سے بغیر توبہ کے گیا اس کے

متعلق کیا حکم ہی وعدہ کے تحت میں آوے گا یا وعید کے؟

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا اہل سنت و جماعت کا مذہب اس بارہ میں یہ ہے کہ اسے رکا رکھیں گے نہ وعدہ مطلق دیں گے، نہ وعید مطلق اور اس کے لئے حکم مشیئت کے ساتھ معلق ہے اگر مشیئت ہوگی تو بخش دیں گے اور یہ فضل کے رو سے ہوگا، یا چاہیں گے تو عذاب کریں گے اور یہ از روئے عدل ہوگا، ہمیشہ ہمیش کے لئے دوزخ کا عذاب مومن کے لئے نہیں ہے خواہ وہ کیسا ہی عاصی ہو، اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بڑی امید افزا یہ حدیث شریف ہے کہ کل قیامت کے دن مومن کو عذاب کیونکر ہوگا جب عذاب ہی نہیں ہوگا تو خلود جہنم کیا معنی؟

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور اکرم ﷺ نے **امتی امة مرحومة لا عذاب علیها فی الاٰخرة عجل عقابها فی الدنیا الزلازل والفتن فاذا کان یوم القیامة دفع لکل رجل من امتی و رجل من اهل الکتاب فقبل هذا فدائک من النار** (یعنی میری امت، امت مرحومہ ہے آخرت میں ان پر عذاب نہ ہوگا ان کی عقوبت سزا دنیا ہی میں دست بدست ہے اور وہ زلزلے، فتنے ہیں پس جب قیامت میں ہوں گے میری امت میں سے ہر ایک شخص اور ایک مرد اہل کتاب میں سے میرے سپرد ہوگا کہ یہ آپ پر نچھاور ہیں آگ کی عذاب سے اور یہ شعر زبان گوہرفشاں سے ارشاد ہوا ؎

از درت گر یک شفاعت در رسد   معصیت را مہر طاعت در رسد

نقل ہے کہ حضور ﷺ ہمیشہ اپنی امت کے حال سے خوف میں رہتے تھے یہاں تک کہ حضور ﷺ سے اللہ رب العزت نے کہا کہ یہ آیت **ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ** (آپ کو عنقریب دیگا آپ کا پروردگار پس آپ راضی وخوش ہو جائیں گے) آپ کے لئے بھیجی گئی اس پر بھی آپ ﷺ راضی نہیں ہیں تفسیروں میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ محمد ﷺ ہر گز راضی نہیں ہوں گے جب تک میری امت کا ایک فرد بھی دوزخ میں رہے گا۔

حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس کلام پر یہ شعر پڑھا ؎

روزم تو بر فروز شبم را تو نور بخش　　　این کارتست کارمہ وآفتاب ونیست

اور یہ آیت تلاوت کی گئی قل یاعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا (کہہ دیجئے اے محمد ﷺ میرے ان بندوں سے جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے گناہ کبیرہ اور فواحش کے مرتکب ہوئے ہیں وہ لوگ خدائے تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں کیونکہ خدائے تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔) یہ سارے عالم کے لئے کافی ہے اور یہ شعر ارشاد ہوا ؎

نیستم نومید ہستم بے قرار　　　بوکہ در گیرد یکے از صد ہزار

خلق می ترسند از تو من ز خود　　　کز تو نیکو دیدہ ام از خویش بد

اپنی امت سے حضور ﷺ کی والہانہ محبت

تفسیر امام زاہد میں روایت ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ معراج کی رات مقام قاب قوسین میں تشریف لے گئے تو فرمان ہوا، سل تعط مانگئے کیا مانگتے ہیں کہ وہ میں دوں! عرض کیا کہ الٰہی امتی امتی، پروردگار میری امت میری امت، ارشاد ہوا ایک تہائی امت آپ کے حوالہ ہوئی، پھر حکم ہوا سل تعط مانگئے کیا مانگتے ہیں کہ وہ میں دوں! پھر عرض کیا الٰہی امتی امتی اے میرے اللہ میری امت میری امت فرمان ہوا ایک تہائی امت اور آپ کو دی پھر ارشاد ہوا سل تعط طلب کیجئے کیا طلب کرتے ہیں تا کہ میں عطا کروں، گذارش کی الٰھی امتی امتی، یعنی اے میرے اللہ ایک تہائی امت جو میری باقی ہے اس کے لئے امیدوار ہوں فرمان اللہ رب العزت جل شانہ ہوا وہ ایک تہائی امت میری بخشش اور آپ کی شفاعت کے لئے رکھی گئی ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ قوی امید ہے کہ وہ بھی بخشی جا چکی ہے، حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے اس موقع پر یہ شعر پڑھا ؎

قطرۂ زآب رحمت تو بس است　　　شستن نامۂ سیاہ ہمہ

پھر فرمایا سبحان اللہ شرف ایمان ہوتے ہوئے عذاب کی گفتگو کیا ہے پھر اس پر خلود جہنم کا کیا ذکر؟

ولی کی عظمت

روایت ہے کہ حضور رسالت پناہ ﷺ نے فرمایا کہ ان اللّٰہ شرف الکعبۃ و عظمھا ولوان عبداھدمھاحجراً حجراً ثم احرقھاما بلغ جرم من استخف لولی من اولیاء اللّٰہ قال الا عرابی من اولیاء اللّٰہ قال المومنون کلھم اولیاء اللّٰہ ما سمعت قول اللّٰہ عز وجل اللّٰہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور یعنی حق سبحانہ تعالیٰ نے کعبہ کو معظم اور مشرف گردانا ہے اور یہ سچ ہے اور درست ہے کہ اگر بندہ اس کو ویران کرے ایک ایک پتھر کو پھر اس کو جلا دے اس کا جرم اس کو نہ پہنچے کہ اللہ کے ولیوں سے کسی ولی کو بے عزت وحقیر کیا جائے یعنی ایسا گناہ نہیں جیسا کہ اللہ کے ولیوں میں سے کسی کو ذلیل وخوار کرنے کا گناہ ہے، اعرابی نے پوچھا خدا کے ولی کون لوگ ہیں ارشاد نبوی ﷺ ہوا تمام مومنین اولیا اللہ ہیں کیا تم نے نہیں سنا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ خدا کے دوست وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں وہ ان کو تاریکی سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے۔

اور بعض جگہ آیا ہے کہ المومن افضل من الکعبۃ (کہ مومن کعبہ سے افضل ہے) اور حضرت معاذ بن جبل اور انس بن مالک رضوان اللہ علیہم نے روایت کی ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ سے کہ انہوں نے فرمایامن قال لا الہ الا اللّٰہ دخل الجنہ و من کان اخر کلامہ لا الہ الا للّٰہ لم تمسہ النار من لقیٰ اللّٰہ لا یشرک بہ شیاء و حرمۃ علیہ النار من کان فی قلبہ وزن ذرۃ من الایمان جس نے لا الہ الا اللّٰہ کہا وہ بہشت میں جائے گا۔ جس کا آخری کلمہ لا الہ الا اللّٰہ ہو دوزخ کی آگ اسے چھو نہیں سکتی اور جو خدا کے پاس شرک سے پاک ہو کر ہو گیا آگ اس پر حرام کر دی گئی اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا کہ آیات قرآنی، آثار، اخبار احادیث نبوی ﷺ اس بارہ میں اتنے زیادہ ہیں کہ احاطہ وشمار میں نہیں آسکتے۔



☆﴿تمت الترجمہ﴾☆

ترجمہ ضمیمہ از معدن المعانی مطبوع

نقل ہے کہ فیروز شاہ تغلق بادشاہ کو جزام کا مرض لاحق ہوگیا تھا۔ ہزار دعاء اور دوا کی لیکن شفانہیں ہوئی۔ اپنے مرض سے نہایت عاجز و پریشان تھا اسے معلوم تھا کہ سرزمین بہار میں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین ولیء کامل ہیں اعتقاد پیدا ہوا اور یہ خیال دل میں گھر کر گیا کہ وہاں چلیں اور شفا کی درخواست کریں۔ اسی اعتقاد کو دل میں لئے ہوئے وہ روانہ ہوا جب قریب بہار کے پہنچا تو مخدوم جہاںؒ اس وقت خانقاہ شریف میں مشغول یاد الٰہی تھے۔ رفقاء نے خبر دی کہ حضرت بادشاہ آپ کے حضور میں حاضر ہو رہا ہے حضرت مخدومؒ نے فرمایا آنے دیجئے۔ اپنی مشغولی سے فراغت کے بعد والدۂ ماجدہ کے مزار مبارک کی زیارت کو تشریف لے گئے۔ وہاں حجرے میں قیام پذیر ہوئے۔ بادشاہ جب خانقاہ پہنچا اس وقت حضرت مولانا مظفر قدس سرہ موجود تھے۔ کہا بادشاہ مہمان ہوکر آیا ہے تواضع ضروری ہے جو کچھ پکا ہوا ہو لاؤ اور پیش کرو۔ اس وقت روٹی اور کچھ پرندوں کے گوشت پکے ہوئے موجود تھے۔ حضرت مولانا نے خود اپنے دست مبارک سے بادشاہ کو پیش کیا۔ بادشاہ کی نظر جب روٹی اور پرندوں کے گوشت پہ پڑی تو دل میں یہ خیال گذرا کہ جس چیز سے مجھے پرہیز ہے وہی چیز کھانے کو ملی ہے کیونکر کھاؤں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے یہاں بھی میری قسمت میں شفانہیں ہے۔ بادشاہ کے دل میں اس شک کا گذرنا تھا کہ حضرت مولانا کو انکشاف ہوگیا، جوش میں آگئے پکے ہوئے پرندوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ بادشاہ شکی ہے نہیں کھائے گا کیوں پڑے ہوئے ہو اڑ جاؤ۔ اس فرمان کے بعد پکے ہوئے پرندے اڑ گئے جب حضرت مولانا حضرت شیخ کی خدمت میں آئے حضرت مخدومؒ نے غصے میں فرمایا کہ آپ کرامت دکھانے آئے کہ بادشاہ معتقد ہو جائے۔ اس خفگی سے لرزہ براندام ہوگئے اور خوف سے پرنالے میں جا کر چھپ گئے۔ اتفاقاً بارش ہوگئی پانی نالے سے نکلنا بند ہوگیا۔ حضرت مخدومؒ عصائے مبارک لے کر نالہ صاف کرنے لگے عصا کا نوک مولانا کی پیشانی میں لگا۔ جب حضرت مخدومؒ نے دیکھا کہ

عصاء پر مولانا کا خون ہے تو فرمایا باہر آیئے۔ وہاں کیا کر رہے ہیں؟ مولانا باہر آ گئے اس وقت حضرت مخدومؒ نے اپنے سینے سے مولانا کو لگالیا اور فرمایا ''تن مظفر جاں شرف الدین، جاں مظفر تن شرف الدین شرف الدین مظفر' مظفر شرف الدین''۔

غرض اسی دن سے اس اسم کی تاثیر اکسیر ہوگئی۔ پھر روٹی اور گوشت بادشاہ کے پاس حضرت مخدومؒ نے بھیجا۔ بادشاہ نے آنکھوں سے لگایا اور تناول کرلیا۔ اسی وقت اسے شفائے کامل ہوگئی اور یہ اسم، اسم اعظم کی مانند ہوگیا۔ تمام مہمات اور مشکلات کے حل کے لئے اور تمام امراض کی شفا کے لئے یہ اسم اسم اعظم ہے۔ جو چاہے کہ اس سے فائدہ حاصل کرے وہ سوا لاکھ اس کا نصاب دے اس کے بعد ہر روز ایک سو چالیس بار اس اسم کو پڑھا کرے۔ انشاء اللہ اس کی تمام مہمات آسان ہو جائیں گے۔

ہاں! حضرت مخدومؒ کے نام فاتحہ پڑھ کر اپنی حاجت عرض کرے حاجت براری کے بعد جو کچھ بھی ہو سکے نیاز کرے۔

ترکیب دیگر

نصاب کے بعد ہر روز اول و آخر تین تین بار درود شریف پڑھے اور گیارہ بار اس اسم کو یوں پڑھے:-

قطب شرف الدین	مولانا شرف الدین	غوث شرف الدین
بابا شرف الدین	مخدوم شرف الدین	شاہ شرف الدین
فقیر شرف الدین	بادشاہ شرف الدین	حضرت شرف الدین
ولی شرف الدین	پیر شرف الدین	

حاجت براری کے لئے اکسیر ہے۔

فقط

